ٹی۔وی ڈرامہ سیریل

(مکمّل)

امجد اسلام امجد

"التحریر" کی مطبوعات

احمد ندیم قاسمی کے شعری مجموعے

محیط - دوام - دشتِ وفا - شعلۂ گل - جلال و جمال - رم جھم

عدم کے شعری مجموعے

آبِ زر - بہتے موتی - دکانِ دل - تصویر گھر - صنعتِ عشق
ہنر بازار - قرضِ عشق - سجدۂ نیاز -

دیگر شعری مجموعے

خوشبو	پروین شاکر
ریگِ رواں	صادق نسیم
قوسِ خیال	بشیر احمد بشیر
ماؤ کی نظمیں	ترجمہ: یحییٰ امجد

مستنصر حسین تارڑ کی تصنیفات

نکلے تری تلاش میں - اندلس میں اجنبی - فاختہ - پکھیرو -
سیاہ آنکھ میں تصویر - خانہ بدوش -

دیگر نثری کتابیں

لبیک	ممتاز مفتی
آنگن	خدیجہ مستور
حسرتِ تعمیر	میرزا ادیب
زرد پتوں کا بن	اختر جمال
شب اور شراب	نگہت لغاری
اُسی شمع کے آخری پروانے	رشیدہ رضویہ
زوال کا دن	نگہت مرزا
اُڑتے بادل	فیروزہ بخاری
اندازِ نظر (تنقید)	فتح محمد ملک

دہلیز

ٹی۔وی ڈرامہ سیریل

دھلیز

(ٹی وی ڈرامہ سیریل)

امجد اسلام امجد

التحریر

اُردو بازار - کبیر سٹریٹ - لاہور

اُردو کتابوں میں جدید اور بلند معیار پیش کرنے والے

بار اوّل دسمبر ۱۹۸۱ء

ناشر : خالد سیف اللہ (التحریر، لاہور)

سرورق : خالد سیف اللہ

مطبع : پرنٹیکس پرنٹرز - لاہور

قیمت : ۴۰ روپے

اشفاق احمد

کے

نام!

دھلیز

ایک دفعہ ایک انٹرویو کے دوران مجھ سے سوال کیا گیا کہ "آپ ڈرامہ کیسے لکھتے ہیں" میں نے عرض کیا کہ دائیں ہاتھ سے ——— یہ میرے بائیں ہاتھ کا کام اس لیے نہیں ہے کہ مجھے بائیں ہاتھ سے لکھنا نہیں آتا ——— اس پر انٹرویو لینے والے صاحب نے دوسرا سوال داغا "اچھا یہ بتائیں آپ ڈرامہ کیوں لکھتے ہیں" اب یہ سوال ایسا ہے کہ ہر دفعہ مجھے PLUS - NO کر دیتا ہے۔

انٹرویو کا پیٹ بھرنے کے لیے اس سوال کے کئی ایک جواب ہو سکتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ مجھے بچپن سے ہی اس کا شوق تھا۔ یا یہ کہ ڈرامہ ایک خود رو پودے کی طرح میری ذات کے لینڈ سکیپ میں اُبھر آیا ہے یا یہ کہ طالب علمی کے دنوں میں کسی واقعے کی وجہ سے میری توجہ اس طرف ہوئی۔ یا یہ کہ ڈرامے کے ذریعے میں اپنے خیالات اور تجربات کا بہتر اور موثر اظہار کر سکتا ہوں۔ یہ سب باتیں اپنی جگہ جزوی طور پر ٹھیک ہو سکتی ہیں اور ہیں۔ لیکن ان سب باتوں کے علاوہ کوئی اور بات کوئی جذبہ کوئی تحریک یقیناً ایسی ہے جو مجھ سے بھی چوری چوری میری تحریروں میں اپنا ظہور کرتی ہے میں اسے اس فورتھ ڈائمینشن سے تعبیر کرتا ہوں جو ہر لکھنے والے کو اس ذاتِ واحد و بے حد کی طرف سے ارزانی ہوتی ہے جس کا سکہ اس پوری کائنات میں چلتا ہے۔

"وارث" کے ضمن میں غیر مشروط اور دہلیز کے حوالے سے مشروط ادار مجھے اتنی فراوانی سے ملی ہے کہ اس کا اقرار اور اظہارِ سپاس نہ کرنا یقیناً ناشکری ہوگی۔ پھولوں اور رنگوں کی اس بوچھاڑ میں الزام اور دشنام طرازی کے چند پتھر بھی تھے جن سے میرے آئینہ دل پر یقیناً کچھ خراشیں آئی ہیں لیکن اپنے کروڑوں چاہنے والوں کی محبت اور اس خیال نے ہمیشہ مجھے حوصلہ دیا ہے کہ حسد کا علاج تو حکیم لقمان کے پاس بھی نہیں تھا ——— غالب نے کیا خوب کہا ہے۔ "ہم غالب نہ سہی اس کے طرفدار تو ہیں۔"

حسد، سزائے کمالِ سخن ہے کیا کیجیے

ستم، بہائے متاعِ ہنر ہے کیا کیجیے

بہرحال اپنے اِن مہربانوں کی خدمت میں، غالبِ بے مثال کا ہی ایک شعر پیش کرتا ہوں شاید...

حسد سے دل اگر افسردہ ہے گرمِ تماشا ہو

کہ چشمِ تنگ شاید کثرتِ نظارا سے وا ہو

یہ ذکر بیچ میں اس لیے آگیا کہ میں نے اِسے اسی موقعے کے لیے محفوظ رکھا ہوا تھا۔ نہ اس سے پہلے میں نے اس موضوع پر کوئی بات کی ہے اور نہ آئندہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں ——

اب آیئے دہلیز کی طرف —— وارث کی غیر معمولی مقبولیت کے بعد ٹی وی کے لیے سیریل لکھنا میرے لیے ایک بہت بڑا چیلنج تھا۔ میں نے کہانی، کردار نگاری اور انداز تینوں سطحوں پہ اس بات کی خصوصی کوشش کی ہے کہ دہلیز نہ صرف ہر اعتبار سے ایک مختلف ڈرامہ ہو بلکہ معیار کے اعتبار سے بھی یہ وارث سے دو قدم آگے ہو —— اس میں کچھ تجربے بھی کرنے کی کوشش کی ہے جن میں سب سے اہم تین کہانیوں کو ایک ساتھ اس طرح چلانا تھا کہ وہ یکجان ہو جائیں۔ مجھے توقع تھی کہ وارث کی عوامی، قومی، سرکاری ہر سطح پر جو پذیرائی ہوئی ہے اس کے بعد مجھے کام کرنے کے زیادہ بہتر مواقع فراہم کیے جائیں گے لیکن بدقسمتی سے ایسا نہ ہو سکا اور "دہلیز" جو تحریر کے اعتبار سے (میری اپنی رائے میں) وارث سے بہتر ڈرامہ ہے، مقبولیت کے اعتبار (باوجود اتنا کامیاب ہونے کے) سے وارث کے برابر نہ آسکا۔ یہ سب کچھ کیوں اور کیسے ہوا یہ وقت اس کی تفصیلات میں جانے کا نہیں۔ نتیجہ البتہ آپ کے سامنے ہے کہ میں نے بطور ڈرامہ نگار ٹی وی سے اپنا تعلق منقطع کر لیا ہے۔

میں نے اس ڈرامے میں، جو پیش کرنے کی کوشش کی تھی اس کا ۹۰ فیصد حصہ تو آپ ٹی وی پر بھی دیکھ چکے ہوں گے اس کتاب کی خصوصی اہمیت وہ ۱۰ فیصد حصہ ہے جو بوجوہ ٹی وی سکرین پر دکھایا نہیں گیا۔ خصوصاً اس کی آخری قسط جس کے پندرہ میں سے پانچ سین تقریباً پورے کے پورے (ریکارڈنگ کے بعد) کاٹ دیئے گئے تھے۔

اس ڈرامے کی تین کہانیوں کی ترتیب کچھ یوں ہے۔

۱۔ نقیر حسین (قوی)، اور احمد علی (افضال احمد) کی کہانی جس کے دیگر کرداروں میں روحی بانو

آصف رضا میر، آغا سکندر، نجمہ محبوب، خیام سرحدی اور سونا صدیقی شامل تھے۔

۲۔ رفیق (محبوب عالم) کی کہانی، جس کے دیگر کرداروں میں سردار جہانگیر (اورنگ زیب لغاری) سلامت (عابد کشمیری)، اور فیض (فخری احمد) نمایاں ہیں۔

۳۔ جمال (فردوس جمال)، انیسہ احمد (عظمیٰ گیلانی) اور تمکین (طاہرہ نقوی)، کی کہانی۔

پہلی کہانی کے ذریعے میں نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ مادی اور اخلاقی قدروں کے تصادم میں انسانوں پر کیسی کیسی قیامتیں گزر جاتی ہیں اور اِس بات پر زور دیا تھا کہ اخلاقی قدروں کے ساتھ ہر طرح کے دباؤ میں زندہ رہنا مادی قدروں کی نام نہاد فراغت سے بہرحال بہتر ہے۔

دوسری کہانی کا بنیادی مقصد یہ دکھانا تھا کہ جیل، مجرم اور معاشرے کا باہمی تعلق کیا ہے اور کیا ہونا چاہیئے۔ میرے نزدیک وہ قانون انتہائی بے اثر اور بے معنی ہے جو ایک سڑک پر بڑکیں مارتے ہوئے چاقو بدست کو پکڑ کر چار چھ مہینے کے لیے جیل میں بند کر دیتا ہے اور پھر اسی چاقو اور اسی ذہنی طرزِ فکر کے ساتھ اسے دوبارہ اُسی سڑک پر کھلا چھوڑ دیتا ہے (جیل میں دیگر بدمعاشوں کے ساتھ اضافی ٹریننگ اس کے علاوہ ہے) میرے خیال میں مجرم یا بُرے لوگ ذہنی بیمار ہوتے ہیں جس طرح آپ ٹی بی کے مریض کو کچھ وقفے کے لیے سینی ٹوریم میں داخل کر دیتے ہیں اور اس دوران میں اس سے میل جول، کاروبار، شادی بیاہ وغیرہ کا تعلق نہیں رکھتے لیکن صحت یابی کے بعد اس سے تمام مروجہ شہری، معاشرتی اور انسانی حقوق بحال کر لیتے ہیں اسی طرح مجرموں کے لیے بھی اصلاح اور اصلاح کے بعد معاشرے کے فعال اور ذمہ دار رکن بن سکنے، مواقع فراہم ہونے چاہیئیں۔ رفیق کا کردار اسی سوچ کا آئینہ دار ہے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ اس مثبت اور تعمیری سوچ کو بدمعاشی کی GLORIFICATION کا نام دے کر مسخ کر دیا گیا۔

تیسری کہانی محبت، لالچ، انسانی کمزوری اور پچھتاوے کا ایک منظر نامہ تھی اور اس کے کردار اپنی نوعیت اور TREATMENT کے اعتبار سے نسبتاً زیادہ مشکل نازک اور حساس تھے۔

تقریباً ۴۵ منٹ پر مشتمل ہر قسط میں ان تینوں کہانیوں، ان کے کرداروں (اداکاروں) کو چلانا، ان میں توازن، دلچسپی اور معیار قائم رکھنا بڑا مشکل اور صبر آزما مرحلہ تھا۔ خصوصاً اس صورت میں کہ وارث کا بھاری بھرکم سایہ اس کے ساتھ ساتھ چل رہا ہو میں اس کوشش

میں کہاں تک کامیاب رہا ہوں اس کا زیادہ بہتر فیصلہ آپ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد کر سکتے ہیں کیونکہ اس میں وہ حصے بھی شامل ہیں جو آپ ٹی وی پر نہیں دیکھ سکے۔

آخر میں، میں دھلیز کے فنکاروں کا خصوصی طور پر شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے اتنی خوبصورت پرفارمنسیز (PERFORMANCES) دی ہیں کہ شاید ہی ٹی وی کے کسی سیریئل میں بیک وقت اتنے زیادہ فنکاروں نے اتنی غیر معمولی اداکاری کا مظاہرہ کیا ہو۔ روحی بانو، اورنگ زیب لغاری، قوی، افضال احمد، محبوب عالم، فردوس جمال، عظمیٰ گیلانی طاہرہ نقوی، آغا سکندر، آصف رضا میر، نجمہ محبوب، عابد کشمیری، فخری احمد، خیام سرحدی بلال بھٹی، مونا صدیقی، کس کا نام لوں اور کس کا نہ لوں، یوں سمجھئے کہ جو ذرہ جس جگہ تھا وہیں آفتاب تھا۔

اس سیریئل کی ہدایات چار مختلف پروڈیوسروں نے دی ہیں، دس قسطیں قنبر علیشاہ نے، سات یاور حیات نے اور ایک ایک قسط کنور آفتاب احمد اور نصرت ٹھاکر نے پیش کی تھیں۔ ہر ایک نے اپنی اپنی بساط بھر اس کو خوبصورت بنانے کی کوشش کی ہے میں ان کے خلوص اور لگن کا بھی انتہائی شکر گزار ہوں ——

امجد اسلام امجد

فنکار	کردار
محمد قوی خاں	فقیر حسین
روحی بانو	سعیدہ
عظمیٰ گیلانی	انیسہ
اورنگ زیب لغاری	سراج جہانگیر
محبوب عالم	رفیق
فردوس جمال	جمال
طاہرہ نقوی	تیکھی
آصف رضا میر	اختر
آغا سکندر	عابد
نجمہ محبوب	سلمیٰ
خیام سرحدی	خالد
عابد کشمیری	سلامت
فخری احمد	فیض
غیور اختر	تاجدین
مونا صدیقی	نیلم
بلال بھٹی	ریاست
خورشید کمال	جعفری
اسد نذیر	سعید غنی

فنکار	کردار
ایوب خاں	شفیق
محمود اختر	شہباز
خالد بٹ	ایس پی یسع
بدیع الزماں	چوہدری سمندر خاں
جمیل فخری	ایڈووکیٹ
مرید احمد	سلطان
عرفان ہاشمی	رجیلا
ایم عالم	نقوی
ایاس نجم	رحمان
سیال اعظم	قریشی صاحب
توقیر ناصر	ناصر
نبیلہ سرور	نبیلہ
طلعت صدیقی	بھابی
ممتاز علی	اے ایس آئی
منیر نادر	ملک صاحب
ہما ڈار	شمائلہ
حسینہ	حسینہ

ہدایت کار

۱. قمبر علی شاہ ۔ قسط نمبر ۲-۴-۵-۷-۹-۱۱-۱۲-۱۴-۱۶-۱۸

۲. یاور حیات ۔ قسط نمبر ۳-۶-۸-۱۳-۱۵-۱۷-۱۹

۳. کنور آفتاب احمد ۔ قسط نمبر ۱

۴. نصرت ٹھاکر ۔ قسط نمبر ۱۰ ۔

1

کردار

• فقیر حسین • اختر • سعیدہ • احمد علی • خالد • نیلم • عابد
• رفیق • سلامت • جیلا • چپڑاسی • رحمان • چوکیدار
• چند بدمعاش

سین نمبر ۱

ایک معمولی درجے کا کمرہ جس کی ترتیب اور حالت سے غربت اور سلیقہ مندی کا ملا جلا اظہار ہو رہا ہے۔ پوسٹ ماسٹر فقیر حسین ایک پیالے میں باقر خانی کے ٹکڑے کر رہا ہے جو اس کی چارپائی کے پاس ایک چھوٹی سی گول میز پر پڑا ہے۔ چہرے سے ایک ایسی تھکن کا اظہار ہو رہا ہے جو مسلسل پژمردگی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے چند لمحے اِدھر اُدھر دیکھتا ہے جیسے کسی چیز کی تلاش ہو پھر اندرونی دروازے کی طرف منہ کر کے آواز دیتا ہے۔

فقیر حسین :۔ سعیدہ .... سعیدہ بیٹی۔

سعیدہ :۔ (آتے ہوئے) آ رہی ہوں ابُو....

فقیر حسین :۔ ایک پچ لیتی آنا بیٹی۔

سعیدہ :۔ (چمچ کو کپڑے سے صاف کرتے ہوئے) وہی لا رہی تھی ابُو، رات کو برتن نہیں دھوئے تھے نا چکنائی جم گئی ہے۔ یہ لیجئے....

فقیر حسین :۔ جیتی رہو.... (چمچ چائے میں ہلاتا ہے) اختر سو رہا ہے؟

سعیدہ :۔ (ہچکچاتے ہوئے آہستہ سے) جی ابُو۔

فقیر حسین :۔ یا اللہ۔ کیا بنے گا اس لڑکے کا۔

سعیدہ :۔ آپ اُس کی فکر نہ کیا کریں ابُو.... ٹھیک ہو جائے گا۔

فقیر حسین :۔ کیا ٹھیک ہو گا۔ پڑھائی اس نے چھوڑ دی ہے۔ ہُنر اس کے ہاتھ میں کوئی نہیں۔ نوکری کا وہ نام نہیں سننا چاہتا.... آخر.... تم ہی اسے کچھ سمجھاؤ بیٹی۔

سعیدہ :۔ آپ کو پتہ ہے ابُو.... وہ کتنا ذہین اور لائق تھا.... ہر امتحان میں پوزیشن لیتا تھا.... اب اگر وہ

پڑھائی میں دلچسپی نہیں لیتا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ.....

(کچھ کہتے کہتے رک جاتی ہے جیسے بات کہہ دینے سے باپ کی دل شکنی کا اندیشہ ہو۔)

میں اسے سمجھا لوں گی۔

فقیر حسین :۔ رونا بھی تو یہی ہے کہ وہ اتنا اچھا اور سمجھدار بچہ تھا۔ یہ اسے یکدم کیا ہو گیا ہے! اس کی صحبت بھی اچھی نہیں رہی۔ میں نے اکثر اسے غلام رسول کی دکان پر بیٹھے دیکھا ہے۔ وہاں اچھے لوگ نہیں بیٹھتے۔

سعیدہ :۔ آپ کی چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔

فقیر حسین :۔ تیس سال اس محلے میں، میں نے ایسے گزارے ہیں جیسے بتیس دانتوں کے درمیان زبان ہوتی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے گھر کی طرف کوئی انگلی اٹھائے اس کو بتا دینا کہ.....

اندرونی دروازے سے اختر شلوار قمیض میں ملبوس بڑھی ہوئی شیو اور خوابیدہ آنکھوں کے ساتھ ٹھوڑی کھجاتا ہوا آتا ہے۔ اس کو دیکھ کر فقیر حسین کے لہجے کا جوش ایک دم ماند پڑ جاتا ہے۔ بات بدل کر بولتا ہے۔

میرے کپڑے استری کر دیئے ہیں؟

سعیدہ :۔ (مڑ کر دروازے کی طرف دیکھتی ہے) جی ہاں۔ یہ رکھے ہیں کرسی پر..... آؤ اختر۔ ناشتہ لاؤں۔

اختر :۔ (دبے ہوئے طنز کے ساتھ) ناشتہ! یہ جو کچھ ہم کھاتے ہیں سعیدہ، اس کے لیے ناشتہ کچھ زیادہ ثقیل لفظ نہیں ہے؟

سعیدہ :۔ (بات کو ہنسی میں ٹالنے کی ناکام کوشش کرتی ہے) اچھا۔ زیادہ بکواس نہیں کرو۔ چلو دانت صاف کر کے آؤ۔ جلدی۔

(کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے) خدا کے لیے سعیدہ..... ابھی تم استانی نہیں بنی ہو تو یہ حال ہے کیا فرق پڑتا ہے دانت صاف نہ کرنے سے۔

سعیدہ :۔ اس سے آدمی کی صحت اچھی رہتی ہے۔

اختر :۔ اور صحت اچھی رہنے سے کیا فرق پڑتا ہے؛ بیلوں اور گھوڑوں کی صحت بہت اچھی ہوتی ہے شاید اسی لیے انہیں بوجھ کھینچنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

سعیدہ :۔ فضول بحث کرنے کا بہت شوق ہے تمہیں — انسان اور جانور میں بہت فرق ہوتا ہے۔

اختر :۔ کیا فرق ہوتا ہے، بلندی سے دیکھو تو سب ایک ہی طرح کے کیڑے کوڑے نظر آتے ہیں۔

فقیر حسین :۔ (وردی پہنتے ہوئے) ایک تو تم آج کل کے نوجوانوں میں یہ بڑی مصیبت ہے ہر بات انکار سے شروع کرتے ہو۔ برخوردار معاشرے کا نظام ہزاروں سال کی سوچ بچار اور ارتقا کا آئینہ دار ہے.....

ہر بات پر WHAT SO کہہ دینے سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا۔

اختر:۔ معاف کیجئے گا مجھے اول تو معاشرے کا نظام قسم کی کوئی چیز یہاں نظر نہیں آتی۔ پھر اس پر یہ ارتقا وغیرہ کا ڈھکوسلہ بھی خوب ہے۔ اگلے وقتوں میں نیزوں اور تلواروں سے سارا دن لڑنے کے بعد دس پندرہ ہزار آدمی مرتے تھے اب ایک بم سے پورے ہنستے بستے شہر کا صفایا کر دیتے ہیں۔ اس پر سنا ہے ایسی گیسیں بھی ایجاد ہو گئی ہیں جو صرف انسانوں کو ہلاک کریں گی عمارتوں وغیرہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ اس کے باوجود اگر آپ کہتے ہیں کہ یہ ارتقا ہے تو ٹھیک ہی ہو گا۔ البتہ اتنا مجھے یقین ہے کہ بچپن سے اب تک میرے ناشتے میں کوئی ارتقا نہیں ہوا۔ آج بھی وہی باقر خانی ہے جس کا ذائقہ مجھے زبانی یاد ہو چکا ہے۔

فقیر حسین چند لمحے لاجواب سا ہو کر اسے دیکھتا ہے۔

فقیر حسین:۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ خالی دماغ شیطان کا گھر ہوتا ہے۔

اختر:۔ یہاں بھی کہنے والوں نے غلط کہا ہے۔ شیطان کا گھر خالی دماغ نہیں خالی پیٹ ہے، کیوں سعیدہ!

سعیدہ:۔ فضول باتیں نہیں کرو۔ چلو دانت صاف کر کے آؤ۔

اختر:۔ (اٹھتے ہوئے) کیا مصیبت ہے۔

اندرونی دروازے کی طرف جاتا ہے۔

فقیر حسین:۔ اچھا بیٹی میں چلتا ہوں۔ دیر ہو رہی ہے۔

سعیدہ:۔ خدا حافظ ابو۔

فقیر حسین جاتا ہے۔ سعیدہ چند لمحے تاسف آمیز انداز میں چاروں طرف دیکھتی ہے اختر ایک ٹوتھ پیسٹ کی خالی ٹیوب لیے آتا ہے۔

اختر:۔ اب اگر ٹوتھ پیسٹ نہ ہو تو تمہارا فلسفہ حفظانِ صحت کیا کہتا ہے۔

سعیدہ:۔ میری الماری میں منجن پڑا ہے، وہ لے لو ——— اور سنو۔

اختر جاتے جاتے رکتا ہے۔

ابا جان کے سامنے یہ فلسفہ نہ بگھارا کرو۔ ان کا دل دکھتا ہے۔

اختر:۔ وہ تو سب کو سچ بولنے کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔ سچ سنتے کیوں نہیں؟

سعیدہ:۔ پتہ نہیں کیا سچ ہے اور کیا جھوٹ۔ بہر حال تمہیں انہیں تکلیف نہیں دینی چاہیئے۔

اختر کچھ کہنے لگتا ہے پھر خاموشی سے پلٹ جاتا ہے۔

سعیدہ کا کلوز۔

سین نمبر ۲

احمد علی کا شاندار ڈرائینگ روم۔ احمد علی کے سامنے ایک بہت بڑی عمارت کا بلیو پرنٹ کھلا ہے۔ اس کے ساتھ ڈیزائنر رحمان کھڑا اسے تفصیلات سمجھا رہا ہے۔ عابد اُن کے قریب خاموش کھڑا سگریٹ پی رہا ہے۔

رحمان :۔ (ایک مقام پر انگلی رکھتے ہوئے) یہ دیکھیے یہ PASSAGE میں نے اس طرح رکھا ہے کہ ہر بلاک کا COVERED LAND بھی متاثر نہ ہو اور ہمیں ہر فلور پر ایک سو گاڑیوں کی پارکنگ بھی مل جائے۔

احمد علی سمجھنے کے انداز میں سر ہلاتا ہے۔

یہ اینٹرنس ہے۔ یہاں سے اندر کی طرف تین ٹرن ہیں اور ہر ٹرن کے ساتھ پارکنگ پلیس ہے۔ اسی طرح تین ٹرن باہر کی طرف ہیں جو EXIT کے PASSAGE میں کھلتے ہیں۔ یوں سمجھیے کہ یہ ایک طرح سے ون وے ٹریفک سسٹم بن جائے گا۔

احمد :۔ گڈ۔

ایک جگہ انگلی رکھتے ہوئے

اچھا یہ کیفیٹیریا زاب یہاں آ گئے ہیں ۔۔۔۔ یہ بہتر ہے ۔۔۔ اب فاصلہ ہر طرف سے کم ہو گیا ہے ——— یہ سینما کے لیے جگہ کچھ کم نہیں ؟

رحمان :۔ اس کے لیے میں نے بہت کوشش کی ہے احمد صاحب۔ سیکنڈ فلور پر اس سے زیادہ کی گنجائش ممکن نہیں اور یوں بھی میرے خیال میں سینما گراؤنڈ فلور پر ہی ہونا چاہیے۔

احمد :۔ تمہارا کیا خیال ہے عابد۔

عابد :۔ رحمان صاحب ٹھیک کہہ رہے ہیں ڈیڈی ۔۔۔۔ ایک تو ہماری پبلک ابھی اس طرح کے سینما کی عادی نہیں ہے۔ اور پھر سیکنڈ فلور پر سینما ہال بنانے سے پورے فلور کی مارکیٹ متاثر ہو گی۔

احمد :۔ لیکن گراؤنڈ فلور پر سینما کے لیے جگہ کیسے نکل سکتی ہے اصل EARNING تو ہیں سے ہوتی ہے

رحمان :۔ (نقشے کے کنارے پر انگلی رکھتے ہوئے) یہاں اگر مجھے پانچسو گز زمین بھی مل جائے تو میں آپ کو سینما ہال گراؤنڈ فلور پر دے سکتا ہوں بغیر کسی چیز کو DISTURB کیے۔

احمد :۔ (اشتیاق سے اسے دیکھتے ہوئے) کیسے ؟

رحمان :۔ یہ دیکھیے۔ یہاں ہم نے پارکنگ کے لیے یہ بلاک چھوڑا ہے۔ اس کے ساتھ اگر یہ ٹکڑا اور مل جائے تو ۔۔۔۔ میرا خیال ہے کہ کام بن جائے گا۔

احمد :۔ یہ گودام کا ایریا ہے نا ۔۔۔۔۔ ؛

رحمان :۔ جی۔

احمد : اس کے ساتھ تو فقیر حسین کا مکان ہے۔

عابد : تو کیا ہوا! ان سے خالی کرالیں گے۔

احمد : خالی! ہاں مگر..... وہ ذرا خرد ماغ قسم کا آدمی ہے۔

عابد : خرد ماغ آدمی کو ھینڈل کرنا مجھے خوب آتا ہے۔ آپ ان سے بات کریں اگر آرام سے مان جائے تو ٹھیک ہے ورنہ۔

رحمان اس کی طرف حیرت سے دیکھتا ہے۔

عابد بات کا انداز بدلتا ہے۔

میرا مطلب ہے اگر وہ عزیز رشتہ دار ہو کر ہمارا لحاظ نہیں کرتے تو ہمیں بھی حق ہے کہ.....

رحمان : دیکھئے جناب اگر آپ لوگ LITIGATION کے چکر میں پڑ گئے تو بات لمبی ہو جائے گی۔

عابد : یہ جن کا مکان ہے ہمارے رشتے کے چچا ہوتے ہیں۔ انشاء اللہ ہم کورٹ وغیرہ کے چکر میں پڑے بغیر ان سے معاملہ SETTLE کرلیں گے۔ کیوں ڈیڈ۔

احمد : وہ تو ٹھیک ہے بیٹا..... مگر..... اچھا رحمان صاحب۔ میں آپ کو ایک دو دن میں اس کے بارے میں اطلاع دوں گا۔

رحمان : ٹھیک ہے۔ لیکن میں پھر عرض کروں گا کہ کورٹ وغیرہ کے چکر میں نہ پڑیئے گا۔ زمین سے بید خلی کے مقدمات برسوں تک چلتے رہتے ہیں۔

احمد : جی ہاں اس کا اندازہ ہے مجھے۔

رحمان : (نقشے وغیرہ سمیٹ کر بریف کیس اٹھاتا ہے) اچھا خدا حافظ۔

احمد : (دروازے تک ساتھ جاتے ہوئے) خدا حافظ۔

رحمان جاتا ہے احمد عابد کی طرف مڑتا ہے قریب آتا ہے۔

تمہیں رحمان کے سامنے یہ بات نہیں کرنی چاہیئے تھی۔

عابد : سوری ڈیڈی۔ دراصل.... لیکن ایک بات طے ہے کہ چچا فقیر حسین کو وہ جگہ چھوڑنی ہوگی ہم انہیں اس کے بدلے میں....

احمد : تم فقیر حسین کو نہیں جانتے بیٹا۔ وہ بہت عجیب قسم کا آدمی ہے۔ اب دیکھو ساری عمر اس نے پوسٹ ماسٹری اور غربت میں گزار دی ہے لیکن آج تک کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا۔ میرے پاس بھی کبھی نہیں آیا۔ ایسے آدمی بہت مشکل ہوتے ہیں۔

عابد : آپ انہیں خوامخواہ اتنا OVER ESTIMATE کر رہے ہیں۔

احمد : تم تو اکثر گودام کی طرف جاتے ہو، کبھی ملے ہو اس سے۔

عابد : (نفی میں سر ہلاتے ہوئے) خالد بھائی البتہ کبھی کبھی جاتے ہیں ان کی طرف۔

احمد: (سوچتے ہوئے) اچھا۔ (عابد سے) تم اس سلسلے میں کوئی بات نہ کرنا۔ یہ کام بہت احتیاط سے کرنے کا ہے۔

عابد ایسے انداز سے کندھے جھٹکتا ہے جیسے کہہ رہا ہو "آپ کی مرضی"

سین نمبر ۳

گلی میں ایک سوزوکی لوڈر وین کھڑی ہے جس پر ایک مزدور گودام سے ڈبے لا کر لاد رہا ہے۔ عابد ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا سگریٹ پی رہا ہے۔ اتر کر دیکھتا ہے دروازہ کھول کر باہر آتا ہے۔ سوٹ میں ملبوس ہے۔

عابد: کتنے کارٹن رہتے ہیں؟

مزدور: (پسینے سے شرابور۔ ہانپتے ہوئے) آٹھ دس ہیں جی ابھی۔

عابد: تو جلدی کرو نا۔ کیا مرداروں کی طرح چل رہے ہو۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔

مزدور: بہت بھاری ہیں صاحب جی۔ اکیلا آدمی ہوں۔ تین چار دن سے بخار....

عابد: اچھا اچھا اب تقریر نہیں کرو۔ تم لوگوں کو تو حرام خوری کے لیے بہانہ چاہیئے۔

مزدور چلا جاتا ہے۔ عابد سوزوکی سے ٹیک لگا کر کھڑا ہوتا ہے اس کا منہ فقیر حسین کے گھر کے دروازے کی طرف ہے دروازہ کھلتا ہے اختر حسب عادت شیو کھجاتا ہوا نکلتا ہے ایک نظر عابد کی طرف دیکھتا ہے پھر دروازہ بند کر کے دوسری طرف مڑتا ہے۔ عابد پہلے تو اس کی طرف توجہ نہیں دیتا پھر کچھ سوچ کر ایک دم آواز دیتا ہے۔

عابد: اختر—

اختر ایک دم رک جاتا ہے۔ آہستہ آہستہ مڑتا ہے۔ چہرے پر تعجب کے آثار ہیں مگر منہ سے کچھ نہیں بولتا۔ عابد مصنوعی انداز میں ہنستا ہے۔

کیا حال ہے اختر!

اختر: میرا حال تو ٹھیک ہے۔ تم سناؤ! مجھے آواز دینے کی توفیق کیسے ہوئی تمہیں!

عابد: کیوں۔ تم میرے کچھ نہیں لگتے۔

اختر: اوہ.... تمہیں تو ہماری رشتہ داری بھی یاد ہے۔ آج تو کچھ بانٹنا چاہیئے۔

عابد: (اس کے طنز کو نظر انداز کرتے ہوئے) سنا ہے تم نے پڑھنا چھوڑ دیا ہے۔

اختر: پڑھنا تو نہیں چھوڑا۔ کالج جانا چھوڑ دیا ہے... اب تم پوچھ گے کیوں۔ تو مجھے یہ بتاتے ہوئے قطعاً ندامت محسوس نہیں ہوتی کہ میرا باپ ایک غریب پوسٹ ماسٹر ہے اور اس کی تنخواہ پر میری فیسیں اس طرح گرتی تھیں جیسے خربوزے پر چھری —— کبھی خربوزے پر چھری گرتے دیکھی ہے!!

عابد: (ہنستے ہوئے) اب تک وہی باتیں ہیں تمہاری ——— اچھا... ایک کام کرو گے

اختر سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھتا ہے۔

ذرا کارٹن اٹھوانے میں اس مزدور کی مدد کر دو... مجھے دیر ہو رہی ہے۔

اختر اسے اوپر سے نیچے تک دیکھتا ہے۔

اختر: تمہارا سوٹ غالباً بہت قیمتی ہے۔

عابد: ہاں۔ اور مجھے یہ سامان ڈلیور کر کے ایک بڑے افسر سے ملاقات بھی کرنی ہے۔

اختر چند لمحے کچھ سوچتا ہے پھر آگے بڑھ کر مزدور کی مدد کرتا ہے۔ Mix کر کے دکھاتے ہیں کہ گوڈر پر کارٹن رکھے جا چکے ہیں۔ ان کے ساتھ ایک گوشے میں مزدور کھڑا ہے۔ عابد سٹیرنگ ویل پر بیٹھ چکا ہے کھڑکی سے ہاتھ نکال کر اختر سے ملاتا ہے

عابد: اچھا بھئی اختر۔ تھینک یو۔

گاڑی شارٹ کرتا ہے۔ اختر حیرت سے اپنے ہاتھ کی طرف دیکھتا ہے جس میں ایک دس کا نوٹ ہے۔ چند لمحے ایسے انداز میں اس کی طرف دیکھتا ہے جیسے کچھ سمجھ میں نہ آ رہا ہو پھر غصے سے نوٹ کو مٹھی میں مسلتا ہے ایسے انداز میں دور ہوتی ہوئی وین کو دیکھتا ہے جیسے منہ ہی منہ میں گالیاں دے رہا ہو۔ چہرے سے سخت غصے کا اظہار ہو رہا ہے۔

سین نمبر ۴

رات کا وقت

فقیر حسین اپنے بستر میں لیٹا کچھ پڑھ رہا ہے قریب ہی سعیدہ چارپائی کے آگے تپائی رکھے کسی کتاب سے کچھ پڑھ رہی ہے۔ چند لمحوں بعد دروازے پر دستک ہوتی ہے۔ دونوں حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں۔ دوبارہ دستک کی آواز کے ساتھ ہی احمد علی کی آواز آتی ہے۔

بھائی فقیر حسین۔

فقیر حسین دروازے کی طرف حیرت سے بڑھتا ہے۔ دروازہ کھولتا ہے احمد علی کو دیکھ کر مزید حیرت زدہ ہوتا ہے پھر گھبرا کر پوچھتا ہے۔

فقیر حسین: کیا بات ہے احمد علی۔ خیریت تو ہے۔

احمد علی: (قدرے پریشانی میں مسکراتے ہوئے) ہاں سب خیریت ہے۔ کیوں؟

فقیر حسین: آج شاید پندرہ بیس برس بعد تم نے اس دہلیز پر قدم رکھا ہے۔ میں تو ڈر گیا تھا کہ شاید...

احمد علی: اچھا اب زیادہ شرمندہ نہیں کرو تم کونسا آئے ہو میری طرف۔

سعیدہ: (اٹھ کر قریب آتے ہوئے) اندر آیئے نا چچا جان۔

احمد علی: بھئی یہ تمہارا والد رستہ چھوڑے تو پھر ہے نا..... مجھے تو لگتا ہے اِسے میرا آنا اچھا ہی نہیں لگا۔

فقیر حسین: (جلدی سے پیچھے ہٹتے ہوئے) اوہ معاف کرنا۔ آؤ۔ آؤ۔ سعیدہ بیٹی اختر کے کمرے سے کرسی لے آؤ۔

احمد علی: ارے نہیں مَیں یہیں بیٹھ جاتا ہوں تمہارے پاس۔

سعیدہ: (کرسی لاتے ہوئے) آپ یہاں بیٹھیے۔

احمد علی: اچھا بھئی جیسے تمہاری مرضی۔ تم سعیدہ ہو نا؟

سعیدہ: جی۔

احمد علی: ماشاء اللہ کتنی بڑی ہو گئی ہو۔ خالد بتا رہا تھا کہ وہ تم لوگوں سے ملتا رہتا ہے۔ میں تو اس فیکٹری کی بک بک میں ایسا پڑا ہوں کہ دین دنیا سے گیا ہوں۔ صبح سے رات تک کولہو کے بیل کی طرح کام کرنا پڑتا ہے..... عزیز رشتہ داروں سے ملنے تک کا وقت نہیں ملتا۔

فقیر حسین: وقت ملتا نہیں احمد علی نکالا جاتا ہے۔ اللہ نے تمہیں اتنا دیا ہے۔ کس لیے اگر تم اسے احسن طریقے سے خرچ کرو تاکہ دین و دنیا دونوں میں تمہیں راحت نصیب ہو۔ لیکن تم ہندسوں کو ضربیں دینے کے چکر میں ایسے پڑے ہو کہ تمہیں اور کسی طرف دیکھنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔

سعیدہ: اوہو ابو۔ احمد چچا اتنے برسوں کے بعد ہمارے گھر آئے ہیں اور آپ..... کیا پئیں گے آپ!

احمد علی: نہ بیٹی میں گھر سے کھانا کھا کے، چائے پی کے نکلا ہوں۔

فقیر حسین: ایک کپ چائے ہی پی لو۔ مجھے یقین ہے سعیدہ تمہارے باورچی سے بہتر چائے بناتی ہے۔

احمد علی: پھر وہی۔ اچھا بابا پلوا دو۔ چینی نہ ڈالنا بیٹی۔

سعیدہ: (جاتے ہوئے) جی اچھا۔

چند لمحوں کی خاموشی۔ احمد ایسے ہی کتاب الٹ پلٹ کر دیکھتا ہے۔

احمد علی: کیا پڑھ رہے ہو۔ مجھے تو وقت ہی نہیں ملتا کچھ پڑھنے کا۔

فقیر حسین: حالانکہ سکول کے زمانے میں تم ہم سب سے زیادہ کتابیں پڑھا کرتے تھے۔

احمد علی: (ہنستے ہوئے) شاید اسی لیے میرا کوٹہ تم سے پہلے ختم ہو گیا ہے۔ بیٹا کدھر ہے تمہارا۔

فقیر حسین: کہیں گیا ہوا ہے۔

احمد علی: کس کلاس میں پڑھتا ہے اب ماشاء اللہ

فقیر حسین: (ایک دم رنجیدہ سا ہو کر) فورتھ ایئر میں پڑھ رہا تھا۔ اب چھوڑ دیا ہے۔

احمد علی: کیوں؟

فقیر حسین: خدا بہتر جانتا ہے۔

احمد: بھئی اسے سمجھایا ہوتا تم نے۔ تعلیم تو..... میرا خیال ہے بہت ضروری ہے۔

فقیر حسین: تمہارا کیا خیال ہے، میں نے نہیں سمجھایا ہوگا۔

احمد: ہاں، وہ تو..... مگر..... وہ تو خاصا ذہین بچہ نہیں تھا؟ مجھے یاد پڑتا ہے ایک دو دفعہ اس کی تصویر بھی آئی تھی اخبار میں۔ کسی DEBATE وغیرہ کے سلسلے میں۔

فقیر حسین: ہاں، مگر اب پتہ نہیں اسے کیا ہوگیا ہے۔ سارا سارا دن آوارہ گھومتا رہتا ہے۔

احمد: اسے میرے پاس بھجوا دو..... میں فیکٹری میں کہیں.....

فقیر حسین کا تاثر دیکھ کر

میرا مطلب ہے کسی اچھی جگہ پر لگا دوں گا۔

فقیر حسین: مجھے کچھ پتہ نہیں کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے اور ایسے میں اسے تمہارے پاس بھیج کر کوئی شکایت نہیں سننا چاہتا۔

احمد علی: دراصل یہ علاقہ بھی بہت فضول ہے۔ اچھے علاقے اور اچھی صحبت کا بڑا اثر ہوتا ہے کردار پر۔

فقیر حسین: ہاں، شاید۔

احمد علی: تم کسی بہتر علاقے میں کیوں نہیں شفٹ ہو جاتے۔

فقیر حسین: کیسی باتیں کرتے ہو۔ اسی مکان کی آڑ میں تو میری سفید پوشی بچ گئی ہے..... ورنہ میری تنخواہ تو..... اور اب تو دو مہینے بعد میں ریٹائر ہونے والا ہوں۔ اس چھت کو چھوڑ کر کہاں جاؤں گا۔

احمد علی: میرے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اس مکان کو بیچ کر کسی بہتر آبادی میں مکان خرید لو..... اِدھر سیٹلائیٹ ٹاؤن وغیرہ میں۔

فقیر حسین: دراصل مجھے اس گھر کی عادت سی ہوگئی ہے ——— تیس برس کا ساتھ ہے۔ اس سے جُدا ہونے کا میں تو تصور بھی نہیں کر سکتا۔

احمد: یہ تو بڑی بچگانہ سی جذباتیت ہے..... بہتر مستقبل کے لیے چند چھوٹی موٹی یادوں کو تو قربان کرنا ہی پڑتا ہے، نئے مکان تو ترقی کا زینہ ہوتے ہیں۔

فقیر حسین: یہ مکان نہیں ہے احمد علی۔ گھر ہے۔ میرا گھر، شہر کی زندگی اس کے مکانوں سے نہیں گھروں سے عبارت ہوتی ہے۔

احمد: (پریشان ہو کر ہنستے ہوئے) کتابیں پڑھ پڑھ کر تم فقرے بہت اچھے بولنے لگ گئے ہو۔

سعیدہ ایک ٹرے میں چائے اور بسکٹوں کی پلیٹ لاتی ہے۔

احمد: ارے بھئی یہ کیا ہے۔ میں نے صرف چائے کی حامی بھری تھی۔

سعیدہ: یہ بسکٹ میں نے خود بنائے ہیں۔ گھر میں۔ لیجیے..... چکھئے تو سہی۔

فقیر حسین: سعید: بڑا شوق ہے ان باتوں کا..... عجیب عجیب الٹی سیدھی چیزیں بناتی رہتی ہے۔ اور ہر تجربے میں تختۂ مشق مجھے بننا پڑتا ہے۔

سعیدہ: (پیار بھرے شکوے سے) ابو۔ اتنی انسلٹ تو نہ کیجئے میرے کھانوں کی۔

احمد اور فقیر ہنستے ہیں۔ احمد ایک دم کسی سوچ میں پڑ جاتا ہے۔

سعیدہ: (احمد سے) کیسا ہے؟

احمد: (چونک کر) کیا۔ اوہ..... ہاں بہت اچھا ہے..... بہت ہی اچھا ہے۔ جیتی رہو۔

سعیدہ: شکریہ۔

احمد: اچھا بھئی فقیر حسین۔ میں اب چلتا ہوں۔ پرسوں دوپہر کا کھانا تم سب لوگ میری طرف کھاؤ گے۔

فقیر حسین: کیا مطلب؟

احمد: کس چیز کا مطلب پوچھ رہے ہو۔ کھانے کا۔ دوپہر کا یا پرسوں کا۔

فقیر حسین: نہیں بھئی احمد۔ تمہارا بہت بہت شکریہ۔ تم آئے ہو۔ لیکن کھانے پر میں نہ آسکوں گا۔

احمد: کیوں؟

فقیر حسین: وہ اس لیے کہ.....

لاجواب سا ہو کر بات بنانے کی کوشش کرتا ہے۔

احمد: بے کار کی ضد نہ کرو فقیر حسین۔ تم نے خوامخواہ اپنے گرد یہ تنہائی کی دیوار تان رکھی ہے۔ تمہارا میرا خون کا رشتہ ہے۔ میرے گھر آنے سے تمہاری عزت کچھ گھٹ نہیں جائے گی۔

فقیر حسین: نہیں یہ بات نہیں۔ دراصل.....

احمد: (اٹھتے ہوئے) پرسوں دوپہر ایک بجے ———

سعیدہ سے

یہ کام تمہارے ذمے ہے بیٹی۔

سعیدہ: (حیرت سے) ہم میں ——— میرے۔

احمد: (فقیر حسین) مجھے تم سے ایک اور بات بھی کرنی ہے۔ اب بھولنا نہیں۔ اچھا خدا حافظ۔

احمد جاتا ہے۔ دونوں باپ بیٹی چند لمحے حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں۔

سین نمبر ۵

سعیدہ کوئلوں والی استری سے ایک مردانہ قمیض استری کر رہی ہے۔ قمیض کو تہہ کر کے رکھتی ہے دروازے کی طرف منہ کر کے آواز دیتی ہے۔

سعیدہ: تمہارے کپڑے استری ہو گئے ہیں اختر۔ اٹھ کے شیو کر لو۔

اختر : (دروازے میں آتے ہوئے) میں نے تمہیں کہا ہے نا مجھے نہیں جانا وہاں۔

سعیدہ : کیا بگاڑا ہے انہوں نے تمہارا!

اختر : کہا نا۔ مجھے نہیں جانا۔ زہر لگتے ہیں مجھے یہ لوگ۔

سعیدہ : پرکھے بغیر کسی کے بارے میں رائے قائم نہیں کرنی چاہیئے۔ سچ مجھے تو احمد چچا بہت اچھے لگے ہیں ——— تم ملو تو سہی اُن سے۔

اختر : خدا کے لیے مجھے اس طرح لیکچر نہ دیا کرو..... میں کوئی دودھ پیتا بچہ نہیں ہوں۔

سعیدہ : (اسے ہنسانے کی کوشش کرتے ہوئے) دودھ پیتے بچے کو لیکچر نہیں لوری دی جاتی ہے میرے پیارے بھیا۔ چلو اب جلدی سے تیار ہو جاؤ۔

اختر : اوہو تم سمجھتی کیوں نہیں۔ آخر ہم کیوں ملیں ان سے۔ کیا لگتے ہیں وہ ہمارے۔

سعیدہ : احمد چچا ابو کے فرسٹ کزن ہیں۔ اور یہ کوئی دور کا رشتہ نہیں۔

اختر : تو بس ٹھیک ہے۔ ابا جان چلے جائیں۔

سعیدہ : ہمارا جانا بھی ضروری ہے۔ انہوں نے سب کو INVITE کیا ہے۔

سین نمبر ۶

احمد علی کا ڈرائنگ روم۔

عابد علی اور احمد علی۔

احمد : وہ لوگ آجائیں تو یوں سمجھو آدھا کام ہو گیا۔

عابد : آپ خوامخواہ انہیں اتنی IMPORTANCE دے رہے ہیں۔ کیا ضرورت ہے اتنا لمبا چکر کاٹنے کی۔ اگر وہ آرام سے جگہ خالی نہیں کرتے تو میرے پاس ایسا انتظام ہے کہ وہ ایک ہفتے میں تیر کی طرح سیدھے ہو جائیں گے اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہو گی۔

احمد : ہر کام کرنے سے پہلے اس کے نفع نقصان کے تمام پہلوؤں کو دیکھ لینا چاہیئے تم فقیر حسین کو نہیں جانتے..... وہ ایسا آدمی نہیں جسے لالچ سے خریدا یا خوف سے جھکایا جا سکے۔ میں کوئی غلط قدم اٹھا کے اپنا آٹھ کروڑ کا منصوبہ خراب نہیں کرنا چاہتا۔

عابد : اوہو ڈیڈ۔ ایک تو میں آپ کی ان احتیاطی تدابیر سے بہت تنگ ہوں۔

سین نمبر ۷

فقیر حسین کا کمرہ۔

فقیر حسین شلوار قمیض اور کوٹ میں ملبوس ہے۔ گلے میں مفلر ہے۔ اختر ایک پرانا سا کوٹ پہنے ہوئے آتا ہے۔

سعیدہ : خدا کے لیے یہ کوٹ تو نہ پہنو۔

اختر : کیوں؟

سعیدہ : ذرا حالت تو دیکھو اس کی۔

اختر : اچھا بھلا تو ہے۔ اور پھر مجھے کون سا انٹرویو میں جانا ہے۔

سعیدہ : (الماری میں سے ایک سویٹر نکال کر دیتے ہوئے) لو یہ پہن لو۔

اختر : یہ بہت اچھا ہے؟

سعیدہ : اس کوٹ سے بہر حال بہتر ہے چلو شاباش۔

اختر : میری سمجھ میں نہیں آتا تمہیں ہو کیا گیا ہے۔ کیوں اتنا ہوا بنا رکھا ہے تم نے ان لوگوں کو۔

سعیدہ : ابو۔ پلیز آپ ہی اسے سمجھائیے۔

فقیر حسین : میں کیا سمجھاؤں بیٹی۔ میرا تو اپنا جی نہیں چاہ رہا جانے کو۔ جو کھانا خریدنے کی استطاعت نہ ہو اس کی خوشبو سے بھی بچنا چاہیئے۔

اختر : یہ ہوئی نا بات۔

سعیدہ : (روہانسی ہو کر) اختر .... پلیز۔

اختر : (ایک دو لمحے اس کی طرف دیکھتا ہے) اچھا اچھا بابا لاؤ پہن لیتا ہوں۔

سین نمبر ۸

احمد علی کا ڈرائنگ روم۔

خالد۔ عابد۔ نیلم تینوں موجود ہیں۔

نیلم : ڈیڈی یہ لوگ پہلے تو کبھی نہیں آئے ہمارے گھر۔

احمد : ہاں بیٹا۔ بہت سال پہلے ایک دفعہ آئے تھے اس وقت تم بہت چھوٹی تھیں۔

خالد : کتنے افسوس کی بات ہے ہم لوگ اپنے اتنے قریبی رشتہ داروں سے بھی برسوں نہیں ملتے۔

عابد : جو ملنے کے قابل ہیں ان سے تو ملتے ہیں۔ ہر ایک سے آدمی کیسے مل سکتا ہے۔

خالد : شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ لوگ بہت غریب ہیں اور ہم دس بیڈ روم والے گھر میں رہتے ہیں جس کا صرف لان ہی دو کنال کا ہے۔

عابد : خدا کے لیے خالد بھائی ہر بات میں اکنامکس نہ گھسا دیا کرو۔

خالد : اکنامکس گھسائی نہیں جاتی۔ موجود ہوتی ہے۔ میں تو صرف تمہیں اس کے وجود کا احساس دلا رہا ہوں۔

نیلم : بائی دی وے۔ ان .... کیا نام ہے انکل فقیر حسین سے ہمارا کیا ہے۔ EXACT RELATION

عابد : یہ ڈیڈی کے والد کے بھائی کے بیٹے ہیں اور ان کے بچے ہمارے

انگلیوں پر گنتے ہوئے

فرسٹ۔ سیکنڈ، تھرڈ بلکہ شاید فورتھ کزن ہیں۔

حقارت سے مسکراتا ہے۔

احمد : اچھا اب یہ فضول بحث بند کرو اور فقیر حسن کے سامنے کوئی الٹی سیدھی بات نہ کرنا۔ وہ بڑا TOUCHY سا آدمی ہے۔

سین نمبر ۹

فقیر حسین اختر اور سعیدہ تانگے میں سوار ایک متمول آبادی میں سے گزر رہے ہیں۔ ان کی آوازیں چلتے ہوئے تانگے پر ا/ہوتی ہیں۔

اختر : اس آبادی میں تانگہ ایسے لگتا ہے جیسے قالین پر کوئی کیچڑ والے پاؤں رکھ دے۔ کیوں سعیدہ۔

سعیدہ: کیوں کیا حرج ہے تانگے میں۔

اختر : ہمارے لیے تو کوئی حرج نہیں لیکن جہاں تم جا رہی ہو وہ شاید برا محسوس کریں۔ بڑے لوگ ہیں نا۔

سعیدہ: تمہیں تو شوق ہے تقریریں کرنے کا۔ اب اگر اللہ نے انہیں دیا ہے تو ان کی قسمت۔

اختر : (طنزیہ انداز میں) قسمت ؟ کیسا عجیب و غریب لفظ ہے یہ۔ ہم جیسے بھوکے ننگوں کی جنت!

فقیر حسین: وہ سبز دروازے والا گھر ہے غالباً۔

اختر : تانگہ یہیں رکوا لیں۔ ان کو پتہ نہیں چلے گا ہم کیسے آئے ہیں۔

فقیر حسین: اپنی غربت پر فخر کرنا سیکھو اختر۔

اختر : سبحان اللہ۔ کیا چیز نکالی ہے فخر کرنے کے لیے۔

سین نمبر ۱۰

احمد علی کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے

احمد : او ہو یہ تانگہ کدھر گھسا آ رہا ہے۔

عابد : (اس کے ساتھ آکر دیکھتے ہوئے طنزیہ انداز میں) آپ کے مہمان تشریف لائے ہیں۔

احمد علی اسے سرزنش کی نظروں سے دیکھتا ہے دروازے کے قریب آکر دروازہ کھولتا ہے۔

احمد : آؤ آؤ بھائی فقیر حسین .... خوش آمدید۔

سعیدہ: (آتے ہوئے) آداب۔

احمد : جیتی رہو۔

اختر بغیر کچھ منہ سے بولے ہاتھ کے اشارے سے رسمی سا سلام کرتا ہے۔

احمد : تم تو ماشاءاللہ ایک دم بہت بڑے ہو گئے ہو اختر میاں۔

اختر : ایک دم تو نہیں ہوا البتہ آپ نے مجھے شاید بہت دیر بعد دیکھا ہے۔

احمد : (شپٹاکر ہنستے ہوئے) ہو ہو ہو ——— بڑے حاضر جواب ہو ماشاءاللہ آؤ اندر آؤ۔

فقیر حسین : (ایک مٹھائی کا ڈبہ دیتے ہوئے) یہ اندر بھجوادو۔

احمد : (حیرت سے) یہ کیا ہے؟

فقیر حسین : مٹھائی ہے۔ سوچا اتنے برسوں بعد تمہارے گھر آرہا ہوں بچوں کے لیے کچھ لیتا چلوں۔

سلمیٰ تیزی سے آتی ہے چہرے پر مسرت کے آثار نمایاں ہیں۔

سلمیٰ : (تیزی سے) السلام علیکم بھائی جان۔ اے سعیدہ بیٹی .... ماشاءاللہ .... ادھر آ

بڑھ کر اسے گلے سے لگاتی ہے۔

ایک دم آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔

ہو بہو زبیدہ کی تصویر ہو تم۔

ماتھے پہ پیار کرتی ہے۔

بڑے سنگدل ہو تم لوگ ... کبھی اتنا نہیں کیا کہ چل کر چچی کو سلام ہی کر آئیں .... اس کی آنکھوں کو ٹھنڈک دے دیں ....

سعیدہ : جی .... وہ .... یہ ... چچی جان .... دراصل

سلمیٰ : (اختر کو پیار دیتے ہوئے) اور اسے دیکھو .... بچپن میں ایک منٹ میری گود سے نہیں اترتا تھا .... مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے میں تم لوگوں کی کچھ لگتی ہی نہیں۔

اختر : (اس کی محبت سے متاثر ہوتے ہوئے) سچ چچی جان آپ سے ملنے کو تو میرا بہت جی چاہتا تھا۔

سلمیٰ : (پیار بھرے طنز کے ساتھ) میرے گھر کا راستہ نہیں آتا ہوگا؟

احمد : ارے بھئی اب بس بھی کرو .... ان بے چاروں کو بیٹھ تو لینے دو .... یہ پہلے مٹھائی رکھوا دو فریج میں .... بھائی فقیر حسین لایا ہے .... بچوں کے لیے۔

عابد : (ہنستے ہوئے) روایات .... ہم مشرقی لوگ بھی عجیب و غریب چیز ہیں .... ماضی کے ساتھ ایسے چپٹے ہوئے ہیں جیسے ....

سلمیٰ : (پیار سے) تمہیں تو کسی انگریز کے گھر پیدا ہونا چاہیے تھا۔

احمد : (ایک دم کچھ کہتے کہتے رک جاتا ہے) اچھا۔ اچھا۔ اچھا .... اب بہت کم لوگ رہ گئے ہیں جو ان خاندانی رسموں کا پاس کرتے ہیں .... زمانہ بہت بدل گیا ہے فقیر حسین ـــ اس صوفے پر آجاؤ ....

فقیر حسین : (بیٹھتے ہوئے) ہاں شاید زمانہ ہی بدل گیا ہے .... یا پھر .... یہ نیلم بیٹی ہے!

احمد : ہاں ـــــ سلام کرو بیٹی۔

نیلم : سلام علیکم انکل۔

فقیر حسین : جیتی رہو ــــ اتنی سی تھی جب میں نے اسے دیکھا تھا ... کس کلاس میں پڑھتی ہو بیٹی۔

نیلم : جی بی ایم اے فائن آرٹس کر رہی ہوں۔

فقیر حسین : ماشاء اللہ۔ ویسے اب تو مضمون بھی عجیب عجیب نکل آئے ہیں۔ تصویریں بناتی ہو تم؟

نیلم : جی۔ وہ بھی .... مگر میری سپیشلائزیشن انٹیریر ڈیکوریشن میں ہے۔

فقیر حسین : یہ سپیشلائزیشن بھی خوب چیز ہے اب تو سنا ہے ناک کے دائیں اور بائیں نتھنے کے لیے بھی علیحٰدہ علیحٰدہ ڈاکٹر بننے لگے ہیں۔

سب لوگ ہنستے ہیں۔ اختر بے نیازی سے چاروں طرف دیکھتا ہے۔

احمد : خالد کہاں ہے؟

نیلم : اپنے کمرے میں ہیں۔ بلاؤں۔

احمد : ہاں بھئی۔ بلاؤ اسے .... (فقیر حسین سے) عجیب و غریب لڑکا ہے۔ سوائے پڑھنے کے کوئی کام ہی نہیں اسے۔ پتہ نہیں کس پہ گیا ہے۔

عابد : (ہنستے ہوئے) ان کا بس چلے تو ناشتہ اور کھانا بھی کتابوں ہی کا کریں۔

مذاق اڑانے والے انداز میں ہنستا ہے۔

HOW FOOLISH

DISSOLVE

کھانے کی میز۔ لوگ کھانا کھا کر اٹھ رہے ہیں۔ کرسیاں گھسیٹی جا رہی ہیں۔

احمد : میرے خیال میں چائے ادھر بیٹھ کر پی جائے۔ کیا خیال ہے؟

فقیر حسین : میں تو سارے دن میں چائے کا ایک کپ پیتا ہوں ناشتے کے ساتھ ... الحمد اللہ خیر سلا۔

احمد : بہر حال اس وقت تو پینی پڑے گی ..... البتہ اگر تم چاہو تو قہوہ یا کافی بھی مل سکتی ہے۔ کیوں بھئی اختر تم کیا پسند کرو گے۔

اختر : ANY THING - میں نے کھانے پینے کے سلسلے میں تخصیص کرنا چھوڑ دیا ہے۔ تنور کو صرف لکڑیوں کی ضرورت ہوتی ہے چاہے کیکر کی ہو چاہے آبنوس کی۔

عابد : ایستھیٹکس بھی کوئی چیز ہوتی ہے یار

اختر : ہو گی .... میرے نزدیک یہ ایک فراڈ کے علاوہ کچھ نہیں۔ ایک مشغلہ ہے تم جیسے امیر لوگوں کا۔

سعیدہ : (بات ٹالنے کی کوشش میں) اس سے بحث نہ کرنا عابد بھائی۔ یہ پیدائشی طور پر حزب اختلاف کا آدمی ہے۔

احمد : (ہنستے ہوئے) بہت خوب..... اچھا بھئی اب ایسے کرو تم لوگ ذرا اپنے کمروں میں جاکر گپ کرو محفل لگاؤ، مجھے فقیر حسین سے ایک بات کرنی ہے۔

نیلم سے کہتا ہے کہ اختر کو اپنی پینٹنگز وغیرہ دکھاؤ۔

نیلم : آؤ سعیدہ۔

خالد : آؤ تمہیں اپنا کمرہ دکھاؤں۔

سعیدہ : چلیے۔

تینوں کمرے سے جاتے ہیں عابد بھی ان کے پیچھے پیچھے جاتا ہے اختر چند لمحے ادھر اُدھر دیکھتا ہے پھر باہر والے دروازے سے نکل جاتا ہے۔

احمد : آؤ ہم اُدھر بیٹھتے ہیں وہ صوفہ ذرا زیادہ ہے۔

فقیر حسین : (ہنستے ہوئے) میں ڈاکخانے میں جس کرسی پر بیٹھتا ہوں اس کے بعد تو مجھے پتھر کا بنچ بھی آرام دہ معلوم ہوتا ہے۔

احمد : تمہارے مکان کے بارے میں ایک پرویزل ہے میرے پاس۔

فقیر حسین چونک کر اس کی طرف دیکھتا ہے۔

سین نمبر ۱۱

عابد نے بہت ہلکا سا میوزک لگا رکھا ہے جس کے ساتھ وہ چٹکی بجاتا ذرا ذرا تھرک بھی رہا ہے۔ سعیدہ کو گھور کر بامعنی طریقے سے دیکھتا ہے۔

سین نمبر ۱۲

خالد کا کمرہ۔ ایک سلجھے ہوئے پڑھنے لکھنے والے آدمی کا کمرہ۔ کتابوں کی کثرت، بڑی الماری کے ساتھ ایک سٹڈی ٹیبل ہے جس پر چند کاغذات پڑے ہیں۔

کمرے میں خالد سعیدہ اور نیلم ہیں۔

خالد : کیسا لگا تمہیں۔

سعیدہ : بہت اچھا ہے.... اگر یہ بیڈ یہاں نہ ہو تو لگے جیسے لائبریری میں آگئے ہیں۔

نیلم : TOUCH WOOD (ٹچ وڈ) کیوں خالد بھائی، میں نے بھی یہی کہا تھا نا آپ سے۔

خالد : (مسکراتے ہوئے چھیڑنے کے انداز میں) تم دنیا میں واحد دو عورتیں ہو جن میں کسی مسئلے پر اتفاق رائے پایا جاتا ہے۔

سعیدہ : یہ واحد دو عورتیں کیا ہوتا ہے؟ آپ کی تو گرامر بہت گڑبڑ ہے۔

نیلم : اور پھر یہ عورتیں کیا ہوتا ہے، لڑکیاں بولیں!

خالد : اوہ سوری۔

سعیدہ : سٹڈی ٹیبل سے کاغذات اٹھا کر دیکھتے ہوئے ، یہ یہ آپ پی ایچ ڈی فلاسفی میں کر رہے ہیں یا شاعری میں.... ہر طرف شعر ہی شعر لکھے ہوئے ہیں۔

خالد : کیوں، کیا شاعری میں فلسفہ نہیں ہوتا۔!

سعیدہ : ہوتا تو ہے مگر....

خالد : تمہارے فیورٹ علامہ اقبال کا شعر ہے۔

فلسفہ و شعر کی اور حقیقت ہے کیا
حرفِ تمنا جسے کہہ نہ سکیں رُوبرو

انہوں نے تو دونوں کو ایک ہی چیز قرار دیا ہے۔

سعیدہ : (زچ ہو کر) اوہو میرا مطلب یہ نہیں تھا۔

خالد : (تنگ کرنے کے انداز میں) تو پھر کیا تھا تمہارا مطلب۔

نیلم : اچھا بھئی آپ دونوں ذرا بحث کریں۔ میں لان سے اپنا پینٹنگ کا سامان اٹھالوں، ورنہ وہ سٹوپڈ مالی کا بچہ پھر تباہی پھیر دے گا۔

خالد : (ہنستے ہوئے) مالی سے بڑی ناراض ہے یہ۔ حالانکہ اس بے چارے کا قصور صرف اتنا ہے کہ ایک دفعہ اس نے اس کی ایبسٹرکٹ (ABSTRACT) پینٹنگ کے بارے میں پوچھ لیا تھا کہ یہ ہے کیا؟

دونوں ہنستے ہیں۔

سین نمبر ۱۳

اختر لان میں ایزل پر لگی ہوئی ایک نامکمل پینٹنگ کو غور سے دیکھ رہا ہے چہرے پر استہزا کے تاثرات ہیں نیلم تیز تیز چلتی ہوئی آتی ہے۔

نیلم : تم بھی پینٹ PAINT کرتے ہو۔

اختر : ہاں۔ مگر صرف دروازوں اور کھڑکیوں پر۔

نیلم : (سامان سمیٹتے ہوئے) آج کل کیا کر رہے ہو۔

اختر : غور!

نیلم : کس مسئلے پر۔

اختر : مسئلہ ابھی طے نہیں کیا.... یوں سمجھو غور کرنے کی نیٹ پریکٹس کر رہا ہوں۔

نیلم : خالد بھائی کی شاگردی کر لو.... انہیں بھی بڑا شوق ہے فضول کاموں کا۔

اختر : گویا غور کرنا ایک فضول کام ہے۔

نیلم : اور کیا۔ یہ عمر تو زندگی انجوائے کرنے کی ہے۔ غور کرنے کا ٹائم آئے گا تو دیکھا جائے گا۔

اختر : غور کرنے کا کوئی خاص ٹائم ہوتا ہے ؟

نیلم : ہوں۔ میرے خیال میں غور صرف اس وقت کرنا چاہیئے جب اور کچھ کرنے کو نہ ہو۔

اختر : پھر تو میں صحیح غور کر رہا ہوں.... میرے پاس اور کچھ نہیں ہے کرنے کو۔

نیلم : کالج کیوں چھوڑ دیا ہے تم نے۔

اختر : جو کچھ وہ مجھے پڑھا رہے تھے اس کی مجھے ضرورت نہیں تھی اور جس قیمت پر پڑھا رہے تھے وہ میں ادا نہیں کر سکتا تھا۔ SIMPLE AS THAT

نیلم : اوہ.... تمہارے ڈیڈی ۔ لیکن ۔ تم.... (سمجھ میں نہیں آتا کیا بات کرے) آؤ اندر چلیں۔

اختر : (کندھے اچکاتے ہوئے) چلو۔

سین نمبر ۱۴

احمد ۔ فقیر حسین۔

احمد : میری بات سمجھنے کی کوشش کرو فقیر حسین.... تمہیں رقم کی ضرورت ہے.... اختر کی تعلیم کے لیے سعیدہ کی شادی کے لیے۔

فقیر حسین : اللہ مالک ہے۔

احمد : آخر تمہیں اعتراض کیا ہے۔ میں تمہیں اس مکان سے بہتر مکان دے رہا ہوں۔ تیس چالیس ہزار اس کے علاوہ دے رہا ہوں۔ اب تم بلا وجہ ضد کرو تو اور بات ہے۔

فقیر حسین : سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تم مجھ پر یہ خصوصی عنایت کیوں کر رہے ہو۔

احمد : اس لیے کہ تم.... تم میرے بھائی ہو۔

فقیر حسین : اگر یہ بات ہوتی تو یقین کرو میں تمہارے ایک دفعہ کہنے پر بغیر ایک پیسہ لیے مکان خالی کر دیتا چاہے مجھے فٹ پاتھ پر ہی کیوں نہ رہنا پڑتا۔ مگر اس طرح نہیں احمد علی.... اس طرح نہیں۔

احمد : اچھا چلو مان لیا کہ اس میں میرا بھی فائدہ ہے.... تو کیا تم میرے فائدے میں خوش نہیں ہو۔

فقیر حسین : ضرور ہوتا۔ اگر تم نے مجھے یہ بھائی چارے کا چکر نہ دیا ہوتا۔ زندگی میں مجھے ہمیشہ ایک چیز سے شدید نفرت رہی ہے اور وہ یہ کہ کوئی مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کرے، میرے اعتماد کو دھوکہ دے۔ تمہارا میرے گھر آنا اور مجھے یہ دعوت دینا صرف اس لیے تھا کہ تم رشتہ داری کی آڑ لے کر مجھ سے سودا کرنا چاہتے تھے۔ یقین کرو اگر تم نے براہِ راست مجھ سے یہ بات کہہ دی ہوتی تو شاید میں مان جاتا لیکن اب نہیں۔

احمد : اوہو۔ اچھا بابا مجھ سے غلطی ہو گئی۔ معاف کر دو۔ بس.... اب غصہ تھوک دو۔

فقیر حسین : (بے قراری سے کمرے میں ٹہلتے ہوئے) تم کتنی آسانی سے دو منٹ میں تین مختلف باتیں کر لیتے ہو.... مگر مجھے یہ سب کچھ نہیں آتا.... شاید یہی وجہ ہے کہ میں آج بھی ایک غریب اور تنگدست

انسان ہوں اور تم اتنے بڑے کاروبار کے مالک ہو۔ لیکن احمد علی .... مجھے اپنے فیصلے پہ ندامت نہیں ہے.... میں جب کبھی اپنی اس کانٹوں بھری زندگی کو دیکھتا ہوں تو مجھے پھولوں کے نہ ہونے کا احساس تو ضرور ہوتا ہے لیکن پچھتاوا نہیں ہوتا.... بوڑھے تو ہم دونوں ہو چلے ہیں احمد علی .... زندگی تو ہم دونوں کی گزر گئی ہے مگر میں سمجھتا ہوں میں تمہاری نسبت بہت بہتر طور سے جیا ہوں۔

احمد : تمہاری اسی منطق نے تمہیں تباہ کیا ہے.... کیا بہتری ہے تمہاری زندگی میں۔ کس بات کی سزا دے رہے ہو تم اپنی اولاد کو۔ اس بھوکے ننگے محلے میں کس کو پروا ہے تمہاری... مر جاؤ گے تو کون روئے گا تمہیں۔ اپنے خیالوں کی دلدل سے نکلو فقیر حسین۔ زندگی کو چھو کر دیکھو کہ وہ کیسی ہوتی ہے۔

فقیر حسین : تتلیاں دور سے ہی اچھی لگتی ہیں احمد علی.... چھو لو تو صرف ان کے رنگ ہاتھوں میں رہ جاتے ہیں.... تتلیاں یا مر جاتی ہیں یا اڑ جاتی ہیں۔

احمد : تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم مکان میرے ہاتھ نہیں بیچو گے۔

فقیر حسین : نہیں۔

احمد : مجھے اس کی ضرورت ہو تب بھی نہیں۔

فقیر حسین : ہاں۔ اس بات کے بعد نہیں۔

کیمرہ اندرونی دروازے پر جاتا ہے جہاں عابد کھڑا یہ باتیں سن رہا ہے۔

احمد : یعنی تم میری ایک غلطی کی سزا اپنی اولاد کو دو گے۔

فقیر حسین : اپنی اولاد کے بارے میں مجھے تم سے زیادہ فکر ہے۔

احمد : اچھا بابا.... کہہ دیا نا اب جانے دو.... معاف کر دو۔

عابد : (قدم آگے بڑھاتے ہوئے، غصے سے) آپ کیوں اتنی منتیں کر رہے ہیں ڈیڈ ——— TO HELL WITH IT نہیں بیچتے تو نہ بیچیں.... ہم میں زور ہو گا تو ہم خود لے لیں گے۔

فقیر حسین : (طنزیہ انداز میں) ماشاء اللہ۔

احمد : تم بیچ میں نہیں بولو عابد۔ جاؤ۔ اندر جاؤ۔

عابد : میں بہت دیر سے آپ کی باتیں سن رہا ہوں ڈیڈ ——— یہ آپ کے کزن صاحب کچھ زیادہ ہی ہیرو بننے کی کوشش کر رہے ہیں.... ایسے آدمی پیار محبت کی زبان نہیں سمجھتے۔

احمد : عابد۔

عابد : پلیز ڈیڈ... آپ یہ کام مجھ پر چھوڑ دیجیے.... میں دیکھتا ہوں کیسے نہیں چھوڑتے مکان یہ لوگ.... اگر یہ ہاتھ جوڑ کر معافی نہ مانگیں تو میرا نام عابد نہیں۔

فقیر حسین : شکریہ احمد علی.... میرے خیال میں اب اس کے بعد تمہارے یہاں رکنے کی مزید گنجائش

نہیں رہی۔ تمہاری اس پہلی اور آخری دعوت کا بہت بہت شکریہ، میرے بچوں کو بُلوا دو۔

عابد: بچوں سے بہت پیار لگتا ہے۔

فقیر حسین: ہاں! لیکن انسان کے بچوں سے۔

عابد: اوہ۔ شٹ اپ..... مجھے ابا جان کا لحاظ ہے ورنہ۔

فقیر حسین: فکر نہ کرو..... اگر یہی حالات رہے تو ابا جان کا لحاظ بھی نہیں رہے گا تمہیں۔ (دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے) سعیدہ۔ اختر۔ بھئی کہاں ہو تم.....

احمد اور عابد کے تاثرات۔

سین نمبر ۱۵

فقیر حسین کا گھر

سعیدہ: آخر آپ بتاتے کیوں نہیں۔ کیا بات ہوئی تھی وہاں۔

فقیر حسین: کہا نا کچھ نہیں۔ بڑوں کی باتوں میں بچے دخل نہیں دیا کرتے۔

اختر: (وقفہ) یہ عابد آپ کی طرف ایسے گھور گھور کر کیوں دیکھ رہا تھا۔

فقیر حسین: (نظریں چراتے ہوئے) کب..... میں نے تو نہیں دیکھا۔

اختر: ضرور ان لوگوں نے آپ سے کوئی زیادتی کی ہے۔

فقیر حسین: (غصہ دباتے ہوئے) یہ ایک دم تمہارے دل میں میری محبت کیسے جاگ پڑی ہے..... تم جاؤ اپنا موج کرو۔ آوارہ گردوں میں اٹھو بیٹھو۔ میرے عمر بھر کے کمائے ہوئے نام پر مٹی ڈالو۔

اختر جھنجھلا کر کمرے سے نکل جاتا ہے۔ فقیر حسین کمبل کھینچ کر اوپر لیتا ہے۔

سعیدہ چند لمحے کچھ سوچتی رہتی ہے۔ پھر کمرے سے نکل جاتی ہے۔

فقیر حسین کا کلوز

سین نمبر ۱۵۔اے

اختر سائیکل چلاتا ہوا احمد علی کی کوٹھی کے دروازے پر آتا ہے اندر جانے لگتا ہے چوکیدار بڑھ کر روکتا ہے۔

چوکیدار: اے۔ اے۔ بھائی صاحب.....کدھر۔

اختر: (ایک پاؤں زمین پر رکھتے ہوئے) اس دروازے سے اندر جاتے ہیں نا (چوکیدار اثبات میں سر ہلاتا ہے) تو میں بھی اندر جا رہا ہوں۔

چوکیدار: کس سے ملنا ہے۔

اختر: تم نے غالباً مجھے پہچانا نہیں..... ہم لوگ کل بھی آئے تھے۔

چوکیدار: (غور سے دیکھتا ہے پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھرتی ہے، تاہم پر) (اختر گھور کر

اسے دیکھتا ہے چوکیدار ایک دم سنجیدہ ہو جاتا ہے ۔صاحب لوگوں میں سے کوئی گھر پر نہیں ہے۔
چھوٹی بی بی اُدھر باغیچے میں تصویریں بنا رہی ہیں۔ آپ ٹھہرو، میں ان کو اطلاع کرتا ہوں۔

اختر : (سائیکل ایک طرف کھڑی کرتے ہوئے) میں خود مل لیتا ہوں اُن سے۔

لان کی طرف بڑھتا ہے۔

سین نمبر ۱۵-بی

لان کا کونا۔ نیلم کسی اور تصویر پہ کام کر رہی ہے ساتھ ساتھ اختر سے باتیں کرتی جا رہی ہے اس کا انداز بہت CASUAL ہے اور وہ اختر کے سنجیدہ انداز کا نوٹس نہیں لے رہی۔

نیلم : نہیں بھئی، مجھے نہیں پتہ.... بزرگوں کی گفتگو مجھے ویسے ہی بڑی بور لگتی ہے۔

اختر : تو اس کا مطلب ہے آپ.... اچھا میں چلتا ہوں۔

لان چیئر سے اٹھتا ہے۔

نیلم : ڈیڈی فیکٹری سے آنے ہی والے ہوں گے.... اگر تمہیں اتنی ہی پریشانی ہے تو ان سے پوچھ لو۔

اختر : ان سے.... نہیں وہ.... دراصل.... میں جاننا چاہتا تھا کہ

نیلم : اوہو، بھئی تو تم اپنے والد سے کیوں نہیں پوچھ لیتے ویسے کل تو تم کہہ رہے تھے کہ تمہیں کسی چیز کی پروا نہیں.... یہ سارا سوشل سیٹ اپ تمہارے لیے محض ایک فراڈ ہے اور پتہ نہیں کیا۔ (گیٹ سے اندر آتی ہوئی گاڑی کا ہارن سنتی ہے) لو ڈیڈی آ ہی گئے ہیں۔

گیٹ کی طرف ہاتھ ہلاتی ہے۔ کٹ کر کے دکھاتے ہیں کہ احمد علی گاڑی سے اتر رہا ہے۔ بیٹی کی طرف جوابی کرتا ہے، گھر کے اندر داخل ہوتے ہوئے رکتا ہے دوبارہ مڑ کر لان کی طرف دیکھتا ہے اختر کو دیکھ کر حیران سا ہوتا ہے ملازم آگے بڑھ کر دروازہ کھولتا ہے احمد علی لان کی طرف مڑتے ہوئے ملازم سے کہتا ہے۔

احمد علی : چائے اِدھر لان میں ہی لگا دو....

سین نمبر ۱۵-سی

نیلم کے ایزل کے قریب ایک لان ٹیبل پر چائے کا سامان لگا ہے۔ کچھ کرسیاں اِرد گرد پڑی ہیں۔ احمد علی نے کوٹ اتار کر ٹائی کی گرہ ڈھیلی کر رکھی ہے نیلم اور اختر سامنے بیٹھے ہیں۔

احمد : دیکھو برخوردار اگر تمہارے والد نے تم سے بات نہیں کی تو اس کا مطلب یہی نکلتا ہے کہ وہ بچوں کو اس معاملے سے الگ رکھنا چاہتا ہے.... لہٰذا تم خوامخواہ پریشان ہونے کی کوشش نہ کرو۔

یہ کیک تو۔ اچھا ہے۔

اختر : جی شکریہ ... مجھے کیک اچھا نہیں لگتا۔

احمد : کیک کیک میں فرق ہوتا ہے بیٹا ... یہ ... خیر چھوڑو ... یہ بتاؤ تم کوئی کام وغیرہ کیوں نہیں کرتے۔

اختر : (ایسے لہجے میں ... جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ جھوٹ بول رہا ہے) ایک دو جگہ اپلائی کیا ہوا ہے۔ جلد ہی امید ہے کچھ ....

احمد : بی اے کر لیا ہے؟

اختر : جی نہیں .... دو تین پرچے دیئے ہیں .... اچھا .... میں چلتا ہوں ....

اٹھتا ہے۔

احمد : بیٹھو، بیٹھو، اتنی کیا جلدی ہے ... ہاں تو یعنی تمہاری موجودہ کوالیفیکیشن ایف اے ہے .... آج کل کے زمانے میں ایف اے ..... ! میرے پاس کلریکل سٹاف میں چار پانچ ایم اے پاس لڑکے ہیں۔!!

اختر : جی ہاں اسی لیے میں نے ایم اے نہیں کیا۔

نیلم : (ہنستے ہوئے) WHAT AN ARGUMENT

احمد : (غور سے دیکھتے ہوئے ایک ایک لفظ تول کر بولتا ہے) میں نہیں چاہتا کہ تم یوں بیکار اپنا وقت ضائع کرو۔ تم میرے عزیز ہو، میں چاہتا ہوں تمہیں کسی اچھی جگہ لگا دوں .... کرو گے کام!

اختر : مجھے نفرت ہے کلرکی سے۔

احمد : میں تمہیں اسسٹنٹ مینجر کی جاب دے رہا ہوں ..... دو ہزار سیلری اور مکان فری.... لیکن رہنا تمہیں فیکٹری ایریا میں ہوگا۔

اختر : اس کی تو کوئی بات نہیں مگر .... دو ہزار

احمد : محنت سے کام کرو گے تو اس میں اضافہ بھی ہو سکتا ہے ....

اختر حیرت اور ممنونیت سے اس کی طرف دیکھتا ہے۔

سین نمبر ۱۵

فقیر حسین بے چینی سے کمرے میں ٹہل رہا ہے۔ اختر قدرے سرکشی کے انداز میں اس کی طرف دیکھ رہا ہے سعیدہ پریشان کھڑی ہے۔

فقیر حسین : کہہ دیا نا، تم وہاں نوکری نہیں کرو گے۔ بس ....

اختر : میری سمجھ میں نہیں آتا آپ کو کیا ہو گیا ہے۔ دو سال سے اٹھتے بیٹھتے طعنے دے رہے تھے

کرکام نہیں کرتا اب تقدیر نے ایسا اچھا موقع دیا ہے تو آپ .... باجی تم ہی سمجھاؤ انہیں۔

سعیدہ: (ڈرتے ڈرتے) ابو..... اختر ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہے۔

فقیر حسین: تم دونوں کو نہیں پتہ..... یہ نوکری کی پیش کش ایک جال ہے جو احمد علی نے مجھ پر پھینکا ہے۔

اختر: (طنزیہ انداز میں کہتا ہے جیسے باپ کی ذہنی صحت پر شک ہو) آپ کو پتہ ہے وہ مجھے....
ایک ایف اے پاس کو دو ہزار روپے مہینہ تنخواہ دے رہے ہیں..... اور اس کے علاوہ
مکان فری ہے۔

فقیر حسین: (دانت پیستے ہوئے) مکان فری۔ مکان فری اس لیے ہے کہ وہ مجھ سے یہ مکان خالی کرانا
چاہتا ہے۔

اختر: یہ مکان۔ اس مکان کا کیا کرنا ہے کسی نے۔

سعیدہ: (جیسے اختر کی ہم خیال ہو) واقعی ابو یہ مکان تو....
باپ کی طرف دیکھ کر خاموش ہو جاتی ہے۔

اختر: آپ پتہ نہیں کس بات سے اتنے بدظن ہیں — احمد چچا کہہ رہے تھے کہ میں ان کے لیے
عابد کی طرح ہوں۔

فقیر حسین: (ضبط کا بند ٹوٹ جاتا ہے) عابد کی طرح.... (اختر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے) تمہیں پتہ
ہے کل اسی عابد نے تمہارے باپ کی کس قدر توہین کی تھی.... کتنا ذلیل کیا تھا اسے گھر
بلا کر۔

سعیدہ: کیا کہہ رہے ہیں ابو...

فقیر حسین: وہ دونوں باپ بیٹا مجھ سے یہ مکان خالی کرانا چاہتے تھے.... تاکہ یہاں اپنی کوئی عمارت
بنا سکیں.... اور میرے انکار پر.... مگر تمہیں کیا..... تم جاؤ نوکری کرو اس کی.....
اتنی بڑی تنخواہ مل رہی ہے تمہیں۔

اختر اور سعیدہ چند لمحے حیرت سے فقیر حسین کی طرف دیکھتے ہیں اختر کے
چہرے کے تاثرات بدلتے ہیں جیسے اس کی سمجھ میں ساری بات آگئی ہو،
مڑ کر تیزی سے کمرے سے نکل جاتا ہے۔

سین نمبر ۱۶

عابد اپنی آفس ٹیبل پر کچھ فائلیں دیکھ رہا ہے۔ اختر دروازہ کھول کر اندر آتا
ہے دونوں ہاتھ میز پر رکھ کر جھکتا ہے عابد چونک کر اس کی طرف دیکھتا
ہے۔

عابد: کیا بات ہے؟

اختر : میرے ابا سے تم نے بدتمیزی کی ہے؟

عابد : امی سے جا کے پوچھو۔ میرے پاس کیا لینے آئے ہو۔ اور ذرا پیچھے ہٹ کے تمیز سے بات کرو۔

اختر : (شدید غصے سے کانپتے ہوئے) میری بات کا جواب دو۔

عابد : (اٹھ کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے) ہاں اور اگر تین دن کے اندر اندر تم لوگوں نے اپنا مکان ہمارے پاس فروخت نہیں کیا تو تم ...... تمہارا باپ اور تمہاری بہن، تینوں ہسپتال میں ہوگے .... UNDERSTAND (اپنی بات کا خود ہی مزا لیتے ہوئے) بلکہ یہ ہو سکتا ہے کہ تمہاری بہن راتوں رات ....

(ایسے اشارہ کرتا ہے جس کا مطلب ہے کہ اسے اغوا کر لیا جائے گا)

اختر : (غصے سے اس پر جھپٹتے ہوئے) تم۔ تم کمینے۔ ذلیل۔

عابد اس کے منہ پر زور سے مکا مارتا ہے اختر تیورا کر گرتا ہے عابد گھنٹی بجاتا ہے ایک ہٹا کٹا چپڑاسی اندر آتا ہے اس اثنا میں اختر دوبارہ مکہ کھا کر گرتا ہے۔

عابد : دو چار آدمیوں کو بلاؤ اور اسے پچھلے گودام میں لے چلو۔

چپڑاسی اٹھتے ہوئے اختر کو کالر سے پکڑ کر گراتا ہے مکہ تان کر اس پر جھپٹتا ہے۔

سین نمبر ۷۱

لانگ شاٹ سے آہستہ آہستہ زوم اِن کر کے اختر پر آتے ہیں جو ایک کوڑے کے ڈھیر کے قریب بیہوش پڑا ہے۔ کراہ کر کروٹ بدلتا ہے۔ اُٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کرتا ہے دور سے دو بدمعاش نما نوجوان F/O ہوتے ہوئے اس کے قریب آتے ہیں اختر سر جھٹک کر ان کو دیکھنے کی کوشش کرتا ہے۔

بدمعاش ۱ : کیا بات ہے باؤ۔ مفت مل گئی تھی کہیں سے۔

بدمعاش ۲ : اوئے اس کے تو کسی نے گھٹنے سیکے ہوئے ہیں .... کھسک چل یہاں سے

بدمعاش ۱ : (ادھر اُدھر دیکھ کر) گھڑی تو اتار لے۔

اختر : (چندھیائی ہوئی آنکھوں سے انہیں دیکھتا ہوا اٹھتا ہے بڑبڑاتا ہے) بس کرو ...... مت مارو مجھے۔

بدمعاش ۲ : اسے تو لگتا ہے کسی نے لمبی پھینٹی لگائی ہے .... (اختر کے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہے) کیا بات ہے باؤ جھگڑا ہو گیا تھا کسی سے۔

اختر : ہاں .... بہت مارا ہے انہوں نے مجھے .... اُف .... پانی - پانی پلوا دو مجھے -

بدمعاش ۲ (دبے چینی سے) کیوں ضمانت کینسل کرانی ہے اپنی .... اگر کوئی پھڈہ ہو گیا تو استاد نے ہم دونوں کی چٹنی بنا دینی ہے -

بدمعاش ۱ : پر یار جیلے .... اس کی حالت کو دیکھ .... انسانیت بھی کوئی چیز ہوتی ہے (اختر کا چہرہ ہاتھوں سے تھپتھپاتے ہوئے) اوئے باؤ - ہوش کر - کیا نام ہے تیرا -

سین نمبر ۱۸

کیمرہ ایک باز پر اوپن ہوتا ہے جس کی آنکھوں اور سنہ پر کھوپے چڑھے ہیں T/S کرتے ہیں - رفیق بدمعاش ایک کھلے میدان میں باز کو ہاتھ پر لیے کھڑا ہے کچھ فاصلے پر چند اور بدمعاش کھڑے دلچسپی حیرت اور خوف کے ملے جلے تاثرات سے اس کی طرف دیکھ رہے ہیں رفیق باز چھوڑتا ہے - باز ایک پرندے پر جھپٹ کر اسے پکڑتا ہے، پرندہ باز کے پنجوں میں تڑپتا ہے رفیق سنگدلی سے مسکراتا ہے -

رفیق : شاباش - شیرا

بہادرا : (قریب آتے ہوئے) اب یہ پورا ٹرین ہو گیا ہے استاد -

رفیق : ٹرین کے پتر یہ تو اب جمبو جٹ ہو گیا ہے - سپر سانک (سب ہنستے ہیں)

درختوں کے جھنڈ سے بدمعاش سلامت اور بدمعاش ۲ جیلا اختر کو ساتھ لیے آتے ہیں - رفیق غور سے ان کی طرف دیکھتا ہے ایک دم خاموشی چھا جاتی ہے جسے رفیق کی آواز توڑتی ہے -

رفیق : یہ کون ہے ؟

سلامت : یہ استاد جی .... وہ ....

رفیق : یہاں کیوں لائے ہو اسے .... تمہیں پتہ نہیں یہاں اپنے آدمیوں کے علاوہ کوئی نہیں آسکتا -

سلامت : (خوفزدہ ہو کر) وہ .... استاد یہ .... آپ سے ملنا چاہتا تھا -

رفیق : مجھ سے ملنا چاہتا ہے .... کیوں .... میں کوئی فلم ایکٹر ہوں .... کرکٹ کا پلیئر ہوں کوئی —

آگے آ کر اختر کو کالر سے پکڑتا ہے کالر موڑتا ہے اختر چپ چاپ اس کی طرف دیکھتا رہتا ہے -

کس نے بھیجا ہے تم کو .....

سلامت : یہ استاد جی .....

رفیق : (غصے سے اس کی طرف مڑتے ہوئے) بات میں اس سے کر رہا ہوں سالے.... (سلامت ایک دم ڈر کر پیچھے ہٹ جاتا ہے) بول کس کا آدمی ہے تو..... پولیس کا تو نہیں لگتا۔

اختر چند لمحے تکلیف کے عالم میں اس کی طرف دیکھتا ہے پھر اپنا گلا اس سے چھڑانے کی کوشش کرتا ہے۔

رفیق : یہ رفیق کی پکڑ ہے پتر.... آدمی کے سالہ تھک جاتے ہیں پر یہ مٹھی ڈھیلی نہیں ہوتی۔

اختر : (پھنسی پھنسی آواز میں) میرا گلا چھوڑو تو بتاؤں، میں کون ہوں۔

رفیق : (گلا چھوڑتے ہوئے) البتہ — !! چل جلدی بول۔

اختر : (گلا مسلتے ہوئے) میں.... میں تم لوگوں میں شامل ہونا چاہتا ہوں۔

رفیق چند لمحے حیرت سے اس کی طرف دیکھتا ہے پھر مسکراتا ہے۔ پھر ہنسنے لگتا ہے۔

رفیق : تیرے خیال میں ہم لوگ کیا ہیں — ! پتنگیں لوٹنے والے ہیں۔

ہنستا ہے۔

اختر : تم بدمعاش ہو اور میں بدمعاش بننا چاہتا ہوں۔

رفیق کی مسکراہٹ ایک دم سمٹ جاتی ہے آنکھوں کے تیور بدلتے ہیں، اختر کو بالوں سے پکڑتا ہے اس کا چہرہ اپنے قریب کرتا ہے۔

رفیق : تم - تم بدمعاش بنوگے - تم!

اختر : (استقعارت بھرے انداز میں) ہاں!

چند لمحے دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتے ہیں پھر رفیق ایک زناٹے کا تھپڑ اختر کے منہ پر مارتا ہے اختر الٹ کر گرتا ہے رفیق اس پر جھکتا ہے B/C میں اس سے پوچھتا ہے

رفیق : کیوں بننا چاہتا ہے تو بدمعاش!

2

کردار

• فقیر حسین • اختر • سعیدہ • احمد علی • عابد • خالد
• رفیق • فتح محمد • سلامت • جیلا • رحمان • رانا جہانگیر
• انیسہ جمیل • قریشی صاحب • ڈاکٹر • آدمی • کلرک • مستری
• لطیف • اور چند دوسرے

EPISODE I کا آخری سین چلتا ہے۔ رفیق اختر کو جھنجھوڑ کر پوچھتا ہے کہ وہ کیوں بدمعاش بننا چاہتا ہے۔

سین نمبر ۱

رفیق کے سوال کے جواب میں اختر خاموش رہتا ہے۔ رفیق اسے گریبان سے پکڑ کر زمین سے اٹھاتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولتا ہے۔

رفیق : چل اٹھ۔ بھاگ جا یہاں سے۔ بدمعاش بننے کے لیے شیر کا جگرا چاہیئے۔ ان لونڈیوں جیسے ہاتھوں پیروں سے بدمعاشی نہیں ہوتی۔ تُو تو حوالات کی ایک رات نہیں کاٹ سکتا..... تیل میں بھیگا ہوا اتنا بڑا چھتر ہوتا ہے ان کے پاس۔ تیرا تو اس کی شکل دیکھ کر دم نکل جائیگا۔ چل اُٹھ...... گھر جا.... ماں انتظار کر رہی ہوگی۔

اختر : (کراہتے ہوئے) میں سب کچھ سیکھ لوں گا..... تم..... تم..... تم مجھے..... اور مار کے دیکھ لو میں اُف نہیں کروں گا۔

رفیق کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کرتا ہے۔ رفیق پیچھے ہٹتا ہے۔

رفیق : (حیرت سے) پر کیوں۔ کیا تکلیف ہے تجھے..... اوئے سلامت..... کہاں سے اٹھا لایا ہے اس کلیس کو..... پیچھے ہٹ۔

اختر کا ہاتھ جھٹکتا ہے۔

اختر : تم جو کہو گے میں کروں گا۔ بس مجھے چاقو اور پستول چلانا سکھا دو۔ میں..... میں.....

کچھ کہتے کہتے رک جاتا ہے غصے کی شدت سے مٹھیاں بھینچتا ہے۔

رفیق : (حیرت اور دلچسپی سے) بدلہ لینا ہے کسی سے۔

اختر اثبات میں سر ہلاتا ہے۔

رفیق : تجھ سے تگڑا ہے وہ......!

اختر : نہیں ۔ مگر...... اس کے پاس بہت سے آدمی ہیں۔

رفیق : اوہ......

اس کے چہرے پر ایک جلتا ہوا گھر او خوف سے بھاگتے ہوئے لوگ D/S ہوتے ہیں۔ وقفے وقفے سے گولیاں چلنے کی آواز آتی ہے۔

رفیق : اوئے سلامت۔

سلامت : جی اُستاد جی۔

رفیق : اس کو ڈاکٹر ۔ مطلب یہ ہے کہ" پاس لے جانا۔ کہنا میرا آدمی ہے..... اس کو ایک دم ٹھیک ٹھاک کر دے۔

سلامت : بہت اچھا استاد جی۔ چل بھئی جوان۔

اختر : (شکستہ انداز میں مسکراتے ہوئے) تو گویا.... تم نے مجھے..... یعنی..... میں.....

رفیق : (مسکراتے ہوئے) پتہ نہیں کیوں تجھے دیکھ کر مجھے ایک اور رفیق یاد آگیا ہے..... وہ بھی کئی سال پہلے اسی حال میں، اسی ارادے سے اپنے گھر سے نکلا تھا۔

کیمرہ رفیق کے کلوز پر جاتا ہے جو کسی گہرے خیال میں کھو جاتا ہے۔

سین نمبر ۲

ڈاکٹر کا کمرہ ۔ سلامت ۔ جیلا ۔ اختر ۔ اختر کی مرہم پٹی ہو چکی ہے

ڈاکٹر : مطلب یہ ہے کہ اس کو چوٹیں جو لگی ہیں وہ باہر سے زیادہ اندر ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ گجھی چوٹیں ہیں۔ رفیق کو بتانا کہ اسے ٹھیک ہوتے ہیں کم از کم ایک ہفتہ لگے گا۔

جیلا : ہم تو تھانے سے ایسی ایسی پھینٹی کھا کے آتے ہیں اور آپ ہمیں دو تین دنوں میں گھوڑے کی طرح چوکس کر دیتے ہو۔ اس کا تو صرف گھٹنا ہی شوجا ہے۔

ڈاکٹر : آدمی اور گدھے میں فرق ہوتا ہے جیلے..... مطلب یہ ہے کہ یہ تمہاری طرح پروفیشنل مار کھانے والا نہیں ہے UNDERSTAND۔

سلامت : نہیں ہے تو ہو جائے گا.... کیوں باؤ....

اختر : ہاں..... شاید..... یہ ذرا اپنا ہاتھ دکھانا۔

سلامت بے خیالی میں ہاتھ آگے کرتا ہے اختر اس کے ہاتھ سے گھڑی اتار کر پہنتا ہے۔ سلامت ہکا بکا سا ہو کر اس کی طرف دیکھتا ہے پھر شرمندگی شائے کے انداز میں ہنستا ہے۔

سلامت: یہ تو میں تمہیں خود واپس کرنے والا تھا۔ ویسے صفائی ہے تمہارے ہاتھ میں.... کیوں جیلے۔

جیلا: مجھے تو یہ لگتا ہی کسی پاکٹ مار کی اولاد ہے۔

اختر کے چہرے پہ ایک تکلیف کا تاثر نمودار ہوتا ہے۔

سین نمبر ۳

ڈاک خانہ

فقیر حسین پوسٹ ماسٹر کی کرسی پر بیٹھا ایک رجسٹریشن بک کا رجسٹر میں اندراج کر رہا ہے۔ مہریں وغیرہ لگا کر کاپی واپس کرتا ہے۔ سامنے بیٹھے ہوئے آدمی سے پوچھتا ہے۔

فقیر حسین: جی۔

آدمی خوشامدانہ مسکراہٹ سے ایک رجسٹریشن بک آگے کرتا ہے۔

آدمی: یہ۔

فقیر حسین: (بک الٹتے پلٹتے ہوئے) جرمانے کی سلپ لے آئے ہیں آپ؟

آدمی: جی نہیں.... وہ تو بہت لمبا معاملہ تھا.... مجھے کسی نے بتایا ہے کہ آپ کر سکتے ہیں.... میں نے سوچا وہاں جو پیسے دینے ہیں تو کیوں نا.....

مکاری سے مسکراتا ہے۔ فقیر حسین گھور کر اس کی طرف دیکھتا ہے۔ آدمی کی مسکراہٹ سکڑتی ہے پھر آگے کو جھک کر سرگوشی کے انداز میں بولتا ہے۔

آدمی: جو خدمت آپ کہیں میں یہیں کر دیتا ہوں۔

جیب میں ہاتھ ڈالتا ہے۔

فقیر حسین: (غصہ ضبط کرتے ہوئے) میں یہاں اپنا فرض ادا کرنے بیٹھا ہوں.... خدمت کرانے کے لیے نہیں.... آپ براہ کرم تشریف لے جائیے اور ٹریفک آفس سے اس کا میمو بنوا کر لائیے۔

آدمی: سوچ لیجیے.... میرا کیا ہے۔ میں نے تو پیسے دینے ہیں۔ یہاں نہ سہی۔ وہاں سہی..... کام تو ہو ہی جائے گا.... میں نے تو سوچا تھا چکر بچا لوں۔

فقیر حسین: آپ تشریف لے جائیے۔

آدمی: ایک آپ کے ایمان دار ہونے سے دنیا کا رنگ تو نہیں بدل جائے گا۔

فقیر حسین: دنیا کے رنگ کا ذمہ دار تو وہ اوپر والا ہے، جس نے دنیا بنائی ہے.... میں تو اپنے اعمال کا جواب دہ ہوں۔ لیکن مت بھولیے ایک دن یہ جواب دہی آپ کو بھی کرنا ہو گی۔

آدمی: (اٹھتے ہوئے) آپ غلط جگہ پر بیٹھے ہیں۔ بزرگوار.... جائیے کسی مسجد میں بیٹھ کے اللہ اللہ کیجیے.... یہاں ہماری دنیا ٹھیک نہیں ہو رہی آپ آخرت کے چکر میں پڑے ہیں۔

آ کر چلا جاتا ہے۔ فقیر حسین چند لمحے خالی خالی نظروں سے چاروں طرف دیکھتا ہے۔

فقیر حسین: مجید بیٹے ...... ایک گلاس پانی تو دینا مجھے۔

رجسٹر پر جھک کر کچھ لکھنے لگتا ہے۔

سین نمبر ۴

رات کا وقت۔

فقیر حسین سو رہا ہے۔ کیمرہ اس کے چہرے سے T/B کرتا ہے۔ PAN کرتا ہوا سعیدہ کے کمرے پر آتا ہے جو ایک چادر اوڑھے کرسی میں بیٹھی ہے۔ چہرے سے پریشانی ظاہر ہو رہی ہے۔ بار بار گھڑی کی طرف دیکھتی ہے جس پر چار بج رہے ہیں پھر اختر کے خالی بستر کی طرف دیکھتی ہے۔ باہر گلی کے سناٹے میں کسی کے قدموں کی آواز قریب آتی ہے ایک دم چونک کر اٹھتی ہے لیکن آواز قریب آ کر پھر دور ہو جاتی ہے۔ جیسے آنے والا آگے گزر گیا ہو۔ دوبارہ کرسی میں گر جاتی ہے۔ اس کے کلوز سے DISSOLVE کرتے ہیں۔ وہ کرسی میں اونگھ رہی ہے روشندان سے صبح کا دھندلکا۔ ساتھ والے کمرے سے فقیر حسین کے کھنکارنے کی آواز آتی ہے۔

فقیر حسین: سعیدہ بیٹی ....

سعیدہ: (چونک کر سیدھی ہوتی ہے) جی ابو۔

فقیر حسین: اٹھ جاؤ بیٹی صبح ہو گئی ہے۔

سعیدہ کے کمرے میں داخل ہوتا ہے۔

یہ تم .....

سعیدہ کے بستر کی طرف دیکھتا ہے جو ویسے ہی بچھا رکھا ہے۔

کرسی پر کیوں ..... سوئیں نہیں رات۔

سعیدہ: جی نہیں ابو وہ .....

فقیر حسین: (شفقت سے مسکراتے ہوئے) پڑھتی رہی ہو .... میں بھی اکثر امتحانوں کے دنوں میں بیٹھے بیٹھے سو جایا کرتا تھا۔ آخر باپ سے کچھ تو سیکھنا تھا تم نے۔

سعیدہ: نہیں ابو یہ بات نہیں ..... وہ .... اختر۔

فقیر حسین: (مڑ کر اختر کے خالی بستر کی طرف دیکھتا ہے) اختر۔ یہ کدھر نکل گیا ہے صبح ہی صبح!

سعیدہ: وہ ..... رات بھر ... گھر نہیں آیا .... میرا دل بہت پریشان ہے۔

فقیر حسین: رات بھر نہیں آیا ..... یعنی ....

ایک دم اس کی حیرت غصے میں بدلتی ہے۔

اب آوارگی یہاں تک پہنچ گئی ہے۔ اب آئے تو اسے کہنا میرے گھر میں اس کے لیے کوئی جگہ نہیں مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے ایسے آوارہ اور..... بس بتا دینا اُسے..... میں سمجھوں گا میرا کوئی بیٹا تھا ہی نہیں۔

سعیدہ: اختر ایسا نہیں ہے ابو۔ آج سے پہلے وہ کبھی بغیر بتائے رات گھر سے باہر نہیں رہا۔ میرا دل ڈر رہا ہے..... کہیں..... خدانخواستہ.....

فقیر حسین: کچھ نہیں ہوتا اسے..... آوارہ گردی کی عادت پڑ جائے تو انسان کو پیچھے کی فکر نہیں رہتی۔ ہو گا کہیں اپنے جیسے لفنگوں کے ساتھ.....

سعیدہ: پلیز ابو..... ایسے نہ کہیئے..... اس کا پتہ کیجئے... کہیں وہ.....

فقیر حسین: (پریشانی اور جھنجلاہٹ سے) کہاں پتہ کروں۔ بتاؤ..... مجھے کچھ بتا کے جاتا ہے وہ۔

پریشانی میں بیٹھ جاتا ہے، سعیدہ دوپٹے سے اپنے آنسو خشک کرتی ہے۔

فقیر حسین: تم کیوں روتی ہو اس کے لیے۔ کیا پرواہ ہے اسے تمہارے اِن آنسوؤں..... اس گھر کی ——— میری۔

سعیدہ: اسے پرواہ ہے ابو... بہت پرواہ ہے... آپ نہیں جانتے..... وہ کتنا سوچتا، کتنا کُڑھتا ہے۔ اسے آپ کی محبت کی ضرورت ہے..... وہ آندھی کی زد میں آیا ہوا پھول ہے..... اسے ٹوٹنے نہ دیجیے۔

فقیر حسین: (متاثر ہو کر شکست خوردہ لہجے میں) تو تم کیا چاہتی ہو... میں کیا کروں..... کہاں جاکر آواز لگاؤں اس کے لیے....

سعیدہ: تالاب والے محلے میں اس کا ایک دوست ہے عرفان..... اسی کی طرف جایا کرتا ہے وہ اکثر۔ آپ اس سے پتہ کیجیے....

سسکی بھرتی ہے۔

فقیر حسین: (اس کا سر محبت سے تھپکتا ہے) اچھا اچھا میں جاتا ہوں.... تم یہ بند کرو..... رونا۔ اولاد کی آنکھ کا آنسو بڑا ظالم ہوتا ہے بیٹا..... نہیں دیکھا جاتا۔

سین نمبر ۵

کیمرہ ایک بہت بڑی پانچ منزلہ عمارت کے بلیو پرنٹ یا ماڈل پر اوپن ہوتا ہے — ٹرک کر کے احمد علی پر آتے ہیں جو اپنے دفتر میں دیوار پر لگے نقشے کو دلچسپی سے دیکھ رہا ہے۔ کچھ پیچھے کھڑا رحمان اس کے تاثرات کا جائزہ لے رہا ہے۔ احمد اطمینان کے انداز میں سر ہلاتا ہے۔ پائپ کا کش لیتا ہوا عابد کی طرف آتا ہے جو ایک طرف

صوفے پر بیٹھا ہے۔

احمد : I THINK, THIS IS GOOD ۔ کیوں عابد۔

عابد : EXCELLENT DAD ۔

رحمان کی طرف دیکھتے ہوئے

YOU HAVE DONE A GREAT JOB, MR, RAHMAN.

رحمان : تھینک یو عابد صاحب۔

احمد : میرے خیال میں اب سردار صاحب کے لیے اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔

عابد : یہ سینما جو گراونڈ فلور پر آگیا ہے نا ــــ یہ بہت کمال ہوا ہے۔

احمد : (سوچتے ہوئے) سینما! ہاں یاد آیا صبح مجھے برلاس بتا رہا تھا کہ کل تم نے اختر کو۔۔۔۔

رحمان کی طرف دیکھتے ہوئے بات بدلتا ہے۔ گھڑی دیکھتا ہے۔

سردار صاحب آنے والے ہوں گے۔۔۔۔ مینجر سے چیک کرواو فائلیں سب تیار ہیں نا۔۔۔۔

عابد : O-K

اٹھتا ہے۔

احمد : اچھا مسٹر رحمان۔۔۔ آپ کی فیس آپ کو پہنچ جائے گی۔ میں اپنے پارٹنر سے بات کروں اگر کوئی CHANGES REVUIRED ہوئیں تو میں آپ کو دوبارہ تکلیف دوں گا۔

رحمان : احمد صاحب۔ ANY TIME اچھا۔۔۔

ہاتھ ملاتے ہوئے

خدا حافظ

احمد : خدا حافظ۔

رحمان اپنا بریف کیس اٹھا کر جاتا ہے احمد دوبارہ بلیو پرنٹ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ عابد آتا ہے۔

عابد : سب چیزیں آرڈر میں ہیں ڈیڈ۔

احمد : I KNOW - I KNOW ۔۔۔ وہ تو ہیں لے۔۔۔۔ دراصل میں رحمان کے سامنے بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ تمہیں اختر پر ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیئے تھا۔ میں اسے TIME کر چکا تھا۔

عابد : اس کے لیے یہی علاج بہتر تھا ڈیڈ۔۔۔۔ کچھ لوگ صرف ڈنڈے کی زبان سمجھتے ہیں۔ آپ فکر نہ کریں۔ میرا آپ سے ایک ہفتے کا وعدہ ہے۔ آپ کے وہ کزن مسٹر فقیر حسین معہ اپنی آل اولاد کے اس سے پہلے اس مکان سے باہر ہوں گے۔

احمد : کسی مصیبت میں نہ پڑ جانا خوامخواہ۔

عابد : پیسہ ہر مصیبت کا حل ہے ڈیڈ۔ آپ دیکھتے جایئے ہم دونوں یہیں بیٹھے رہیں گے اور ہر کام خود بخود ہوتا چلا جائے گا۔ (چٹکی بجاتے ہوئے) یوں۔

احمد : بہر حال جو کچھ کرو ہاتھ پاؤں بچا کر کرنا..... اس پراجیکٹ کے دوران میں کسی غیر ضروری الجھن میں نہیں پڑنا چاہتا۔

عابد : میں آپ کو کسی ضروری الجھن میں بھی نہیں پڑنے دوں گا آپ غیر ضروری کی بات کر رہے ہیں۔

عابد ہنستا ہے۔ احمد مسکراتا ہے۔ مینجر دروازہ کھول کر جھانکتا ہے۔

مینجر : سردار صاحب آگئے ہیں سر

احمد : اوہ..... آؤ عابد.....

سین نمبر ۶

گھڑی میں دو بج رہے ہیں۔ دن کا وقت۔ سعیدہ بے چینی سے کمرے میں ٹہل رہی ہے۔ دروازے کے باہر سکوٹر رکنے کی آواز۔ چند لمحے بعد دستک کی آواز آتی ہے سعیدہ تیزی سے دروازے کی طرف جاتی ہے۔ دروازہ تھوڑا سا کھول کر باہر دیکھتی ہے پھر پورا دروازہ کھول دیتی ہے۔ چہرے پر سخت حیرت ہے دروازے میں خالد تذبذب کے انداز میں کھڑا ہے چند لمحے دونوں خاموش رہتے ہیں۔

خالد : میں اندر آسکتا ہوں..

سعیدہ : آ... آیئے۔ آیئے۔

خالد : اختر کا کچھ پتہ چلا۔

سعیدہ : نہیں۔ مگر آپ۔ آپ کو کیسے پتہ چلا کہ....

خالد : آپ کے والد صاحب کوئی دو گھنٹے پہلے کالج آئے تھے.... اختر کے پرانے دوستوں سے اس کے بارے میں پوچھ رہے تھے.... (غم زدہ انداز میں) مجھ سے تو انہوں نے بات بھی نہیں کی۔

سعیدہ : وہ دراصل.... (رک جاتی ہے) آپ بیٹھیے نا...

خالد : نہیں بیٹھوں گا نہیں.... مجھے صرف اتنا کہنا ہے کہ میرے گھر والوں کی طرف سے آپ لوگوں کے ساتھ جو زیادتی ہوئی ہے میں اس کے لیے شرمندہ ہوں۔ بے حد شرمندہ ہوں.... اگرچہ میں جانتا ہوں کہ میرے شرمندہ ہونے سے آپ کی تکلیف اور غم کا مداوا نہیں ہو سکتا... لیکن پھر بھی.... یقین کیجیے اگر میں اس وقت وہاں موجود ہوتا تو عابد کو کبھی یہ بدتمیزی نہ کرنے دیتا۔

سعیدہ : آپ کو کس نے بتایا ہے۔

خالد : امی نے .... امی بہت اچھی ہیں .... آپ کے آنے سے وہ اتنی خوش ہوئی تھیں کہ میں بتا نہیں سکتا
جب سے ہمارے گھر میں دولت آئی ہے ہم اپنے اپنوں سے، اپنے رشتوں سے کٹ کر رہ گئے
ہیں۔ امی کو اس کا بہت دکھ ہے۔ وہ خود بھی آنا چاہ رہی تھیں مگر .....

سعیدہ : کوئی بات نہیں .... ایسا ہو ہی جاتا ہے .... دراصل غلطی میری تھی .... میں نے ہی ابو کو آپ
کے گھر جانے پر مجبور کیا تھا۔

خالد : کاش ایسا نہ ہوتا۔

سعیدہ : ایک کام کریں گے میرا۔

خالد : جی۔

سعیدہ : اختر کو ڈھونڈ لائیے کسی طرح .... پتہ نہیں وہ .... (سسکی روکنے کے لیے دوپٹہ منہ میں
لیتی ہے) کاش میں لڑکی نہ ہوتی۔

خالد : آپ دل چھوٹا نہ کیجئے .... مجھے بتائیے وہ کہاں کہاں جاتا ہے .... میرے پاس سکوٹر ہے شام
تک سارا شہر چھان ماروں گا۔

سعیدہ : گلی کے موڑ پر غلام رسول گرم حمام کا بورڈ لگا ہے .... زیادہ تر وہیں بیٹھتا ہے وہ ......
وہاں سے پتہ کیجئے .... شاید کسی کو علم ہو۔

خالد : میں ابھی جاتا ہوں .... آپ .....
تسلی دینے کے لیے ایک قدم آگے بڑھتا ہے پھر پریشان سا ہو کر رک
جاتا ہے۔
تم فکر نہ کرو سعیدہ .... میں تم لوگوں کے ساتھ ہوں۔
خالد جاتا ہے سعیدہ کا کلوز۔

سین نمبر ۷

سردار جہانگیر ایک زبردست قسم کا جاگیردار، جس کے چہرے سے اس کی جابرانہ
فطرت ظاہر ہے لیکن بڑے دھیمے انداز میں بات کرتا ہے۔ احمد علی اور
عابد علی کے علاوہ کمرے میں سردار کے تین چار ملازم بھی ہیں لیکن وہ اُن سے
دور دروازے کے قریب زمین پر بیٹھے ہیں۔ میز پر کچھ فائلیں اور نقشے بکھرے
ہیں سردار ملتانی لہجے میں اردو بولتا ہے۔

سردار : سائیں .... مجھ کو اس کام کے بارے میں زیادہ وقوف نہیں ہے .... میں تو بندے کا گاہک
ہوں تم ہمارے یاروں کے یار ہو اس لیے ہمارے بھی سجن ہو۔

احمد : آپ کی محبت ہے سردار صاحب۔ پھر بھی یہ معاملہ چونکہ خاصا بڑا ہے اور اس میں قانونی پیچیدگیاں

بھی بہت سی ہیں، اس لیے ہمیں آپس میں ایگریمنٹ کر کے ایک باقاعدہ لمیٹڈ کمپنی بنانی پڑے گی جس کا ایک بورڈ آف ڈائرکٹرز ہوگا اور....

سردار: (بات کاٹتے ہوئے) یہ سب قانونی لفظوں کا ہیر پھیر ہے سائیں.... اس میں ہمیں سر کھپانے کی کیا ضرورت ہے ایک وکیل تم کرو ایک میں کرتا ہوں، دونوں بیٹھ کر یہ سارے کاغذ شاغذ بنالیں گے.... تم یہ بتاؤ مجھے رقم کتنی دینی ہے۔

احمد: اگر اندازے کے مطابق اٹھارہ ماہ میں یہ پراجیکٹ مکمل ہو گا تو میرے خیال میں کُل لاگت آٹھ سوا آٹھ کروڑ ہو گی۔

سردار: یعنی میری INVESTMENT چار کروڑ ہے؟

احمد: تقریباً۔

سردار: اتنی رقم بنک میں رکھیں تو سال کا منافع پچاس لاکھ ہوتا ہے سائیں۔

عابد: مگر اس پر ٹیکسز TAXES بھی تو پڑتے ہیں سردار صاحب!

سردار: (عابد کی آنکھوں میں دیکھ کر بولتا ہے عابد ٹپٹا جاتا ہے) اس کام میں ٹیکس کی معافی ہے سائیں؟

عابد: نہیں.... میرا مطلب تھا کہ.... کمپنی میں.....

احمد: میں آپ کی بات سمجھ رہا تھا سردار صاحب آپ منافع کی گارنٹی چاہتے ہیں نا۔

سردار: ہاں سائیں پکی اور مضبوط گارنٹی۔

احمد: ٹوئنٹی پرسنٹ۔

سردار: (چند لمحے سوچتا ہے احمد بیقراری سے پائپ کے کش لیتا ہے) CASH INVESMENT کتنی ہو گی؟

احمد: ففٹی ففٹی SAY.... باقی رقم بنک سے لیں گے لیکن اس کے لیے....

سردار: وہ میں کروں گا سائیں، تم اللہ کا نام لے کر کام شروع کراؤ۔ کل میرا وکیل آجائے گا.... باقی کی بات چیت اس سے کر لینا.... نیو (بنیاد) رکھنے کے لیے جمعۃ المبارک کا روز رکھنا مبارک ہوتا ہے.... اچھا میں چلتا ہوں، ہائی کورٹ میں ایک تاریخ ہے...... وہ لوگ انتظار کر رہے ہوں گے۔

احمد: خیریت تو ہے نا۔

سردار: ہاں ہاں بالکل خیریت ہے۔ وہ میرے کچھ مزارعوں کا آپس میں جھگڑا ہو گیا تھا، وہ تو میرا بھتیجا فیروز وقت پر پہنچ گیا ورنہ بہت کشت وخون ہونا تھا۔ پھر بھی نہ نہ کرتے سات بندے موقع پر ہلاک ہو گئے اور تین ہسپتال میں۔

عابد : (حیرت سے) اوہ..... دس قتل!

سردار : زندگی موت تو اللہ کے اختیار میں ہے سائیں۔ جس کی جیسے لکھی ہوتی ہے آجاتی ہے ——
انسان کون ہے بیچ میں بولنے والا۔ اچھا سائیں۔ اللہ بیلی۔

احمد : (ساتھ چلتے ہوئے) آیئے میں آپ کو چھوڑ آؤں۔

سردار : نہ سائیں نہ۔ آپ تشریف رکھو۔

عابد کا کندھا تھپکتے ہوئے۔

تمہارا صاحبزادہ ماشاء اللہ بڑا ہوشیار ہے۔ اس کو کبھی ہمارے علاقے میں بھجواؤ..... ذرا اس کی کوئی خاطر شاطر کریں۔

احمد : جب آپ کہیں۔ کیوں عابد۔

عابد : ضرور کیوں نہیں۔ شکار ہوتا ہے آپ کے علاقے میں؟

سردار : شکار ہی تو ہوتا ہے ہمارے علاقے میں۔ کبھی آکے دیکھو نا سائیں۔

سردار جاتا ہے۔ احمد دروازہ بند کر کے مڑتا ہے چہرے پر فکرمندی کے آثار ہیں۔

عابد : یہ آپ کے سردار صاحب تو خاصے بے وقوف سے آدمی ہیں۔ ڈیڈ۔

احمد : (حیرت سے) بے وقوف۔ تمہیں وہ بے وقوف لگا ہے۔

عابد : اور کیا۔ اتنی بڑی بزنس ڈیل اور ایسے..... MEAN اکچھ عجیب سا انداز تھا ان کا۔

احمد : (ایک ایک لفظ تول کر بولتے ہوئے) یہ شخص اس قدر چالاک ہے کہ تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ پچھلے تیس برسوں میں اس نے اپنی زمین میں کم از کم دس گنا اضافہ کیا ہے۔ BY HOOK OR CROOCK۔ پورے ڈویژن میں ہر سال سب سے زیادہ قتل اس کے علاقے میں ہوتے ہیں اور آج تک کوئی اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکا۔ تم نے دیکھا نہیں وہ دس آدمیوں کے قتل کا کیسے مزے سے ذکر کر رہا تھا۔ سچ پوچھو تو میں اس کے ساتھ بزنس کر کے اندر سے خوش نہیں ہوں۔

عابد : لیکن کنٹرول تو سارا آپ کے ہاتھ میں رہے گا نا۔

احمد : ہاں۔ مگر اس کا وکیل۔ تم دیکھنا وہ کیسا ایگریمنٹ ڈرافٹ کر کے لائے گا۔ خیر کوئی بات نہیں۔ ...میں نے بھی کچھ نہ کچھ بندوبست کر لیا ہے۔

عابد : اچھا ڈیڈ۔ میں ذرا فیکٹری ہو آؤں۔

احمد : O-K۔

سین نمبر ۸

شام کا وقت ۔ فقیر حسین ۔ سعیدہ ۔ خالد ۔

فقیر حسین کے کمرے میں تینوں پریشان سے بیٹھے ہیں ۔

فقیر حسین : (خالد سے) جاؤ بیٹا اب تم گھر جاؤ ...... وہ پریشان ہو رہے ہوں گے ۔

خالد : وہاں کسی کے پاس فرصت ہے پریشان ہونے کی !ایک امی ہیں انہیں میں نے فون کر دیا تھا ۔ ابا جان اور عابد کے نزدیک میں ایک بیکار آدمی ہوں ۔ جو لاکھوں کے بزنس کو چھوڑ کر ہزار ڈیڑھ ہزار کی لیکچرر شپ کر رہا ہوں انہیں میری کتابوں سے چڑ ہے اور مجھے .... (بات ٹالتے ہوئے) باقی رہی نیلم سو اُسے اپنی تصویروں اور سہیلیوں سے اتنی فرصت ہی نہیں ملتی کہ کسی اور طرف دیکھ سکے ۔

فقیر حسین : اوہ میں سمجھتا تھا شاید یہ غربت ہے جو اولاد اور والدین کے درمیان دیوار کھڑی کر دیتی ہے وہ کیا دوہا ہے بابا فرید کا بیٹی ..... وہ جو کل سنا رہی تھیں تم مجھے ۔

سعیدہ : میں جانوں دکھ مجھ کوں دکھ سجائے جگ
اُچے چڑھ کے دیکھیا تے گھر گھر ایہو اگ

فقیر حسین : (بڑبڑاتے ہوئے) اُچے چڑھ کے دیکھیا تے گھر گھر ایہو اگ ـــــ سبحان اللہ کیسی پتے کی بات کہی ہے ۔

دوبارہ یہی مصرعہ پڑھتا ہے ۔

خالد : اگر آپ اجازت دیں تو میں پولیس میں رپورٹ درج کرا دوں ۔

فقیر حسین : کیا ۔ کیا رپورٹ درج کراؤ گے ۔ اختر کوئی بچہ تو نہیں ہے جو ....

سعیدہ : اس میں کوئی حرج بھی تو نہیں ہے ابو ..... ہو سکتا ہے کہ .... آپ جائیے خالد صاحب ۔

خالد : (اٹھتے ہوئے) میرا ایک کلاس فیلو یہاں ہیڈ کوارٹر میں اے ایس پی لگا ہوا ہے ۔ بہتر ۔ میں اس سے بات کرتا ہوں (جاتا ہے) (وقفہ)

فقیر حسین : کچھ کھانے کو ہے بیٹی گھر میں ۔ صبح سے کچھ کھایا نہیں ۔ کمزوری سی ہو رہی ہے ۔

سعیدہ کا تذبذب دیکھ کر بات بدلتا ہے ۔

میں لے آتا ہوں بازار سے ۔

سعیدہ : میرے لیے نہ لائیے گا مجھے بھوک نہیں ہے ۔

فقیر حسین : بھوک تو مجھے بھی نہیں ہے ..... بس کچھ کمزوری سی ہے ۔ بوڑھا ہو گیا ہوں نا ....

دروازہ کھلتا ہے ایک دم گھبرا کر پیچھے ہٹتا ہے ۔

تم ۔؟

اختر ایک قدم بڑھا کر اندر آتا ہے دروازہ بند کرنے لگتا ہے سعیدہ دوڑ کر

اس سے لپٹ جاتی ہے اسے غصے اور پیار سے مارتی ہے۔

سعیدہ: کمینے، منحوس، ذلیل۔ کہاں مر گئے تھے۔ (اختر اس کی طرف مڑتا ہے۔ سعیدہ اس کی پٹیاں اور زخم دیکھ کر ایک دم گھبرا جاتی ہے) ہائے اللہ، یہ کیا ہوا۔

اختر: (نقاہت سے مسکرانے کی کوشش کرتا ہے) موت کے گولے میں موٹر سائیکل چلا کر آ رہا ہوں۔

فقیر حسین: بکواس نہیں کرو۔ لڑ کے آئے ہو کسی سے؟

اختر: جی نہیں... ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔

سعیدہ: (اسے بازو سے پکڑ کر آرام سے بستر تک لاتی ہے) یہاں۔ یہاں بیٹھو.... بلکہ لیٹ جاؤ۔ ہائے تمہیں تو بہت چوٹیں آئی ہیں۔

اختر: بس یوں سمجھو ابھی کچھ دن تمہیں میری یہ منحوس شکل اور دیکھنی تھی..... ورنہ بچنے کا کوئی چانس نہیں تھا۔

فقیر حسین: ہمیں اطلاع تو کر دیتے کم از کم۔

اختر: ہوش میں ہوتا تو آپ کو اطلاع دیتا نا۔ کچھ کھانے کو نہیں ہے سعیدہ.... ایمان سے بڑی سخت بھوک لگی ہے تم لوگ تو لگتا ہے کھا پی کر فارغ ہو چکے ہو۔

سعیدہ: شرم تو نہیں آتی تمہیں.... ابو نے صبح سے ناشتہ تک نہیں کیا۔

اختر: اوہ۔

فقیر حسین غصے اور شکوے کے ملے جلے انداز میں اس کی طرف دیکھتا ہے۔ میز سے ایک برتن اٹھا کر جاتا ہے سعیدہ اس کے جانے کا انتظار کرتی ہے۔ پھر اختر کے کندھے پر پیار سے قلم مارتی ہے۔

سعیدہ: بڑے ہی کمینے ہو تم۔

اختر: (کراہتے ہوئے) آہستہ آہستہ۔ ایں تن ہمہ داغ داغ شد۔

سعیدہ: ٹھہرو میں اشرف صاحب کے گھر سے ربڑ کی بوتل لے کر آتی ہوں۔ گرم پانی سے سکائی کرو گے تو جلدی آرام آئے گا۔

سعیدہ کرسی سے چادر اٹھا کر لپیٹتی ہوئی جاتی ہے۔ اختر ایک دم سنجیدہ ہو کر کیمرے کی طرف دیکھتا ہے۔

سین نمبر ۹

فقیر حسین اپنے ڈاک خانے میں نوٹ گن گن کر سامنے پڑے ٹرے میں مختلف ڈھیریاں بنا رہا ہے۔ ساتھ ساتھ کاغذ پر کچھ لکھتا جا رہا ہے۔ آخری گڈی گن کر رکھتا ہے کاغذ سے ٹوٹل کرتا ہے۔

فقیر حسین: تین ہزار دو سو چالیس روپے اور پچاس پیسے۔۔۔۔ یہی ٹوٹل ہے نا تمہارا بھی۔

کلرک: جی۔۔

فقیر حسین: تو پھر یہاں دستخط کر دو۔

کلرک دستخط کرتا ہے فقیر حسین کاغذ ٹرے میں رکھتا ہے ٹرے الماری میں رکھ کر تالا لگاتا ہے۔ پگڑی اٹھا کر سر پہ رکھتا ہے۔

سین نمبر ۱۰

سڑک پر دو لفنگے سے نوجوان ایک درخت کے نیچے کھڑے ہیں ایک دوسرے کو کہنی مار کر آنکھ سے اشارہ کرتا ہے سامنے سے فقیر حسین آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا آرہا ہے ان کے قریب سے گزرتا ہے دونوں بدمعاش ایک دوسرے کو چلنے کا اشارہ کرتے ہیں اور فقیر حسین کی مخالف سمت میں چلنا شروع کرتے ہیں۔

سین نمبر ۱۱

دونوں بدمعاش نوجوانوں میں سے ایک ڈاکخانے کے بیرونی دروازے کے تالے پر جھکا تار سے اس کو کھولنے کی کوشش کر رہا ہے دوسرا کچھ فاصلہ پہ بے تعلق سا کھڑا ہے جیسے نگرانی کر رہا ہو۔ تالا کھلتا ہے دونوں ایکدوسرے کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہیں تالا کھولنے والا بدمعاش اِدھر اُدھر دیکھکر جلدی سے دروازہ کھول کر اندر جاتا ہے دروازہ بند کرتا ہے۔ باہر والا سگریٹ پی رہا ہے۔

سین نمبر ۱۲

سلامت اور جیلا فقیر حسین کے دروازے پر دستک دیتے ہیں۔ دروازہ کھلتا ہے۔ اختر ان کے سامنے کھڑا ہے۔ پٹیاں اتری ہوئی ہیں۔ لباس بھی بدلا ہوا ہے۔ زخموں کی حالت بہتر ہے۔

اختر: تم!

سلامت: (دبی آواز میں) ہاں استاد نے کہا ہے آج رات ایک واردات ہے اگر چلنا ہو تو آجانا۔

اختر: آج رات۔

جیلا: چلنا ہو تو آدھے گھنٹے کے اندر اندر ڈیرے پر پہنچ جاؤ۔ استاد ایک ایک سیکنڈ کا حساب رکھتا ہے۔

سلامت: اچھا اب ہم چلتے ہیں آؤ جیلے۔

دونوں تیزی سے جاتے ہیں۔ اختر چند لمحے پریشانی میں کھڑا رہتا ہے۔ دروازہ بند کر کے مڑتا ہے۔ سامنے سعیدہ کھڑی ہے۔ جس کے چہرے سے سخت حیرت کے آثار نمایاں ہیں اختر اسے دیکھ کر ایک دم گھبرا جاتا ہے۔

سعیدہ : یہ کون لوگ تھے؟

اختر : یہ .... وہ .... میرے ... دوست تھے۔

سعیدہ : تمہارے دوست؟ شکلیں تو ان کی اٹھائی گیروں جیسی تھیں۔

اختر : (بات ہنسی میں ٹالنے کی کوشش کرتا ہے) میری شکل کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟

سعیدہ : سچ سچ بتاؤ کون تھے یہ .... اور تم نے رات کو کہاں جانا ہے۔

اختر : رات کو ... وہ میں .... تمہارا کیا خیال ہے میں کہاں جا سکتا ہوں!

سعیدہ : مجھے پتہ ہوتا تو تم سے کیوں پوچھتی۔ لیکن مجھے اتنا پتہ ہے کہ جب لوگ سرگوشیوں میں باتیں کرتے ہیں تو ان کے ارادے اچھے نہیں ہوتے۔

اختر : ایک تو میں تمہاری اس سائیکالوجی سے بہت تنگ ہوں۔ یہ جو تم ہر بات میں عمل اور ردعمل ڈھونڈتی رہتی ہو نا .... عاجز آگیا ہوں میں اس سے! چلو چائے پلواو جلدی سے۔

سعیدہ : دیکھو اختر کوئی ایسا قدم نہ اٹھانا جس پر تمہیں بعد میں ندامت ہو۔

اختر : اچھا بابا اچھا سن لیا اب بس کرو۔

سعیدہ : (سنجیدگی سے) اس طرح کے لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا تمہیں زیب نہیں دیتا۔

اختر : کیوں کیا کمی تھی ان لوگوں میں۔ شریف ہونے کے لیے پینٹ کوٹ پہننا ضروری ہے کیا؟

سعیدہ : شریف ہونے کے لیے صرف شریف ہونا ضروری ہوتا ہے اختر ... اور یہ لوگ .... مجھے یقین نہیں آتا یہ تمہارے دوست ہو سکتے ہیں۔

اختر : اشٹام لکھ دوں!

سعیدہ : تمہارے اس بس کے حادثے کی خبر بھی نہیں آئی کسی اخبار میں .... تم تو کہہ رہے تھے چار آدمی .....!

اختر : خدا کے لیے سعیدہ تم کیوں ہر وقت فضول باتیں سوچتی رہتی ہو۔ اب اگر اخبار میں کسی حادثے کی خبر نہیں آئی تو کیا اس کے لیے میں ذمہ دار ہوں۔ کل کو تم امریکہ اور روس کا جھگڑا بھی میرے کھاتے میں ڈال دو گی۔

سعیدہ : اچھا چلو اب لیٹ جاؤ .... ڈاکٹر نے تمہیں آرام کرنے کے لیے کہا ہے۔

اختر : ابھی آکر لیٹتا ہوں۔ ایک دوست کو ضروری پیغام دینا ہے۔ میں ابھی آیا۔

تیزی سے نکل جاتا ہے سعیدہ کا کلوز۔ پریشان ہے۔

سین نمبر ۱۳

رفیق کا ڈیرا۔

رفیق۔ جیلا۔ سلامت۔ اختر۔ چند بدمعاش۔

رفیق : میں ایسی واردات میں کبھی کسی اناڑی کو نہیں بھیجتا۔ میرا دماغ اب بھی رضامند نہیں ہے پر میرا دل کہتا ہے کہ بھیج دو۔ جانے دو اس کو۔ تم نے وہاں کچھ نہیں کرنا صرف دیکھنا ہے کہ یہ کام کیسے کیا جاتا ہے۔ ایک دفعہ پھر سن لو تم نے وہاں کچھ نہیں کرنا صرف دیکھنا ہے کہ واردات کیسے کی جاتی ہے..... سمجھ گئے ہو۔

اختر : جی۔

رفیق : اور اپنے لیڈر کے حکم پر چلنا ہے اگر ایک قدم بھی اس کی مرضی اور اجازت کے بغیر رکھا تو نتیجے کے ذمہ دار تم ہو گے۔

اختر : اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں اپنا دماغ بالکل استعمال نہ کروں۔

رفیق : نہیں۔

اختر : فرض کریں کوئی ایسا واقعہ ہو جاتا ہے۔ جس میں فوری فیصلہ کرنا ہو اور لیڈر نزدیک نہ ہو تو پھر مجھے کیا کرنا چاہیئے۔

رفیق : (چاروں طرف سے گھوم کر اسے دیکھتا ہے) یہی خرابی ہوتی ہے پڑھے لکھے آدمی میں۔ ہر بات کو شک شبے سے شروع کرتا ہے..... ابھی تمہارے کام کا آغاز ہے۔ تمہیں کچھ پتہ نہیں کیسے ہوتا ہے..... اس لیے جن کو پتہ ہے ان کے کہنے پر عمل کرو۔ سمجھ میں آئی میری بات۔

اختر : جی۔

رفیق : کوٹھی کا نقشہ تیار ہے فتح محمد۔

فتح محمد : سب کام ریڈی ہے استاد..... سارے کمروں اور دروازوں کا حساب میں نے انہیں سمجھا دیا ہے۔

رفیق : واردات اس طرح ہونی چاہیئے جیسے مکھن میں سے بال گزرتا ہے۔ رات کے وقت گھر میں صرف دو نوکر اور ایک چوکیدار ہوتا ہے۔ تینوں کو باندھ کر ایک ہی جگہ ڈال دینا عورت کے لیے پستول کا ڈراوا ہی کافی ہے۔ موٹر پر کون ہے۔

لطیف : میں ہوں استاد جی۔

رفیق : شاباش۔ فتح محمد اس لڑکے کو سارا کام سمجھا دو۔

فتح محمد : آپ بالکل بے فکر رہو استاد جی۔ میں اس کو اپنے ساتھ رکھوں گا۔ آجا جوان۔

سین نمبر ۱۴

دروازے پر دستک۔ سعیدہ دروازہ کھول کر دیکھتی ہے۔ ایک مستری جس نے فقیر حسین کے ڈاکخانے کا تالا تار سے کھولا تھا۔ ہاتھ میں ایک تھیلا لیے کھڑا ہے۔

مستری: السلام علیکم۔

سعیدہ: وعلیکم السلام۔ فرمائیے۔

مستری: میں سوئی گیس کا کنکشن چیک کرنے آیا ہوں۔ ہمیں کمپلینٹ ملی ہے کہ یہاں بہت سے گھروں میں غیر قانونی کنکشن لگائے گئے ہیں۔

سعیدہ: مگر بھائی ہمارا تو میٹر دروازے پر لگا ہوا ہے ہر مہینے ہم بل ادا کرتے ہیں۔

مستری: آپ کی بات ٹھیک ہے بہن جی۔ مگر ہم تو حکم کے غلام ہیں۔ مجھے آرڈر ملا ہے کہ میں اپنے علاقے کے ایک ایک گھر کو چیک کروں۔ بعض اوقات ایک میٹر سے بغیر اجازت کے آگے کنکشن لے لیا جاتا ہے۔

سعیدہ: ہم نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔۔۔۔ ویسے بھی ہمارا گھر سب سے الگ تھلگ ہے۔

مستری: آپ ٹھیک فرما رہی ہیں لیکن اگر مجھے ایک نظر باورچی خانہ دیکھ لینے دیں تو مجھے رپورٹ لکھنے میں آسانی ہو جائے گی۔

سعیدہ: (ہچکچاتے ہوئے) اچھا۔ آئیے۔

مستری: (اندر آتے ہوئے) باورچی خانہ کس طرف ہے؟

سعیدہ: آئیے۔

سعیدہ اور مستری جاتے ہیں ان کی آواز آہستہ آہستہ دور ہوتی ہے۔ چند لمحوں بعد وہ دوبارہ اسی کمرے میں داخل ہوتے ہیں۔

مستری: بہت بہت شکریہ۔ تکلیف کی معافی چاہتا ہوں۔

سعیدہ: کوئی بات نہیں۔ آئیے۔

دروازے کی طرف ایسے انداز میں بڑھتی ہے جیسے اسے رخصت کرنا چاہ رہی ہو مستری اپنی جگہ پر کھڑا رہتا ہے۔ سعیدہ حیرت سے اس کی طرف دیکھتی ہے۔

مستری: ایک گلاس پانی مل جائے گا۔ بہت پیاس لگ رہی ہے۔

سعیدہ کچھ جواب دیے بغیر اندرونی کمرے کی طرف جاتی ہے۔ مستری جلدی سے تھیلے میں سے ایک پیکٹ نکال کر الماری میں پڑی کتابوں کے پیچھے رکھتا ہے۔ چند لمحوں بعد سعیدہ ہاتھ میں پانی کا گلاس لیے آتی ہے۔

سین نمبر ۱۵

خالد اپنے کمرے میں بیٹھا کچھ پڑھ رہا ہے۔ احمد علی شب خوابی کا گاؤن پہنے دروازے میں آتا ہے۔ خالد اس سے بے خبر ہے۔ احمد علی آہستہ آہستہ اس کے قریب آتا ہے۔ کھانستا ہے۔ خالد چونک کر اس کی طرف دیکھتا ہے۔

خالد : (اٹھتے ہوئے) آپ۔

احمد : ہاں بھئی میں نے سوچا ہمارے سکالر بیٹے کو تو ہم سے بات کرنے کی فرصت نہیں ملتی ہم خود ہی ہو آئیں۔

خالد : وہ ابا جان بس.... تھیسس کے سلسلے میں کچھ...... کام دن بدن پھیلتا ہی جا رہا ہے۔

احمد : بڑی محبت ہے تمہیں اپنے کام سے؟

خالد : جی۔

احمد : کبھی تم نے سوچا ہے کہ تمہارے والدین کے بھی کچھ حقوق ہیں تم پر۔

خالد : کیوں نہیں۔ اور میں اپنی طرف سے انہیں پورا کرنے کی بھرپور کوشش کرتا ہوں۔

احمد : کیا کوشش کرتے ہو تم۔

خالد : یہی کہ۔ ان کا ادب کروں۔ اپنے طرزِ عمل سے ان کو راحت پہنچاؤں کوئی ایسا کام نہ کروں جس سے ان کی عزت پر حرف آئے.... اور جہاں تک ہو سکے ان کی خدمت کروں۔

احمد : خدمت۔ ہاں یہ بات تم نے اچھی کہی۔ لیکن بیٹے یہ کیسی خدمت ہے کہ اس عمر میں مجھے دن رات بزنس میں کھپانا پڑتا ہے۔ اور تم یہاں بیٹھے کتابوں کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلتے رہتے ہو۔

خالد : مجھے کتابیں اچھی لگتی ہیں ابا جان۔

احمد : اچھی لگتی ہیں تو انہیں خرید کے الماریوں میں رکھو۔ شیلفوں میں سجاؤ.... لیکن یہ تمہاری پروفیسری اور پی ایچ ڈی میری سمجھ میں نہیں آتیں۔ آخر کیا رکھا ہے ان میں۔

خالد : اس موضوع پر ہم خاصی تفصیل سے گفتگو کر چکے ہیں۔ اور جہاں تک مجھے یاد ہے آپ نے میری اس خواہش سے AGREE کر لیا تھا کہ میں اپنی زندگی کا راستہ خود منتخب کروں۔

احمد : وہ میری غلطی تھی۔ میں نے سوچا تھا میں اور عابد مل کر کاروبار کو سنبھال لیں گے۔ لیکن اب میں محسوس کرتا ہوں کہ تمہاری مدد کے بغیر یہ ممکن نہیں ہو گا کام اتنا بڑھ گیا ہے کہ دو آدمی اس کے لیے بہت کم ہیں۔

خالد : اتنا زیادہ کام بڑھانے کی ضرورت کیا ہے۔ اللہ نے آپ کو آپ کی ضرورت سے بہت زیادہ دے رکھا ہے.... مزید کیا کریں گے۔

احمد : تم نے وہ آیت نہیں سنی جو ایک قاری صاحب ٹی وی پر اکثر پڑھا کرتے ہیں جس میں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

خالد : فبای الاء ربکما تکذبان۔

احمد : غالباً یہی ہے۔ تو اب تم ہی بتاؤ جب اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ انسان اس کی نعمتوں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں تو ہم کیوں ناشکری کریں۔

خالد : کسی بات کو اس کے پورے CONTEXT میں دیکھنا چاہیئے ابا جان۔ اس آیت کا وہ مطلب ہرگز نہیں ہے جو آپ نے لیا ہے۔

احمد : (مسکراتے ہوئے) اب بحث میں تو میں تم سے نہیں جیت سکتا۔

خالد : خدانخواستہ میرا یہ مطلب نہیں تھا۔

احمد : میں تم سے صرف اتنا کہنے آیا تھا کہ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ میرا پلازا والا پراجیکٹ شروع ہو گیا ہے اور دفتر کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں۔

خالد : عابد جو ہے۔

احمد : عابد اکیلا کیا کر سکتا ہے۔ فیکٹری اس کے ذمے ہے۔ ایکسپورٹ کا سارا کام وہ دیکھتا ہے۔ اور پھر اس کی اپنی بھی مصروفیات ہیں۔ HE IS A YOUNG MAN۔

خالد : مگر ابا جان میں تو ....

احمد : بھئی چند مہینوں کی بات ہے۔ اگر تم اپنی اس کار آمد زندگی سے کچھ مہینے اپنے باپ کو دے دوگے تو کوئی قیامت نہیں آجائے گی۔

خالد : لیکن ابا جان —— مجھے کچھ پتہ ہی نہیں ہے بزنس کا۔

احمد : تیرنے کے لیے پانی میں اترنا ضروری ہوتا ہے برخوردار اور پھر تمہارے پاس اتنا سٹاف ہے۔ میں انہیں کس کام کی تنخواہ دیتا ہوں، تم صرف دفتر میں بیٹھنا شروع کرو —— سب کام تمہارے لیے دوسرے لوگ کریں گے۔ تمہارے پاس ہر شعبے کا ایک کوالیفائڈ انچارج ہے اور اس کے باوجود اگر کوئی مسئلہ ہو تو میں یہاں موجود ہوں۔

خالد : مگر...... دیکھئے نا۔

احمد : میں اب کچھ دیکھنا اور سننا نہیں چاہتا، مجھے اس خوش خبری کا مزہ لینے دو کہ تم نے میری بات مان لی ہے۔

خالد حیرت اور پریشانی میں اس کی طرف دیکھتا ہے۔

سین نمبر ۱۶

قریشی۔ ڈاکخانے کا ایک بڑا افسر اپنے آفس میں کام کر رہا ہے۔ فون کی گھنٹی بجتی ہے۔

قریشی (یس ـــــ قریشی سپیکنگ ــ ــ ــ جی۔جی ہاں ــ ــ ــ جی میں فقیر حسین کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں ــ ــ ــ ــ وہ.... (حیرت سے) جی کیا کہا ــ ــ ــ ــ ــ آپ کون صاحب ہیں۔ ــ ــ ــ ــ ــ
معاف کیجیے گا محترم آپ غالباً فقیر حسین سے واقف نہیں ہیں۔ وہ انتہائی ایماندار اور بااصول شخص ہے۔ میں اسے گزشتہ تیس برس سے جانتا ہوں۔ جی........ ہرگز نہیں...... آپ کو کیسے پتہ ہے........ نہیں جناب میں نہیں مان سکتا...... آخر...... مگر... یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ بہت اچھا میں چیک کرتا ہوں.... لیکن آپ کون صاحب ہیں.... کیا نام بتایا ہے اس کلرک کا.... (ایک کاغذ پر کچھ لکھتا ہے) پی ایم جی صاحب آپ کے کزن ہیں ـــ جی بہتر۔ میں ابھی چیک کرتا ہوں۔

فون رکھ کر چند لمحے پریشانی میں اِدھر اُدھر دیکھتا ہے بے اعتباری میں سر جھٹکتا ہے اٹھتا ہے۔

سین نمبر ۱۷

ڈاکخانہ ـــ فقیر حسین ـــ قریشی ـــ کلرک ـــ قریشی کچھ پریشان ہے۔

فقیر حسین: (مسکراتے ہوئے) عجیب اتفاق ہے ابھی کل ہی ہدایت اللہ صاحب سے آپ کا ذکر ہو رہا تھا کہ اتنے دنوں سے ملاقات نہیں ہوئی...... کیا پئیں گے!

قریشی: کچھ نہیں..... فقیر حسین! دراصل...

فقیر حسین: یہ کیسے ہو سکتا ہے بھئی مجید ذرا سامنے چائے والے سے میڈیم سیٹ تو کہنا اور ساتھ کچھ وہ کیا ہوتا ہے اس کے پاس.... بلپستر بھی کہنا قریشی صاحب کے لیے۔

قریشی: بلپستر! یہ کیا چیز ہے بھئی۔

فقیر حسین: (ہنستے ہوئے) یہ غریب آدمی کی عیاشی ہے قریشی صاحب۔ ڈبل روٹی کے دو سلائیوں کے درمیان انڈہ فرائی کر کے رکھ دیتے ہیں اور اس پر کچھ مصالحہ وغیرہ ڈالتے ہیں ـــ بڑی مزیدار چیز ہے۔ آپ چکھ کر دیکھیں۔

قریشی: نہیں بھئی..... میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں..... میں کچھ نہیں کھاؤں گا..... تمہارے.... (جھجکتے ہوئے) میرا مطلب ہے اکاؤنٹس تو اپ ٹو ڈیٹ ہیں نا!

فقیر حسین: (عاجزی آمیز فخر سے) آپ کی دعا سے میں روزانہ ہر کام مکمل کر کے جاتا ہوں۔

قریشی: بُرا نہ ماننا...... یہ میری ڈیوٹی ہے..... میں کیش چیک کرنا چاہتا ہوں۔

فقیر حسین: (ہنستے ہوئے) اس میں بُرا ماننے کی کیا بات ہے.... یہ تو ہمارے کام کا حصہ ہے۔ (اٹھتے ہوئے) ابھی لیجیے..... (دراز میں سے چابیاں نکالتا ہے۔ بولتا ہوا الماری کی طرف جاتا ہے۔ الماری کھولتا ہے) بلکہ میں نے آپ سے رجسٹریشن کے نئے رول کے بارے میں ایک وضاحت

بھی ..... (الماری کھول کر ایک دم ہکا بکا سا ہو جاتا ہے۔ قریشی غور سے اس کی طرف دیکھ رہا ہے فقیر حسین کانپتے ہوئے ہاتھوں سے ٹرے نکال کر میز پر رکھتا ہے ٹرے بالکل خالی ہے) یہ۔ یہ ..... (قریشی کی نگاہوں کی تاب نہ لاکر پریشانی میں بیٹھ جاتا ہے) یہ کیسے ہو سکتا ہے!

قریشی : (غور سے دیکھتے ہوئے) کیا ہوا۔

فقیر حسین : کل شام میں نے خود اس میں رقم گن کر رکھی تھی، تین ہزار دو سو چالیس روپے پچاس پیسے (ٹرے میں سے اٹھنی اٹھاتا ہے) مگر اب یہاں صرف یہ اٹھنی ہے۔

قریشی : تم نے ایسا کیوں کیا فقیر حسین.....؟

فقیر حسین : مم۔ میں نے..... آپ کا خیال ہے کہ.....!

قریشی : کچھ سمجھ میں نہیں آتا اگر تم جیسے لوگ بھی..... کیا بنے گا اس قوم کا۔

فقیر حسین : (خدا کی) قسم قریشی صاحب..... آپ مجھے اتنے برسوں سے جانتے ہیں..... میں۔ میں.....

قریشی : اگر رقم تم نے نہیں لی تو پھر کہاں ہے؟

فقیر حسین : میں..... کیا عرض کروں!

قریشی : جب مجھے اطلاع ملی تھی تو ایک لمحے کے لیے بھی مجھے اس پر یقین نہیں آیا تھا اور اگر پی ایم جی صاحب کی طرف سے مجھے اس انکوائری کا حکم نہ ملتا تو میں کبھی یہاں آتا بھی نہیں..... اس لیے کہ تمہارے بارے میں میں ایسی بات سوچ بھی نہیں سکتا تھا..... مگر.....

فقیر حسین : یقین کیجیے قریشی صاحب..... مجھے کچھ..... میں تو.....

قریشی : تمہیں اندازہ نہیں تم نے کیا کر دیا ہے۔ دو مہینے بعد تم ریٹائر ہونے والے ہو..... اس موقعے پر یہ کیس تمہارے سارے سروس ریکارڈ پر پانی پھیر سکتا ہے۔

فقیر حسین : لیکن..... قریشی صاحب..... میں تو.....

قریشی : میں تمہیں نقصان نہیں پہنچانا چاہتا فقیر حسین۔ پندرہ منٹ کے اندر اندر رقم اس میں واپس رکھ دو۔ اس کے بعد میں ذمہ دار نہیں ہوں گا۔

فقیر حسین : لیکن قریشی صاحب رقم میرے پاس نہیں ہے..... خدا کی قسم میں نے نہیں لی..... اتنے روپے کہاں سے لاؤں۔

قریشی : میری اطلاع کے مطابق رقم تمہارے گھر میں موجود ہے۔

فقیر حسین : میرے گھر میں۔ میرے گھر میں تو ایک میری سفید پوشی کا بھرم ہے قریشی صاحب اور..... اور کچھ نہیں۔

قریشی : اس صورت میں مجھے تمہارے گھر کی تلاشی لینا ہو گی۔

فقیر حسین : ابھی چلیے..... او خدا یا مجھے کس مصیبت میں ڈال دیا ہے۔

قریشی : پھر سوچ لو فقیر حسین۔ تیر ایک دفعہ کمان سے نکل گیا تو پھر میں بھی اسے واپس نہیں لا سکوں گا۔

فقیر حسین : خدا کے لیے۔

قریشی صاحب، میری طرف اس طرح مت دیکھیے .... میرا ضمیر صاف ہے۔ آپ شوق سے میرے گھر کی تلاشی لے لیجیے۔

سین نمبر ۱۸

قریشی کے ہاتھ میں نوٹوں والا تھیلا ہے وہ نوٹ دیکھ رہا ہے۔

قریب ہی فقیر حسین اور سعیدہ کھڑے ہیں۔ قریشی نوٹوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

قریشی : اب تم کیا کہتے ہو فقیر حسین۔

فقیر حسین : م میں — میں کیا ...

چند لمحے خالی خالی نظروں سے چاروں طرف دیکھتا ہے دھڑام سے زمین پر گرتا ہے سعیدہ چیخ کر اس کی طرف لپکتی ہے قریشی رحم انگیز نگاہوں سے فقیر حسین کی طرف دیکھتا ہے جو لمبے لمبے سانس لے رہا ہے سعیدہ بھاگ کر پانی کا گلاس لاتی ہے۔

سعیدہ : ابو۔ ابو .... کیا ہوا ہے ابو۔

فقیر حسین : (بڑبڑاتے ہوئے) مجھے موت دے دے۔ میرے مولا مجھے موت دے دے .... مولا۔ میرے مولا۔

3

کردار

• فقیر حسین • احمد علی • سعیدہ • اختر • عابد • رفیق • خالد
• جہانگیر • سلامت • جیلا • فتح محمد • چھیما • قریشی
• ڈی جی • نقوی • طوطے والا نجومی • ریاست • یمیح • دیہاتی
آدمی • چپڑاسی • رفیق کے ساتھی اور چند دوسرے۔

سین نمبر۱

احمد علی کسی بات پر زور سے ہنس رہا ہے۔ کیمرہ اس کے ہنستے ہوئے چہرے کے کلوز سے T/S کرتا ہے ایک کلرک نما سُوکھا سڑا آدمی میز کے دوسری طرف پریشان انداز میں کھڑا ہے احمد علی ہنستے ہنستے ایک دم گھور کر اس کی طرف دیکھتا ہے میز سے ایک کاغذ اٹھا کر اس کی طرف پھینکتا ہے طنزیہ لہجہ میں بولتا ہے۔

احمد علی: مسٹر نقوی! تشریف رکھیے۔

نقوی: جی۔ جی۔ ہیں۔

احمد علی: (بناوٹی نرم لہجے میں بڑی شفقت سے بولتا ہے) بیٹھ جایئے۔

نقوی سخت پریشانی میں سامنے رکھی دونوں کرسیوں پر بیٹھنے کی کوشش کرتا ہے حوصلہ نہیں پڑتا۔

احمد علی: بیٹھ جایئے۔ کاٹے گی نہیں آپ کو۔

نقوی کرسی کے بالکل اگلے سرے پر ایسے انداز میں بیٹھتا ہے جیسے موقع ملتے ہی بھاگ جائے گا۔

احمد علی: اب ذرا یہ پڑھ کے سنایئے مجھے۔

نقوی : جی ..... وہ ..... آپ نے سر ..... پڑھ تو لیا ہے۔

احمد علی : نہیں نہیں۔ میں آپ کے منہ سے ان بیش قیمت احسانات کا ذکر سننا چاہتا ہوں جو آپ نے پچیس برس کی سروس میں مجھ پر اور اس ادارے پر کیے ہیں۔

نقوی : (اس کے لہجے کے طنز سے مزید پریشان ہو جاتا ہے) احسان تو کوئی نہیں سر ..... مم میں تو .....

احمد علی ایک دم غضب ناک ہو کر کرسی سے اٹھتا ہے نقوی دہشت سے لرزتا ہے گھبرا کر خود بھی کھڑا ہو جاتا ہے۔

احمد علی : اگر یہ احسان نہیں تو اور کیا ہے۔ کس چیز کی قیمت مانگنے آئے تم مجھ سے ..... کیا تمہیں ہر مہینے کام کرنے کی تنخواہ نہیں ملتی۔؟

نقوی : ملتی ہے سر ..... میں تو .....

احمد علی : تو پھر یہ سب بکواس کیوں لکھ کر لائے ہو۔

نقوی : (روہانسہ ہو کر) میری بچی کی شادی ہے سر۔

احمد علی : بچی کی شادی ہے۔ بیٹے کا داخلہ ہے۔ بیوی بیمار ہے۔ اس کے سوا بھی کچھ آتا ہے تم لوگوں کو۔ کیوں پیدا کرتے ہو ایسے بچے جن کا خرچ نہیں اٹھا سکتے۔

نقوی : بچے تو اللہ کی دین ہوتے ہیں سر۔

احمد علی : اللہ کی دین تو اور بھی بہت سی چیزیں ہیں۔ سمندر بنائے ہیں اس نے اتنے بڑے بڑے۔ پی جاؤ سب کا پانی ..... اتنا اناج اگایا ہے اس نے ..... کھا جاؤ سب کا سب۔

نقوی : میں نے پچیس سال آپ کی خدمت کی ہے سر ..... مم ..... میرا کچھ تو حق ہے آپ پر .....

احمد علی : حق کیوں نہیں ہے تمہارا ..... آؤ بیٹھ جاؤ اس کرسی پہ ..... یہ یہ ..... یہ ——— یہ ——— پائپ پیو ———

میز سے گاڑی کی چابی اٹھاتا ہے۔

موٹر لے جاؤ، سیر کرو!

عابد کمرے میں داخل ہوتا ہے چہرے پر مسکراہٹ ہے باپ کا موڈ دیکھ کر ایکدم خاموش ہو جاتا ہے اور چپکے سے ایک کرسی پر بیٹھ جاتا ہے۔ نقوی شدید احساسِ ذلت سے چاروں طرف دیکھتا ہے۔

نقوی : میں نے تو ایک عرض کی تھی۔

احمد علی : (نقوی کو گھورتے ہوئے) تو پہلے عرض کرنے کا طریقہ سیکھو جا کر۔ عرض کرتے ہیں گڑگڑا کر۔ لجاجت سے۔ عاجزی سے ..... اس طرح اپنے کارناموں کا اشتہار لے کر نہیں آتے ..... تشریف لے جائیے اور جا کر اپنا کام کیجیے۔

نقوی : (آنسوؤں میں) میں لڑکے والوں کو زبان دے چکا ہوں سر، میری عزت کا سوال ہے۔

احمد علی : (طنزیہ لہجے میں ایک ایک لفظ چبا کر بولتا ہے) عزت۔ کا۔ سوال۔ ہے ـــــــ ایک تو میری سمجھ میں آج تک یہ بات نہیں آئی کہ تم لوگ اپنی عزت کے غباروں میں ہر وقت ہوا کیوں بھرتے رہتے ہو.... کون سا ڈیوک آف بکھنگم ڈھونڈا ہے تم نے اپنی بیٹی کے لیے.... کون سی ریاست چاہیئے اسے جہیز میں ــــــــــــ

نقوی : دنیاداری کے لیے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑتا ہے سر.... سونا دو ہزار سے اوپر چلا گیا ہے.... کپڑے کا ایک جوڑا......

احمد علی : یہی سب جہالت کی رسمیں ہیں جس کی وجہ سے ہماری قوم ترقی نہیں کرتی۔ تمہیں پتہ ہے رسولِ کریمؐ نے اپنی بیٹی کو جہیز میں کیا دیا تھا۔ کیا دیا تھا پتہ ہے۔؟

رسولِ کریمؐ کے نام پہ انگلیاں چوم کر آنکھوں سے لگاتا ہے۔

نقوی : پتہ ہے سر، میرے جیسے ہر غریب بیٹی والے کو پتہ ہے مگر وہ دہلیز کہاں سے لائیں جو اس جہیز کے ساتھ دلہن کو قبول کرے..... میں آپ کے سامنے ہاتھ جوڑتا ہوں سر.... میں....

احمد علی : یہ سب بہانے ہیں تم لوگوں کے..... ایمان کی کمی ہے۔ لاؤ اِدھر دو یہ مجھے.... اور آئندہ اگر کبھی کسی سے کچھ مانگنا ہو تو اس طرح کی خرافات مت لکھنا۔

نقوی : جی.... جی.... بہت بہتر سر....

احمد علی : اب جاؤ۔ میں تمہاری پرسنل فائل دیکھ کر فیصلہ کروں گا کہ کیا کیا جا سکتا ہے۔

نقوی : بہت بہت شکریہ۔ سر۔ بڑی مہربانی۔ لیکن سر اگر یہ....

احمد علی گھور کر اس کی طرف دیکھتا ہے نقوی ایک دم خاموش ہو جاتا ہے مڑتا ہے۔ باہر نکل جاتا ہے۔ عابد جو اس سارے سین سے بے حد لطف اندوز ہو رہا ہے مسکراتا ہے۔

عابد : آپ کا جواب نہیں ڈیڈ۔

احمد : (مسکرا کر اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے) کیا ہوا؟

عابد : آپ ان سب کو اتنی آسانی سے ہینڈل کر لیتے ہیں کہ مجھے حیرت ہوتی ہے۔ ادھر فیکٹری میں تو یونین والوں نے جان عذاب میں کر رکھی ہے میری...

شکایتی انداز میں

آپ بھی میری کوئی مدد نہیں کرتے۔

احمد : مجھے سب پتہ ہے۔ لیکن میرا خیال ہے تم خاصے اچھے جا رہے ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم خود سچویشن کو ہینڈل کرنا سیکھو۔ اچھا رائڈر بننے کے لیے منہ زور اور سرکش گھوڑے پر بیٹھنا ضروری ہوتا

ہے۔ بائی دی وے۔ تم اس آدمی مطیع اللہ پر پیسے ضائع نہ کرو وہ وقت پر دھوکا دے جائے گا۔
اس کی جگہ اس لڑکے کو پروموٹ کرو..... وہ کیا نام ہے اس کا.... سلطان۔

عابد : خدا کی قسم ڈیڈ..... آپ.....

تعریف کے الفاظ نہ ملنے کا تاثر دیتا ہے۔

میں خود بھی یہی سوچ رہا تھا۔ اس نے وہ فقیر حسین والا کام بہت اچھی طرح کیا ہے۔

احمد : ہاں۔ آج صبح میں نے فقیر حسین کے D.G سے بات کی تھی۔ اس نے SUSPENSION کے آرڈرز کر دیئے ہیں۔

عابد : وہ آدمی..... قریشی کچھ گڑبڑ کر رہا ہے..... اس نے ابھی تک رپورٹ نہیں دی۔

احمد : HE WILL HAVE TO..... ورنہ اس کی اپنی انکوائری ہو جائے گی۔

سین نمبر ۲

فقیر حسین اپنے بستر پر کمبل لپیٹے سر جھکائے بیٹھا ہے۔ سیدہ دروازے میں آکر چند لمحے رحم آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھتی ہے ہاتھ میں چائے کا پیالہ ہے آہستہ آہستہ اس کے قریب آتی ہے۔

سیدہ : چائے پی لیجیے۔

فقیر حسین اشارے سے نفی میں سر ہلاتا ہے۔

سیدہ : پی لیجیے نا۔

فقیر حسین : نہیں..... جی نہیں چاہ رہا۔ اختر نہیں آیا۔

سیدہ : نہیں۔ آتا ہی ہوگا۔ آپ یہ چائے لیجیے۔

فقیر حسین پیالہ لے کر میز پر رکھتا ہے۔

فقیر حسین : اس اتنی بڑی دنیا میں کوئی میری گواہی دینے والا نہیں۔ پچاس برس میں نے ان لوگوں کے درمیان ایمانداری سے، محنت سے، رزق حلال کے ساتھ زندگی گزاری ہے۔ لیکن آج کاغذ کے ان چند ٹکڑوں نے مجھے ایک گھٹیا اور ہیچ انسان..... ایک چور بنا دیا ہے..... کیوں..... وہ لوگ میری بات کا اعتبار کیوں نہیں کرتے..... میں نے تیس سال اس محکمے میں نوکری کی ہے۔ ..... بے داغ نوکری کی ہے..... یہی لوگ میری شرافت کی قسمیں کھاتے تھے۔ کیا یہ سب کچھ..... انہوں نے میری اتنی کم قیمت کیسے لگالی بیٹی۔

سیدہ : (تسلی دینے کے انداز میں) ہمارا خدا ہمارے ساتھ ہے ابو..... وہ تو دیکھ رہا ہے نا ——— وہ تو جانتا ہے نا..... لوگوں کا کیا ہے..... لوگ تو ظاہر کو دیکھتے ہیں۔ دلوں کے بھید تو وہی جانتا ہے۔

فقیر حسین: مگر وہ انہیں بتاتا کیوں نہیں۔ میرے چہرے پر لگی ہوئی یہ کالک دھوتا کیوں نہیں۔ کیوں نہیں دُنیا کو دکھاتا کہ سچ کیا ہے!

سعیدہ: آپ خود ہی تو کہا کرتے ہیں۔۔۔ اس کے گھر میں دیر ہے اندھیر نہیں۔۔۔ وہ اپنے محبوب لوگوں کو امتحان میں ڈالتا ہے۔ سونا تو کٹھالی میں پگھل کر بھی سونا ہی رہتا ہے۔ رہتا ہے نا ابو۔

فقیر حسین: ہاں۔ ہاں۔ مگر۔۔۔ رنگ پیتل اور سونے دونوں کا ایک ہی جیسا ہوتا ہے۔۔۔ پرکھے گا کون؟

سعیدہ: (ہچکچاتے ہوئے) ایک بات کہوں ابو۔

فقیر حسین اس کی طرف دیکھتا ہے۔

میں نے انکل قریشی سے بات کی تھی۔۔۔ وہ کہتے ہیں۔۔۔ اگر۔۔۔

اس سے نظریں چراتے ہوئے بولتی ہے۔

اگر آپ یہ کہہ دیں کہ آپ رقم حفاظت کی غرض سے گھر لے آئے تھے تو۔۔۔

فقیر حسین: نہیں بیٹی نہیں —— نہیں۔۔۔ جھوٹ نہیں بولوں گا۔ اگر وہ میرے جھوٹ کو سچ مان سکتے ہیں تو میرے سچ کو سچ کیوں نہیں مانتے! کیوں نہیں یقین کر لیتے کہ مجھے پھنسایا گیا ہے میرے خلاف سازش کی گئی ہے۔

سعیدہ: مگر ابو۔۔۔ ایسا کرنے کے لیے انہیں ثبوت کی ضرورت ہو گی اور ہمارے پاس اس کے لیے کوئی ثبوت نہیں ہے۔

فقیر حسین: میں ثبوت ہوں اس کا۔ میری زندگی ثبوت ہے اس کی۔ کیا میرے جیسا کوئی شخص دو تین ہزار روپے کے لیے اس چوری کا اس غبن کا ارتکاب کر سکتا ہے۔ انہیں سوچنا چاہیئے بیٹی۔۔۔

سعیدہ: قانون کو شاید اسی لیے اندھا کہا جاتا ہے ابو۔

فقیر حسین: قانون کا کام صرف سزا دینا ہی نہیں ہوتا۔ اس کا پہلا فرض انصاف کرنا ہے۔ کسی کے گھر سے کوئی چیز برآمد ہونے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ضرور وہی چور بھی ہو گا۔ یہ سراسر ظلم ہے۔

سعیدہ: قریشی صاحب کہہ رہے تھے کہ اوپر سے ان پر رپورٹ SUBMIT کرنے کے لیے پریشر ڈالا جا رہا ہے۔ معاملہ اگر ایک دفعہ ان کے ہاتھ سے نکل گیا تو پھر وہ بھی کچھ نہیں کر سکیں گے — آپ اپنے ڈی جی سے کیوں نہیں ملتے۔

فقیر حسین: (بیقراری سے اٹھتے ہوئے) ٹھیک ہے۔ بالکل ٹھیک ہے۔۔۔ میری شیروانی دو۔۔۔ میں کرتا ہوں ان سے بات۔۔۔ انہیں اگر مجھ پر یقین نہیں تو گرفتار کروا دیں مجھے۔۔۔ چلوائیں مجھ پر مقدمہ۔

سین نمبر ۳

ڈی جی کا دفتر۔

ڈی جی کے چہرے سے بیزاری کے آثار نمایاں ہیں ۔

ڈی جی : میں نے تمہیں بتایا ہے فقیر حسین ۔ میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتا ۔ مجھے قریشی کی رپورٹ کا انتظار ہے ۔ اس کے بعد جو بھی SUITABLE ایکشن ہو گا مجھے لینا پڑے گا ۔ یہ میری ڈیوٹی ہے ۔

فقیر حسین : تو میری یہ تیس سال کی سروس ..... یہ ایکسیلنٹ رپورٹیں ..... یہ بے داغ کیریئر ..... اِن سب کی کوئی وقعت نہیں آپ کی نظر میں ۔

ڈی جی : میں نے تمہاری فائل دیکھی ہے ۔ اِس میں شک نہیں کہ تمہارا سروس ریکارڈ بہت اچھا ہے لیکن تم ذرا ٹھنڈے دل سے سوچو اگر ایک شخص پر جرم ثابت ہو جائے تو کیا اسے محض اس لیے چھوڑ دیا جائے کہ اس سے پہلے اس نے کوئی جرم نہیں کیا تھا ۔

فقیر حسین : آپ یقین کیجئے ..... میں نے چوری نہیں کی ..... یہ مجھے پھنسانے کی کوشش ہے ۔

ڈی جی : ہر چیز کی کوئی نہ کوئی وجہ ہوتی ہے ۔ آخر کس کو ضرورت ہے تمہیں پھنسانے کی ۔ کون دشمن ہے تمہارا ۔

فقیر حسین : یہی تو میری سمجھ میں بھی نہیں آ رہا .....

سوچتے ہوئے ۔

نہیں وہ ایسا نہیں کر سکتا ..... کچھ بھی ہو آخر میرا اس کا خون کا رشتہ ہے ۔

ڈی جی : تمہارے ریکارڈ اور متعلقہ افسروں کی سفارش کی وجہ سے میں اتنا تو کر سکتا ہوں کہ اس انکوائری کو انٹر DEPARTMENTAL بنا کر اس کیس کو پولیس کے پاس نہ بھیجوں مگر اس سے آگے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا ۔

فقیر حسین : یعنی آپ مجھے TERMINATE کر دیں گے !

ڈی جی : ہو سکتا ہے ۔

فقیر حسین : یہ غبن یا چوری یا جو کچھ بھی ہے میرے نام کے ساتھ لکھے جائیں گے ۔

ڈی جی : اگر انکوائری میں یہ ثابت ہو گیا تو یقیناً ۔

فقیر حسین : آپ ایسا نہیں کر سکتے ۔

ڈی جی : (غصے سے آگے کی طرف جھکتے ہوئے) دیکھو فقیر حسین تمہاری عمر اور شرافت کی ان کہانیوں کی وجہ سے جو مجھے سنائی گئی ہیں ۔ میں تم سے رعایت کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہا ہوں ..... لیکن حکومت یہاں مجھے یہ الف لیلہ کی کہانیاں سننے کی تنخواہ نہیں دیتی ۔ مجھے اور بھی بہت سے کام ہیں ۔ تم جا سکتے ہو اور آئندہ جو بات کرنی ہو لکھ کر کرنا ۔

فقیر حسین چند لمحے پھٹی پھٹی نظروں سے اس کی طرف دیکھتا ہے آہستہ سے اٹھتا ہے ۔

فقیر حسین : شکریہ۔ جناب عالی!

فقیر حسین جاتا ہے۔ ڈی جی چند لمحے حیرت سے اس کی طرف دیکھتا ہے پھر اپنی ٹھوڑی مسلتا ہوا ایک فائل کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

سین نمبر ۴

اس کے بعد فقیر حسین کو دو تین مختلف دفتروں میں افسران سے گفتگو کرتے دکھاتے میں آواز آہاہ رہتی ہے حرکات سے اندازہ ہوتا ہے کہ فقیر حسین انہیں اپنی بے گناہی کا قصہ سنا رہا ہے اور وہ لوگ اسے سمجھانے اور اپنی مجبوری بتانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

سین نمبر ۵

قریشی کا دفتر۔

چپڑاسی چائے کے برتن رکھ رہا ہے۔ فقیر حسین خاموش بیٹھا ہے۔

قریشی : پہلے تم آرام سے چائے پیو۔ اس کے بعد میں ساری بات تمہارے سامنے رکھتا ہوں۔

چپڑاسی سے

تم جاؤ۔ چائے ہم خود بنا لیں گے .... اور اب کسی کو اندر نہیں آنے دینا۔

چپڑاسی : بہت اچھا سر۔

قریشی : (چائے بناتے ہوئے) زندگی میں مجھ پر بہت سے امتحان آئے ہیں۔ میں نے بیس گھنٹے ایمبولنس میں اپنے اکلوتے جوان بھائی کی لاش کے ساتھ سفر کیا ہے۔ اپنے دو بچوں کو اپنے ہاتھوں سے مٹی کے سپرد کیا ہے۔ ہارٹ اٹیک مجھ کو ہو چکا ہے لیکن ان سب موقعوں پر میں ایسے روحانی انتشار کا شکار نہیں ہوا جس سے میں تمہارے کیس میں دوچار ہوں۔ میرا دل کہتا ہے کہ تم بے گناہ ہو، میرا دماغ، عقل، ٹریننگ، حالات و واقعات اور دیگر تمام شواہد اس کے خلاف جا رہے ہیں۔

فقیر حسین : کیا دل کی گواہی سے بڑی کوئی اور گواہی ہو سکتی ہے۔

قریشی : نہیں۔ مگر تم یہ بھول رہے ہو کہ دل کی گواہی صرف دلوں ہی کی عدالت میں معتبر ہوتی ہے .... ابھی تک کوئی ایسا قانون ایجاد نہیں ہوا جو دلوں کی سچائی کو پرکھ سکے۔ اسی لیے قانون حالات اور شہادتوں کی بنیاد پر فیصلہ دیتا ہے۔

فقیر حسین : تو آپ یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں بے گناہ ہوں، میرے خلاف رپورٹ لکھیں گے۔

قریشی : میں مجبور ہوں فقیر حسین۔ میرے پاس اور کوئی چارہ نہیں۔ اس صورتِ حال سے نکلنے کا صرف ایک ہی حل ہے .... میں نے سعیدہ بیٹی کو سمجھایا تھا۔

فقیر حسین : کہ میں یہ بیان دے دوں کہ میں وہ منحوس رقم حفاظت کے خیال سے گھر لے گیا تھا۔

قریشی : ہاں۔

فقیر حسین: لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔

قریشی : ہاں لیکن تمہارے بچاؤ کی اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں۔

فقیر حسین: یعنی میں ایک جھوٹ سے بچنے کے لیے دوسرا جھوٹ بولوں۔

قریشی : شاید اسی لیے شیخ سعدی نے کہا تھا کہ ایسا جھوٹ جو مصلحت پر مبنی ہو فتنہ پھیلانے والے سچ سے بہتر ہے۔

فقیر حسین: لیکن اس نے، جس نے مجھے اور شیخ سعدی دونوں کو پیدا کیا ہے یہ بھی تو کہا ہے کہ ایک دن اس کے دربار میں ہم سب کو اپنے اپنے اعمال کا حساب دینا ہے اور اس دن ہمارے یہ ہاتھ پاؤں اور زبان چیخ چیخ کر ان سب کاموں کا اعلان کریں گے جو ہم نے زندگی میں ان سے لیے تھے۔ کریں گے نا۔

قریشی : (لاجواب ہو کر) دیکھو فقیر حسین۔ میں صرف اس لیے تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں کہ میں تمہیں پسند کرتا ہوں اور میں دل سے یہ سمجھتا ہوں کہ تم بے قصور ہو۔ لیکن اگر تم نے اپنا کیس آیتوں اور روایتوں کی مدد سے ہی لڑنا ہے تو تمہاری مرضی.....

فقیر حسین: میں آپ کے جذبات کی قدر کرتا ہوں قریشی صاحب۔ میرے دل میں اس کا بڑا احترام ہے لیکن یہ مجھ سے نہیں ہوگا شاید میرے مولا کی یہی مرضی ہے۔ اچھا میں چلتا ہوں۔

قریشی : ایک دفعہ پھر سوچ لو فقیر حسین۔ ڈی جی صاحب رپورٹ کے لیے دو دفعہ فون کر چکے ہیں۔

فقیر حسین: آپ کیوں میرے لیے مصیبت میں پڑتے ہیں۔ آپ لکھ دیجیے کہ فقیر حسین پر سرکاری رقم خرد برد کرنے کا الزام صحیح ہے۔ رقم اس کے گھر سے برآمد کر لی گئی ہے اور وہ ..... گردن زدنی ہے... اس ناسور کو معاشرے کے جسم سے فوراً کاٹ کر پھینک دینا چاہیئے۔ اور یہ بھی لکھ دیجیے گا کہ تیس سال تک یہ شخص بگلا بھگت بن کر اس موقع کا انتظار کر رہا تھا اس تاک میں تھا کہ کب موقع ملے اور وہ اپنا کام دکھائے۔ وہ نام کا ہی نہیں اخلاق کا بھی فقیر ہے۔ کمینہ۔ چور۔ جھوٹا......

بڑبڑاتا ہوا کمرے سے نکل جاتا ہے۔ قریشی رحم انگیز نظروں سے اس کی طرف دیکھتا ہے اور دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیتا ہے۔

سین نمبر ۶

فقیر حسین کا گھر۔ سعیدہ۔ خالد۔

خالد : (پریشانی میں سمجھانے کی کوشش کر رہا ہے) دیکھیے آپ میری بات سمجھنے کی کوشش کریں۔ اس طرح ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہنے اور خالی دعائیں مانگنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ جس کسی نے بھی

چچا جان کو ڈھونڈنے کی کوشش کی ہے اس کا پتہ لگائے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ اور اس کے لیے ہمیں پولیس کی مدد بھی لینی پڑے گی۔

سعیدہ : لیکن شاید ابو اسے پسند نہ کریں۔

خالد : بات ان کی پسند یا ناپسند کی نہیں ہے سعیدہ۔ آپ پڑھی لکھی ہیں سمجھدار ہیں۔ آپ کو اندازہ ہونا چاہیئے کہ گزرنے والا ہر منٹ آپ کے والد کے لیے نقصان دہ ہے۔۔

سعیدہ : (اپنے آپ سے) یا اللہ میں کروں۔

خالد : آپ فوراً میرے ساتھ چلیں۔ اور چل کر ساری بات سمیع کو بتائیں۔ وہی ہمیں بہتر گائیڈ کر سکتا ہے

سعیدہ : لیکن گھر میں ...... دیکھئے نا ...... نہ اختر ہے نہ ابو ...... اس طرح

خالد : او ہو خدا کے لیے .... سعیدہ BE PRACTICAL۔ گھر کو تالا لگا کر چابی ہمسائیوں کو دے جائیں۔ چچا جان کے لیے کوئی رقعہ چھوڑ دیں .... پچاس طریقے ہیں اور پھر ہم کون سا ہفتے بھر کے لیے جا رہے ہیں۔ ڈیڑھ دو گھنٹے میں آ جائیں گے۔

سعیدہ : اچھا .... آپ کوئی رکشہ روکیں۔

خالد : رکشہ ؟ .... میرا اسکوٹر جو ہے۔

سعیدہ : سکوٹر پر .... ؟ میں تو آج تک سکوٹر پر نہیں بیٹھی۔

خالد : دیکھیں سعیدہ۔ میں جانتا ہوں آپ یہ کس وجہ سے کہہ رہی ہیں .... لیکن یہ وقت ایسی باتوں کے سوچنے کا نہیں ... ہمیں اس مسئلے کو حل کرنا ہے۔ اس مصیبت سے چچا جان کو نکالنا ہے۔

سعیدہ : آپ نہیں جانتے ہمارا یہ محلہ ....

خالد : کتنے لوگ ہیں اس محلے کے جو آپ کا دکھ بانٹنے آئے ہیں ؟ پتہ نہیں کیوں ہم ساری عمر ایسے لوگوں کو خوش رکھنے کی کوشش میں گزار دیتے ہیں۔ جو کبھی کسی بات سے مطمئن نہیں ہو سکتے، آیئے ......

سعیدہ اس کے لہجے کے غیر معمولی تحکم سے ایک دم چادر اٹھا کر لپیٹتی ہے اس کے پیچھے پیچھے باہر کی طرف جاتی ہے۔

سین نمبر ۷

کیمرہ دو ہاتھوں پر اوپن ہوتا ہے۔ جنہوں نے ایک دوسرے کی کلائی کو مضبوطی سے تھام رکھا ہے آہستہ آہستہ C/U کرتا ہے سلامت اور جیلا پنجہ پکڑنے کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ ارد گرد تین چار بدمعاش بڑے جوش سے ان کو شاباشی دے رہے ہیں اختر بھی بڑی دلچسپی سے یہ مقابلہ دیکھ رہا ہے چند لمحوں کی کشمکش

کے بعد سلامت جیلے کی کلائی مڑور دیتا ہے پھر ایک دم فتح کا نعرہ لگا کر بیٹھکیں نکالنے لگتا ہے۔ ساتھ ساتھ ہنس رہا ہے۔ جیلا بھی شرمندگی کے ساتھ ہنستا ہے۔

جیلا : میری کہنی سلپ ہوگئی تھی پتر..... نہیں تو..

سلامت : یہ استادوں کی پکڑ ہے بچے۔ بڑے بڑوں کی کہنیاں سلپ ہو جاتی ہیں ... چل نا واکڈھ۔

جیلا : (جیب سے نوٹ نکالتے ہوئے) یہ لے مر۔ لیکن کل پھر مقابلہ ہوگا۔

سلامت : کل کیا ابھی آجا۔ (ایک کھسکتے ہوئے بدمعاش کو بازو سے پکڑتا ہے) تو کدھر بھاگ رہا ہے چھیمے۔ دس کا نوٹ رکھ کے جا یہاں۔ شرط کا مال تو میں نے کبھی اپنے باپ کو بھی معاف نہیں کیا۔

چھیما : (شرمندہ سا ہو کر جیب سے نوٹ نکالتا ہے۔ جا یار جیلے.. ذلیل کروا دیا ہے۔

سلامت : گھوڑا دیکھ کر مال لگانا چاہیئے پتر.....

فخر سے اپنے بازوؤں کی طرف دیکھتا ہے اختر جیلے کی جگہ پر آ کر بیٹھتا ہے اپنی کلائی مقابلہ کے انداز میں رکھتا ہے۔

اختر : (اشتیاق آمیز لہجے میں) میری کلائی پکڑو گے۔

سب بدمعاش اس کی طرف دیکھ کر ہنس پڑتے ہیں۔

سلامت : (ہنستے ہوئے) جا یار باؤ اپنا کام کر..... مونڈھا اتر گیا تو دو مہینے پلستر باندھنا پڑے گا۔

اختر : نہیں اترتا۔ تم آؤ تو سہی۔

سلامت : او کیوں مجھ پر تین سو دو لگوانی ہے۔ خوامخواہ.....

چھیما : (اختر کی کلائی پر روحانی ہاتھ پھیرتے ہوئے) ہائے یہ تو مجھے راکول وتش کا ہاتھ لگتا ہے۔

اختر ایک دم چھیمے کا بازو پکڑ کر مڑور تا ہے۔ چھیمے کا منہ تکلیف سے کھل جاتا ہے۔ اختر اسے ایک دم آگے کی طرف دھکیلتا ہے۔

اختر : اب کس کا لگتا ہے یہ ہاتھ۔

چھیما : (بازو مسلتے ہوئے) بیڑا غرق یہ باؤ تو مجھے گیگری پیک لگتا ہے۔

سب بدمعاش ہنستے ہیں اختر دوبارہ اسی پوز میں بیٹھتا ہے سلامت سے مخاطب ہوتا ہے۔

اختر : آؤ۔

سلامت : اوئے تو کیا میرے پیچھے پڑ گیا ہے یار۔ میں بغیر شرط کے گٹ نہیں پکڑا کرتا۔

اختر : (جیب سے پچاس کا نوٹ نکال کر سامنے رکھتا ہے) آؤ۔

سلامت : لگتا ہے استاد نے تجھے زیادہ ہی مال دے دیا ہے..... جا گھر جا شاباش۔

اختر : ڈرتے ہو مجھ سے۔

سلامت : میں۔ تم سے.... او ئے عقل کر باؤ۔

اختر : تو پھر آ زور نا۔

سلامت چند لمحے سوچتا ہے پھر نوٹ اٹھا کر جیب میں ڈالتا ہے سامنے بیٹھ کر اختر کی کلائی پکڑتا ہے۔

سلامت : (بے پروائی سے) لگاؤ زور۔

اختر : پہلے تم لگاؤ۔

سلامت آہستہ آہستہ زور لگانا شروع کرتا ہے۔ چند لمحوں کے لیے اختر کی غیر متوقع قوت پر اس کے چہرے پر حیرت کے تاثرات آتے ہیں۔ دانت بھینچ کر پورا زور لگاتا ہے دونوں کے چہرے سرخ ہو جاتے ہیں۔ یکدم سلامت زور لگاتا ہے۔ اختر اسے روکنے کی پوری کوشش کرتا ہے مگر کامیاب نہیں ہوتا۔ سلامت اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر چند لمبے لمبے سانس لیتا ہے پھر آہستہ سے اپنی گرفت ڈھیلی کرتا ہے۔

اختر : (ہانپتے ہوئے) تم واقعی بہت اچھی بینی پکڑتے ہو۔

فتح محمد : استاد کے بعد اتنا طاقتور گٹ نہیں ہے کسی اور کا۔

جیلا : استاد کا پنجہ تو لوہے کا ہے۔

چھیما : ایسے لگتا ہے جیسے کڑکی لگ گئی ہو۔

سلامت ماتھے سے پسینہ پونچھتا ہے جیب سے نوٹ نکال کر اختر کی طرف پھینکتا ہے۔

سلامت : لے یہ رکھ لے۔

اختر : کیوں۔ یہ تو تم نے جیتا ہے۔

سلامت : پتہ نہیں کیوں۔ آج جیت کر مزا نہیں آیا۔ چل اُٹھ۔

اختر : کدھر؟

سلامت : آج تو میرا مہمان ہے۔ تجھے منڈوا دکھاؤں۔ کڑاہی تکے کھلاؤں۔

جیلا : میں بھی آؤں۔

سلامت : نہیں آج صرف باؤ کی دعوت ہے.... آجاؤ۔

سین نمبر ۸

احمد علی کا دفتر۔ احمد علی دروازے میں چوہدری جہانگیر کا استقبال کرتا ہے۔ چوہدری

کے ساتھ اس کے تین چار کارندے ہیں۔ جو خاموشی سے ایک طرف بیٹھ جاتے ہیں۔ ریاست علی ایک کونے میں کھڑا ہو جاتا ہے۔ عابد بھی استقبال کے لیے کھڑا ہے۔

احمد علی: آیئے آیئے۔ WHAT A PLEASANT SURPRISE.

جہانگیر: اسلام علیکم سائیں۔

احمد علی: وعلیکم اسلام... تشریف رکھیں۔

جہانگیر: (عابد کا شانہ تھپکتے ہوئے) کیا حال ہے اپنے برخوردار سائیں کا۔

عابد: آپ کی دعا ہے۔

جہانگیر: سائیں یہ آپ کے شہر میں شریف اور خاندانی آدمی کے لیے بڑا پرابلم ہے.... آپ کے رنگ ڈھنگ سے ہمارا کچھ COMMUNICATION ہی نہیں ہو رہا۔

احمد علی: (ہنستے ہوئے) کیا بات ہوئی.... ہمیں حکم کیجیے کیا مسئلہ ہے۔

جہانگیر: مسئلہ سائیں کوئی خاص نہیں ہے.... گڑبڑ یہ ہے کہ ادھر شہر میں معاملہ ذرا کچھ اور ٹائپ کا ہے۔ ... لفظوں کا الٹ پھیر بہت ہوتا ہے۔ اصل بات نہیں کرتے۔

احمد علی: او ہو لگتا ہے آپ کسی بات سے بہت ہی زیادہ ناراض ہیں۔

جہانگیر: ناراض نہیں سائیں.... دل شکستہ ہوں۔ اطمینانِ قلب نہیں ہے مجھ کو.... ایک چھوٹا سا کام ہے صبح سے یہ ٹائم آگیا ہے۔ مطلب کا بندہ نہیں مل رہا۔

عابد: آپ فرمائیں تو سہی ـ کیسا آدمی چاہیئے آپ کو۔

جہانگیر: کوئی قتل وتل کا تجربہ ہے تم کو سائیں۔

عابد: ق، قتل۔

جہانگیر: تو پھر یہ تمہیں سمجھانے کی بات نہیں ہے۔ تمہارے والد صاحب سے کرتا ہوں۔ یہ بزرگ اور تجربے کار ہیں (ملتانی میں سلامت کو رکنے اور باقی ملازموں کو باہر جانے کے لیے کہتا ہے وہ خاموشی سے اٹھ کر باہر نکل جاتے ہیں) ایک بندہ چاہیئے سائیں؟

احمد علی: کیسا بندہ؟ میرا مطلب ہے کس کام کے لیے۔

جہانگیر: کام زیادہ مشکل نہیں سائیں۔ اپنا علاقہ ہوتا تو میرے پاس بہت آدمی تھے.... مگر میرے بندے شہر کے رستوں سے اس کے ماحول سے زیادہ واقف نہیں ہیں۔ بندہ ایسا چاہیئے جو شہر کی ساری سائنس سمجھتا ہو۔ سائنس سمجھتے ہو نا سائیں۔

احمد علی: کچھ کچھ۔ اچھا یہ بتائیں کرنا کیا ہے اُسے۔

جہانگیر: پولیس کی حراست سے دو بندے نکال کر انہیں میرے علاقے میں پہنچانا ہے.... کام معمولی

ہے سائیں..... بندہ ٹھیک ہونا چاہیئے۔

عابد: پولیس کی حراست سے..... یہ تو..... یہ تو ممکن نہیں ہے جی۔ یہاں تو۔

جہانگیر: دنیا میں کوئی ایسا کام نہیں ہے سائیں جو ہو نہ سکتا ہو۔ کام کرنے کا طریقہ پتہ ہونا چاہیئے۔ تم پولیس کی حراست سے بندے چھڑانے کی بات کرتے ہو۔ اپنے علاقے میں..... خیر چھوڑو اس کو (احمد علی سے) کوئی بندہ ہے نظر میں سائیں۔

احمد علی: وہ..... میں..... دراصل..... اس طرح کے آدمیوں سے..... میرا واسطہ نہیں پڑتا۔ بہر حال میں کوشش کرتا ہوں میرا ایک واقف ہے اس کا CONTRACT ہے ایسے لوگوں سے (فون کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے)۔

جہانگیر: (اسے روکتے ہوئے) نا سائیں۔ جس کام میں تین آدمی ہو جائیں وہ خطرے سے خالی نہیں ہوتا۔ میں کروں گا انتظام..... تم ذرا چائے بنواؤ...

احمد علی: ابھی لیجئے۔

جہانگیر: (ملتانی میں ریاست سے) وہ جس آدمی کا پتہ لیا تھا اس سے بات کرو۔

ریاست: (ملتانی میں) جو حکم سائیں۔

دروازہ کھول کر جاتا ہے عابد کا کلوز جو سخت حیرت میں ہے۔

سین نمبر ۹

A-1-6 سمیع کا کمرہ۔ خالد۔ سعیدہ۔

سعیدہ: پلیز آپ کچھ کیجئے..... میرے ابو..... وہ یہ صدمہ سہار نہیں سکیں گے۔

سمیع: آپ حوصلہ رکھیں خاتون۔ اگر یہ واقعات ایسے ہی ہیں جیسے آپ نے بتلائے ہیں تو انشاء اللہ میں آپ کے والد صاحب کو کوئی نقصان نہیں پہنچنے دوں گا۔ میں ابھی کچھ لوگوں کو اس کام پر لگا دیتا ہوں ایک دو دن میں سب باتیں کھل کر سامنے آجائیں گے۔

سعیدہ: مجھے اس آدمی پر شبہ ہے۔ جو سوئی گیس چیک کرنے آیا تھا..... اس کے علاوہ اور کوئی نہیں آیا گھر میں۔ (سسکی لیتے ہوئے)

سمیع: میں اس کا بھی پتہ کرواؤں گا۔ آپ پلیز گھبرائیے نہیں۔

خالد: سمیع یار ویسے تو یہ تمہارے کام ہی کا حصہ ہے لیکن ہو سکے تو میری خاطر ذرا...

سمیع: پلیز خالد..... یہ تم مجھے کہہ رہے ہو..... بڑے افسوس کی بات ہے۔

خالد: دراصل میں ان کی وجہ سے.....

سمیع سعیدہ سے چھپا کر خالد کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھتا ہے خالد نظریں چراتا ہے۔

سمیع : انکوائری آفیسر کا کیا نام بتایا تھا آپ نے۔

سعیدہ : قریشی..... ایم جے قریشی۔ محمود جاذب قریشی ہے انکا پورا نام.....

سمیع : جاذب تو غالباً بلاٹنگ پیپر کو کہتے ہیں۔ وہ کیا ہوتا ہے۔ سیاہی چوس۔

ہنستا ہے مگر یہ دیکھ کر کہ کوئی اس کے مذاق کو ENJOY نہیں کر رہا ہے۔ ایک دم خاموش ہو جاتا ہے۔

سین نمبر ۱۰

کیمرہ ایک الیکٹرک روسٹر پر اوپن ہوتا ہے۔ جس میں سلاخوں میں پروئے ہوئے مرغ آہستہ آہستہ گردش کر رہے ہیں۔ اس کے قریب سلامت اور اختر کھڑے ہیں سلامت ایک زور کا ڈکار لیتا ہے۔ منہ پر ہاتھ پھیرتا ہے۔ جیسے خوراک کے ریزے صاف کر رہا ہو۔

سلامت : یار یہ مرغا بھی اللہ نے عجیب چیز بنائی ہے۔ پیٹ میں جاتا ہے تو ٹھنڈ سی پڑ جاتی ہے۔

اختر : پتہ نہیں مرغے ہمارے بارے میں کیا سوچتے ہوں گے۔!!

سلامت : یار باؤ، کبھی کبھی تو مجھے یقین ہو جاتا ہے کہ تیرا ایک نہ ایک پیچ ضرور ڈھیلا ہے۔ بھلا مرغے کیسے سوچ سکتے ہیں۔

اختر : تم کیسے سوچتے ہو ؟

سلامت : میں۔ میں تو انسان ہوں۔

اختر : خیال ہے تمہارا۔ دراصل ہم سب بھی مرغے ہیں۔ اپنی اپنی سیخوں پر آہستہ آہستہ گھومتے ہوئے مرغے۔ ایک دن موت کا فرشتہ آئے گا۔ اور..... ختم۔

سلامت : بس کر یار۔ کیوں فلم اور خوراک کا مزہ ضائع کر رہے ہو۔ چلو تمہیں کھیر کھلاؤں۔ اس سے بہتر کھیر کھائی ہو تو میرا ذمہ۔

کیمرہ آہستہ آہستہ زوم آؤٹ ہوتا ہے۔ لانگ شاٹ میں سلامت اور اختر کو لوگوں کے درمیان میں سے گزرتے ہوئے دکھاتے ہیں۔

سین نمبر ۱۱

ایک قدرے سنسان سی سڑک پر سلامت اور اختر آ رہے ہیں۔ دونوں خاموش ہیں۔

سلامت : کوئی بات کرو یار باؤ۔ تم تو ایک دم چپ ہی ہو گئے ہو۔

اختر : ہیں کچھ سوچ رہا تھا۔

سلامت : زیادہ سوچنا اچھا نہیں ہوتا۔ اس سے بھوک مر جاتی ہے۔

اختر : تم ہر وقت کھانے کے بارے میں کیوں سوچتے رہتے ہو۔

سلامت: (پیٹ پر ہاتھ مارتے ہوئے) یہ جو ہے نا..... یہ..... یہ بڑی عجیب چیز ہے باؤ۔ کبھی پانچ چھ وقت کا فاقہ کیا ہے تم نے۔ (اختر نفی میں سر ہلاتا ہے) نہیں کیا نا اسی لیے..... بھوک میں بعض اوقات پیٹ میں ایک گولہ سا اٹھتا ہے۔ ایسے جیسے کسی نے پسلیوں کو اندر سے یوں پکڑ لیا ہو..... تم نے کبھی کتے کے منہ سے چھین کر روٹی کھائی ہے.... نہیں کھائی نا..... کبھی کھاؤ تو تمہیں پتہ چلے میں ہر وقت کھانے کی باتیں کیوں کرتا ہوں۔

دونوں ایک کراسنگ سے سڑک کراس کرنے لگتے ہیں۔ اختر ہاتھ پکڑ کر اسے روکتا ہے۔

اختر: رک جاؤ۔ اشارہ سبز ہو لینے دو۔ مین روڈ ہے۔

سلامت: مگر ہمیں کیا۔ ہم تو پیدل جا رہے ہیں۔

اختر: یہ اشارہ پیدل چلنے والوں.....

ایک دم رک جاتا ہے اس کے قریب سے خالد کا سکوٹر گزرتا ہے جس کے پیچھے سعیدہ بیٹھی ہے اختر چند لمحے ششدر سا ان کی طرف دیکھتا ہے۔

سلامت: اب چلو نا۔ ہو گیا ہے سبز۔

اختر ایک دم اسے کچھ جواب دیئے بغیر اپنا ہاتھ چھڑاتا ہے۔ اور اس طرف چلتا ہے۔ جدھر سکوٹر گیا ہے۔ سلامت آوازیں دیتا ہوا اس کے پیچھے آتا ہے۔

سلامت: او کدھر جا رہے ہو باؤ۔

اختر: تم جاؤ سلامت۔ مجھے کچھ کام ہے۔

ہاتھ چھڑا کر جاتا ہے۔ سلامت حیرت سے اس کی طرف دیکھتا ہے۔

سین نمبر ۱۲

سعیدہ باپ کا بستر بچھا رہی ہے۔ دروازہ دھماکے سے کھلتا ہے۔ سعیدہ مڑ کر اختر کی طرف دیکھتی ہے۔

اختر اسے گھور رہا ہے۔

سعیدہ: آؤ۔ آؤ۔ لاٹ صاحب کے بچے گھر یاد آگئی ہے تمہیں۔ (اختر اسے گھورتا۔ ہنستا ہے) اب دروازے میں کیا جم کر کھڑے ہوئے ہو۔ اندر مرو۔ شرم تو تمہیں۔ رہی نہیں۔

اختر: شرم کا سرا کونہ تو تمہارے پاس ہے۔ اس لیے سکوٹر پر غیر مردوں کے ساتھ۔

سعیدہ: (چیخ کر) اختر۔!

اختر: میں نے تمہیں اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے..... تم سے مجھے یہ امید نہیں تھی۔

سعیدہ: کیا بکواس کر رہے ہو۔ بات سوچ کر منہ سے نکالنی چاہیئے۔

اختر : میں پوچھتا ہوں کس ناطے سے تم اس سے ملی ہو۔ کس رشتے سے تم نے اپنا بازو..... اوہ.......
خدا کی قسم اگر یہ بات مجھے کوئی اور بتاتا تو میں کبھی اس پر یقین نہ کرتا۔ اتنا مان تھا مجھے تم پر۔

سعیدہ : فلموں والے غیرت مند بھائی بننے کی کوشش نہ کرو۔ پہلے آرام سے ادھر بیٹھ جاؤ..... غور سے
میری بات سنو۔ پھر آگے بکواس کرنا۔

اختر : کون تھا وہ...

سعیدہ : دروازہ بند کرکے انسانوں کی طرح یہاں بیٹھو..... اور یہ جو آنکھوں میں شعلے چمک رہے ہیں انکو
تھوڑی دیر کے لیے آف کر دو۔

(اختر دروازہ بند کرکے اندر آتا ہے) تمہاری پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ میں خالد کے ساتھ گئی تھی..
ایک منٹ، پہلے میری پوری بات سن لو..... تم تو کل صبح رفع ہو گئے تھے، تمہارے بعد ایسا حادثہ
ہو گیا کہ..... ابو کی بات کا پتہ چل گیا ہے تمہیں —؟

اختر : ابو —— کیا ہوا ہے انہیں..... (گھبرا کر) وہ ٹھیک تو ہیں۔

سعیدہ : —— تو تمہیں نہیں معلوم...... میں بھی سوچ رہی تھی کہ تم لاکھ غیر ذمہ دار سہی، لیکن یہ نہیں ہو
سکتا کہ تم تک یہ خبر پہنچی ہو اور تم فوراً گھر نہ آؤ..... بیٹھ جاؤ اور غور سے میری بات سنو۔

اختر : ابو ہیں کہاں —— وہ خیریت سے تو ہیں نا۔

سعیدہ : جسم تو ان کا سلامت ہے لیکن ان کی روح پہ ایسا زخم لگا ہے جو شاید کبھی نہ بھر سکے۔

سین نمبر ۱۳

فقیر حسین مضمحل قدموں سے ایک فٹ پاتھ پہ چلتا ہوا آتا ہے۔ فٹ پاتھ کے
کونے پہ ایک طوطے سے فال نکالنے والا نجومی بیٹھا ہے۔ اس کے قریب ایک
دیہاتی وضع قطع کا پریشان حال آدمی بیٹھا ہے طوطا مختلف لفافوں کو چھوتا
ہے پھر ایک لفافہ نکال کر نجومی کو دیتا ہے فقیر حسین نجومی کے بالکل قریب آ
رک جاتا ہے اس کی طرف دیکھتا ہے۔ نجومی لفافے میں سے کاغذ نکالتا ہے
پڑھ کر مسکراتا ہے۔

نجومی : بڑی اچھی فال ہے..... ستارے کہتے ہیں کہ تمہیں عنقریب کام میں ترقی ہوگی، کامیابی قدم
چومے گی..... دشمنوں کا منہ کالا ہوگا۔

آدمی : (مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ) سچ۔

نجومی : بھائی میرے، میں جھوٹ بول سکتا ہوں مگر یہ بے زبان جانور اور ستارے تو جھوٹے نہیں
ہیں۔

آدمی : خدا تمہاری زبان مبارک کرے..... میں تو کہتا ہوں بے شک میرے کام میں ترقی ذرا ٹھہر کے

ہو جائے مگر میرے دشمنوں کا منہ کالا ہو۔ ساری دنیا ان پر تھو تھو کرے۔

نجومی : فکر نہ کرو ایسا ہی ہو گا..... ستاروں کی چال تمہارے حق میں ہے۔

آدمی : سولہ کو میرا فیصلہ ہے، اگر مقدمہ میرے حق میں ہو گیا تو تمہیں اور تمہارے طوطے دونوں کو خوش کر دوں گا۔ اچھا۔ سلام علیکم۔

آدمی جاتا ہے نجومی کاغذ لفافے میں ڈال کر لفافہ بند کرتا ہے دوبارہ وہیں رکھتا ہے۔ فقیر حسین کی طرف دیکھتا ہے۔

نجومی : کیوں بھائی صاحب۔ فال نکلواؤ گے۔

فقیر حسین : (اس کے قریب بیٹھ کر اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہے) تم سوا روپیہ لے کر لوگوں میں خوشیاں بانٹتے ہو نا..... بہت اچھا کرتے ہو..... جہاں تک ہو سکے لوگوں کو اچھے اچھے خواب دکھاتے رہو، ایسے خواب جو بیشک پورے نہ ہوں مگر آتے ضرور رہیں۔

نجومی : (حیرت سے) جی۔

فقیر حسین : تمہارے ان سارے لفافوں میں اچھے اچھے خواب بند ہیں نا..... ہر ایک کے لیے خوشخبری ہے سب کے ستارے اچھے اچھے برجوں میں ہیں..... ہیں نا.....

نجومی : میں سمجھا نہیں بھائی صاحب ـــ

فقیر حسین : میں بھی نہیں سمجھا بھائی..... داستانوں میں اسی طوطے میں جادوگر کی جان ہوتی تھی..... اب یہی لفافوں میں سے امیدیں نکال کر لوگوں میں بانٹتا ہے..... اب یہ اچھا ہو گیا ہے نا.....

نجومی پریشانی میں ادھر اُدھر دیکھتا ہے۔

نجومی : آپ نے فال نکلوانی ہے تو نکلوایئے بھائی صاحب..... میرا دھندے کا ٹائم ہے۔

فقیر حسین : تمہارے پاس کوئی ایسا لفافہ ہے جس میں لکھا ہو کہ فقیر حسین چور نہیں ہے، اس نے سرکار کے پیسے میں خرد برد نہیں کی..... (نہیں ہے نا..... مجھے پتہ تھا..... بڑبڑاتا ہوا اٹھتا ہے) چل بھئی فقیر حسین، تیری بات کا تو اس طوطے کو بھی اعتبار نہیں...

فقیر حسین آہستہ آہستہ زوم آؤٹ ہوتا ہے نجومی حیرت سے اس کی طرف دیکھتا ہے۔ کیمرہ طوطے کے کلوز پر آتا ہے۔

سین نمبر ۱۴

رفیق کا ڈیرا۔ رفیق ریاست کی طرف مڑتا ہے۔ سنگین لہجے میں سوال کرتا ہے۔ دروازے پر اس کے دو آدمی مستعد کھڑے ہیں۔

رفیق : تو شہاب نے بھیجا ہے تمہیں۔ تم اسے کیسے جانتے ہو۔

ریاست : میں اسے نہیں جانتا سائیں۔ اس نے میرے مالک کو تمہارے ـــ سے میں اطلاع دی تھی۔

رفیق : تمہارا مالک کون ہے؟

ریاست : اگر تم سے معاملہ سیٹ ہو گیا تو مالک کا نام بھی بتا دوں گا۔

رفیق : کیا کام ہے؟

ریاست : کل گیارہ بجے کچہری کے نزدیک سے دو آدمیوں کو موٹر میں بٹھا کے ایک جگہ پہنچانا ہے۔

رفیق : کون سی جگہ...

ریاست : وہ بھی بعد میں بتاؤں گا سائیں... بولو یہ کام کر سکتے ہو۔

رفیق : اتنے سے کام کے لیے تم میرے پاس آئے ہو۔ میں ایسے چھوٹے کاموں میں ہاتھ نہیں ڈالتا....

ریاست : یہ کام اتنا چھوٹا نہیں سائیں۔

رفیق : مجھے اغوا وغیرہ قسم کے کام اچھے نہیں لگتے.... خواہ مخواہ کی پھڈے بازی ہے۔ اور پھر مردوں کے اغوا کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری ان سے کوئی پارٹی بازی ہے ۔ میں ایسے جھگڑوں میں نہیں پڑتا۔

ریاست : پارٹی بازی نہیں ہے سائیں۔ وہ ہمارے اپنے آدمی ہیں اور انہیں اغوا نہیں کرنا۔ شہر سے نکال کے ہمارے علاقے پہنچانا ہے۔

رفیق : (اشتیاق سے) کیا۔ کیا مطلب۔

ریاست : مطلب یہ ہے سائیں کہ تم ایک موٹر کا بندوبست کرو گے جس کے ساتھ ایک بڑا چوکس ڈرائیور اور دو تین جیدار قسم کے بندے ہوں گے جس وقت ہمارے آدمی موٹر میں بیٹھیں ان کا کام یہ ہو گا کہ انہیں وہاں سے نکال کے لے آئیں۔

رفیق : (دلچسپی لیتے ہوئے) یہ آدمی کہاں سے آئیں گے۔ اور ان کے پاس کیا ہو گا۔

ریاست : ان کے پاس سوائے ہتھکڑیوں کے کچھ نہیں ہو گا سائیں۔

رفیق : ہتھکڑیاں ۔۔۔؟

ریاست : ہاں سائیں وہ پولیس کی حراست سے ہتھکڑیوں سمیت فرار ہوں گے۔ اس لیے تو تمہارے پاس آئے ہیں۔

رفیق : پولیس سے میرے تعلقات اچھے ہیں۔ میں انہیں خراب نہیں کرنا چاہتا۔

ریاست : اس کا انتظام ہم نے کر لیا ہے۔ تمہارا کام صرف فرار کے بعد انہیں شہر سے نکالنا ہے۔

رفیق : (سوچتے ہوئے) مال کتنا لائے ہو۔

ریاست : دس ۔۔۔ اور کام اچھا ہوا تو ہو سکتا ہے ہمارے مالک خوش ہو کر چار پانچ ہزار انعام بھی دے دیں۔

رفیق : میں انعام نہیں لیا کرتا۔ کام کے پیسے لوں گا۔ پچیس ہزار ہوں گے۔

ریاست : یہ تو بہت زیادہ ہیں سائیں۔

رفیق : فتح محمد۔

فتح محمد : جی استاد۔

رفیق : اس کو باہر چھوڑ آؤ۔

ریاست : (گھبرا کر) میری بات تو سنو سائیں۔ تم تو ناراض ہی ہو گئے ہو۔

رفیق : گاڑی تمہاری ہو گی۔

ریاست : ہماری گاڑی شناخت ہو گئی تو بڑی گڑبڑ ہو گی سائیں۔

رفیق : میرے آدمی کچا کام نہیں کرتے۔ بولو میرے پاس زیادہ ٹائم نہیں ہے۔

ریاست : ٹھیک ہے سائیں۔ میں مالک سے بات کر لیتا ہوں۔

رفیق : اور اپنے مالک کا چہرہ بھی کرا دو مجھے۔ اندھیرے کا تیر بہت خطرناک ہوتا ہے۔

ریاست : یہ بھی مالک سے پوچھنا پڑے گا سائیں۔

رفیق : اپنے مالک کو بتا دینا۔ بات کھلی اور صاف ہو گی اور رقم ایڈوانس لوں گا ——— ہماری طرف سے کوئی کوتاہی ہو تو رقم واپس ..... تمہارے حصے کے کام میں گڑبڑ ہو گی ...... تو پیسہ ہضم کھیل ختم۔

سین نمبر ۱۵

فقیر حسین کرسی اوڑھے اکڑوں بیٹھا ہے۔ دوسرے کمرے میں اختر بستر پر چھت کو گھور رہا ہے۔ سعیدہ اپنے بستر پر بیٹھی کچھ بُن رہی ہے۔ کیمرہ آہستہ آہستہ PAN کرتا ہوا تینوں پر جاتا ہے پھر واپس فقیر حسین پر آتا ہے دروازے پر دستک۔ فقیر حسین اسی طرح بیٹھا رہتا ہے۔

(اختر چونک کر سعیدہ کی طرف دیکھتا ہے۔ سعیدہ سلائیاں رکھ کر اٹھنے لگتی ہے۔ اختر ایک دم اٹھتا ہے۔

اختر : تم بیٹھو میں دیکھتا ہوں۔

دونوں آگے پیچھے جاتے ہیں۔ اختر دروازہ کھولتا ہے سامنے احمد علی کھڑا ہے۔ دونوں کچھ دیر تک ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں۔

احمد علی : فقیر حسین کہاں ہے؟

سعیدہ : اندر ہی ہیں آیئے۔

احمد علی: یہ ہمارا بیٹا راستہ دے گا تو آئیں گے نا۔

سعیدہ: (ڈپٹ کر) اختر۔

اختر اس کی طرف دیکھتا ہے ذرا سا پیچھے ہٹتا ہے۔

احمد علی: (اندر آتے ہوئے) شکریہ بیٹا۔

سعیدہ: ابو۔ احمد علی صاحب آئے ہیں۔

احمد علی: (مسکراتے ہوئے) تم نے بھی آج چچا نہیں کہا ــــ معلوم ہوتا ہے سبھی لوگ مجھ سے ناراض ہیں (فقیر حسین خالی خالی نظروں سے اس کی طرف دیکھتا ہے احمد علی کرسی گھسیٹ کر اس کے قریب بیٹھتا ہے) بہت پریشان ہو۔ (فقیر حسین کوئی جواب نہیں دیتا) ارے اس میں اتنا فکرمند ہونے کی کیا بات ہے..... مصیبتیں اور پریشانیاں تو زندگی کا حصہ ہیں۔ مجھے تو ابھی ابھی اتفاقاً پتہ چلا کہ تم نے..... میرا مطلب ہے تمہارے ساتھ یہ حادثہ پیش آگیا ہے.... بھئی سچی بات ہے مجھ سے تو کھانا نہیں کھایا گیا۔ میں نے سلمیٰ سے کہا۔ پہلے میں بھاگ کر بھائی فقیر حسین کی خبر لے آؤں اسے حوصلہ دے آؤں۔ یہ خون کی کشش بھی عجیب ہوتی ہے

سعیدہ: ابو بہت پریشان ہیں۔

احمد علی: بھئی یہ معاملہ ہی ایسا ہے۔ لیکن تم لوگوں نے مجھے کیوں اطلاع نہیں کی فوراً۔ آخر شہر میں ہماری بھی کوئی جان پہچان ہے کوئی اثر و رسوخ ہے.... صبح ہونے سے پہلے پہلے اگر میں نے یہ انکوائری کلوز نہیں کروائی تو میرا نام بھی احمد علی نہیں۔ کوئی مذاق ہے.... ہمارے ہوتے کوئی ہمارے بھائی پر ہاتھ ڈال دے اور ہم خاموش رہیں۔

اختر: تو کیا واقعی آپ۔

احمد علی: کیوں نہیں بھئی۔ اول تو مجھے یقین ہے کہ فقیر حسین ایسا کام کر ہی نہیں سکتا اور اگر فرض کرو بھول چوک سے ایسا ہو بھی گیا ہے تو کون سی قیامت آگئی ہے.... کیا نہیں ہوتا اس ملک میں۔

فقیر حسین: میں نے چوری نہیں کی احمد علی۔

احمد علی: مجھے پتہ ہے۔ پتہ ہے مجھے، ایسا گھٹیا کام تم کر ہی نہیں سکتے۔ مگر اب دیکھنا یہ ہے کہ اس بک بک کو ختم کیسے کیا جائے۔

سعیدہ: قریشی صاحب تو کہتے ہیں اگر ابو لکھ دیں کہ وہ یہ رقم حفاظت کے خیال سے گھر لے آئے تھے تو معاملہ ختم ہو سکتا ہے۔

احمد علی: وہ بات تو اب گئی۔ اس آدمی قریشی نے تو رپورٹ اپنی SUBMIT کر دی ہے۔

فقیر حسین چونک کر احمد علی کی طرف دیکھتا ہے۔

اب تو معاملہ ڈی جی کے پاس ہے۔

سعیدہ: اوہ۔

اختر: اب کیا ہو سکتا ہے۔

احمد علی: کیا نہیں ہو سکتا۔ اس سے میرے اچھے خاصے تعلقات ہیں بلکہ وقتاً فوقتاً وہ مجھ سے کچھ FAVOURS بھی لیتا رہا ہے۔ اوّل تو وہ میری بات ٹالے گا نہیں۔ اور فرض کرو وہ نہیں مانا تو ہم مجرم قانون کے حوالے کر دیں گے۔

اختر: کک — کیا مطلب۔

احمد: دیکھو — مسئلہ یہی ہے ناکہ ایک مخصوص سرکاری رقم فقیر حسین کی الماری سے غائب ہوئی اور پھر اس کے گھر سے برآمد کی گئی۔

(سعیدہ اور اختر اثبات میں سر ہلاتے ہیں) اب اگر کوئی شخص یہ اقرار کرلے کہ یہ رقم اس نے چرائی تھی اور فقیر حسین کو پھنسانے کے لیے اس کے گھر میں چھپادی تھی تو کیا ہوگا؟

سعیدہ: ابو بچ جائیں گے۔

احمد علی: بالکل ٹھیک۔

اختر: مگر وہ آدمی — میرا مطلب ہے اس آدمی کو ہم کہاں سے ڈھونڈیں گے۔

احمد علی: ایسے آدمی تمہیں بہت سے مل جائیں گے۔ اس جرم میں زیادہ سے زیادہ ایک سال کی سزا ہوگی اور دس پندرہ ہزار کے لیے ایک سال قید کاٹنے والے تمہیں درجنوں مل سکتے ہیں۔

سعیدہ: سچ۔

احمد علی: رقم کی تم فکر نہ کرو۔ میرے پاس اللہ کا دیا بہت ہے۔

سعیدہ: اوہ خدایا.... تیرا لاکھ شکر ہے۔

فقیر حسین: (چند لمحے غور سے احمد علی کی طرف دیکھتا ہے) جب کوئی مجھ سے پوچھتا تھا نا احمد علی! کہ کون میرے خلاف یہ سازش کر سکتا ہے تو میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ مجھ سے کسی کی کیا دشمنی ہو سکتی ہے.... ایک بار۔ ہاں صرف ایک بار تمہارا نام میرے دماغ میں آیا تھا.... مگر میں نے کہا نہیں.... احمد علی.... اس حد تک

تم نے میرا یہ مان بھی توڑ دیا احمد علی۔

احمد علی: کیسی باتیں کر رہے ہو فقیر حسین۔ مجھے کیا ضرورت ہے ایسی گھٹیا حرکت کرنے کی.... میں نے کہا نا ہے تم سے۔

فقیر حسین: یہ مکان۔ یہ مکان احمد علی۔ جسے حاصل کرنے کے لیے تم نے مجھ پر یہ تازہ جال پھینکا ہے تمہارا خون تو تمہارے رنگ سے بھی زیادہ سفید ہے احمد علی۔

احمد علی: (گھبراہٹ پر قابو پانے کی کوشش میں) وہم کا علاج تو حکیم لقمان کے پاس بھی نہیں تھا۔ میں
تو اس خیال سے آیا تھا کہ تمہیں میری مدد کی ضرورت ہوگی مگر لگتا ہے تم نے اپنے لیے ذلت
اور خواری کا رستہ منتخب کر لیا۔

فقیر حسین: ہاں۔ ہاں ۔۔ اگر میرے مقدر میں ذلت لکھی ہے تو میں ضرور اس کا سامنا کروں گا۔ تم مہربانی
کر کے تشریف لے جاؤ۔

احمد علی: تمہاری مرضی... بہرحال اگر صبح تک تمہارا دماغ ٹھکانے آجائے تو مجھے فون کر دینا مجھ سے
جو ہو سکے گا میں ضرور کر دوں گا...

فقیر حسین: تمہاری مدد لینے سے میں مر جانا بہتر سمجھتا ہوں۔

احمد علی: سعیدہ بیٹی۔ اختر۔ تم ہی سمجھاؤ اسے ...... اس کی بدنامی سے تم دونوں کی زندگی بھی برباد
ہو جائے گی ۔۔ کہیں منہ دکھانے کے لائق نہیں رہو گے۔

فقیر حسین: چلے جاؤ، احمد علی چلے جاؤ۔

احمد علی جاتا ہے سعیدہ اور اختر خاموش کھڑے ہیں۔ فقیر حسین بڑبڑاتا
ہے۔

فقیر حسین: چلے جاؤ۔ احمد علی ———— چلے جاؤ۔ چلے جاؤ۔

4

کردار

• فقیر حسین • احمد علی • • خالد • عابد • سلمیٰ

• نیلم • رفیق • جہانگیر • قریشی • کلرک • ریاست

• گریوال • انیسہ • سمیع • ریڑھی والا • سلامت • جیلا

• فتح محمد

سین نمبر ۱

احمد علی کا بیڈروم۔

سلمیٰ اپنے بستر پر بیٹھی کچھ بُن رہی ہے کبھی کبھی نظر اٹھا کر احمد علی کی طرف دیکھ لیتی ہے جو ڈریسنگ گاؤن میں ملبوس سائڈ ٹیبل پر رکھی ہوئی فائلوں میں سے کچھ کاغذات دیکھ رہا ہے چہرے پر گہرے غور و فکر کے آثار ہیں۔

سلمیٰ : اب بس بھی کریں۔ دو بج رہے ہیں۔

احمد : (چونک کر) تم سو جاؤ۔

سلمیٰ : آپ کو پتہ ہے لائٹ جل رہی ہو تو مجھے نیند نہیں آتی۔

احمد : تو میں اُدھر ڈرائنگ روم میں بیٹھ جاتا ہوں۔

سلمیٰ : آپ تو دفتر کا کام گھر لانے کے بہت خلاف تھے یہ

(فائلوں کی طرف اشارہ)

احمد : یہ معاملہ ہی ایسا ہے سلمیٰ..... اتنے بڑے کام کے لیے اگر چھوٹے موٹے اصول توڑ بھی دیے جائیں تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ میری زندگی کا سب سے بڑا پراجیکٹ ہے!

سلمیٰ : وہ جو مارکیٹ بنا رہے ہیں آپ!

احمد : مارکیٹ نہیں سلمیٰ۔ پلازا..... پاکستان میں اپنی طرز کا سب سے بڑا اور ماڈرن شاپنگ پلازا۔ اس کی چھت پر کھڑی ہو کر دیکھو گی تو شہر کی سب عمارتیں تمہیں چھوٹی چھوٹی، اتنی اتنی سی نظر آئیں گی۔

(ہاتھ سے اشارہ کر کے بتاتا ہے)

سلمیٰ : نہ بابا۔ مجھے تو اونچی عمارتوں سے بہت خوف آتا ہے۔ پاؤں کے نیچے زمین نہ ہو تو ایسے لگتا ہے جیسے..... جیسے.....

احمد : (بات کاٹتے ہوئے) جیسے تمہارے سر میں سے دماغ نکل گیا ہو! خدا کے لیے سلمیٰ اب تو یہ جہالت کی باتیں ختم کر دو۔ پچیس برس ہو گئے ہیں مجھے تم سے سر کھپاتے ہوئے۔ اب تم اس دو کمروں کے کوارٹر میں رہنے والے احمد علی اوورسیئر کی بیوی نہیں ہو۔ بیگم سیٹھ احمد علی ہو۔ اس آٹھ کنال کی کوٹھی کی مالکن ہو تم۔

سلمیٰ : سچ پوچھیے تو اس کوارٹر کے دو کمروں میں میں بہت خوش تھی..... کتنا چھوٹا سا گھر تھا وہ..... ہر چیز کتنی قریب تھی ہاتھ بڑھاؤ اور چھو لو ——— یہاں آ کر تو میرے اپنے بچے مجھ سے دور ہو گئے ہیں۔

احمد : تمہیں دیکھ کر یقین آجاتا ہے کہ عورتیں واقعی ناقص العقل ہوتی ہیں..... کون سی نعمت ہے جو ہمارے اس گھر میں مہیا نہیں۔ تم اشارہ کرو تو دس نوکر ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بات تمہارے منہ سے نکلتی بعد میں ہے اس سے پہلے وہ کام ہو جاتا ہے..... مگر اس کے باوجود تمہیں وہ ذلیل، دھوئیں کا مارا ہوا اور قبر کی طرح تاریک کوارٹر نہیں بھولتا۔ حد ہوتی ہے۔ بے وقوفی کی بھی..... اور

سلمیٰ : اللہ کا شکر ہے یہاں سب کچھ ہے..... اتنا کچھ کہ ہم آرام سے بیٹھ کر کھاتے رہیں تو سو برس تک ختم نہ ہو پھر بھی آپ چوبیس گھنٹے اس کو بڑھانے میں لگے رہتے ہیں..... کیوں.....!

احمد : کیسی حماقت کی بات کر رہی ہو۔

سلمیٰ : دولت اس لیے ہوتی ہے کہ اس سے آدمی کی زندگی میں سکون آئے، کچھ آرام ملے اُسے..... کبھی آپ نے غور کیا ہے ہر وقت اس کی دھن میں رہنے سے آپ کے ماتھے پر شکنیں پڑ گئی ہیں۔

(احمد غور سے اس کی طرف دیکھتا ہے اور بات کو ہنسی میں اڑانے کی کوشش کرتا ہے)

احمد : بھئی تم تو اچھی خاصی تقریر کر لیتی ہو۔ کیا خیال ہے آئندہ الیکشن میں کھڑا نہ کر دیں تمہیں۔

سلمیٰ : مذاق نہ اڑایئے میری بات کا.....

احمد : دیکھو سلمیٰ..... بہت سی باتیں صرف مردوں کی سوچنے کی ہوتی ہیں۔ جس طرح میری سمجھ میں تمہارے اس سویٹر کا نمونہ نہیں آتا اسی طرح تم میرے کاروبار کی پیچیدگیوں کو نہیں سمجھ سکتیں۔ سو جاؤ آرام سے۔ شاباش۔

سلمیٰ : (چند لمحے اس کشمکش میں رہتی ہے کہ بات کرے یا نہ کرے) سنا ہے بھائی فقیر حسین پر کوئی.....

احمد : تمہیں کس نے بتایا؟

سلمیٰ : خالد بتا رہا تھا..... وہ گیا تھا اُن کی طرف.....

احمد : (حیرت سے) خالد ——— کیوں؟

سلمیٰ : کمال کرتے ہیں آپ۔ مصیبت اور پریشانی کے وقت اگر اپنے دکھ نہیں بانٹیں گے تو کون بانٹے گا۔ میں صبح خود بھی جا رہی ہوں۔

احمد : (قدرے پریشانی میں) تم۔ ہاں کیوں نہیں مگر..... میرے خیال میں تمہارا جانا مناسب نہیں۔

سلمیٰ : کیوں؟

احمد : فقیر حسین کے دماغ میں خلل ہے۔ میں شام کو گیا تھا اس کی طرف ——— اُس نے میری مدد لینے سے صاف انکار کر دیا۔ بلکہ بے عزت کر کے مجھے گھر سے نکالا ——— تم نہیں جاؤ گی ادھر اور..... اور خالد کو بھی منع کر دو۔

سلمیٰ : میری سمجھ میں نہیں آتا..... اس دن بھائی فقیر حسین اتنے برسوں کے بعد آئے بھی...... مگر ایک دم چلے گئے..... اور اب آپ بتا رہے ہیں کہ..... پتہ نہیں کیا قصّہ ہے۔

احمد : قصّہ وصّہ کچھ نہیں۔ پاگل پن ہے اس کا..... اور یاد رکھو میری اجازت کے بغیر میرے گھر کا کوئی فرد اُن سے نہیں ملے گا۔

سلمیٰ : (نیم دلی سے) اچھا..... مگر..... آپ اُن کی مدد ضرور کیجیئے گا ——— رشتہ داروں کا حق سب سے آگے ہوتا ہے۔

احمد : کروں گا بابا کروں گا۔ اب سو جاؤ..... مجھے صبح وکیل کو یہ سب کاغذات مکمل کر کے دینے ہیں۔

سلمیٰ سوچ میں پڑ جاتی ہے۔ احمد کچھ کاغذات دیکھتا ہے۔

سین نمبر ۷

(فقیر حسین کمبل میں منہ لپیٹے بستر پر لیٹا ہے اور خلاء میں کسی نامعلوم نقطے پر نظریں جمائے ہوئے ہے کیمرہ آہستہ آہستہ PAN کرتا ہوا اختر پر آتا ہے جو چارپائی سے پاؤں نیچے لٹکائے کسی گہری سوچ میں بیٹھا ہے۔ سعیدہ باورچی خانے سے ہاتھ پونچھتی ہوئی آتی ہے۔ دونوں آہستہ آہستہ بولتے ہیں۔)

سعیدہ : میں نے شیو کا پانی رکھ دیا ہے۔ اٹھو ہاتھ منہ دھو لو۔

اختر : (بڑھی ہوئی شیو پر ہاتھ پھیرتے ہوئے) جی نہیں چاہ رہا۔

سعیدہ : دیکھو اختر..... ابو کی حالت تم دیکھ رہے ہو ——— میں لڑکی ہوں ——— اب تم ہی ہو جس نے اس مصیبت سے ہم سب کو نکالنا ہے۔ اپنے باپ کے نام کی ان کی عزت کی حفاظت کرنی ہے۔

اختر : میں کیا کر سکتا ہوں؟

سعیدہ: تم مرد ہو۔ پڑھے لکھے ہو۔ جاکر متعلقہ لوگوں سے ملو۔ انہیں بتاؤ کہ ابو کے خلاف سازش کی گئی ہے۔
اے آئی جی سمیع صاحب سے ملو..... انہوں نے ہماری مدد کا وعدہ کیا ہے۔
(اختر چند لمحے تفکر آمیز انداز میں سعیدہ کی طرف دیکھتا ہے۔)

اختر: کیا تمہیں بھی یقین ہے کہ یہ سارا چکر چچا احمد علی کا چلایا ہوا ہے۔

سعیدہ: (جیسے اس سوال کا جواب نہیں دینا چاہتی) اگر تو..... لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ محض یہ مکان خالی کرانے کے لیے وہ..... وہ تو بہت بڑے آدمی ہیں۔

اختر: زیادہ تر بڑے آدمی ہی ایسی چھوٹی حرکتیں کرتے ہیں۔

سعیدہ: اگر یہ واقعی سچ ہے تو پھر تو بہت مصیبت ہے..... ہمارا اور ان کا مقابلہ تو پہاڑ اور چیونٹی جیسا ہے ——

اختر: اسی لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں چیونٹی بن کر زندہ نہیں رہوں گا..... جو پاؤں مجھے کچلنے کیلئے بڑھے گا اس پر سانپ کی طرح حملہ کروں گا۔

سعیدہ: (حیرت سے) کیسے؟

اختر: بتاؤں گا تمہیں..... دیکھتی جاؤ.....

سعیدہ: (ڈر کر) خدا کے لیے کوئی الٹا سیدھا کام نہ کر بیٹھنا —— پہلے ہی ہم کون سے سکھ میں ہیں۔

اختر: تم ان سے بات کرو۔ اگر وہ وقتی طور پر یہ مکان خالی کر کے اس مصیبت سے چھٹکارہ پا لیں تو میں وعدہ کرتا ہوں نہ صرف یہ مکان واپس حاصل کروں گا بلکہ احمد علی اور اس کے پورے خاندان کو ایسا سبق دوں گا کہ ان کی آئندہ نسلیں تک یاد رکھیں گی۔
(سعیدہ اختر کی باتوں کو طفلانہ غصہ سمجھ کر ان کا نوٹس نہیں لیتی)

سعیدہ: اچھا اچھا یہ سب تو دیکھا جائیگا۔ اس وقت تو تم ذرا سمیع صاحب کے پاس جاؤ..... ان سے پتہ کرو کیا DEVALOPMENT ہوئی ہے..... بلکہ میں بھی چلتی ہوں تمہارے ساتھ۔

اختر: تم —— نہیں ——

سعیدہ: سمیع صاحب بہت اچھے آدمی ہیں اور پھر خالد کا دوست ہونے کی وجہ سے وہ اس کیس میں خصوصی دلچسپی لے رہے ہیں۔ میرے خیال میں میرا ان سے ملنا غیر مناسب نہیں ہوگا۔

اختر: (طنزیہ انداز میں ہنستے ہوئے) خالد کے دوست ہیں اور ہم ان سے خالد کے باپ کے خلاف مدد طلب کرنے جا رہے ہیں۔ کیسی بے وقوفی کی بات ہے۔

سعیدہ: خالد —— خالد بہت مختلف آدمی ہے..... وہ اس خاندان کا ہوتے ہوئے بھی ان سے بالکل الگ ہے۔

اختر: تم مجھ سے بڑی ہو۔ زیادہ پڑھی لکھی ہو..... مگر تمہاری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ سانپ کی اولاد

کتنی بھی خوبصورت ہو سانپ ہی رہتی ہے۔

سعیدہ : خالہ ــــــــ

خالہ کی وکالت میں کچھ کہتے کہتے رک جاتی ہے

تو پھر تم ہی بتاؤ ہم کیا کریں۔

اختر : پسپائی۔ شکست تسلیم کر لینی چاہیئے۔ ہمیں۔

سعیدہ : ابو، ایسا ہرگز نہیں کریں گے۔ وہ عزتِ نفس کو زندگی سے زیادہ عزیز جانتے ہیں۔

اختر : انہیں سمجھاؤ۔ کھلے جنگل میں خالی ہاتھوں سے شیر کا مقابلہ نہیں کیا جاتا۔ اس وقت ساری باتیں ان کے خلاف جا رہی ہیں۔ انہیں پیچھے ہٹنا ہی ہوگا۔ اس وقت تک ..... جب تک میں انتقام لینے کی پوزیشن میں نہیں آجاتا۔

سعیدہ : (پریشان سی ہو کر بیٹھ جاتی ہے) یا اللہ میں کیا کروں۔

(کیمرہ PAN کر کے فقیر حسین پر آتا ہے جس کے چہرے پر ایسے آثار ہیں جیسے اس نے کوئی فیصلہ کر لیا ہو، کمبل اتار کر بستر سے اٹھتا ہے۔ کھونٹی سے شیروانی اتار کر پہنتا ہے دروازے کی طرف منہ کر کے آواز دیتا ہے۔)

فقیر حسین : سعیدہ بیٹی ــــــــ

سعیدہ : (آتے ہوئے) جی ابو۔

(پیچھے پیچھے اختر ہے)

فقیر حسین : میں ذرا دفتر جا رہا ہوں بیٹی ــــــــ ہو سکتا ہے مجھے کچھ دیر ہو جائے۔

سعیدہ : (شدید پریشانی میں) مگر ابو.....

فقیر حسین : (ان سنی کرتے ہوئے) میرے جوتے کہاں ہیں؟

(اختر تیزی سے آگے بڑھ کر ایک کونے سے جوتے اٹھا کر اس کے سامنے رکھتا ہے۔ فقیر حسین اس کی طرف دیکھتا ہے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر مسکراتا ہے)

فقیر حسین : جیتے رہو۔

(اختر اس کی غیر متوقع محبت سے حیران ہو جاتا ہے۔ فقیر حسین پگڑی سر پر رکھ کر جاتا ہے۔ اختر سر اٹھا کر سعیدہ کی طرف دیکھتا ہے۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھیگی ہوئی ہیں۔)

اختر : آج ابو نے کتنی مدت کے بعد مجھے پیار کیا ہے۔ میرے سر پر ہاتھ رکھا ہے...... مجھے دعا دی ہے۔

(سعیدہ کے گھٹنے سے لگ کر ایک دم رونے لگتا ہے۔ سعیدہ گہرے غم میں

اپنے ہونٹ کاٹتی ہے۔ تسلی کے انداز میں اختر کا شانہ تھپکتی ہے اس کی اپنی آنکھیں بھر آتی ہیں۔)

سین نمبر ۳

(ناشتے کی میز پر احمد علی، سلمیٰ، خالد، نیلم، بیٹھے ہیں۔ ملازم یسین ناشتہ لگا رہا ہے)

احمد علی: بھئی یہ عابد کدھر رہ جاتا ہے..... بلواؤ اسے۔

نیلم: ابھی میں ان کے کمرے میں گئی تھی۔ تو وہ شیو بنا رہے تھے۔

عابد: (آتے ہوئے) یہ کیا- CONSPIRACY ہو رہی ہے۔ میرے خلاف۔

(جلدی سے کرسی گھسیٹ کر بیٹھتا ہے۔ ڈبل روٹی اٹھا کر اس پر JAM لگانے لگتا ہے)

سلمیٰ: بدتمیز۔ نہ دعا نہ سلام..... ہم سب تمہارے انتظار میں بیٹھے ہیں اور تم آتے ہی شروع ہو گئے ہو

عابد: (جلدی جلدی کھاتے ہوئے) نیک کام میں دیر نہیں کرنی چاہیئے امی۔

احمد: (مسکراتے ہوئے) رات تم بہت دیر سے آئے۔

عابد: ہاں ڈیڈ وہ..... کلب میں دیر ہو گئی۔ کچھ دوست آئے ہوئے تھے باہر سے (نیلم سے) یہ آملیٹ ذرا ادھر کرنا۔

نیلم: یہ خالد بھائی کا سپیشل آملیٹ ہے..... انڈا کم اور رنگ زیادہ.....

عابد: آنے دو۔ یقیناً اچھا ہو گا۔ خالد بھائی TASTE میں تو مار نہیں کھاتے۔

خالد: (مسکراتے ہوئے پلیٹ اس کی طرف بڑھاتا ہے) یہ آملیٹ تمہیں اس تعریف کے بغیر بھی مل سکتا ہے۔

نیلم: سچ۔ بڑے مطلبی ہیں آپ عابد بھائی۔

عابد: دیکھو جان برادر۔ اگر ایک میٹھے بول سے کسی معقول شخص کو بے وقوف بنایا جا سکے تو یہ کوئی مہنگا سودا نہیں ہے۔ کیوں ڈیڈ۔

احمد: (ہنستے ہوئے) بھئی مجھے اس معاملے سے الگ رکھو۔ میں تم شیطانوں کی بحث میں پارٹی نہیں بننا چاہتا۔

عابد: پارٹی نہ سہی آپ ریفری تو بن سکتے ہیں۔

احمد: ریفری بننے میں تو اور زیادہ خطرہ ہے۔ ذرا سی غلطی ہو جائے تو ٹی وی والے ایکشن ری پلے دکھا دکھا کر جان عذاب میں ڈال دیتے ہیں۔ (سب ہنستے ہیں) ہاں بھئی سلمیٰ بیگم۔ رات کھانے پر وہ میرے پارٹنر ہیں نا۔ سردار جہانگیر صاحب..... وہ شاید آئیں۔ کھانا ذرا زوردار ہونا چاہیئے

سلمیٰ: جی اچھا۔ کتنے آدمی ہوں گے۔

احمد : ہمارے ساتھ تو صرف سردار صاحب ہی کھانا کھائیں گے...... ویسے نوکر بھی ہوں گے ان کے

عابد : یہ ہر وقت اتنے ملازم ساتھ لے کر پھرنے کی تُک میری سمجھ میں نہیں آتی۔

احمد : یہ جاگیردار طبقے کا TIPICAL سٹائل ہے۔

نیلم : بڑے اونچے لمبے خوفناک آدمی ہوں گے یہ سردار صاحب...... جیسے پنجابی موویز میں ہوتے ہیں۔

عابد : ارے نہیں نہیں...... وہ بڑے...... عام سے انسان ہیں۔ I MEAN STRUCTURE WISE.

احمد : چیفس کالج اور آکسفورڈ کا پڑھا ہوا ہے..... بہت گہرا آدمی ہے..... باتیں سنو گی تو تمہیں یقین نہیں آئے گا۔ کہ یہ شخص۔

(اس کے بارے میں رائے دیتے دیتے رک جاتا ہے۔ خالد کی طرف مڑتا ہے)

تو آج تم چل رہے ہو نا میرے ساتھ۔

خالد : جی وہ میں کالج سے کچھ...... میرا مطلب ہے۔

احمد : LEAVE IT TO ME!...... یہ کام دفتر میں بھی بیٹھ کے بھی ہو سکتا ہے۔

خالد ایسے انداز میں سر ہلاتا ہے جیسے کہہ رہا ہو AS YOU LIKE

احمد : THANK YOU۔ (عابد سے) تم آج لنچ میرے آفس میں کرنا... ایک ضروری بات کرنی ہے تم سے۔

سین نمبر ۴

(کیمرہ ایک بیش قیمت سٹریو کیسٹ ریکارڈر پہ اوپن ہوتا ہے۔ ثریا ملتانیکر کی آواز میں خواجہ غلام فرید کی کوئی کافی چل رہی ہے۔ جہانگیر بستر میں لیٹا اس کا مزہ لے رہا ہے دو تین ملازم اس کی ٹانگیں دبا رہے ہیں۔ ریاست آتا ہے۔)

ریاست : میں اس کو لے آیا ہوں سائیں۔

(جہانگیر ہاتھ کے اشارہ سے اسے خاموش رہنے کو کہتا ہے جب انترے کے بول ختم ہوتے ہیں اور انٹرول میوزک شروع ہوتا ہے تو بولتا ہے۔)

جہانگیر : اس کو ادھر ہی لے آؤ۔

(ریاست مڑ کر جاتا ہے۔ جہانگیر پھر کافی کی طرف متوجہ ہوتا ہے ملازم سر جھکائے دبا رہے ہیں چند لمحوں بعد ریاست رفیق کو لے کر آتا ہے رفیق دروازے میں رک کر چاروں طرف دیکھتا ہے۔

ریاست : یہ ہمارے مالک ہیں عالی جناب۔

(جہانگیر ہاتھ کے اشارے سے اسے روکتا ہے۔ رفیق کو اشارہ کرتا ہے کہ وہ صوفے پر بیٹھے۔ رفیق کھڑا رہتا ہے۔ ریاست گھبرا کر اس کی طرف دیکھتا ہے)

تشریف رکھو نا سائیں۔

رفیق : میں یہیں ٹھیک ہوں۔

جہانگیر : ادھر میرے قریب آ کے بیٹھ نا جوان۔

رفیق : میں یہاں گانا سننے نہیں آیا چوہدری صاحب۔

(جہانگیر ایک دم چونک کر اس کی طرف دیکھتا ہے۔ ریاست کا تاثر جو رفیق کی اس جرأت سے سخت پریشان ہے۔ جہانگیر مسکراتا ہے، تھوڑا سا اوپر اُٹھ کر نیم دراز حالت میں آتا ہے آنکھ سے ریاست کو اشارہ کرتا ہے کہ وہ ٹیپ کو بند کر دے۔ ریاست بٹن دبا کر اسے بند کرتا ہے۔ جہانگیر مسکرا کر رفیق کی طرف دیکھتا ہے۔ رفیق بھی مسکراتا ہے۔

جہانگیر : (ملتانی میں اپنے آدمیوں کو باہر جانے کا حکم دیتا ہے جو فوراً باہر نکل جاتے ہیں رفیق سے) بیٹھو سائیں۔ (رفیق صوفے پر بیٹھتا ہے) کیا پیو گے سائیں۔

رفیق : کچھ نہیں۔

جہانگیر : کچھ نہ کچھ تو ضرور پینا پوسی سائیں۔ تم ہمارے مہمان ہو۔ (ریاست سے) کوئی شربت مربت لیا نا ریاست تے اناں کوں آکھ چا، بھیجن اندر۔

رفیق : میں چائے نہیں پیتا۔

جہانگیر : تو چلو شربت پی لو سائیں۔ رقم پہنچ گئی تھی۔

(ریاست جاتا ہے)

رفیق : ہاں۔

جہانگیر : بڑا ستھرا کام کیا ہے تم نے...

رفیق : میں ہمیشہ ستھرا ہی کام کرتا ہوں۔

جہانگیر : اور کیا کیا کام کر لیتے ہو۔؟

رفیق : سب کام ہوتا ہے اللہ کے فضل سے۔

جہانگیر : میرے لیے کام کرو گے!

رفیق : رقم مناسب ہو گی تو ضرور کریں گے۔

جہانگیر : رقم بہت۔ لیکن رہنا میرے ساتھ ہو گا۔

رفیق : نہیں سائیں۔ میرا اپنا ڈیرا ہے۔ کسی کی غلامی نہیں ہوتی رفیق سے۔

جہانگیر: جو یہاں سے کماتے ہو اس سے زیادہ دوں گا۔

رفیق: نہیں چوہدری صاحب۔ میں اپنی لائن میں بالکل ٹھیک ہوں.....

(اٹھنے لگتا ہے ریاست ٹرے میں شربت کا جگ گلاس لے کر آتا ہے)

جہانگیر: اچھا اچھا شربت تو پی لو۔ بیٹھو۔

(رفیق کچھ سوچتا ہے پھر بیٹھ جاتا ہے۔)

مجھے نڈر اور جی دار آدمی بہت اچھے لگتے ہیں۔ کبھی کوئی کام ہو تو سیدھے سردار جہانگیر کے پاس چلے آنا۔ تمہاری مدد کر کے مجھے خوشی ہوگی۔

(رفیق ایک ہی سانس میں شربت کا گلاس پیتا ہے۔ اٹھتا ہے۔)

رفیق: آپ کو بھی کبھی کوئی کام ہو سردار صاحب.... تو رفیق کو یاد کر لینا..... مجھے بھی جیدار آدمی بہت اچھے لگتے ہیں۔ سلاما لیکم۔

(رفیق جاتا ہے ریاست کا ہاتھ اس کے پستول کی طرف جاتا ہے جہانگیر مسکراتا ہے۔)

جہانگیر: نہیں نہیں نہیں ریاست۔ ایسے بندے ضائع کرنے والے نہیں ہوتے۔ کتا اچھی نسل کا ہو تو اس کے بھونکنے کا بُرا نہیں ماننا چاہیئے۔

سین نمبر ۵

احمد علی کا دفتر۔ احمد۔ خالد۔ مینجر گریوال۔

احمد: مسٹر گریوال۔

گریوال: یس سر۔

احمد: NOW EVERYTHING IS CLEAR.

گریوال: یس سر۔

احمد: خالد میاں کا آفس کل صبح تک تیار ہونا چاہیے۔

گریوال: ہو جائے گا سر۔

احمد: احمد ٹیکسٹائل کے سارے پیپر خالد کی میز پر جایا کریں گے۔

گریوال: جی سر۔ بالکل سر۔

احمد: BANKS میں آج شام تک ان کے SIGNATURES پہنچ جانے چاہئیں۔

گریوال: پہنچ جائیں گے سر۔ میں نے DIRECTIONS دے دی ہیں..... کاغذات COMPLETE ہو رہے ہیں۔

احمد: آج یہ آپ کے دفتر میں بیٹھیں گے۔

گریوال: MY PLEASURE SIR.

احمد : (سرزنش کے انداز میں) پہلے پوری بات سُن لیا کریں مسٹر گریوال۔
گریوال: یس سر۔ او کے سر۔
احمد : سارے سٹاف سے ان کا INTRODUCTION کرائیے۔

گریوال: بالکل سر۔
احمد : ٹھیک ہے خالد بیٹے۔
خالد : (جوان کی ساری باتوں پر کچھ حیرت زدہ سا ہے) ٹھیک ہے جی ..... لیکن میں پہلے فیکٹری کا چکر نہ لگالوں۔
احمد : وہاں میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔ تم فی الحال مسٹر گریوال سے دفتری پروسیجر کے بارے میں انفرمیشن لے لو۔
گریوال: (خالد سے) آیئے سر۔
(خالد اور گریوال جاتے ہیں انٹرکام کا بزر بجتا ہے۔ احمد ریسیور اٹھاتا ہے سیکرٹری کی آواز آتی ہے۔)
آواز : سردار جہانگیر صاحب لائن پر ہیں سر۔
احمد : او کے (ریسیور رکھ کر دوسرا فون اٹھاتا ہے) السلام علیکم سردار صاحب۔

سین نمبر ۶

(قریشی کا دفتر)
قریشی : یہ تم نے اچھا نہیں کیا فقیر حسین۔
فقیر حسین: کیا اچھا اور کیا برا قریشی صاحب۔ اس کا فیصلہ تو صرف خدا ہی کرسکتا ہے۔ اگر اس کی یہی منشا ہے کہ یہ کلنک کا ٹیکہ میرے ماتھے پر لگا رہے تو ٹھیک ہے لگا رہے۔ وہ میری بندگی کا امتحان لینا چاہتا ہے نا۔ لے لے۔ میں اس کے رستے سے منہ نہیں موڑوں گا.....
مجھے پتہ ہے ایک دن میرا سچ ضرور ظاہر ہوگا۔ وہ میرا جھکا ہوا سر اٹھا کر دنیا کو دکھائے گا اور کہے گا ..... دیکھو ..... دیکھو۔
قریشی : (متاثر ہو کر اسے روکتا ہے) ہاں فقیر حسین ہاں۔ مجھے بھی اس کا یقین ہے۔ لیکن تمہیں استعفیٰ نہیں دینا چاہیئے تھا۔ اس سے تمہاری پوزیشن اور کمزور ہو جائے گی۔
فقیر حسین: ڈوبنے والے کے لیے چھ فٹ پانی اور سمندر میں کوئی فرق نہیں ہوتا قریشی صاحب۔ جب میں نے اپنا انصاف (اوپر کی طرف اشارہ) اس پر چھوڑ دیا ہے تو پھر یہ ساری احتیاطیں کس کام کی۔
سو جو آئے آئے کہ ہم دل کشادہ رکھتے ہیں۔

قریشی : اللہ تمہارے حال پر رحم کرے۔

فقیر حسین : کیوں نہیں کرے گا قریشی صاحب۔ ضرور کرے گا۔ وہ تو کل جہانوں کا رحمان ہے ایک ایک ذرے میں سانس لے رہا ہے وہ مجھ سے غافل کیسے ہو سکتا ہے۔

سین نمبر ۷

(ڈاک خانہ۔ شام کا وقت۔ عملہ سامان وغیرہ گن کر رکھ رہا ہے۔ دروازہ کھلتا ہے۔ ایک کلرک بغیر دیکھے آواز دیتا ہے)

کلرک : ڈاک خانہ بند ہو چکا ہے جی (نظر سمیع پر پڑتی ہے جو وردی میں ملبوس ہے شرمندہ سا ہو کر ہنستا ہے) معافی چاہتا ہوں انسپکٹر صاحب۔

سمیع : معافی کس بات کی۔

کلرک : وہ جی۔ میں سمجھا شاید کوئی عام۔ میرا مطلب ہے پبلک میں سے کوئی.....

سمیع : تو آپ کے نزدیک ہم پولیس والے پبلک کا حصہ نہیں ہیں۔

کلرک : (سمیع کی مسکراہٹ سے شرما کر) کیوں نہیں جی ہیں... فرمایئے کیا چاہیئے۔

سمیع : کچھ نہیں.... میں صرف کچھ معلومات حاصل کرنے آیا ہوں۔ یہاں کے پوسٹ ماسٹر فقیر حسین صاحب ہیں نا۔

کلرک : جی ہاں۔ مگر آج صبح انہوں نے استعفیٰ دے دیا ہے۔ ان پر کیس بنا ہوا ہے نا جی۔

سمیع : (مصنوعی بے تعلقی سے) اچھا۔ وہ جو غبن کیا ہے اس نے۔!

کلرک : غبن نہیں جی۔ اللہ کو جان دینی ہے.... فقیر حسین صاحب تو بڑے ایماندار اور اصول والے آدمی تھے.... سمجھ میں نہیں آتی یہ ہوا کیا ہے۔ وہ شخص تو کبھی ایک پیسہ اِدھر سے اُدھر نہیں ہونے دیتا تھا۔

سمیع : آدمی کی نیت بدلتے دیر نہیں لگتی۔

کلرک : نہ جی میرا دل نہیں مانتا۔ میں نے چھ سال ان کی ماتحتی میں کام کیا ہے..... پتہ نہیں کس ظالم نے ان کے ساتھ یہ شرارت کی ہے۔

سمیع : (چاروں طرف دیکھتے ہوئے) داخلے کا راستہ صرف یہی ہے نا۔

کلرک : جی۔

سمیع : رقم کس الماری میں تھی۔

کلرک : (ایک الماری کھولتے ہوئے) اس میں جی۔ اس اوپر والے خانے میں۔

سمیع : (قریب آ کر الماری کا اور پھر اس پر لگے ہوئے تالے کا بغور مشاہدہ کرتا ہے کچھ سوچ کر سر ہلاتا ہے) دروازے کا تالہ کہاں ہے۔

کلرک : (ایک میز کے نیچے سے جھک کر تالا اٹھاتا ہے) یہ ہے جی۔

(سمیع اس تالے کو بھی غور سے دیکھتا ہے اس میں دو تین مرتبہ چابی چلا کر دیکھتا ہے)

سمیع : (مڑتے ہوئے) اچھا بہت بہت شکریہ۔

کلرک : کچھ چائے۔ ٹھنڈا نہیں پئیں گے۔

سمیع : شکریہ۔ (دروازے پر پہنچ کر رکتا ہے) ویسے جو اصول آپ عام پبلک کے لیے بناتے ہیں پولیس یا کسی اور کے لیے انہیں مت توڑا کیجیے۔

کلرک : سب لوگ آپ کی طرح نہیں ہوتے جناب۔

(سمیع کی مسکراہٹ ایک دم سکڑ جاتی ہے، سوچ میں پڑ جاتا ہے، اثبات میں سر ہلاتا ہے۔ جاتا ہے۔)

سین نمبر ۸

(قریشی کا دفتر۔ قریشی۔ سمیع۔)

قریشی : آپ میری پریشانی کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ میں گزشتہ دو راتوں سے سو نہیں سکا۔

سمیع : میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ لوگوں نے اس واقعے کی رپورٹ پولیس کو کیوں نہیں کی ۔۔ پولیس یقیناً اس معاملے کے ان پراسرار پہلوؤں پر غور کرتی جنہیں آپ لوگ نظر انداز کر رہے ہیں۔

قریشی : یہ بھی ہم نے فقیر حسین کی بھلائی کے پیش نظر کیا ہے۔

سمیع : خدا جانے آپ بھلائی کسے کہتے ہیں۔ ایک شخص کی عزت، تیس سال کی ملازمت، اس کے بچوں کا مستقبل تباہ ہو رہا ہے اور آپ کہہ رہے ہیں کہ ایسا آپ نے اس کی بھلائی کے لیے کیا ہے کون سی GOOD ہے اس میں قریشی صاحب۔

قریشی : پولیس میں کیس رجسٹر ہونے کا مطلب یہ ہوتا کہ ہم چاہتے بھی تو فقیر حسین کی کوئی مدد نہ کر سکتے۔

سمیع : اور اب۔ اب کیا کیا ہے آپ لوگوں نے ۔۔ دیکھئے مسٹر قریشی اچھے برے آدمی ہر محکمے میں ہوتے ہیں۔ پولیس والے بھی اسی سوسائٹی کے فرد ہیں۔ اگر وقت پر رپورٹ کی جاتی تو ہو سکتا تھا پولیس اب تک اصل مجرم کو گرفتار کر چکی ہوتی ۔۔

قریشی : تو... آپ کا مطلب ہے..... فقیر حسین بے گناہ ہے۔

سمیع : میں فی الحال کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن اس سارے کیس میں بہت سی باتیں مجھے کھٹک رہی ہیں چوری کی اطلاع آپ کو اور آپ کے ڈی جی کو فون پر دی گئی، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اطلاع دینے والا کون تھا، اسے اس کا علم کیسے ہوا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کا INTEREST کیا تھا اس میں ..... اور پھر مجھے شبہ ہے کہ ڈاک خانے کے دروازے اور الماری کے تالے چابی کے علاوہ بھی کسی چیز سے کھولے گئے ہیں۔

قریشی : خدا آپ کو خوش رکھے..... فقیر حسین بچ گیا تو میرے ضمیر سے ایک بہت بڑا بوجھ ہٹ جائیگا۔
سمیع : اگر اس سلسلے میں آپ کو مزید کسی بات کا پتہ چلے تو مجھے اس نمبر پر اطلاع دیجئے گا (ایک کارڈ نکال کر میز پر رکھتا ہے۔ قریشی سے ہاتھ ملاتا ہے) اچھا۔ خدا حافظ۔
قریشی : خدا حافظ۔

سین نمبر ۹

(فقیر حسین کا کمرہ ۔ دروازے پر دستک کی آواز۔ سعیدہ دوسرے کمرے سے آکر دروازہ کھولتی ہے۔ شکایت آمیز لہجے میں بولتی ہے۔
سعیدہ : اتنی دیر ابو — اتنا جی گھبرا رہا تھا میرا۔ کہاں تھے آپ۔
فقیر حسین : (مسکراتے ہوئے) ابھی بتاتا ہوں..... ذرا یہ باہر گلی والے کمرے کا دروازہ کھولو..... کچھ چیزیں رکھوانی ہیں اندر۔

(اختر اندر سے آکر خاموش کھڑا ہو جاتا ہے)

سعیدہ : (حیرت سے) چیزیں۔
فقیر حسین : ہاں میں نے سوچا، اب نوکری تو گئی..... مگر یہ پیٹ تو لگا رہے گا نا ساتھ..... اس لیے کچھ نہ کچھ انتظام تو کرنا تھا۔ کل سے یہ باہر والا کمرہ فقیر حسین جنرل مرچنٹ کی دوکان بن جائے گا..... ٹھیک کہا ہے نا میں نے.....
سعیدہ : مگر ابو — آپ۔
ریڑھی والا : (ریڑھی والا ایک بوری اٹھا کر لاتا ہے) یہ سمان یہاں رکھنا ہے جی۔
فقیر حسین : نہیں بھئی نہیں۔ یہ یہاں نہیں رکھنا..... میں کھلوا رہا ہوں دوسرا کمرہ..... اختر بیٹے تم ذرا اس کا ہاتھ بٹا دو۔

سین نمبر ۱۰

(ایک چھوٹے سے خالی کمرے کے وسط میں دو تین بوریاں، کارٹن، چند بڑے بڑے لفافے، ٹین کے ایک دو کنستر اور چند بھرے ہوئے تھیلے رکھے ہیں۔ فقیر حسین چیزیں گن رہا ہے۔ سعیدہ حیران اور اختر خاموش کھڑا ہے)
ریڑھی والا : (ماتھے سے قمیض سے پسینہ پونچھتے ہوئے) سب چیزیں پوری کر لو جی۔
فقیر حسین : ٹھیک ہے..... (جیب میں ہاتھ ڈال کر کچھ سکے نکالتا ہے، گن کر دیتا ہے) یہ لو۔
ریڑھی والا : نہ جی نہ..... ایک روپیہ تو آج کل فقیر نہیں لیتا خوش ہو کر.....
اختر : (غصے سے) تو اور کیا سو کا نوٹ دے دیں تمہیں۔
ریڑھی والا : آپ مالک ہو جی..... ایک پیسہ بھی نہ دو..... میں نے تو اپنا حق مانگا ہے، پانچ روپے۔

اختر : یہ چار چیزیں ریڑھی سے اٹھا کر یہاں رکھنے کے پانچ روپے..... درختوں میں لگتے ہیں نوٹ.

فقیر حسین : چلو چھوڑو بیٹا..... اس سے بحث نہیں کرو ——— لو بھائی..... اس سے زیادہ میں نہیں دوں گا.

(ایک روپے کا نوٹ اور دیتا ہے.)

ریڑھی والا : آپ خوش ہو جاؤ جی، غریب کا حق مار کر..... ہماری خیر ہے.

اختر : (غصے سے آگے بڑھتے ہوئے) اب جاتے ہو یا.....

فقیر حسین : وہ تو جاہل گنوار ہے بیٹا..... تم تو سمجھ دار ہو..... تم بھی اگر اسی کی طرح بات کرو گے. تو کیا فرق رہ جائے گا تم دونوں میں ———

اختر : مگر ابو..... یہ لوگ.....

سعیدہ : ابو ٹھیک کہہ رہے ہیں اختر..... تم اندر جاؤ..... (ریڑھی والے سے) اور تم بھی جاؤ بھائی اب کھڑے منہ کیا دیکھ رہے ہو.

(ریڑھی والا سر جھٹک کر جاتا ہے، سعیدہ دروازہ بند کرتی ہے. چند لمحے کی خاموشی.)

سعیدہ : یہ سب کیا ہے ابو.

فقیر حسین : سامان ہے بیٹی. آٹا، چاول، تیل، چائے، صابن، دالیں، مصالحے..... تھوڑا سا کام چل نکلے پھر پنساری کے آئٹم بھی لے آؤں گا.

سعیدہ : مگر ابو کیوں — اب آپ اس عمر میں دکان پر بیٹھ کر صابن آٹا تیل بیچیں گے.

فقیر حسین : تو اس میں کیا حرج ہے بیٹی - میں کوئی اپنا ضمیر تو نہیں بیچ رہا.

سعیدہ : مگر ابو یہ آپ کی شان کے.....

فقیر حسین : (بات کاٹتے ہوئے) کام کرنے سے شان گھٹتی نہیں بیٹا..... آخر کچھ نہ کچھ تو مجھے کرنا تھا. دکان چل نکلی تو پندرہ بیس روپے کا منافع ہو جایا کرے گا..... دو وقت کی روٹی تو چلتی رہے گی.

سعیدہ : نہیں — میں آپ کو یہ نہیں کرنے دوں گی - میں نوکری کروں گی..... اختر نوکری کرے گا — ہم دونوں کما کر لائیں گے..... نہیں ابو نہیں.

فقیر حسین : جب تک میں زندہ ہوں بیٹی..... جب تک میرے یہ ہاتھ پاؤں سلامت ہیں..... میں اپنے لیے — اپنے بچوں کے لیے دانہ پانی ڈھونڈتا رہوں گا..... یہ کوئی احسان نہیں میرا فرض ہے بیٹی.

سعیدہ : ہمارا بھی تو کچھ فرض ہے ابو.

فقیر حسین : (مسکراتے ہوئے) اچھا اچھا اب زیادہ ہیڈ مسٹرس بننے کی کوشش نہ کرو..... اور چائے پلواؤ جلدی سے..... اور دیکھو..... میری دکان کے سامان میں سے کوئی چیز نہیں لینا..

ہاں (سعیدہ جاتی ہے فقیر حسین اختر کی طرف دیکھتا ہے جو دیر سے خاموش کھڑا ہے) تم کیا سوچ رہے ہو اختر۔

اختر : کچھ نہیں.... میں صرف یہ سوچ رہا تھا کہ جب لوگ لائین کو توڑتے اور دوسرے لوگوں کو روندتے ہوئے آگے بڑھ رہے ہوتے ہیں تو کچھ لوگ قطار میں چپ چاپ کھڑے اپنی باری کا انتظار کیسے کر لیتے ہیں، ایک ایسی باری کا، جس کے بارے میں انہیں پتہ ہوتا ہے کہ کبھی نہیں آئے گی۔

فقیر حسین: تو تمہارا کیا خیال ہے سب کو قطار توڑ کر بھیڑ میں شامل ہو جانا چاہیئے۔

اختر : ہاں ابو..... ٹھوکریں کھا کر زندہ رہنے سے..... ٹھوکریں مار کر مر جانا کہیں بہتر ہے۔

(فقیر حسین گھور کر اختر کی طرف دیکھتا ہے، اختر اندرونی کمرے کی طرف جاتا ہے فقیر حسین اداس سا ہو کر اس کی طرف دیکھتا ہے۔)

سین نمبر ۱۱

(احمد علی کا ڈرائنگ روم۔)

(کیمرہ فون پر اوپن ہوتا ہے جس کی گھنٹی بج رہی ہے، نیلم رسالہ پڑھتے پڑھتے بیزاری سے فون کی طرف دیکھتی ہے رسالہ رکھ کر بوریت کے انداز میں اٹھتی ہے ریسیور اٹھاتی ہے۔)

نیلم : ہیلو جی..... جی ہاں..... ایک منٹ ہولڈ کیجیے..... (فون رکھ کر ملازم کی طرف دیکھتی ہے جو برتنوں کی ایک ٹرالی لیے آ رہا ہے) لیتین، خالد بھائی سے کہو ان کا فون ہے....

(لیتین جاتا ہے سلمیٰ ایک ٹرے میں کچھ سامان لیے آتی ہے، اسے ڈائننگ ٹیبل پر رکھتی ہے وہیں سے آواز دیتی ہے)

سلمیٰ : لو بھئی یہ تمہارے سلاد کی ساری چیزیں آگئی ہیں —— اب ان کی وہ خود کر لو..... وہ کیا.... کیا کرتی ہو تم

نیلم : ڈریسنگ۔

سلمیٰ : ہاں۔ وہی۔

نیلم : (اکتاہٹ سے جمائی لیتے ہوئے) ابھی کر دیتی ہوں امی۔ اس وقت موڈ نہیں۔ (خالد آتا ہے) آپ کا فون ہے سر۔

خالد : کس کا ہے (نیلم ایسے انداز میں کندھے اچکاتی ہے جیسے کہہ رہی ہو، مجھے پتہ نہیں، خالد فون اٹھاتا ہے) ہیلو..... ہاں۔ سمیع..... یار بس کیا بتاؤں..... والد صاحب قبلہ نے زبردستی آفس میں گھسیٹ لیا ہے..... نہیں نہیں نہیں..... چند مہینوں کے لیے..... کام کا پریشر بہت تھا..... اچھا ہاں..... تم گئے تھے فقیر حسین صاحب کے پوسٹ آفس میں (فقیر حسین کا نام سن

کرجاتی ہوئی سلمیٰ رک جاتی ہے گفتگو سننے لگتی ہے خالد اس کی توجہ سے بے خبر ہے)۔۔ہوں۔۔۔۔
ہوں، بس یار آج میں کوشش کے باوجود نہیں نکل سکا۔۔۔۔ صبح ضرور آؤں گا۔ سعیدہ تو نہیں آئی تھی۔
اچھا۔۔۔۔ او کے۔۔۔۔ ہاں ہاں۔۔۔۔ صبح دس بجے۔۔۔۔ ٹھیک ہے۔۔۔۔ خدا حافظ۔

(فون رکھ کر مڑتا ہے سلمیٰ اس کی طرف دیکھ رہی ہے، نیلم دوبارہ رسالے میں محو ہو چکی ہے۔)

سلمیٰ : کس کا فون تھا؟

خالد : سمیع کا۔۔۔۔

سلمیٰ : کون سمیع۔۔۔۔ اپنا پولیس والا۔۔۔۔

خالد : جی۔

سلمیٰ : یہ بھائی فقیر حسین کی بات کر رہے تھے تم۔

خالد : جی ہاں۔ سمیع سے میں نے REQUEST کی تھی۔۔۔۔ کہ وہ اس کی تحقیقات کرائے۔

سلمیٰ : بہت اچھا کیا ہے تم نے۔ لیکن شاید تمہارے ابو اسے پسند نہ کریں۔۔۔۔ تمہیں ان سے پوچھ لینا چاہیئے تھا۔

خالد : انہیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔

سلمیٰ : ان کا اور بھائی فقیر حسین کا کوئی معاملہ ہے۔۔۔۔ مجھے تو پتہ نہیں، رات وہ کہہ رہے تھے کہ ہم لوگ اس معاملے سے الگ رہیں۔ شاید بھائی فقیر حسین نے کوئی زیادتی کی ہے ان سے۔

خالد : چچا فقیر حسین اور کسی سے زیادتی کریں! یہ آپ کہہ رہی ہیں امی۔!

سلمیٰ : میں تو تمہیں تمہارے ابا کا پیغام دے رہی ہوں۔ ورنہ تو میرا خود جی چاہتا ہے کہ ان کے گھر جا کر ان کا دکھ بانٹوں۔ ان کی کچھ مدد کروں ——— آخر اپنے کس لیے ہوتے ہیں۔

خالد : وہ لوگ بہت پریشان ہیں۔

(آکر صوفے پہ بیٹھتا ہے)

نیلم : کل میں ٹیلر سے اپنے کپڑے لے کر نکل رہی تھی تو اختر باہر سڑک پر کھڑا تھا۔۔۔۔ لیکن اس نے مجھے دیکھ کر ایسے منہ پھیر لیا۔۔۔۔ جیسے مجھے جانتا ہی نہیں۔۔۔۔ عجیب DISCURTIOUS اور جنگلی سا لڑکا ہے۔

خالد : اختر بہت ذہین لڑکا ہے نیلم۔۔۔۔ چچا فقیر حسین کی غربت اُسے لے بیٹھی ہے۔

نیلم : ہم لوگ ان کی کوئی مدد کیوں نہیں کرتے امی۔

سلمیٰ : میں تو بہت چاہتی ہوں بیٹی۔۔۔۔ مگر تمہارے ابو۔۔۔۔ پتہ نہیں کیوں وہ اپنے غریب رشتہ داروں سے گریز کرتے ہیں۔

خالد : میں ان سے بات کروں گا۔

نیلم : ان کی بیٹی .... سعیدہ کتنی کیوٹ ہے۔ ہے نا امی۔

سلمیٰ : اللہ بخشے اس کی ماں بھی بہت خوبصورت تھی ....

سین نمبر ۱۲

(احمد علی کا دفتر۔ احمد علی غور سے عابد کو کچھ کاغذات کا مطالعہ کرتے دیکھ رہا ہے۔)

عابد : (کچھ دیر پڑھنے کے بعد، فائل رکھتا ہے) مجھے تو اس میں کوئی UNUSUAL بات نظر نہیں آتی ڈیڈ۔

احمد : ایگریمنٹ کی شق نمبر چار اور پانچ کو غور سے پڑھو۔ اس طرح کے کاغذات میں ایک ایک لفظ کے استعمال کا قانونی پس منظر ہوتا ہے.... جملے کی ترتیب سے ایسا ILLUSION پیدا کیا جاتا ہے کہ عدالت میں ہفتوں اس کی INTERPRETATIONS ہوتی رہتی ہیں۔

(عابد دوبارہ ایک کاغذ نکال کر پڑھتا ہے کچھ نہ سمجھنے کے انداز میں سر ہلاتا ہے۔ احمد اس کے قریب آکر ایک سطر پر انگلی رکھتا ہے۔)

اسے غور سے پڑھو.... سردار صاحب کی ساری کی ساری انوسٹمنٹ PHASE TWO INVESTMENT میں ہو گی۔ اس کا مطلب سمجھتے ہو۔ اس کو کہتے ہیں دکھ سہیں بی فاختہ اور کوّے انڈے کھائیں.... رسک والا حصہ مجھے (کور) COVER کرنا پڑ رہا ہے اور پرافٹ والے حصہ میں سردار صاحب ففٹی ففٹی کے پارٹنر ہیں۔

عابد : اوہ.... حیرت ہے یہ شخص صورت سے کتنا سیدھا سادا لگتا ہے۔

احمد : آج فون پر بات ہوئی تھی.... بتا رہا تھا کہ اس نے کسی بدمعاش کے ذریعے اپنے آدمی پولیس کی حراست سے چھڑا لیے ہیں۔

عابد : (یاد کرتے ہوئے) ہاں.... اخبار میں اس طرح کی کوئی خبر تھی تو سہی۔

احمد : اسی لیے میں پھونک پھونک کر قدم رکھ رہا ہوں.... آج کھانے پر میں اسے ایک نئی پروپوزل دوں گا اگر وہ مان گیا تو ٹھیک ہے.... دوسری صورت میں ہو سکتا ہے کوئی اور پارٹنر ڈھونڈنا پڑے۔

عابد : یہ بالکل ٹھیک ہے۔ ہمیں قانونی طور پر اپنی پوزیشن مضبوط رکھنی چاہیے۔

احمد : ایک تو اس کم بخت فقیر حسین نے مصیبت ڈال رکھی ہے۔ ماشس کے آٹے کی طرح اکڑا ہوا ہے۔

عابد : نوکری سے تو جواب مل گیا ہے اسے۔

احمد : مگر دماغ تو اس کا اب بھی آسمان پر ہے.... میرے پاس وقت نہیں ہے ورنہ.....

عابد : میں تو کہتا ہوں اس گھر کو آگ لگوا دیتے ہیں ...... نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔

احمد : اوہوں۔ اپنا کام ہمیشہ قانون کو دس میل دور رکھ کر کرنا چاہیئے ..... ہم نے غلطی کی جو اسے اس غبن کے چکر میں پھنسایا ہے۔ اب وہ اور زیادہ ضد میں آگیا ہے۔ ہمیں سامنے آنا ہی نہیں چاہیئے تھا۔

عابد : تو ہم کب آئے ہیں سامنے۔

احمد : فقیر حسین بڑا سمجھدار آدمی ہے برخوردار۔ اور سمجھدار آدمی اگر ضدی بھی ہو تو اسے ہینڈل کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔

عابد : تو لعنت بھیجئے ہم اپنے پہلے ڈیزائن کے مطابق کام شروع کرا دیتے ہیں۔ رحمان صاحب سے کہیں گے کہ وہ یہ گنجائش رکھیں کہ جب ہم فقیر حسین اینڈ کمپنی سے وہ جگہ خالی کرالیں تو......

احمد : (بات کاٹتے ہوئے)، اوّل تو یہ ممکن نہیں اور دوسرے میری رگوں میں دوڑنے والا خون بھی بہت ضدی ہے۔ اس کے پاس صرف ضد ہے۔ میرے پاس وسائل بھی ہیں۔ (زور سے مکہ میز پر مارتا ہے) میں اسے بچ کر نہیں جانے دوں گا۔

سین نمبر ۱۳

(سلامت اور جیلا فقیر حسین کے دروازے پر دستک دیتے ہیں اختر دروازہ کھولتا ہے انہیں دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔)

اختر : تم۔

سلامت : بڑے بے وفا ہو یار باؤ..... کل سے شکل ہی نہیں دکھائی۔

اختر : (ہونٹوں پر انگلی رکھتا ہے)، آہستہ۔

سلامت : (دیکھنے کا اشارہ کرتا ہے دبی آواز میں بولتا ہے)، استاد نے کہا ہے کہ آج رات ایک واردات ہے اگر چلنا ہو تو آجانا۔

اختر : آج رات!!

سلامت : ہاں کیوں!

اختر : آج تو..... میں..... دراصل میرے.....

(بات کرتے کرتے رک جاتا ہے)

جیلا : چلو کوئی بات نہیں، پھر سہی۔ آؤ سلامت۔

سلامت : میں بھی اپنی پہلی واردات کے دن اسی طرح گھبرایا ہوا تھا..... پر فکر نہ کرو آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جاتا ہے۔

اختر : (نہیں یہ بات نہیں..... دراصل۔

(اس پر اس کا اپنا کہا ہوا جملہ طاری ہوتا ہے۔ ٹھوکریں کھا کر زندہ رہنے سے۔

ٹھوکریں مار کر مرجانا کہیں بہتر ہے۔)

اچھا ٹھیک ہے، تم جاؤ۔ میں آجاؤں گا۔

جیلا: پورے چار بجے ڈیرے پہنچ جانا۔ استاد..... ایک ایک سیکنڈ کا حساب رکھتا ہے۔

اختر: میں چار بجے سے پہلے پہنچ جاؤں گا۔

سلامت: آؤ چلیے۔ اچھا باؤ۔ رب راکھا۔ شام کو ملاقات ہوگی۔

(اختر ان کے جانے کے بعد دروازہ بند کر کے مڑتا ہے سعیدہ گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھتی ہے جیسے اس نے سب کچھ سن لیا ہو۔)

سعیدہ: یہ کون لوگ تھے؟

اختر: (نظریں چراتے ہوئے) دوست تھے میرے۔

سعیدہ: دوست۔!! شکلوں سے تو اٹھائی گیرے لگتے تھے۔

اختر: (بات ہنسی میں ٹالنے کی کوشش کرتا ہے) میری شکل کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟

سعیدہ: (سنجیدگی سے) سچ سچ بتاؤ یہ کون تھے اور تم نے ان کے ساتھ کہاں جانے کا وعدہ کیا ہے۔

اختر: یہ پرستان کے جن تھے اور میں نے ان کے ساتھ کوہ قاف میں ملاقات کا وقت مقرر کیا ہے۔

سعیدہ: بکواس نہیں کرو۔ میں بہت سیریس ہوں۔

اختر: خدا کے لیے مجھے بچہ سمجھنا چھوڑ دو..... مجھے.... بڑا غصہ آتا ہے اس طرح کی الکوائری پر۔

سعیدہ: میری بات کا جواب دو۔

اختر: تمہارے خیال میں، میں کہاں جا سکتا ہوں۔

سعیدہ: مجھے پتہ ہوتا تو تم سے کیوں پوچھتی۔ لیکن مجھے اتنا پتہ ہے کہ جب لوگ سرگوشیاں میں باتیں کرتے ہیں تو ان کے ارادے اچھے نہیں ہوتے۔

اختر: خدا کے لیے ہر بات میں سائیکالوجی نہ جھاڑا کرو۔ بتادوں گا آکر۔

سعیدہ: دیکھو اختر، کوئی قدم ایسا نہ اٹھانا جس پر تمہیں بعد میں ندامت ہو۔

اختر: (ہاتھ جھاڑتے ہوئے) اچھا بابا، اچھا۔ سن لیا اب بس کرو۔

سعیدہ: اس طرح کے لوگوں کے ساتھ گھومنا پھرنا تمہیں زیب نہیں دیتا۔

اختر: کیوں۔ کیا شریف ہونے کے لیے کوٹ پتلون پہننا ضروری ہوتا ہے؟

سعیدہ: شریف ہونے کے لیے صرف شریف ہونا ضروری ہوتا ہے اختر.... یہ لوگ.... مجھے یقین نہیں آتا کہ ایسے لوگ تمہارے دوست ہو سکتے ہیں۔

اختر: شام تک دوں۔!!

دیتری سے جاتا ہے سعیدہ کا کھوز، کچھ سوچ رہی ہے۔

سین نمبر ۱۴

(احمد علی کا ڈرائنگ روم۔
احمد ـــــ عابد ـــــ خالد ـــــ نیلم ـــــ سلمیٰ ـــــ جہانگیر)

جہانگیر: واہ سائیں واہ۔ سبحان اللہ۔ آج سے ہماری تمہاری دوستی پکی ہوگئی۔ جس آدمی کا خوراک کا ذوق اچھا ہوتا سائیں..... وہ بندہ بھی نفیس ہوتا ہے۔

احمد: اس کا سارا کریڈٹ تو آپ کی بھابھی کو جاتا ہے۔

جہانگیر: عورت کی اصل خوبصورتی یہی ہوتی ہے سائیں.... ادھر یورپ میں تو مائیں شادی کے وقت اپنی بیٹیوں کو ایک ہی نصیحت کرتی ہیں کہ شوہر کے دل تک پہنچنے کا رستہ اس کے پیٹ سے گزرتا ہے۔

نیلم: اس کے باوجود اتنی طلاقیں ہوتی ہیں۔

جہانگیر: (غور سے اس کی طرف دیکھتا ہے نیلم گھبرا کر دوسری طرف دیکھنے لگتی ہے) اس کی وجوہات دوسری ہیں پُتر۔ جب میں آکسفورڈ میں پڑھتا تھا تو ایک بہت بڑی DEBATE ہوئی تھی اس مسئلے پر..... بات یہ ہے پُتر کہ اُدھر کی عورت قینچی ہاتھ میں لے کر ہر چیز کو درمیان سے کاٹ رہی ہے اسی چکر میں شادی کا سرٹیفکیٹ بھی کٹتا رہتا ہے۔

خالد: (متاثر ہوتے ہوئے) بہت خوب۔ بڑی پتے کی بات کی ہے آپ نے۔ ہے نا ابو۔

احمد: ارے بھئی ہمارے سردار صاحب ہر فن مولا ہیں۔ جس موضوع پہ بات کر دیکھ لگتا ہے معلومات کا کوئی سمندر چھپا ہے ان کے اندر۔

جہانگیر: یہ آپ کی آنکھ کی خوبصورتی ہے سائیں۔

احمد: اچھا بھئی سلمیٰ بیگم، ذرا اعلیٰ نسل کا خاندانی قسم کا قہوہ پلوا دو تو مزا آجائے۔ میں اتنے میں سردار صاحب سے ذرا ایک پرابلم discuss کر لوں۔

سلمیٰ: بس یہی خرابی ہے آپ مردوں میں۔ تفریح کے وقت بھی کام کی پڑی رہتی ہے۔

احمد: کام نہ کریں تو یہ دال روٹی کیسے چلے۔ اچھا بھئی بچو۔

WILL YOU PLEASE LEAVE US FOR FEW MINITS

نیلم: اگر ہم انکار بھی کر دیں، تو کیا ہے کریں گے آپ اپنی ہی مرضی۔

احمد: بہت شیطان ہوتی جا رہی ہو تم۔ آیئے سردار صاحب.... ہم ادھر لابی میں بیٹھتے ہیں۔

سین نمبر ۱۵

ایک نوکروں والے کمرے میں تینوں ملازموں کے ہاتھ پاؤں باندھے جا رہے ہیں

بدمعاشوں کے چہرے پر ڈاٹے بندھے ہیں نوکروں کے منہ میں رومال ٹھونستے ہیں۔ سلامت چاقو ان کی آنکھوں کے آگے لہراتا ہے۔ اختر ایک کونے میں کھڑا ہے۔

سلامت: اگر کسی نے بھاگنے یا شور مچانے کی کوشش کی تو چاروں ہاتھ پیر کاٹ کر الگ کر دوں گا۔
(آنکھ مارتے ہوئے) جیلے تم اس دروازے پر رہو اور جو آواز نکالے اسے۔
(قتل کا اشارہ کرتا ہے) آؤ۔

(سب لوگ باہر نکلتے ہیں دبے قدموں سے پھیل کر برآمدے میں چلے جاتے ہیں۔ ایک دروازے پر رکتے ہیں۔ آنکھوں آنکھوں میں اشارہ کرتے ہیں کہ یہی کمرہ ہے۔ فتح محمد سلامت کو اشارہ کرتا ہے کہ دروازہ بند ہے تم دوسری طرف سے جا کر کھولو۔ سلامت جاتا ہے)

سین نمبر ۱۶

(انیسہ اپنے شاندار بیڈروم میں سو رہی ہے ہلکی ہلکی روشنی ہے۔ کھڑکی کے شیشے سے سلامت کمرے کے اندر دیکھتا ہے۔ کھڑکی کھول کر اندر آتا ہے دبے پاؤں چلتے ہوئے دروازہ کھولتا ہے باقی لوگ بھی اندر آتے ہیں۔ سب اس کے بستر کے ارد گرد کھڑے ہو جاتے ہیں اختر دروازے کے پاس ہے۔ سلامت اسے اشارہ کرتا ہے کہ بجلی جلا دو اختر ڈرے ڈرے انداز میں بٹن دباتا ہے۔ پھر دوسرا اور تیسرا، لائٹ نہیں جلتی۔ فتح محمد آگے بڑھ کر اسے ایک طرف ہٹاتا ہے ایک بٹن دباتا ہے بلب جل اٹھتا ہے، انیسہ کراہ کر کروٹ بدلتی ہے۔ فتح محمد پستول کی نالی اس کی گردن سے لگاتا ہے انیسہ ایک دفعہ سر جھٹکتی ہے پھر ایک دم آنکھیں کھولتی ہے چیخنے لگتی ہے، فتح محمد پستول اس کی آنکھوں کے سامنے گھماتا ہے۔)

فتح محمد: اس پستول میں آٹھ گولیاں ہیں بی بی ۔۔۔۔ آواز نکالی تو ۔۔۔۔

انیسہ: تم کون ہو۔

فتح محمد: ہم یہاں تم سے اپنا تعارف کرانے نہیں آئے ۔۔۔۔ الماری کی چابیاں کہاں ہیں۔

انیسہ: (اٹھ کر بیٹھتی ہے اپنا لباس درست کرتی ہے، چاروں طرف دیکھتی ہے۔ ایک لمبا سانس لیتی ہے جیسے اپنے حواس مجتمع کر رہی ہو) میں کیش گھر میں نہیں رکھتی۔

فتح محمد: میں نے تم سے چابیاں مانگی ہیں۔ چپ چاپ چابیاں ہمارے حوالے کر دو، ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔

سلامت: شاباش جلدی کرو۔

انیسہ: چابیاں اس دراز میں ہیں۔

سلامت: چلو نکالو۔ اور الماری کھولو۔

(اسے کندھے سے پکڑ کر اٹھاتا ہے)

انیسہ: ہاتھ مت لگاؤ مجھے۔ پیچھے ہٹو۔

جیلا: واہ رے واہ.... بڑی تیزی تجھ میں.... (بے دردی سے اٹھاتے ہوئے) چل اُٹھ۔

(انیسہ دھکے سے اختر کے قریب گرتی ہے اختر اضطراری انداز میں جھک کر اسے اٹھاتا ہے)

سلامت: تم پیچھے ہٹو۔ یہ ایسے نہیں مانے گی۔

اختر: عورتوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتے سلامت۔

فتح محمد: میں نے تمہیں خاموشی سے ایک طرف کھڑے رہنے کو کہا تھا... چلو.... پیچھے ہٹو۔

اختر: تم مار کیوں رہے ہو بیچاری کو۔

فتح محمد: (کالر سے پکڑ کر اختر کو پیچھے ہٹاتا ہے) بکواس نہیں کرو زیادہ...

(انیسہ کو کندھے سے پکڑ کر اٹھاتا ہے) اٹھ۔

(اختر بڑبڑاتا ہوا پیچھے ہٹتا ہے انیسہ نفرت سے فتح محمد کی طرف دیکھتی ہے دراز میں سے چابیاں نکال کر الماری کھولتی ہے زیورات کا ڈبہ بستر پر پھینکتی ہے سلامت اور جیلا اس کی طرف لپکتے ہیں۔ انیسہ الماری میں سے پستول نکال کر پلٹتی ہے۔)

انیسہ: اب تم سب دیوار کے ساتھ لگ کے کھڑے ہو جاؤ۔ جلدی کرو۔

(بدمعاش غصے سے اس کی طرف پھر ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں) مجھے یہ چلانا بھی آتا ہے یہ پستول اور چاقو ادھر رکھ دو۔

(پستول تانتی ہے بدمعاش ہتھیار زمین پہ رکھتے ہیں انیسہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ کر فون کی طرف آتی ہے محتاط انداز میں ایک نمبر گھماتی ہے...)

ہیلو۔ پولیس اسٹیشن۔

(بدمعاش ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں۔) میں انیسہ جمیل بول رہی ہوں.... ایک سو چار گارڈن ٹاؤن سے۔

(فتح محمد قریب پڑی ایک تپائی پاؤں سے اس کی طرف اچھالتا ہے)

فتح محمد: بھاگو۔

دس بدمعاش دروازے کی طرف لپکتے ہیں۔ سلامت اختر کو بازو سے پکڑ کر گھسیٹنے کی کوشش کرتا ہے جو ہکا بکا کھڑا ہے، اختر کے منہ سے کپڑا ہٹ جاتا ہے وہ دروازے کے قریب گرتا ہے خوفزدہ انداز میں انیسہ کی طرف دیکھتا ہے جو غور سے اس کی طرف دیکھ رہی ہے اختر کا خوفزدہ کلوز مڑ کر تیزی سے بھاگتا ہے۔ کیمرہ انیسہ کے کلوز پر آتا ہے۔

5

کردار

• فقیر حسین • اختر • سعیدہ • احمد علی • عابد • خالد • نیلم
• سلمٰی • سردار جہانگیر • رفیق • سمیع • قریشی • جیلا
• سلامت • فتح محمد • انیسہ احمد • جمال • سعید غنی • ناصر
• نبیلہ • بھابی • شمائلہ • عورت • یاسین • ملک
صاحب • چھیما • بہادرا

سین نمبر ۱

رفیق کا ڈیرا۔

(سلامت۔ جیلا۔ چھیما۔ بہادرا۔ فتح محمد، اختر۔ رفیق کے چہرے سے غصے اور کشیدگی کے آثار نمایاں ہیں۔ ایک ایک کر کے سب کو گھورتا ہے۔ سب بدمعاش اس سے نظریں چرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اختر بھی گھبرایا ہوا ہے)

رفیق : چوڑیاں پہن کے بیٹھ رہو گھروں میں ..... کیا ——— گھنگھرو باندھ کے ..... یہ کام اب تمہارے بس کا نہیں رہا..... سوروں کی طرح موٹے ہوتے جا رہے ہو دن بدن۔

سلامت : (حوصلہ کرتے ہوئے بولنے کی کوشش کرتا ہے) ہم بہت شرمندہ ہیں استاد

رفیق : شرمندہ..... بس ..... ڈوب مرنا چاہیئے تم لوگوں کو ..... تم چھ ریچھ ایک عورت کو قابو نہیں کر سکے ..... لعنت ہے تم پر ..... دفع ہو جاؤ میری نظروں سے۔

جیلا : اس نے پستول نکال لیا تھا..... استاد۔

رفیق : (اس کے قریب آ کر اسے گھورتا ہے، جیلا لرزتا ہے) پستول ——— پستول نکال لیا تھا اس نے..... تم نے پہلے کبھی نہیں دیکھا پستول.....

(جیلے کے منہ پر مکہ مارتا ہے جیلا الٹ کر گرتا ہے)

پستول نہیں دیکھا کبھی تم لوگوں نے.....

سلامت : دراصل جیلے کا مطلب یہ تھا استاد کہ.....

رفیق : زیادہ وکیل بننے کی کوشش نہ کر سلامت..... جو کام بگڑ جاتا ہے ——— بگڑ جاتا ہے...

بہانے بنانے اور اس کی وجوہات گنانے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا..... کیا..... سانپ گزر جائے تو اس کی لکیر نہیں پیٹا کرتے۔

فتح محمد: دراصل سارا معاملہ اس ——

(اختر کی طرف اشارہ)

کی وجہ سے خراب ہوا ہے۔

سلامت: غلطی تمہاری ہی تھی فتح محمد..... بجلی کے سوئچ کے پاس تمہیں کسی اور کو کھڑا کرنا چاہیئے تھا استاد نے بادو کو ہمارے ساتھ صرف واردات دیکھنے کے لیے بھیجا تھا..... کیوں استاد ——!

رفیق: (فتح محمد کو گھورتا ہے) تجھے کیا ہوتا جا رہا ہے فتح محمد، تیرے دماغ میں بات اترتی کیوں نہیں........ کیا..... سمجھ کیوں نہیں آتی تمہیں.....

فتح محمد: اگر یہ بیچ میں دخل نہ دیتا تو اس عورت کو کبھی پستول نکالنے کی مہلت نہ ملتی..... میرا دھیان اس کی طرف ہو گیا تھا۔

رفیق: (اختر سے) کیا —— کیا تھا تم نے۔

اختر: میں نے کچھ نہیں کیا..... میں نے صرف اس کو عورت پر ہاتھ اٹھانے سے روکا تھا..... یہ اس کو مار رہا تھا۔

فتح محمد: بکواس نہیں کرو —— میں صرف اس کو ڈرا رہا تھا تاکہ.....

(رفیق کی گھورتی ہوئی نظروں کی تاب نہ لا کر ایک دم رک جاتا ہے۔)

رفیق: تو تم نے اس عورت پر ہاتھ اٹھایا تھا...

فتح محمد: وہ۔ م —— میں

رفیق: (سختی سے ایک ایک لفظ پر زور دیتا ہے) تم نے اس عورت پر ہاتھ اٹھایا تھا۔ کیا مارا تھا اسے؟

(فتح محمد سر جھکا لیتا ہے۔ جواب نہیں دیتا۔)

بہت بہادر ہو تم۔

(فتح محمد کو گریبان سے پکڑ کر جھٹکتا ہے فتح محمد کے چہرے پر خوف کے آثار ابھرتے ہیں)

کیا۔ بڑے سورما ہو۔

فتح محمد: معاف کر دو استاد..... پتہ نہیں کیسے غلطی ہو گئی مجھ سے۔

رفیق: آدمی اپنی غلطی کا خود ذمہ دار ہوتا ہے فتح محمد ہمارے کام میں گنجائش نہیں ہے اس بات کی —— کیا..... تلوار کی دھار پہ چلنے والا کام ہے یہ..... تمہاری اس غلطی سے صرف واردات ہی ناکام نہیں ہوئی..... تم سب کی آزادی بھی خطرے میں پڑ گئی ہے۔ کیا —— اس عورت نے تم

میں سے کسی کو پہچانا تو نہیں۔

(اختر کے چہرے پر ایک دم پریشانی کے تاثرات ابھرتے ہیں)

فتح محمد: نہیں استاد..... ہم نے اس کو اس کا موقع ہی نہیں دیا۔

رفیق: (طنز سے) ہاں موقع تو تم نے اسے صرف پستول نکالنے کا دیا تھا کیا۔ بڑے چوکس ہو تم ـــــ

سلامت: اب زیادہ شرمندہ نہ کرو استاد..... ہم پہلے ہی بہتیرے ذلیل ہو چکے ہیں۔

رفیق: پھر بھی، احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ تم سب چند دنوں کے لیے بالکل غائب ہو جاؤ ـــ کیا ـــ چھپ جاؤ۔ اگر تم میں سے ایک بھی شناخت ہو گیا تو..... پرابلم ہو جائے گی ـــ کیا ـــ مشکل۔

سلامت: ہم ادھر ذخیرے والے ڈیرے میں چھپ جاتے ہیں دس پندرہ دن کے لیے ـــــ

رفیق: ٹھیک ہے۔ وہ شہر سے باہر بھی ہے اور محفوظ بھی۔ تم لوگ ابھی نکل جاؤ ـــ کیا..... غائب ہو جاؤ۔

(سب لوگ مڑتے ہیں۔ اختر وہیں کھڑا رہتا ہے)

سلامت: (اختر کو بازو سے پکڑ کر) چلو۔

(رفیق ٹانگوں کے گرد دھسہ باندھ کر چارپائی پر بیٹھتا ہے)

اختر: تم جاؤ سلامت۔ میں نہیں جا سکوں گا۔

(سلامت اشارے سے کہتا ہے کہ استاد کے سامنے یہ بات نہ کرو)

رفیق: (اختر کو دیکھ کر) جاتے کیوں نہیں۔

اختر: میں نہیں جا سکتا..... گھر میں..... میرے والد اور بہن.....

رفیق: بدمعاش بننا آسان نہیں ہوتا۔ کیا۔ دل پہ پتھر کی سل رکھنی پڑتی ہے..... بہت کچھ مارنا پڑتا ہے یہاں ـــ کیا ـــ ادھر ـــ

(دل پر ہاتھ رکھتا ہے)

اختر: پھر بھی..... آج کل میں انہیں تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔

(رفیق کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتا ہے)

رفیق: (اختر کو گھور کر دیکھتا ہے) تم جاؤ سلامت۔

(اختر سے)

ادھر آؤ ـــ کیا ـــ بیٹھو ـــ

سین نمبر ۲

(احمد علی کے گھر کی لابی۔ احمد علی اور جہانگیر۔ پس منظر میں کبھی کبھی نیلم عابد اور خالد کے ہنسنے کی آوازیں)

جہانگیر: سائیں، رات اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے آرام کرنے کے لیے...... اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے
کے لیے...... اس وقت یہ جو آپ PERCENTAGE اور یہ موڈس اپرینڈی
طریق کار وغیرہ کا قضیہ لے بیٹھے ہیں تو کچھ بڑی UNROMANTIC سی بات لگ رہی ہے
مجھے اُدھر یورپ میں ڈنر کے بعد کاروبار کی بات چیت کو حرام سمجھا جاتا ہے۔

احمد: (ایک ایک لفظ تول کر بولتا ہے) لاحول ولا قوۃ۔ کاروبار کی بات آپ سے کون کم بخت کر رہا ہے
ایسی باتیں تو غیروں میں کی جاتی ہیں...... آپ تو...... اس گھر کے ہی فرد ہیں۔

جہانگیر: میں آپ کا مطلب سمجھتا ہوں سائیں...... مجھے پتہ ہے آپ لکھا پڑھی میں یہ احتیاط خدانخواستہ کسی
شک و شبے یا بے اعتباری کی وجہ سے نہیں کر رہے...... کاروبار میں یہ سب کچھ دیکھنا پڑتا ہے۔

(احمد علی اس کی بات سمجھنے کی کوشش میں ایسے ہی سر ہلا دیتا ہے۔)

میرا عرض کرنے کا مطلب صرف یہ ہے کہ یہ بحث مباحثہ وکیلوں کو کرنے دیں...... ہم کیوں یہ اتنی
خوبصورت رات جمع تفریق کی بک بک میں ضائع کر دیں۔

(احمد علی یہ محسوس کرتے ہوئے کہ جہانگیر مطلب کی بات پر نہیں آ رہا ذرا سا بے چین
دکھائی دیتا۔)

احمد: بالکل...... بالکل...... تفصیلات تو وہ لوگ طے کرتے رہیں گے...... میں تو صرف یہ چاہتا تھا کہ اس
بات کو آپ کے نوٹس میں لے آؤں۔

جہانگیر: میں سمجھ گیا ہوں سائیں...... کرتے ہیں اس کا کچھ بندوبست۔

احمد: دیکھئے نا INVESTMENT تو ہر حال میں ہونی ہے...... دو چار مہینے آگے گیا...... پیچھے گیا،
لیکن ان دنوں میں آپ کی طرف سے دس پندرہ لاکھ کی AMOUNT آجاتے تو اس سے
میرا بوجھ کچھ ہلکا ہو جائے گا ——— ان چند مہینوں میں ٹاکس کی وجہ سے میری خاصی
رقم بلاک رہتی ہے۔

جہانگیر: اس کی فکر کیوں کرتے ہو سائیں۔ میں سارا انتظام کرا دوں گا...... آپ خاطر جمع رکھو......

(ملازم ٹرالی لیے آتا ہے سلمیٰ ساتھ ساتھ ہے)

سلمیٰ: پہلے قہوہ پی لیجیے...... رنگ زیادہ نکل آیا تو ذائقہ اچھا نہیں رہے گا۔

احمد: (ہنستے ہوئے) جو حکم سرکار۔

(ساتھ والے کمرے سے نیلم کی آواز آتی ہے جو لابی کی طرف آ رہی ہے)

نیلم: یاسمین۔

یاسمین: جی بی بی جی۔

نیلم لابی کے دروازے میں آتی ہے۔ مڑ کر کمرے کی طرف دیکھتی ہے۔

نیلم : ہمیں قہوہ یہیں دے جاؤ۔ پلیز عابد بھائی بے ایمانی نہ کرو۔

(بھاگتی ہوئی واپس جاتی ہے)

جہانگیر : (مسکراتے ہوئے) ماشاء اللہ۔ بڑی تیز بچی ہے آپ کی صاحبزادی۔

سلمیٰ : ان کی لاڈلی جو ہوئی۔

احمد : تو میں کون سا انکار کرتا ہوں ہے بالکل ہے۔

سلمیٰ : (مسکراتے ہوئے) کھیل میں سب سے زیادہ بے ایمانی بھی خود کرتی ہے..... اور شور بھی سب سے زیادہ مچاتی ہے۔

جہانگیر : یہ تو بڑی سمجھداری کی بات ہے بی بی۔ بے ایمانی کرنے والا اگر خود شور نہ مچائے تو دوسرے مچلنے لگتے ہیں..... خود جواب دینے سے بہتر ہوتا ہے کہ آدمی دوسرے پر سوال کر دے۔

احمد : سبحان اللہ! کیسی پتے کی بات کہی ہے آپ نے کیوں سلمیٰ۔

(سلمیٰ کچھ کہتے کہتے رک جاتی ہے جہانگیر اس کی طرف غور سے دیکھتا ہے)

جہانگیر : لگتا ہے بھابی کو ہماری بات سے اتفاق نہیں ہے۔

سلمیٰ : یہ بات نہیں ہے سردار صاحب..... دراصل ——— اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ آدمی اپنے چہرے کے داغ سے توجہ ہٹانے کے لیے آئینے پر ہی سیاہی پھیرنا شروع کر دے۔

احمد : بھئی اتنے مزے دار قہوے کے درمیان فلسفے پر گفتگو نہیں ہونی چاہیئے۔

جہانگیر : (اٹھتے ہوئے) اچھا سائیں ہمیں اجازت لوں ——— میرے سونے کا ٹائم ہو رہا ہے۔

احمد : بس۔ ابھی تو (گھڑی دیکھتے ہوئے) صرف گیارہ بجے ہیں۔

جہانگیر : گیارہ بجے آدھی رات ہوتی ہے سائیں۔

سلمیٰ : کبھی اپنی بیگم کو بھی لائیے نا ہماری طرف۔ ان کا اپنا گھر ہے۔

جہانگیر : ہماری عورتیں بڑی پرانے ٹائپ کی ہوتی ہیں بھابی۔ شہری لوگوں کی طرح آداب نہیں آتے ان کو محفل کے..... اپنے گھر میں بہت خوش رہتی ہیں وہ۔

(چلتے ہوئے ڈرائنگ روم میں آتے ہیں جہاں خالد۔ عابد اور نیلم تاش کھیل رہے ہیں، انہیں دیکھ کر تینوں رک جاتے ہیں اور اٹھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں)

نیلم : لگتا ہے مذاکرات کا پہلا دور ختم ہو گیا ہے۔ مشترکہ اعلامیہ کب جاری کر رہے ہیں آپ؟

(سب لوگ ہنستے ہیں)

عابد : (نیلم کو ایک پتہ بدلتے دیکھ لیتا ہے تو پتہ چھین کر) یہ کیا ہو رہا ہے۔

نیلم : دیکھئے ابو یہ عابد بھائی پھر روند ڈال رہے ہیں۔

سلمیٰ : کسی وقت تو آرام سے بیٹھا کرو تم لوگ۔

جہانگیر: (مسکراتے ہوئے) یہ سب رنگ اس عمر کے ہیں بھابی، ان کو کرنے دو۔ (احمد سے) اچھا سائیں اللہ کے حوالے۔

(عابد اور خالد سے ہاتھ ملاتا ہے نیلم کے سر پر ہاتھ پھیرتا ہے۔)

جیتے رہو پتر ————

(احمد اور سلمیٰ اس کے ساتھ باہر کی طرف جاتے ہیں، عابد اور نیلم پتوں کے بارے میں جھگڑنے لگتے ہیں کہ کون سا پتہ کس کا تھا۔ چند لمحوں بعد احمد علی اندر آتا ہے۔ چہرے پر فکر مندی کے آثار ہیں۔ عابد نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھتا ہے اور پتے نیلم کو دے دیتا ہے۔ احمد علی سب سے بے نیاز گہری سوچ میں گم ہے۔)

سین نمبر ۳

رات کی خاموشی میں گھڑی کی ٹک ٹک کی آواز۔ سعیدہ اپنے بستر میں خاموش لیٹی ہے آنکھیں کھلی ہوئی ہیں دروازے پر ہلکی سی دستک کی آواز۔ ایک دم اٹھتی ہے۔ جلدی سے چپل پہنتی ہے فقیر حسین والے کمرے کے دروازے پر ایک دم رکتی ہے اور ایسے انداز میں پاؤں اٹھاتی ہے جیسے فقیر حسین کا نیند ٹوٹنے کا اندیشہ ہو دستک کی آواز پھر آتی ہے آہستہ سے دروازے کی کنڈی کھولتی ہے اختر اندر آتا ہے۔ اس کو انگلی سے خاموش رہنے کا اشارہ کرتی ہے۔ دبے پاؤں سے اپنے کمرے میں آتی ہے۔ اختر پیچھے پیچھے آتا ہے۔ اپنی چارپائی پر بیٹھ کر دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیتا ہے۔)

سعیدہ: (دبی مگر غصے بھری آواز میں بولتی ہے) ٹائم دیکھا ہے تم نے۔

(اختر کوئی جواب نہیں دیتا۔)

کہاں سے آ رہے ہو؟

(اختر کوئی جواب نہیں دیتا اٹھ کر گھڑے سے پانی کا گلاس بھر کر پیتا ہے۔ گلاس رکھتا ہے، گلاس دوبارہ اٹھاتا ہے مزید پانی پیتا ہے اس دوران سعیدہ مسلسل اس کی طرف دیکھتی رہتی ہے۔ اختر واپس آ کر اپنی چارپائی پر لیٹ جاتا ہے۔ سعیدہ اس کا چھوڑا ہوا پانی کا گلاس ایسے انداز میں اس کے سامنے کرتی ہے جیسے پانی گرانے کی دھمکی دے رہی ہو۔)

اختر: کیا مصیبت ہے۔ اب سونے بھی دو گی کہ نہیں۔

سعیدہ: پہلے میری بات کا جواب دو۔

اختر: روز تم یہی سوال کرتی ہو۔ کوئی فائدہ ہے اس کا۔

سعیدہ : روز کی بات اور ہے۔ میں آج کا پوچھ رہی ہوں۔

اختر : پلیز مجھے سونے دو ——— بڑی سخت نیند آ رہی ہے۔

سعیدہ : اختر، خدا کی قسم میں یہ پانی گرا دوں گی۔ بولو۔

(گلاس دھمکی کے انداز میں ہلاتی ہے، اختر ایک دم اس کے ہاتھ سے گلاس لے کر پانی پی جاتا ہے۔ ایک دو لمبے لمبے سانس لیتا ہے۔)

سعیدہ : (ایک دم گھبرا کر پوچھتی ہے) کیا بات ہے یہ تم اتنا پانی کیوں پی رہے ہو۔

اختر : پتہ نہیں کیوں ——— گلا خشک ہو رہا ہے۔

سعیدہ : (اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھتی ہے) تمہارا تو سارا جسم ٹھنڈا ہو رہا ہے۔

اختر : (مذاق میں ٹالنے کی کوشش) آخر ایک دن اسے ٹھنڈا ہونا ہی ہے۔

سعیدہ : بکواس نہیں کرو۔ سچ سچ بتاؤ کہاں تھے۔ تمہیں میری قسم۔

اختر : اس وقت سونے دو۔ صبح بتا دوں گا۔

سعیدہ : کون سی صبح۔ پانچ تو بج رہے ہیں۔

اختر : خدا کے لیے باجی اس وقت میرا پیچھا چھوڑ دو۔ جاگوں گا نا..... تو ساری انکوائری کر لینا۔

(اختر کروٹ بدل کر کمبل منہ پر لیتا ہے، سعیدہ پریشانی کے عالم میں چند لمحے اس کی طرف دیکھتی ہے اپنی چارپائی کی طرف بڑھتی ہے اختر آہستہ سے گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھتا ہے پھر اطمینان کا سانس لے کر آنکھیں بند کرتا ہے۔)

سین نمبر ۴

(احمد علی کا دفتر۔ خالد۔ عابد۔ احمد علی)

احمد علی : کبھی کبھی مجھے یوں لگتا ہے۔ جیسے میرے تمام خدشے بالکل بے بنیاد ہیں۔ لیکن پھر ایک وہم سا کسی کیڑے کی طرح رینگ کر میرے دماغ میں سرسرانے لگتا ہے..... اس سے پہلے کبھی میرے ساتھ ایسا نہیں ہوا۔ بڑے سے بڑا قدم میں نے بے دھڑک ہو کر اٹھایا ہے....

خالد : شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اس پراجیکٹ میں آپ اپنے تمام وسائل AT STAKE لا رہے ہیں خطرے کا MAGNITUDE بڑھ گیا ہے نا؟

احمد علی : ہو سکتا ہے..... بلکہ ہے بھی یہی بات (سوچتے ہوئے) میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ سردار صاحب میری طرف سے بدگمان ہوں اور دوسری طرف.....

عابد : آپ کام شروع کیجیے ڈیڈ..... سردار جہانگیر جیسا خاندانی اور اتنا بڑا جاگیردار کوئی ہینکی پینکی نہیں کر سکتا..... AFTER ALL سوسائٹی میں اس کا ایک مقام ہے، سٹیٹس ہے۔

احمد : جہاں رقم کا معاملہ ہو بیٹا، وہاں یہ سب چیزیں بے معنی ہو جاتی ہیں..... اس کو واپسی کا رستہ

ہمیشہ کھلا رکھنا چاہیئے۔

عابد : تو پھر آپ نے کیا سوچا ہے۔ کیا کریں گے۔

احمد علی : یہی تو سمجھ میں نہیں آتا۔ سردار صاحب بات اس طرح کرتے ہیں کہ آگے بحث کی گنجائش نہیں رہتی۔

خالد : جب سب باتیں قانونی طور پر تحریری معاہدے کی شکل میں ہو رہی ہیں۔ تو پھر اتنا گھبرانے کی کیا بات ہے۔

احمد علی : تم نے زندگی کو کتابوں میں پڑھا اور پڑھایا ہے بیٹا۔ تمہاری سمجھ میں یہ باتیں آہستہ آہستہ آئیں گی۔ قانونی معاہدے میں میری جس رقم کو تحفظ دیا گیا ہے وہ اصل رقم کا بیس فیصد بھی نہیں۔

خالد : میں سمجھا نہیں ؛

احمد : میں تمہیں سمجھاتا ہوں ..... دیکھو تمہیں پتہ ہے، حکومت ہر کاروباری سودے پر مختلف طرح سے کئی ٹیکس وصول کرتی ہے۔ پروڈکشن اور سیل ٹیکس ہیں۔ انکم ٹیکس ہے۔ پراپرٹی ٹیکس، زکوٰۃ، سپر ٹیکس اور اس کے علاوہ بھی بھانت بھانت کے درجنوں ٹیکس ہیں۔ اب اگر ہم کاروباری لوگ اصل اعداد و شمار کے ساتھ چلنا شروع کریں تو ہمارے ہاتھ تو کچھ بھی نہ آئے۔ چنانچہ ان سارے الم غلم ٹیکسوں سے بچنے کے لیے کاروبار کا بہت سا حصہ لکھا پڑھی کے بغیر باہمی اعتبار اور اعتماد سے ہوتا ہے.... سمجھ رہے ہو نا میری بات۔

خالد : جی۔

احمد : اب فرض کرو اس اعتبار والے حصے میں کوئی گڑبڑ ہو جاتی ہے تو اس کا تدارک کون کرے گا۔ کاغذات پر تو وہ بات سرے سے موجود نہیں ہوتی۔

خالد : (سوچتے ہوئے) ہاں۔ یہ تو ہے۔

عابد : (خالد کو سمجھاتے ہوئے) اب مثلاً ہم GAINS TAX سے بچنے کے لیے ایک زمین کی رجسٹری پچاس ہزار میں کراتے ہیں۔ حالانکہ ہم نے بیچی وہ دو لاکھ میں ہے۔ تو اگر دوسری پارٹی رجسٹری کرانے کے بعد باقی رقم سے مکر جائے تو قانون اس میں ہماری کیا مدد کر سکتا ہے ؟

خالد : یہ تو ٹھیک ہے مگر یہ سب کرنے کی کیا ضرورت کیا ہے۔

احمد : ضرورت ہے برخوردار۔ بانس کا پودا ایک رات میں جتنا بڑھتا ہے آم کا درخت اس کے لیے کم از کم چھ مہینے لیتا ہے۔

خالد : مگر بانس اور آم میں فرق بھی تو ہے نا۔ ابا جان۔

احمد : (ایک لمحے کے لیے لاجواب ہو جاتا ہے) اوہ بھئی ایک۔ تو تم بحث بہت کرتے ہو ایک دفعہ تمہیں پیسہ کمانے کی عادت پڑ گئی تو پھر تمہیں بانس کے پودے پر آم اگنے کا فن بھی آ جائے گا۔

سین نمبر ۵

دانیسہ کا خوبصورت دفتر، جمال کا مینجر سعید غنی۔ ایک سمارٹ مگر چلتا پرزہ قسم کا جوان آدمی ہے۔ احمد کی تصویر)

سعید : میرا آپ کے پاس حاضر ہونے کا مقصد صرف اتنا ہے بیگم صاحبہ ..... کہ ہم چونکہ ایک ہی فیلڈ میں کام کر رہے ہیں اس لیے بجائے اس کے کہ ہمارے INTEVESTCLASH کریں اور دونوں کو پریشانی ہو۔ ہم ایک دوسرے کو اپنے حدود سے آگاہ کر دیں۔ تاکہ کوئی بھی دوسرے کے علاقے میں TRESS PASS نہ کرے۔

انیسہ : یقین کیجیے مسٹر غنی۔ میں آپ کی گفتگو کا ایک لفظ بھی نہیں سمجھ سکی..... کیسے INTEREST..... کون سا علاقہ... کون سا حدود اور کیسی TRESS POSSING میں تو ایک معمولی سی فیکٹری اونر ہوں۔ کپڑا بناکر بیچتی ہوں اور بس۔ آپ تو ایسے بات کر رہے ہیں جیسے کسی شکارگاہ میں حد بندیاں ہو رہی ہیں۔

سعید : آپ انکسار سے کام لیں تو اور بات ہے۔ لیکن آپ کی مِل ملک کی پہلی چار بڑی وُولن ملوں میں شمار ہوتی ہے اور ہم چونکہ اس لائن میں داخل ہونے کا ارادہ کر رہے ہیں اس لیے جمال صاحب نے مجھے آپ سے بات کرنے کے لیے بھیجا ہے کہ۔

انیسہ : آپ لوگ بڑے شوق سے اس لائن میں آئیں، یہ تو خوشی کی بات ہے انڈسٹری بڑھے گی تو اس سے پورے ملک کو فائدہ ہوگا۔

سعید : وہ تو ہوگا، ہونا چاہیے۔ مگر آپ نے یہ جو کم قیمت پوشاک کا چکر چلایا ہے (انیسہ چکر کے لفظ پر گھور کر دیکھتی ہے) آئی ایم سوری۔ میرا مطلب ہے..... یہ جو RATES آپ نے رکھے ہیں اِن پر تو کوئی بھی COMPETE نہیں کر سکتا۔

انیسہ : (اعتماد کے انداز میں مسکراتے ہوئے) کیوں نہیں کر سکتا۔ میں نے منافع کی شرح سات پرسنٹ رکھی ہے، آپ چھ پرسنٹ رکھ لیجیے۔

سعید : کیا بات کر رہی ہیں آ... پچیس پرسنٹ پرافٹ چھوڑ کر چھ پرسنٹ ؟

انیسہ : جی ہاں۔ کیوں نہیں..... یہ بھی تو دیکھیے کہ اس میں فائدہ کتنا ہے۔ لوگوں کو کپڑا استعمال رہا ہے اور ہماری پروڈکشن بڑھتی جارہی ہے (انٹرکام بجتا ہے۔ اٹھاتی ہے) یس۔

آواز : ایس پی صاحب تشریف لائے ہیں میڈم۔

انیسہ : بھجوا دیجیے۔ (ریسیور رکھتی ہے) آپ اپنے..... کیا نام بتایا تھا آپ نے۔

سعید : جمال..... جمال فاروق..... ہمارے ایم ڈی ہیں۔

انیسہ : ان سے کہیے وہ بھی اسی لائن پر سوچیں۔

سمیع : (دروازہ کھول کر آتا ہے) السلام علیکم۔

انیسہ : وعلیکم السلام۔ تشریف رکھیئے ...... یہ مسٹر سعید غنی ہیں۔ جمال فیبرکس کے سیلز منیجر۔
سمیع : (ہاتھ ملاتے ہوئے) بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔ مجھے سمیع کہتے ہیں۔ جی مسز احمد فرمایئے...... کیسے یاد کیا مجھے۔
انیسہ : (مسکراتے ہوئے) آپ پولیس والوں کو کیسے یاد کیا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے کوئی خیر کی خبر تو ہو گی نہیں۔
سمیع : (مسکراتے ہوئے) بالکل ظاہر ہے۔
انیسہ : دراصل کل رات کچھ ڈاکو لوگ گھس آئے تھے میرے گھر میں۔
سمیع : جی!
انیسہ : جی ہاں۔ چار پانچ تھے غالباً۔ پہلے انہوں نے میرے دونوں ملازموں کی مشکیں باندھ کر انہیں ایک کمرے میں بند کیا۔ پھر میرے کمرے کی کھڑکی کھول کر اندر گھس آئے۔
سمیع : (توجہ سے) اوہ۔
انیسہ : دو آدمیوں کے پاس ریوالور تھے۔
سعید : (حیرت اور دلچسپی سے) آپ تو ایسے مزے مزے سے سنا رہی ہیں جیسے یہ کوئی فلم کا سین ہو۔
سمیع : پھر۔
انیسہ : پھر انہوں نے مجھ سے سیف کی چابیاں مانگیں خاصے ویل انفارمڈ (WELL INFORMED) لگتے تھے۔ میرے گھر کے بارے میں۔
سمیع : ظاہر ہے۔ اس طرح کے ڈاکے اکثر مکمل انفرمیشن کے بعد ہی ڈالے جاتے ہیں۔
انیسہ : بس وہ ان کی کم بختی سمجھئے کہ انہوں نے الماری سے مجھے چابیاں نکالنے کا موقع دے دیا۔
سمیع : GOOD!
انیسہ : پستول دیکھتے ہی ان میں PANIC پھیل گئی۔ اِدھر میں نے پولیس کو فون کرنا شروع کیا اُدھر وہ سر پر پاؤں رکھ بھاگ اٹھے۔
سعید : آپ کو ان پر فائر کرنا چاہیئے تھا۔
انیسہ : اگر میں ایسا کرتی تو شاید اس وقت یہاں زندہ نہ ہوتی۔ ان کے پاس بھی ہتھیار تھے RASH ہو کر کوئی بھی مجھے نقصان پہنچا سکتا تھا۔
سمیع : آپ نے بہت اچھا کیا۔
انیسہ : رپورٹ تو میں نے اسی وقت درج کرا دی تھی آپ کو اس لیے تکلیف دی ہے کہ آپ متعلقہ تھانے کو ذرا ACTIVE رکھیں۔ عام طور پر پولیس مفرور بدمعاشوں کو تلاش کرنے کی تکلیف نہیں کرتی۔
سمیع : بدمعاشوں کی شناخت کر سکتی ہیں آپ۔

انیسہ : نہیں۔ انھوں نے چہرے چھپا رکھے تھے۔

سمیع : آپ کا مشاہدہ ماشاءاللہ غیر معمولی ہے۔ آنکھوں کی ساخت، آواز، قد، کاٹھ۔ چلنے کے انداز وغیرہ سے۔ آپ یقیناً پہچان لیں گی۔

انیسہ : کچھ کہہ نہیں سکتی۔ البتہ.....

(اختر کا چہرہ اس پر O/S ہوتا ہے اس کے ساتھ ہی وہ سین بھی جب اختر اس کی حفاظت کی کوشش کرتا ہے۔)

سمیع : آپ کچھ کہنے لگی تھیں۔

انیسہ : نہیں کچھ نہیں۔ ایسے ہی ایک خیال آیا تھا۔

سمیع : کسی پر شبہ ہے آپ کو۔

انیسہ : (سوچتے ہوئے) نہیں۔ میری کسی سے کیا دشمنی ہے۔

سعید : (اٹھتے ہوئے) اچھا مسز احمد۔ میں اجازت چاہوں گا۔

انیسہ : خدا حافظ۔

سعید : اگر آپ مناسب سمجھیں تو..... جمال صاحب سے ایک میٹنگ ہو جائے آپ کی۔

انیسہ : میرا نہیں خیال کہ اس سلسلے میں کسی میٹنگ کی ضرورت ہے بہرحال HE CAN COME ANY TIME میں چار بجے تک آفس میں ہوتی ہوں۔

سعید : کل گیارہ بجے ممکن ہے۔

انیسہ : (ڈائری دیکھتے ہوئے) ٹھیک ہے۔ لیکن گیارہ کا مطلب گیارہ ہی ہے۔ SHARP۔

سعید : ٹھیک ہے جی۔ تھینکیو ویری مچ۔ اچھا سمیع صاحب۔ اجازت۔ انشاءاللہ پھر ملاقات ہو گی۔

سمیع : جی ضرور۔ (سعید جاتا ہے) اچھا مسز احمد یہ بتایئے کہ جب....

سین نمبر ۶

(جمال کا دفتر۔ جمال ایک سمارٹ نوجوان ہے جس کے ہر انداز سے کھلنڈرا پن ٹپکتا ہے۔ اپنی سیکرٹری کو DICTATION دے رہا ہے۔ سیکرٹری ایک خوبصورت اور تیز طرار لڑکی ہے۔

جمال : RECEIVED YOUR LATTER NO SO AND SO DATED SO AND SO, WE HERELEY CONBIM

(قریب آکر غور سے لڑکی کی طرف دیکھتا ہے)

(لڑکی رک جاتی ہے۔ چند لمحے جب آواز نہیں آتی۔ تو نظر اٹھا کر جمال کی طرف دیکھتی

ہے۔ جو بڑے غور سے ۔۔۔۔ اسے دیکھ رہا ہے۔ شرمانے کی کوشش کرتی ہے۔

جمال : یہ نیکلس تم نے نیا خریدا ہے۔

شمائلہ : جی۔ جی ہاں

جمال : بہت خوبصورت ہے۔ ایسے لگتا ہے جیسے اس نے تمہارے گلے میں باہیں ڈال رکھی ہوں۔

شمائلہ : (شرماتے ہوئے) آپ کچھ لکھوا رہے تھے۔

جمال : لعنت بھیجو اس پر۔۔۔۔ کسی آرٹسٹک چیز کی موجودگی میں کاروبار کی بات مجھے ایسے لگتی ہے۔ جیسے۔۔۔۔ جیسے۔

شمائلہ : جیسے کیا، سر؟

جمال : جیسے گلاب کے پھولوں کے ساتھ گلقند رکھ دی جائے۔ گل قند سمجھتی ہو؟ (شمائلہ نفی میں سر ہلاتی ہے) میں تمہیں سمجھاتا ہوں، پہلے یہ بتاؤ آج شام تم کیا کر رہی ہو۔

شمائلہ : NOTHING۔

جمال : GOOD تو آج تم میرے ساتھ چلو گی۔ V.C.R پر فلم دیکھیں گے اور پھر۔۔۔۔ کسی بہت اچھے سے ہوٹل میں کھانا کھائیں گے۔

شمائلہ : (مصنوعی شکایت بھرے لہجے میں) آپ بہت دھوکے باز ہیں اس دن بھی۔۔۔۔

جمال : جو دن گزر گیا اسے بھول جاؤ۔ ہر دن ایک نیا دن ہوتا ہے۔ اور۔۔۔۔ (دروازہ کھلتا ہے عابد آتا ہے، ہیلو۔۔۔۔ عابد خاں۔۔۔۔ دکھے ملتا ہے، کدھر ہوتے ہو یار۔

عابد : میں تو یہیں ہوتا ہوں۔ تمہارا ہی کچھ پتہ نہیں چلتا۔ آپ کی تعریف۔

جمال : یہ میری سیکرٹری ہیں۔ مس شمائلہ عنبرین اور شمائلہ یہ عابد ہے۔ احمد علی گروپ آف انڈسٹریز کا مینجنگ پارٹنر۔

شمائلہ : (متاثر ہوتے ہوئے) بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔

عابد : مجھے بھی۔ آپ غالباً نئی آئی ہیں۔

(معنی خیز نظروں سے جمال کی طرف دیکھتا ہے۔)

شمائلہ : جی ہاں۔

جمال : ذرا کافی کا کہنا شمائلہ۔

شمائلہ : جی بہت اچھا۔

(جاتی ہے عابد اسے جاتے ہوئے دیکھتا ہے۔ شمائلہ دروازے پر رک کر اس کی طرف دیکھتی ہے مسکراتی ہے۔)

جمال : چلو بس کرو، اب بہت ہو گئی ہے۔

عابد : یار تم بڑے خوش نصیب ہو۔ ہر مہینے پندرہ دن بعد تم سیکرٹری بدل لیتے ہو اور ہر دفعہ پہلے سے بہتر ہوتی ہے۔

جمال : پرندے اڑتے اور آتے جاتے ہوئے ہی اچھے لگتے ہیں .....

عابد : یہ سارے پرندے تمہاری ہی طرف کیوں اڑ کر آتے ہیں۔

جمال : کچھ دن مریدی کرو ہماری، کسی دن مرشد کے من میں آیا تو اس راز سے بھی پردہ اٹھا دیں گے۔

عابد : خیر۔ خیر۔ اب زیادہ بانس پر نہ چڑھو۔ بڑے بھلے دو چار گر ہمیں بھی آتے ہیں۔ بس اتنا بتا دو جس کو تم چھوڑتے ہو وہ بعد میں FUSS کیوں نہیں CREATE کرتی .... لڑکیاں تو۔

جمال : یہ ہنر بہت دیر میں آتا ہے۔

عابد : ٹھیک کہتے ہو استاد۔ تمہارے دفتر میں داخل ہوتے ہی ایسے لگتا ہے جیسے کسی بیوٹی پارلر میں آگیا ہوں .... کیسی کیسی خوبصورت انگلیاں تم نے ٹائپ رائٹروں پر بٹھا رکھی ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تم سب کیسے کر لیتے ہو۔

جمال : حسن بے شمار ہے میری جان اور وقت بہت کم جتنا سمیٹا جا سکتا ہے سمیٹ لو۔ ہاتھ سے چھوٹا ہوا ہاتھ اور گزرا ہوا لمحہ کبھی واپس نہیں آتے۔

سین نمبر ۷

(کیمرہ ایک ترازو پر OPEN ہوتا ہے۔ فقیر حسین اس کے ایک پلڑے کیساتھ کپڑا باندھ کر اسے متوازن کرنے کی کوشش کر رہا ہے بے اطمینانی کے اظہار میں سر ہلاتا ہے۔)

فقیر حسین : بیٹی، ایک چھوٹا سا ٹکڑا اور دینا۔

سعیدہ : یہ لیجیے۔ (ترازو کو دیکھتے ہوئے) ویسے ابو، اب تو ٹھیک ہی لگتا ہے۔

فقیر حسین : نہیں بیٹی ..... اس پلڑے میں تھوڑا سا، معمولی سا فرق ہے ...

سعیدہ : آپ نے کوئی سونا تو نہیں تولنا ابو۔ دال کے دو چار دانے کم یا زیادہ ہونے سے کیا فرق پڑ جائے گا ....

فقیر حسین : پڑتا ہے بیٹی پڑتا ہے ———— میری طرف سے زیادہ چیز چلی جائے تو خیر ہے، لیکن اگر گاہک کو ایک دانہ بھی کم چلا گیا تو حشر کے دن تک یہ میرے سینے پر پتھر کی طرح رکھا رہے گا اور انصاف کی گھڑی میں ساری خلقت کے سامنے چیخ چیخ کر میری بے ایمانی کا اعلان کرے گا۔

سعیدہ : اوہو ابو ..... آپ بھی حد کرتے ہیں۔ اتنی بھی کیا۔

فقیر حسین : تمہیں پتہ ہے بیٹی کینسر کیسے پھیلتا ہے ...... (دماغ میں یہ ایک نامعلوم نقطہ ہوتا ——

جیسے خوردبین ہی سے دیکھ سکتی ہے مگر پھر ایک دن یہی پورے جسم کی عمارت کو ڈھا کر فرش کر دیتا ہے۔ معاشرہ بھی جسم کی طرح ہوتا ہے بیٹی۔ جب گرنے لگتا ہے تو پھر گرتا ہی چلا جاتا ہے۔

سعیدہ: آپ ٹھیک کہتے ہیں مگر.....

فقیر حسین: دیکھو بیٹی ٹھیک بات صرف ٹھیک ہوتی ہے، پوری اور مکمل ٹھیک.... جب اس کے ساتھ اگر مگر چونکہ چنانچہ، لیکن اور لہٰذا وغیرہ لگتے ہیں نا تو یہ زخمی ہو جاتی ہے.... بشروط سچائی لنگڑے آدمی کی طرح ہوتی ہے ـــ معذور اور اپاہج۔ (ترازو کے پلڑے برابر کرتا ہے) لو اب یہ ٹھیک ہو گیا ہے۔ وہ فہرستیں تیار کر لی تھیں تم نے.....؟

سعیدہ: (میز سے کچھ کاغذ اٹھاتے ہوئے) جی ہاں.... میں نے ہر چیز کی خرید اور فروخت کی قیمتیں اس کے سامنے لکھ دی ہیں۔ نمک کی رسید مجھے نہیں ملی۔

فقیر حسین: (مسکراتے ہوئے) نمک چیز ہی عجیب ہوتی ہے بیٹی۔ اسے کھا کر لوگ حرام کر دیتے ہیں، دوسروں کے زخموں پر چھڑکتے ہیں۔ نمک مرچ لگا کر بات کو کیا سے کیا بنا دیتے ہیں۔ کھانے میں نہ ہو تو کھانے کا مزا نہیں آتا..... وہ کیا مصرعہ ہے مرزا غالب کا.... کیا مزا ہوتا اگر پتھر میں بھی ہوتا نمک۔

سعیدہ: آپ کو تو پروفیسر ہونا چاہیے تھا ابو۔

فقیر حسین: ہیٹ سے خرگوش نکالنے والا۔ (ہنستا ہے) ہا ہا ہا۔

سعیدہ: (لاڈ سے ناراض ہوتے ہوئے) ابو۔

فقیر حسین: اچھا بھئی اچھا..... ناراض نہیں ہوتے۔ لاؤ یہ فہرستیں مجھے دو۔

سعیدہ: کھانا میں نے بنا کر رکھ دیا ہے۔ دوپہر کو یاد سے کھا لیجیے گا۔ روٹیاں تسلے کے اندر ہیں ـــ نرم رہیں گی۔

فقیر حسین: مگر کیوں ـــ یعنی تم کہیں جا رہی ہو ـــ؟

سعیدہ: جی ہاں۔

فقیر حسین: کہاں ـــ؟

سعیدہ: انٹرویو ہے میرا۔

فقیر حسین: انٹرویو۔ کیسا انٹرویو۔ تم نے مجھ سے تو ذکر ہی نہیں کیا۔

سعیدہ: میں نے بھی آج ہی اخبار میں پڑھا ہے۔ جمال فیبرکس والوں کو آفس جاب کے لیے کچھ لڑکیوں کی ضرورت ہے۔ ان کا اشتہار آیا ہے۔

فقیر حسین: مگر بیٹی..... تمہیں تو ٹائپ اور شارٹ ہینڈ وغیرہ بھی...... تم کیا کرو گی وہاں جا کر۔

سعیدہ: اشتہار میں انھوں نے صرف انٹرمیڈیٹ کی کوالیفیکیشن مانگی ہے اور میں تو بی اے ہوں۔

فقیر حسین: مگر بیٹی، کیوں۔ کس لیے.....

سعیدہ: نوکری کس لیے کی جاتی ہے ابو۔؟

فقیر حسین: میں جو..... کر رہا ہوں کام۔

سعیدہ: اس کام سے گھر کا خرچ نہیں چل سکتا ابو۔ ہمیں ہمارے حصے کا کام کرنے دیجیے۔

فقیر حسین: ہاں، مگر۔ سوچ تو بیٹی۔ آج کل زمانہ.....

سعیدہ: میں آپ کی بیٹی ہوں ابو۔ زمانہ اگر ایک آکٹوپس بھی ہو تو میں اس کے ہاتھ نہیں آؤں گی۔

فقیر حسین: (متاثر ہو کر اس کی طرف دیکھتا ہے اس کا سر چومتا ہے اس پر دوپٹہ رکھتا ہے) جیتی رہو بیٹی۔ اللہ تمہاری حفاظت کرے۔

سین نمبر ۸

(رفیق کا ڈیرا۔ رفیق ایک خط غور سے پڑھ رہا ہے۔ انداز سے محسوس ہوتا ہے جیسے اسے پڑھنے میں دقت ہو رہی ہے سلامت اس کے قریب کھڑا ہے۔ رفیق خط پڑھ کر اسے تہہ کرتا ہے جیب میں ڈالتا ہے)

رفیق: سلامت۔

سلامت: جی استاد۔

رفیق: ماسٹر نے یہ خط اتنے دنوں کے بعد کیوں پہنچایا ہے۔

سلامت: وہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ اپنے سالے کی شادی میں پنڈ گیا ہوا تھا، کل رات کو ہی واپس آیا ہے، مجھے بالے کی ماں نے اُدھر ڈیرے میں اطلاع پہنچائی تھی..... میں نے سوچا خود ہی تمہیں دے آؤں۔

رفیق: تم نے بہت اچھا کیا ہے۔ بالکل ٹھیک کیا ہے۔ میں ذرا فیصل آباد جا رہا ہوں ہو سکتا ہے مجھے وہاں دو تین دن لگ جائیں۔ پیچھے خیال رکھنا۔

سلامت: تم بالکل بے فکر رہو استاد۔ پر۔ خیر تو ہے۔ تم خط پڑھ کر کچھ چپ سے ہو گئے ہو۔ کوئی فکر والی بات تو نہیں۔

رفیق: (بے خیالی میں) نہیں — ہاں — بھابی کا خط آیا ہے۔ ناصر کا جھگڑا ہو گیا ہے کسی لڑکے سے

سلامت: سٹ شٹ تو نہیں لگی۔

رفیق: لگی ہے۔

سلامت: کسی کو جرأت ہوئی ہے اس پر ہاتھ اٹھانے کی۔ مجھے بتاؤ استاد میں اس کے ٹوٹے کر کے اپنے ناصر بادشاہ کے قدموں میں رکھ دوں گا۔

رفیق: (سوچتے ہوئے) نہیں سلامت نہیں۔ اس کا چاچا محمد رفیق کپڑے کا تاجر ہے۔ کیا۔ رفیق۔

بدمعاش نہیں۔ میں جا کر دیکھتا ہوں کیا معاملہ ہے۔

سلامت : پر استاد۔ ہمارے ہوتے ہوئے ....

رفیق : نہیں سلامت نہیں۔ وہاں مجھے کوئی نہیں جانتا۔ بھابی تک کو اس بات کا پتہ نہیں کہ میں اصل میں کیا کرتا ہوں۔ ان کو اس بات کا پتہ چل گیا تو بچوں کی تعلیم خطرے میں پڑ جائے گی۔ کیا۔ جینا مشکل ہو جائے گا۔ ان کا۔

(رفیق اٹھ کر دوسرے کمرے میں جاتا ہے۔ سلامت حیرت سے اس کی طرف دیکھتا ہے۔)

سین نمبر ۹

(ایک متوسط درجے کا صاف ستھرا گھر۔ رفیق ڈھیل ڈھالی پتلون اور کوٹ پہنے سر پر ٹوپی رکھے کمرے میں داخل ہو رہا ہے دروازہ کھولنے والی دس بارہ سالہ لڑکی خوشی سے منہ اندرونی دروازے کی طرف کر کے آواز دے رہی ہے۔)

نبیلہ : امی۔ امی۔ چاچا جی آئے ہیں۔

(اندرونی دروازے سے رفیق کی بھابی دوپٹے سے ہاتھ خشک کرتی ہوئی نکلتی ہے رفیق سر جھکا کر اس کا پیار لیتا ہے۔)

بھابی : میں تو کئی دن سے تمہارا انتظار کر رہی تھی۔

رفیق : (بہجے کو کنٹرول کر کے بولتا ہے) میں۔ باہر گیا ہوا تھا۔ گیا کراچی۔ ایک سودا کرنا تھا۔ آج ہی تمہارا خط ملا ہے۔ ناصر کہاں ہے؟

بھابی : پٹی کرانے گیا ہے۔ آتا ہی ہوگا۔

رفیق : (ہاتھوں کو بھینچ کر اپنا غصہ دبانے کی کوشش کرتا ہے) زیادہ چوٹ لگی ہے اُسے؟

نبیلہ : ہاں چاچا جی! پانچ ٹانکے لگے ہیں بھائی جان کے سر میں۔ اتنا خون بہہ رہا تھا (ہاتھوں سے بتاتی ہے) ڈاکٹر صاحب کہہ رہے تھے اگر اور خون ضائع ہو جاتا تو بڑی خطرے کی بات تھی۔

بھابی : بس تو مشین کی طرح ایک دفعہ شروع ہو جائے تو پھر دم نہیں لیتی۔ جا چاچے کے لیے سیب کاٹ کے لا۔ اور چائے کا پانی بھی رکھ کے آنا۔ چل اٹھو۔

(لڑکی جاتی ہے)

رفیق : یہ تھا قصور کس کا تھا کیا۔ جھگڑا کیسے ہوا؟

بھابی : گھر سے تو ہاکی کا میچ کھیلنے گیا تھا۔ وہیں کوئی لڑائی ہوئی ہے.... اس نے چھڑانے کی کوشش کی تو ملکوں کے لڑکوں نے اس پر ہاکیاں برسانا شروع کر دیں۔ بڑے اتھرے منڈے ہیں ان کے پیسے نے دماغ خراب کر رکھا ہے۔

رفیق : ملک کون یہ ٹرانسپورٹ والے۔

بھابی : ہاں۔ مجھے تو یہ سامنے والے وکیل صاحب نے بتایا کہ ناصر کو لڑکے اٹھا کر ہسپتال لے گئے ہیں۔ ان کا بیٹا بھی وہیں تھا۔

رفیق : پرچہ نہیں کرایا۔

بھابی : کوشش کی تھی لیکن ملکوں نے ہونے نہیں دیا...... اور پھر سب ہی سمجھاتے تھے کہ وہ بڑے زور والے ہیں۔ ان سے دشمنی نہیں کرنی چاہیئے۔ جو ہونا تھا ہو چکا۔

رفیق : (غصہ دبانے کے لیے اپنی ٹھوڑی زور سے مسلتا ہے) اچھا۔ ہاں۔ تم نے ٹھیک کہا ہے بھابی۔ کیا صحیح کہا ہے۔ میں یہاں نہیں ہوتا نا۔ اور کوئی ہے نہیں۔ کیا۔ اور کوئی نہیں ہے ان بچوں کے سر پہ۔

(ناصر آتا ہے سر اور بازو پر پٹی بندھی ہے رفیق کو دیکھ کر مسکراتا ہے۔)

ناصر : السلام علیکم چاچا جی۔ کب آئے آپ!

رفیق : ابھی آیا ہوں۔ تم نے یہ لڑائی جھگڑا کب سے شروع کر دیا ہے۔ کیا۔ بدمعاشیاں کرنے لگے ہو۔

ناصر : نہیں چاچا جی، آپ کو پتہ ہے میں نے کبھی کسی کو ناجائز بات تک نہیں کہی۔ ان لوگوں نے بالکل خوامخواہ مجھے مارا ہے۔ آپ کسی سے پوچھ لیجئے۔

رفیق : کسی سے کیا پوچھنا ہے۔ میں تمہیں نہیں جانتا۔ کیا۔ تمہارا پتہ نہیں مجھ کو۔

ناصر : چلیے لعنت بھیجیں اس پہ۔ آپ یہ بتائیں اس دفعہ اتنی دیر سے کیوں آئے ہیں۔ پتہ ہے پورے دو مہینے بعد آئے ہیں آپ۔

رفیق : ہاں۔ کچھ کام تھا۔ کیا۔ بزنس۔

نبیلہ : (آتے ہوئے ٹرے میز پر رکھتی ہے) آپ کو پتہ ہے چاچا جی اس بار میں اپنی کلاس میں سیکنڈ آئی ہوں فائیو بکس (FivE Books) ملی ہیں مجھے انعام میں۔

رفیق : (گلے سے لگا کر پیار کرتا ہے) میری بیٹی ہے، ہی نمبر ون ـــ کیا فرسٹ کلاس

نبیلہ : (نکل اتارتے ہوئے) آپ کا بہت بہت شکریہ ـــ کیا ـــ تھینک یو ـــ

(سب ہنستے ہیں کیمرہ رفیق کے کلوز پر جاتا ہے جو ہنستے ہنستے ایک دم سنجیدہ ہو جاتا ہے)

سین نمبر ۱۰

رفیق۔ ملک ـ ملک کا گھر یا دفتر ـ ملک ایک بدمعاش صورت ان پڑھ امیر آدمی ہے۔

ملک : دیکھو بھائی صاحب - ہم ہیں شریف اور غیرت دار آدمی - بچوں کا جھگڑا تھا. میں نے درگزر کیا کہ کیا فائدہ بات بڑھ جائے - ہمارے ہاتھ سے کسی کو نقصان پہنچ جائے - تو میرا مطلب ہے....

آپ بھی ذرا اپنے بھتیجے کو سمجھا دو.

رفیق : مارا تو آپ کے لڑکے نے اس کو ہے ملک صاحب - کیا - زیادتی تو اس نے کی ہے پٹہ تو آپ کو اس کے گلے میں ڈال کر رکھنا چاہیئے.

ملک : (غصے سے اٹھتے ہوئے) منہ سنبھال کر بات کرو میاں - ہماری غائب کی ہوئی لاشیں فرشتوں کو بھی نہیں ملتی - سمجھ رہے ہو نا میری بات.

رفیق : (غصہ روکتے ہوئے اٹھتا ہے) اچھا - شاید آپ ٹھیک ہی کہتے ہو ملک صاحب غلطی ہمارے لڑکے ہی کی ہو گی. کیا - اسی نے ہمارا ہو گا آپ کے بیٹے کو - جس کو چوٹ لگتی ہے وہ ہسپتال میں پہنچ جاتا ہے نا ملک صاحب - کیا مرہم پٹی ہوتی ہے نا اس کی - (ملک اثبات میں سر ہلاتا ہے) اس میں نے بھی یہی پتہ کرنا تھا. کیا - معلوم - بڑی مہربانی آپ کی -

سین نمبر ۱۱

(فقیر حسین اپنی دکان پر بیٹھا ایک گاہک کو سودا دے رہا ہے تین چار مختلف پیکٹ بندھے رکھتے ہیں. ایک لفافہ باندھ کر رکھتا ہے قریشی اس دوران میں آ کر کھڑا ہوتا ہے فقیر حسین کی نظر اس پر نہیں پڑی.)

فقیر حسین : لو بہن جی. آپ کا سامان پورا ہو گیا ہے.

عورت : کتنے پیسے ہوئے بھائی جی.

(عورت دوپٹے کی گرہ سے پیسے نکال کر گنتی ہے.)

فقیر حسین : (حساب لگاتے ہوئے) چھ روپے ستر پیسے ہوئے بی بی!

(عورت ایک دم رک جاتی ہے باری باری پانچوں پیکٹ چیک کرتی ہے. سوچ میں پڑ جاتی ہے)

عورت : کتنے پیسے بتائے ہیں بھائی.

فقیر حسین : (دوبارہ ٹوٹل چیک کرتا ہے) چھ روپے ستر پیسے بہن جی.

(پریشان سا ہو کر) زیادہ ہیں کیا.

عورت : زیادہ تو نہیں..... پر..... یہ سودا تو ہمیشہ آٹھ روپے کا بنتا ہے.

فقیر حسین : (اطمینان کا سانس لے کر مسکراتا ہے) میری دکان سے یہ آپ کو ہمیشہ بازار سے سستا ملے گا. انشاء اللہ.

عورت : (پیسے دے کر پیکٹ ایک ٹوکری میں ڈالتی ہے) اچھی بات ہے شروع شروع میں چیزیں سستی بیچو تو

دکان جلدی چل جاتی ہے۔

(عورت جاتی ہے فقیر حسین کچھ کہتے کہتے رک جاتا ہے سوچنے لگتا ہے۔)

قریشی : کس سوچ میں پڑ گئے ہو فقیر حسین؟

فقیر حسین : (چونک کر) اپنی جگہ سے اٹھتا ہے) آپ قریشی صاحب۔ آیئے۔ بیٹھیے..... یہاں میرے پاس کوئی کرسی نہیں آپ کو بٹھانے کے لیے۔ ٹھہریے میں اندر سے لاتا ہوں۔

قریشی : نہیں فقیر حسین۔ میں یہیں بیٹھوں گا تمہارے پاس۔ (بیٹھتا ہے) ویسے اس عورت نے بات غلط نہیں کی۔ بازار میں رہتے ہوئے مارکیٹ کے ریٹ سے کم پر بیچنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

فقیر حسین : مشکل ہوتا ہے نا قریشی صاحب۔ ناممکن تو نہیں ــ اور آپ کو پتہ ہے مشکل کام سے میں گھبراتا نہیں۔

قریشی : (ایک دم سنجیدہ ہو کر) یہ تم کیا کر رہے ہو فقیر حسین۔

فقیر حسین : کیا کر رہا ہوں؟

قریشی : یہی ــ میرا مطلب ہے یہ دکان ــ اگر تم نے کوئی کاروبار ہی کرنا تھا تو کچھ.....

فقیر حسین : اس میں کیا برائی ہے قریشی صاحب۔ محنت سے رزقِ حلال کمانے کی کوشش کر رہا ہوں ــ اور کیا کروں۔

قریشی : (لاجواب سا ہو کر) آج یونین کے دفتر میں تمہارے لیے ایک خصوصی میٹنگ ہوئی تھی۔ تمہیں پتہ ہے۔ (فقیر حسین نفی میں سر ہلاتا ہے) تمہارے ساتھیوں ــ تمہارے لیے ایک خصوصی فنڈ قائم کیا ہے ہم چاہتے ہیں کہ تم اس رقم سے۔

فقیر حسین : (بے تاب ہو کر) قریشی صاحب۔ یہ کیا کہہ رہے ہیں قریشی صاحب۔ میں اللہ کے فضل و کرم سے تندرست ہوں۔ میرے ہاتھ پاؤں چلتے ہیں۔ میرا حوصلہ زندہ ہے۔ کیوں لوں کسی سے مدد۔ کیوں مانگوں کسی سے بھیک۔

قریشی : لاحول ولا قوۃ ــ دوستوں کے جذبے کو تم بھیک کہہ رہے ہو۔ بڑے افسوس کی بات ہے۔

فقیر حسین : میری طرف سے میرے دوستوں کا بہت بہت شکریہ ادا کیجئے۔ میں بہت ممنون ہوں ان کا مجھے صرف ان کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔ بس ــ مجھے اور کچھ نہیں چاہیئے اور کچھ نہیں چاہیئے مجھے۔

قریشی : میری بات سمجھنے کی کوشش کرو فقیر حسین۔ چلو تم قرض سمجھ کر یہ رقم لے لو۔ اس سے کوئی اچھا سا کاروبار شروع کر لو۔ جب تمہارے پاس ہوں، واپس کر دینا۔

فقیر حسین : مگر میں کیوں لوں قرضہ ــ کیوں اپنی جان پر بوجھ لادوں ــ آپ انہیں بتایئے قریشی صاحب، انہیں بتایئے فقیر حسین کے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے..... سب کچھ ہے اس کے پاس۔

(کیمرہ ترازو پر جاتا ہے)

سین نمبر ۱۲

(سعید غنی کا کمرہ - سعیدہ داخل ہوتی ہے - سعید اس کی طرف توجہ سے دیکھتا ہے)

سعیدہ: السلام علیکم۔
سعید غنی: آ، تشریف رکھیے۔
سعیدہ: منیجر صاحب آپ ہیں؟
غنی: جی۔
سعیدہ: جی وہ آپ کا اشتہار آیا تھا آج اخبار میں۔
غنی: اوہ ——— تو آپ اس سلسلے میں آئی ہیں۔
سعیدہ: جی۔
غنی: (گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھتا ہے) ایک منٹ کے لیے تکلیف کر کے کھڑی ہونگی آپ۔
سعیدہ: (حیرت سے) جی۔
غنی: ذرا کھڑی ہو جائیں۔ (سعیدہ کھڑی ہوتی ہے غنی اپنی سیٹ سے اٹھ کر اسے دیکھتا ہے۔ سعیدہ دوپٹہ اپنے سینے پر کرتی ہے) تشریف رکھیے۔ (واپس جا کر اپنی کرسی پر بیٹھتا ہے) آپ کا نام؟ (اپنے سامنے رکھے ہوئے کاغذ پر لکھنے لگتا ہے)
سعیدہ: سعیدہ - سعیدہ نسیم۔
غنی: تعلیم؟
سعیدہ: بی اے۔ فرسٹ ڈویژن۔
غنی: کہیں پہلے کام کیا ہے؟
سعیدہ: جی نہیں۔
غنی: ٹائپ آتی ہے۔

(کیمرہ غنی کے کندھے سے شاٹ بناتا ہے وہ کاغذ پر ایک عورت کا سکیچ بنا رہا ہے)

سعیدہ: جی نہیں۔
غنی: ہاؤ لنگ کریں گے؟
سعیدہ: جی؟
غنی: یہ جو لڑکیاں نہیں آتیں، اشتہاروں وغیرہ میں۔
سعیدہ: جی نہیں، آپ نے تو اشتہار میں لکھا ہے کہ....

غنی : وہ بھی ٹھیک لکھا ہے۔ دراصل ہمیں ایک ایڈ کے لیے کسی فریش ماڈل کی بھی ضرورت ہے۔ اچھا...
تو آپ ایسا کیجئے۔ (گھڑی دیکھتے ہوئے) جمال صاحب۔ اس وقت ایک میٹنگ پر جا رہے ہیں خیر
میں کوشش کرتا ہوں وہ آپ کو ایک نظر دیکھ لیں۔

سین نمبر ۱۳

جمال : آپ ایسا کیجئے۔ اپنی درخواست اور سارے PARTICULARS لکھ کر سعید صاحب کے پاس چھوڑ
جائیے۔ میں آپ کو دو ایک دن میں بلواؤں گا۔

سعیدہ : جی بہتر۔

جمال : اس وقت مجھے ایک بہت ضروری میٹنگ پہ جانا ہے۔ اگر آپ دو تین گھنٹے انتظار کر سکیں تو
سعید کے کمرے میں بیٹھ جائیے۔

سعیدہ : جی شکریہ۔ میں پھر آجاؤں گی۔

جمال : AS YOU LIKE (بریف کیس اٹھاتے ہوئے سعید سے) شاید عابد کا فون آئے۔ اسے کہنا میں
شام کو کلب میں ملوں گا۔

غنی : او کے سر۔

(جمال سعیدہ کی طرف دیکھتا ہے۔ سعیدہ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے)

جمال : اچھا سعید۔ خدا حافظ۔

(جمال جاتا ہے۔ چند لمحوں کی خاموشی)

سعیدہ : اچھا سعید صاحب۔ بہت بہت شکریہ۔

غنی : بیٹھئے۔ چائے پئیں ایک کپ۔ نوکری تو لگتا ہے آپ کی پکی ہو گئی۔ میں نے جمال صاحب کی نظر سے
اندازہ لگا لیا ہے۔ آپ انہیں پسند آ گئی ہیں۔ مبارک ہو۔

سعیدہ : میں یہاں پسند ہونے کے لیے نہیں۔ نوکری کے لیے آئی ہوں مسٹر سعید۔

غنی : (گھبرا کر) جی ہاں۔ وہ... میرے کہنے کا مطلب دراصل یہ تھا۔

سعیدہ : آپ کے کہنے کا مطلب بھی میں تقریباً سمجھ گئی ہوں۔ (دروازہ کھول کر ہال میں آتی ہے جہاں لڑکیاں
رسالے پڑھنے اور سنگھار کرنے میں مصروف ہیں۔) آپ غالباً ان میں ایک اور لڑکی کا اضافہ چاہتے
ہیں۔ (لڑکیوں کی معنی خیز نظریں)

غنی : جی ہاں۔ وہ کارنر والی سیٹ ہو گی آپ کی۔

سعیدہ : اپنے جمال صاحب کو بتا دیجئے گا۔ مجھے بلوانے کی تکلیف نہ کریں۔ یہ نوکری نہیں چاہیئے۔ مجھے
(تیزی سے نکل جاتی ہے۔ غنی سر کھجاتا ہے۔ لڑکیاں مختلف REACTION
دیتی ہیں)

سین نمبر ۱۴

(انیسہ کا دفتر - جمال -)

انیسہ : (قدرے جھنجلائے ہوئے انداز میں بولتی ہے) میری سمجھ میں نہیں آتا ۔آپ کس قسم کی باتیں کر رہے ہیں۔ میری زندگی جیسی بھی ہے ۔جس طرح بھی گزر رہی ہے ۔آپ کو اس سے کیا ۔

جمال : (شائستہ لہجے میں بولنے کی کوشش کرتا ہے) او ہو آپ تو ناراض ہو گئیں ۔میں نے تو صرف اس خیال سے کہا تھا کہ آپ جیسی GRACEFUL خاتون کو اس طرح محفلوں سے کٹ کر نہیں رہنا چاہیئے امریکہ میں میں نے دیکھا ہے کاروباری لوگ ذاتی سطح پر ایک دوسرے سے تعلقات بڑھاتے ہیں۔ ملتے جلتے ہیں اور....

انیسہ : مسٹر جمال ۔اوّل تو یہ پاکستان ہے ۔ امریکہ نہیں اور دوسرے مجھے محفلوں سے چڑ ہے نفرت ہے ۔ مجھے ان جھوٹی مسکراہٹوں سے جو اشتہاروں کی طرح لوگ چہروں پر سجائے پھرتے ہیں اور تیسری اور آخری بات یہ کہ میں اپنے ذاتی معاملات میں کسی کی دخل اندازی پسند نہیں کرتی۔ سمجھ گئے آپ ۔

جمال : جی - جی ہاں ۔

انیسہ : (خشک لہجے میں) آپ مصروف آدمی ہیں ۔آپ کے کام کا حرج ہو رہا ہوگا ۔میں آپ کو زیادہ دیر نہیں روکنا چاہتی ۔

جمال : (اس کے طنز کی کاٹ سے تلملا اٹھتا ہے) جی ہاں ۔شکریہ ۔ تو میں ۔

(یہ دیکھ کر کہ انیسہ اس کی طرف متوجہ نہیں اپنا بریف کیس اٹھاتا ہے جیب سے رومال نکال کر پریشان انداز میں منہ پر پھیرتا ہے ۔)

سین نمبر ۱۵

(جہانگیر کا بیڈ روم ۔ عابد صوفہ پر بیٹھا ہے ۔ ملازم جہانگیر کے پاؤں دبا رہے ہیں)

جہانگیر : عقاب بڑا نڈر جانور ہے پتر ۔ قدرت نے اس کو بڑی تیز آنکھ عطا کی ہے ۔ اپنے ڈاکٹر اقبال کو بھی بہت پسند تھا..... اپنی شاعری میں بہت ذکر کیا ہے انہوں نے اس کا ۔

عابد : جی۔جی ہاں۔

جہانگیر : تم اُونا اُدھر ہمارے علاقے میں۔ بڑی بڑی کم یاب نسل کا باز ہے میرے پاس۔

عابد : جی۔ضرور۔ مجھے بڑا شوق ہے گاؤں دیکھنے کا۔

جہانگیر : بڑی اچھی اچھی جگہیں ہیں ہمارے علاقے میں۔

(چند لمحے کا وقفہ۔ عابد کسی ذہنی کشمکش میں مبتلا نظر آتا ہے)

عابد : اس وقت میں آپ سے ایک مشورہ لینے آیا تھا سردار صاحب۔

جہانگیر : ہاں۔ہاں۔ پُتر بولو۔ارشاد کرو۔

(عابد ملازموں کی طرف دیکھتا ہے۔ جیسے ان کی موجودگی اسے پسند نہ ہو)

جہانگیر : ہمارے بندوں کے کان صرف حکم سننے کے لیے ہوتے ہیں سائیں۔ پر تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی یہ بات۔

(ملتانی میں ملازموں کو جانے کے لیے کہتا ہے۔ ملازم جاتے ہیں)۔

عابد : آپ نے کس آدمی کے ذریعے کرایا تھا وہ کام۔

جہانگیر : کون سا کام پُتر۔

عابد : وہ جو کچھ آدمی نکالنے تھے۔پولیس کی حراست سے۔

جہانگیر : وہ تو ہو گیا تھا سائیں۔ بندے پہنچ گئے ہیں علاقے میں۔

عابد : جی ہاں مجھے پتہ چلا تھا۔ میں دراصل اس آدمی سے ملنا چاہتا ہوں۔ جس نے یہ کام کیا ہے۔

جہانگیر : کوئی کام لینا ہے اس سے۔ (عابد اثبات میں سر ہلاتا ہے) کوئی قتل شتل؟

عابد : نہیں۔اس سے بہت چھوٹا کام ہے۔

جہانگیر : اس کو ملوا دیتے ہیں تم سے پُتر۔ اچھا ستھرا کام کرنے والا آدمی ہے۔ ریاست کو پتہ ہے اس کے ڈیرے کا۔ او ریاست۔

سین نمبر ۱۶

(سعیدہ۔اختر)

سعیدہ : کیا بات ہے۔ کہاں تو سارا سارا دن گھر کی صورت نہیں دیکھتے تھے اور آج صبح سے بستر میں گھسے بیٹھے ہو۔

اختر : بس۔یوں ہی۔

سعیدہ : یوں ہی تو تم بیٹھنے والے نہیں۔ کوئی بات ضرور ہے۔

اختر : نہ تم میرے باہر جانے سے خوش ہو نہ گھر میں رہنے سے۔ آخر میں کیا کروں۔

سعیدہ : (کان کھینچتے ہوئے) باتیں بنانی بہت آ گئی ہیں تمہیں۔ (دروازے پر دستک کی آواز) یہ کون

آگیا۔ اس وقت۔ جاؤ دروازہ کھولو۔

اچین سے نہ بیٹھنے دینا کبھی۔

دُست قدموں سے اٹھ کر دروازہ کھولتا ہے۔ سامنے پولیس کی وردی میں یمیع کھڑا ہے

اختر گھبرا کر پیچھے ہٹتا ہے۔ اس پر انیسہ کی شکل اور ہتھکڑیاں O/S ہوتی ہیں یمیع

کا چہرہ O/F ہوتا ہے۔

6

کردار

• فقیر حسین • احمد علی • عابد • اختر • خالد • سعیدہ • سلمیٰ
• نیلم • جمالی • سعید غنی • رفیق • سلامت • جہانگیر • ریاست
• سمیع • ناصر • نبیلہ • ملک • انیسہ احمد • رحمت علی • لڑکا (ملکوں کا) • وکیل • بھابی • شمائلہ • سلطان • جعفری
• چند لوگ

سین نمبر ۱

(قسط نمبر پانچ کا آخری سین چلتا ہے۔ اختر دروازہ کھلنے پر سمیع کو دیکھ کر خوفزدہ ہوتا ہے۔ اس پر انیسہ احمد کے گھر کے واقعات O/S ہوتے ہیں۔ سمیع کے F/O چہرے پر اس کی آواز O/S ہوتی ہے۔)

سمیع: کیا میں اندر آ سکتا ہوں۔

(اختر اب تک اتنا پریشان ہے جیسے اسے اس جملے کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔)

اختر: جی۔

خالد: (ذرا سا آگے بڑھ کر سمیع کے ساتھ کھڑا ہوتا ہے) یہ سمیع صاحب ہیں اختر۔ میرے دوست۔ چچا جان کے بارے میں کچھ بات کرنے آئے ہیں۔

سعیدہ: (جو اس دوران میں ان کے قریب آجاتی ہے) آیئے۔ یہ وہی سمیع صاحب ہیں اختر۔ جن کے بارے میں میں نے تم سے ذکر کیا تھا۔

اختر: (لمبا سانس لیتے ہوئے) اوہ۔ ہاں۔ آیئے تشریف لایئے۔

(سمیع ہاتھ ملانے کی کوشش کرتا ہے جسے اختر ذرا دیر میں سمجھتا ہے۔ سمیع اس کا ہاتھ پکڑ کر دوستانہ انداز میں ہلاتا ہے)

اختر: (نروس انداز میں ہنستے ہوئے ہاتھ ملاتا ہے) السلام علیکم، معاف کیجئے گا میں ———

سمیع: (مسکراتے ہوئے) یہ سارا قصور اس پولیس کی وردی کا ہے۔

خالد: نہیں، تھوڑا بہت تمہاری صورت کا بھی ہے۔

دونوں ہنستے ہیں۔

سعیدہ ایک کرسی اٹھاکر سمیع کے بیٹھنے کے لیے اس کی طرف بڑھاتی ہے)

سعیدہ: آپ یہاں بیٹھیے۔

سمیع: (روکتے ہوئے) پلیز سعیدہ بہن۔ مجھے گناہگار نہ کیجیے ـــــ آپ بیٹھیے۔

سعیدہ: آپ ہمارے مہمان ہیں۔

سمیع: اچھا۔ میں تو اسے اپنا ہی گھر سمجھا تھا مگر اب آپ کہتی ہیں تو......

سعیدہ: (شرمندہ ہوتے ہوتے) پلیز۔ آپ تو شرمندہ کر رہے ہیں۔ اچھا چلیے پہلے میں ہی بیٹھ جاتی ہوں

(سب لوگ بیٹھتے ہیں۔ اختر کھڑا رہتا ہے)

سمیع: آپ بھی بیٹھیے نا اختر صاحب ــــ

(اپنے قریب جگہ بناتا ہے)

یہاں آجایئے۔

خالد: (مزاحیہ انداز میں) یہ آپ کا اپنا ہی گھر ہے۔

(سب ہنستے ہیں اختر پریشان سا ہوکر بیٹھ جاتا ہے۔)

سمیع: (یکدم سنجیدہ ہوتے ہوئے) آپ کے والد صاحب کہاں ہیں؟

اختر: وہ ــــــــ وہ

سعیدہ: یہیں ہیں۔ دراصل انہوں نے ساتھ والے کمرے میں ایک چھوٹا سا جنرل سٹور بنالیا ہے۔ دکانداری

کر رہے ہیں۔

(اختر شکایتی انداز میں بہن کی طرف دیکھتا ہے)

خالد: مگر کیوں؟

سعیدہ: نوکری سے استعفیٰ جو دے دیا ہے!

(خالد کچھ کہتے کہتے رک جاتا ہے جیسے اپنی بات کی کمزوری سے آگاہ ہوگیا ہو۔ سر

کھجاتا ہے۔)

سمیع: بھئی ایک بات ہے۔ خالد۔ تمہارے یہ بزرگ ہیں بہت بہادر انسان ــــ ورنہ میں نے ایسی

سچویشن میں بڑے بڑے حوصلے والوں کو بھی دیواروں کی طرف ڈھیتے دیکھا ہے۔

خالد: (سعیدہ سے) سمیع نے دراصل کچھ ثبوت اکٹھے کیے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ چچا جان کو اس

کیس میں Involve کرنے ــــــــــــ باقاعدہ پلاننگ کی گئی ہے۔

سعیدہ: (خوش ہوکر) اچھا۔

خالد: ہاں اور یہ تیار رہا ہے کہ......

سمیع : (ٹوکتے ہوئے بغل میں سے البم نکال کر دوپٹہ پرانا سعیدہ کی طرف بڑھاتے ہوئے) وہ بات لمبی ہے سعیدہ بہن۔ آپ ذرا اسے دیکھئے۔

سعیدہ : یہ کیا ہے ؟

سمیع : اس میں ارد گرد کے تین تھانوں میں درج عادی جرائم پیشہ افراد کی تصویریں ہیں۔ آپ ذرا دیکھ کے بتائیں جو آدمی آپ کا سوئی گیس کا میٹر چیک کرنے آیا تھا ان میں سے تو نہیں۔

(سعیدہ تصویریں دیکھنے لگتی ہے سمیع اس کے تاثرات کا جائزہ لیتا ہے۔)

سعیدہ : توبہ...... کیسی کیسی خوفناک شکلیں ہیں۔

سمیع : جی ہاں۔ مگر بعض شکلیں آپ کو ان میں ایسی معصوم بھی نظر آئیں گی کہ یقین نہیں آتا یہ کسی مجرم کا چہرہ بھی ہو سکتا ہے۔

(اختر پر ٹائٹ کرتے ہیں جو اس بات سے نمایاں طور پر چونکتا ہے۔)

خالد : (ہنستے ہوئے) تمہارا اپنے چہرے کے بارے میں کیا خیال ہے ؟

سمیع : (مسکراتے ہوئے) تمہاری نسبت کم مشکوک ہے۔

(دونوں ہنستے ہیں)

بھائی میرے، بھولا بھالا چہرہ ہوتا ہے۔ جیسے ....

(اختر کی طرف اشارہ کرتا ہے)

جیسے ان کا ہے۔

اختر : (گھبرا کر دیکھتا ہے) جی ——— ؟

سمیع : I AM SORRY۔ میں اسے مثال دے رہا تھا....

سعیدہ : (البم بند کرتے ہوئے) ان میں تو نہیں جی۔

سمیع : (سوچتے ہوئے) اس کا ذرا حلیہ ایک بار پھر دہرائیے گا۔ عمر اندازاً کتنی ؟

سعیدہ : تیس چالیس سال ہو گی۔

سمیع : تیس اور چالیس کے درمیان تو دس سال ہوتے ہیں، بی بی۔ ذرا ذہن پر زور دیجئے....

سعیدہ : (سوچتے ہوئے) میرا خیال ہے ....

سین نمبر ۲

(جمال کا دفتر)

عابد : (مسکراتے ہوئے) تو گویا اس نے تمہیں بالکل گھاس نہیں ڈالی۔

(جمال نفی میں سر ہلاتا ہے)

حیرت ہے !

جمال : (لہجے میں ہلکی سی خجالت ہے) عجیب پتھریلی سی عورت ہے۔ بات ایسے کرتی ہے جیسے برف کی ڈلیاں پھینک رہی ہو۔

عابد : تم تو کہتے تھے میں پتھر میں بھی جونک لگالیتا ہوں۔

جمال : میرے خیال میں اتنی لمبی بیوگی نے اس کے اندر کی عورت کو KILL کر دیا ہے۔ مسلسل تنہائی بھی تو کھاتی ہے نا اندر سے۔

عابد : جو بھی ہو..... مگر یار..... ابھی تک اس عورت میں ایک عجیب طرح کا چارم ہے۔

جمال : ہاں۔ GRACEFUL تو ہے۔ مگر..... خیر لعنت بھیجو۔

عابد : چلو تمہیں بھی ایک عورت تو ایسی ٹکری..... جسے تم متاثر نہیں کر سکے۔

جمال : (کمزور احتجاجی لہجے میں) اب ایسی بھی بات نہیں ——— در اصل میں.....

عابد : (ہنستے ہوئے) اچھا اب اتنے بہانے ڈھونڈنے کی کیا ضرورت ہے۔ نپولین بھی تو آخر شکست کھا ہی گیا تھا۔ SHE IS YOUR WATERLOO

جمال : میرا طریقہ واردات ہی غلط تھا..... مجھے چاہیئے تھا کہ...

عابد : (سوچتے ہوئے) عمر تو کافی ہوگی اس کی..... پندرہ سال تو میاں احمد کو مرے ہو چلے ہیں۔ لیکن بہت MAINTAIN کر کے رکھا ہے اس نے اپنے آپ کو...

SHE DOES'NT LOOK MORE THEN .... THIRTY, THIRTY one

جمال : نہیں THIRTY FIVE کی لگتی ہے..... یہیں تو گڑبڑ ہو گئی ہے مجھ سے..... مجھے سمجھ لینا چاہیئے تھا کہ اس عمر کی خاتون پر.....

(ایک دم رک جاتا ہے۔)

یار تم کوئی اور بات نہیں کر سکتے۔

عابد : تم تو واقعی بڑے DEPRESSED ہو.....

(یاد کرتے ہوئے)

ہاں..... وہ کل پھر اشتہار آیا تھا تمہارا..... کیسے ایڈجسٹ کرتے ہو اتنی لڑکیوں کو؟.....

کام تو تمہارا اتنا زیادہ نہیں۔

جمال : آدمی کماتا کس لیے ہے یار..... کل ایک ایسی کمال کی لڑکی آئی تھی..... مجھے اسی منحوس انیسہ احمد کی طرف جانا تھا..... وہ بھی نکل گئی ہاتھ سے ——— اس کم بخت غمی سے ہینڈل ہی نہیں ہوئی۔

عابد : حالانکہ..... بہت ——— چلتا پرزہ ہے یہ ———

جمال : غریب اور ضرورت مند لڑکی جب شروع شروع میں نوکری کے لیے نکلتی ہے تو بالکل کڑک مرغی کی

طرح ہوتی ہے! ——— لگتا ہے آج کل میرا ستارہ ہی کچھ گردش میں ہے۔

(اٹھتے ہوئے)

آؤ کلب چلتے ہیں۔

عابد : نہیں یار ——— مجھے ایک ضروری کام ہے.... رفیق کے بندے میرا انتظار کر رہے ہونگے۔

سین نمبر ۳

(کیمرہ رفیق کے چہرے پر اوپن ہوتا ہے جو ایک درخت کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھا ہے۔ اس کے عقب میں ایک گراؤنڈ دکھائی دے رہی ہے۔ رفیق درختوں کے درمیان سے گراؤنڈ کی طرف جانے والے رستے پر نظریں جمائے بیٹھا ہے۔ چہرے سے گہری سنجیدگی اور معمولی سی بیقراری نمایاں ہے۔ ایک دم چونکتا ہے۔ بیڑی منہ سے نکال کر پھینکتا ہے۔ ٹ ... کر کے دکھاتے ہیں کہ ملکوں کا لڑکا ٹریک سوٹ پہنے ہاکی گھماتا ہوا اس راستے پر آ رہا ہے۔ ٹ ... کر کے رفیق پر آتے ہیں جو چادر اس طرح لپیٹ رہا ہے کہ اس کا چہرہ چھپ جائے ایک درخت کی آڑ میں ہوتا ہے۔ ملکوں کا لڑکا بے پروائی سے سیٹی بجاتا اور رستے میں پڑے ہوئے پتھروں کو ہاکی سے ضربیں لگاتا اس درخت کے قریب پہنچتا ہے جس کے پیچھے رفیق چھپا ہے۔ رفیق ایک دم سامنے آتا ہے اور رستہ روک کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ لڑکے کے چہرے پر حیرت اور پریشانی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔)

رفیق : یہ ہاکی تو دکھاؤ ذرا باؤ۔

لڑکا : گگ ——— گگ ——— کیوں؟

رفیق : سنا ہے اس سے تم سر بہت اچھی طرح پھاڑتے ہو۔

لڑکا : کون ہو تم۔

(رفیق ایک دم لپک کر اس کو گریبان سے پکڑتا ہے اس کا بازو مروڑ کر ہاکی چھینتا ہے لڑکا دھکے کی وجہ سے زمین پر گرتا ہے۔ لڑکے کے چہرے کا خوفزدہ کلوز۔ وہ دونوں ہاتھ بچنے کے انداز میں اپنے چہرے کے آگے کرتا ہے)

سین نمبر ۴

رفیق - بھابی - نبیلہ -

(رفیق اسی ڈھیلے ڈھالے پینٹ کوٹ میں ملبوس ہے۔ سامنے میز پر ایک پلیٹ میں روٹی رکھی ہے۔ قریب ہی گمری پلیٹ میں دہی ہے۔ نبیلہ پلیٹ میں روٹی لے آتی ہے۔

رفیق : نہیں بیٹا بس..... اب گنجائش نہیں ہے. کیا FULL

(پیٹ پر ہاتھ پھیرتا ہے)

نبیلہ : امی کہتی ہیں اس میں آلو میں نے زیادہ ڈالے ہیں. آپ کو زیادہ میٹھی والی اچھی لگتی ہے نا.

رفیق : لگتی تو ہے بابا...... مگر جگہ بھی تو ہو پیٹ میں. چلو یہ تم کھاؤ. شاباش ——

نبیلہ : میں نے ناشتہ کر لیا ہے.

رفیق : تو پھر کیا ہوا —— کھاؤ شاباش.

نبیلہ : ہماری مس کہتی ہیں کھانوں کے درمیان ہمیشہ وقفہ رکھنا چاہیئے اس سے صحت اچھی رہتی ہے.

رفیق : ایک تو یہ آج کل کی پڑھائیاں بڑی عجیب و غریب ہیں. کیا. روٹی بھی آرام سے نہیں کھانے دیتے.

بھابی : (ہاتھ صاف کرتے ہوئے آتی ہے) اس نے لگا لیا ہو گا تمہیں باتوں میں. بڑی باتیں کرنی ہے پتہ نہیں کس پر گئی ہے.

نبیلہ : لو. میں تو بولی بھی نہیں..... پوچھ لیں چاچا جی سے.

رفیق : (ہنستے ہوئے) اس کو نہ روکا کریں بھابی —— اتنی مزیدار باتیں کرتی ہے.

بھابی : (روٹی کی طرف اشارہ کر کے) یہ کھائی کیوں نہیں. مزا نہیں آیا.

رفیق : (پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے) یہ کم بخت بھر گیا ہے بھابی. کیا. نیت نہیں بھری! گھر کی پکی ہوئی ہوئی روٹی کا اپنا ہی مزا ہے.

بھابی : اسی لیے تو کہتی ہوں اب شادی کر لو. عورت گھر میں ہو تو ہزار طرح کا سکھ ہوتا ہے.

رفیق : (ایک دم سنجیدہ ہوتا ہے) شادی.

(دکھ سے مسکراتا ہے)

شادی میں کیسے کر سکتا ہوں بھابی. ابھی مجھے بہت سے کام کرنے ہیں. بڑے قرض چکانے ہیں ابھی.

بھابی : کام تو زندگی کے ساتھ ساتھ ہیں.

نبیلہ : اور کیا —— کر لیں نا چاچا جی شادی.

رفیق : تمہارے اباجی آ لیں بیٹی —— اس گھر کا سایہ آ جائے. اس کے سر پہ —— پھر دیکھیں گے.

بھابی : (آبدیدہ ہو کر) جس طرح تم نے میری اور میرے بچوں کی پرورش کی ہے....

رفیق : (بے چین ہو کر اٹھتے ہوئے) خدا کے لیے بھابی —— مجھے گناہگار نہ کریں —— آپ لوگوں کے سوا میرا ہے ہی کون. کیا. کون ہے میرا!

(ناصر زور سے دروازہ کھولتا ہے. سخت پریشان...)

ناصر : چاچا جی —— وہ —— —

رفیق : کیا بات ہے! ...پریشان کیوں ہو اتنے۔

ناصر : کسی نے ملکوں کے لڑکے کو مار مار کر بے ہوش کر دیا ہے۔ ملک پستولیں لے کر پھر رہے ہیں۔

رفیق : اچھا ـــــ کس نے مارا ہے اسے۔

ناصر : پتہ نہیں جی۔ سنا ہے کوئی نقاب پوش تھا۔

رفیق : (ہنستا ہے) نقاب پوش۔ کیا کسی عورت نے مارا ہے اسے۔ آؤ ذرا خبر لے آئیں اس کی۔ آخر تمہارا محلے دار ہے۔

سین نمبر ۵

(ملکوں کا لڑکا پٹیوں میں لپٹا زخمی حالت میں بستر پر پڑا ہے۔ ارد گرد اس کے رشتہ دار اور محلے کے کچھ لوگ کشیدہ چہروں کے ساتھ کھڑے ہیں۔)

(ملک بول رہا ہے)

ملک : اس علاقے میں خون کی ندیاں بہیں گی۔ میرے بچے پر اٹھنے والا ہاتھ اگر سالم رہ گیا تو لعنت ہے مجھ پر۔

(رفیق اور ناصر آتے ہیں۔ رفیق کے چہرے پر پریشانی اور ہمدردی نمایاں ہے۔)

رفیق : السلام علیکم۔ بہت افسوس ہوا ملک صاحب۔ زیادہ چوٹ تو نہیں آئی بچے کو۔

(ملک گھور کر رفیق کی طرف دیکھتا ہے گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھتا ہے۔ رفیق جان بوجھ کر انجان بنا رہتا ہے اور زخمی لڑکے کی چوٹوں کا جائزہ لیتا ہے۔ ساتھ ساتھ افسوس کا اظہار کرتا ہے)

رفیق : بہتر ہوتا اگر آپ اسے ہسپتال میں داخل کرا دیتے۔

ملک : ہسپتال کا بڑا ڈاکٹر خود اس کی پٹی کر کے گیا ہے ـــ یہاں۔

رفیق : اچھا نہیں جی۔ آخر آپ شہر کے اتنے معزز لوگ ہیں۔ کیا ..... اتنے بڑے آدمی ہیں۔

ایک آدمی : سمجھ میں نہیں آتا اس علاقے میں کس کو جرأت ہو سکتی ہے ملک صاحب پر ہاتھ اٹھانے کی۔

دوسرا آدمی : نہیں، یہاں کا کوئی آدمی ایسی جرأت نہیں کر سکتا۔

ملک : ایک دفعہ مجھے اس کا پتہ چل جانے دو۔

رفیق : کوئی بہت ہی بیوقوف آدمی ہوگا۔ کیا۔ یہ تو پہاڑ سے ٹکر لینے والی بات ہے..... اچھا ملک صاحب اللہ تعالیٰ بچے کو جلدی صحت دے۔

دو تین آدمی : آمین۔

رفیق : آؤ، ناصر بیٹے، ابھی تمہاری بھی پٹی کرانی ہے۔

(ملک چونک کر جاتے ہوئے رفیق کی طرف دیکھتا ہے۔ سوچ میں پڑ جاتا ہے۔

سین نمبر ۶

(احمد۔ سلمیٰ۔ نیلم۔ احمد کاغذات پر دستخط کروا رہا ہے)

احمد (ایک اور کاغذ پر انگلی رکھتے ہوئے) ایک SIGNATURE یہاں اور ایک یہاں کرنے ہیں۔

نیلم بس کریں ابو۔ میرے تو ہاتھ دکھنے لگے ہیں۔

احمد بس تھوڑے سے اور ہیں۔

نیلم اتنے زیادہ SIGNATURES ؟

(دستخط کرتی ہے)

احمد قانونی کاغذات اسی طرح بنتے ہیں بیٹی۔

(روکتے ہوئے)

نہیں۔ اس پر یہاں ـــــــــــ یہ جدھر کراس لگا ہوا ہے۔

(نیلم جلدی جلدی دو تین دستخط کرتی ہے۔)

نیلم اب میں جاؤں۔

(احمد اشارے سے ہاں کہتا ہے۔)

نیلم : (جاتے ہوئے) تھینک یو ویری مچ۔

(احمد کاغذات کو ترتیب سے رکھتا ہے۔ سلمیٰ چند لمحے غور سے اس کی طرف دیکھتی ہے)

سلمیٰ یہ آپ کو کیا سوجھی ہے۔

احمد ایسے ہی۔ کوئی خاص بات نہیں۔

سلمیٰ ایک طرف آپ جائداد تقسیم کر رہے ہیں دوسری طرف..... سچ سچ بتایئے کیا معاملہ ہے۔

احمد دیکھو سلمیٰ۔ میں نے تمہیں کتنی مرتبہ بتایا ہے کاروبار کے کچھ اپنے چکر ہوتے ہیں۔ جب تم ایک چیز سے واقف ہی نہیں ہو تو اس کی تفصیلات میں تمہیں کیا بتاؤں۔

سلمیٰ وہی۔ سردار صاحب والا معاملہ ہے۔

(احمد اثبات میں سر ہلاتا ہے)

کام شروع کیوں نہیں کرا رہے آپ۔

احمد ڈیزائن میں کچھ CHANGES کرائی ہیں۔ ان کی وجہ سے DELAY ہو رہی ہے۔

(دونوں ہاتھوں سے سر دباتا ہے)

بہت سخت درد ہو رہا ہے۔ ویلیم نہ کھا لوں۔

سلمیٰ نہیں۔

احمد : اس کے بغیر نیند نہیں آتی مجھے۔

سلمیٰ اسی لیے تو منع کرتی ہوں کہ اتنا زیادہ نہ سوچا کریں۔ ذہن کو سکون ہو تو نیند آئے نا۔

احمد : یہ پراجیکٹ ختم ہو لے پھر آرام ہی آرام ہے۔

سلمیٰ : یہ بات تو آپ پچھلے کئی برسوں سے کر رہے ہیں۔ یہ ختم ہو لے وہ ختم ہو لے۔ ایک کام ختم نہیں ہوتا، آپ دوسرا شروع کر دیتے ہیں۔ ایسے تو کبھی آرام نہیں ملے گا۔

احمد : آدمی کام کرتا ہوا ہی اچھا لگتا ہے سلمیٰ۔ بے کار آدمی کی بھی کوئی زندگی ہے۔

سلمیٰ : ہر چیز کی کوئی حد ہوتی ہے احمد صاحب۔

احمد : نہیں سلمیٰ۔ کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ دولت بھی ان میں سے ایک ہے۔ میرا جی چاہتا ہے، میرے چاروں طرف سونے کے پہاڑ ہوں۔ اور وہ مسلسل اونچے ہوتے رہیں..... اونچے۔ اور اونچے۔

سلمیٰ : (ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے، چاہے آدمی خود ان میں چھوٹا سا رہ جائے۔

(احمد گھور کر اس کی طرف دیکھتا ہے۔ سلمیٰ نظریں جھکا لیتی ہے)

سین نمبر ۷

(فقیر حسین ترازو پر کچھ تول رہا ہے۔ لفافہ گاہک کو دے کر پیسے لیتا ہے۔ گاہک جاتا ہے چند لمحے بعد دکاندار رحمت علی آتا ہے۔ فقیر حسین اسے دیکھ کر مسکراتا ہے۔)

فقیر حسین : آؤ، آؤ بھائی رحمت علی۔ بیٹھو کیسی طبیعت ہے۔

رحمت : (بیٹھتے ہوئے) اللہ کا شکر ہے۔ آپ سنائیں۔

فقیر حسین : بڑا کرم ہے اس مولا کا۔ بڑی اچھی گزر رہی ہے۔

رحمت : (ہچکچاتے ہوئے) میں۔ آپ سے ایک بات کرنے آیا تھا۔

فقیر حسین : ہاں۔ ہاں۔ کہو۔

رحمت : آپ کو پتہ ہے اس محلے میں کریانے کی دکان ہماری خاندانی ہے۔

فقیر حسین : کیوں نہیں پتہ بھائی، تیس برس میں نے تم سے سودا خریدا ہے۔

رحمت : آج کل کے حالات کا بھی آپ کو پتہ ہے جب سے روپے کی قیمت گری ہے.... ہر چیز کی قیمت آسمان پر پہنچ گئی ہے۔

فقیر حسین : ہاں بھائی۔ اس مہنگائی نے تو سب کو عاجز کر رکھا ہے۔

رحمت : میرے آٹھ بچے ہیں۔ اور سب کے سب پڑھتے ہیں۔

فقیر حسین : مجھے پتہ ہے بھائی رحمت علی۔ میرے ہاتھوں کے کھیلے ہوئے ہیں تمہارے بچے۔

رحمت : اس کے باوجود آپ نے میرے مقابلے میں دکان کھول لی ہے۔

(پریشان ہو کر)

فقیر حسین: مقابلے میں نہیں بھائی رحمت علی..... میں نے تو

رحمت: (قدرے اشتعال سے) کیا مل جائے گا آپ کو میرے بچوں کے پیٹ پر لات مار کر۔

فقیر حسین: نہیں نہیں بھائی رحمت علی۔ ایسے مت سوچو۔ میں نے یہ دکان خدانخواستہ تمہیں تکلیف دینے کے لیے نہیں بنائی۔ میں تو خود.....

رحمت: آپ کو اندازہ نہیں کہ اس ایک ہفتے میں مجھ پر کیا گزر گئی ہے۔ میری سیل SALE آدھی بھی نہیں رہی۔ چھوٹا سا تو یہ محلہ ہے۔

فقیر حسین: مگر بھائی رحمت علی.....

رحمت: اور پھر اگر آپ نے دکان کھولنی ہی تھی تو مجھ سے بات تو کر لی ہوتی۔ کم از کم ہم مل جل کر چیزوں کے ریٹ ہی طے کر لیتے۔

فقیر حسین: ریٹ تو میں نے بہت مناسب رکھے ہیں بھائی رحمت علی۔

رحمت: یہی تو میں بھی رو رہا ہوں۔ کیا ضرورت ہے آپ کو اتنی سستی چیزیں بیچنے کی۔ آدمی کو کوئی اپنا نفع بھی رکھنا چاہیئے۔

فقیر حسین: رکھا ہے بھائی رحمت علی۔ رکھا ہے۔ دس فیصد منافع رکھا ہے میں نے۔

رحمت: دس فیصد۔

یعنی ایک روپے پر دس پیسے۔

(فقیر حسین اثبات میں سر ہلاتا ہے)

یعنی کم از کم پانچ سو روپے کی SALE ہو تب جا کر پچاس روپے منافع ہو گا۔

فقیر حسین: ہاں۔

رحمت: اس طرح تو گزارہ نہیں ہو گا جناب۔ ذرا مہنگائی دیکھیے۔

فقیر حسین: انہی باتوں سے تو یہ مہنگائی ہوئی ہے بھائی رحمت علی۔ جب ہم اپنا منافع بڑھاتے ہیں تو دوسرے بھی یہی کرتے ہیں۔

رحمت: کمال کرتے ہو آپ بھی۔ آپ کا خیال ہے ہمارے منافع گھٹانے سے ساری دنیا کے ریٹ ڈاؤن ہو جائیں گے۔

فقیر حسین: ہاں بھائی۔ یہ میرا خیال ہی نہیں۔ ایمان ہے

رحمت: کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ۔

فقیر حسین: میں ٹھیک کہہ رہا ہوں بھائی رحمت علی۔ مجھے پتہ ہے کہ تمہارے بہت سے بچے ہیں۔ تمہاری آمدنی تمہارے اخراجات کی نسبت کم ہے۔ مگر اس طرح تو یہ مسئلہ ساری عمر حل نہیں ہو گا۔ کسی نہ کسی کو تو آگے آنا چاہیئے۔ انشاءاللہ ہماری دیکھا دیکھی اور لوگ بھی اس طرح سوچنے لگیں گے۔

(بے زاری سے)

رحمت: کسی نے نہیں سوچنا جناب۔ کسی کے پاس ٹائم نہیں ہے ایسی فضول باتیں سوچنے کا۔ آپ مہربانی کرو۔ اگر دکان کھول ہی لی ہے تو اس کو عوامی شفاخانہ مت بناؤ۔ خود بھی کھاؤ ہم کو بھی کھانے دو......

فقیر حسین: یہی مصیبت ہے ہم لوگوں میں۔ ہم چاہتے ہیں ہمیں کچھ نہ کرنا پڑے۔ اور باقی لوگ ٹھیک ہو جائیں۔ کچھ لینے کے لیے کچھ دینا پڑتا ہے بھائی رحمت علی۔ قربانی کرنی پڑتی ہے۔

(اٹھتے ہوئے)

رحمت: قربانی میں اللہ کے فضل سے ہر سال کرتا ہوں۔ آپ سے پرانے تعلقات ہیں اس لیے سمجھانے آگیا تھا۔ آگے آپ کی مرضی۔

(رحمت جاتا ہے۔ فقیر حسین حیرت سے اس کی طرف دیکھتا ہے۔ کیمرہ ترازو پر جاتا ہے)

سین نمبر ۸

(ایک چھوٹے سے دیوار گیر شیشے میں سعیدہ جلدی جلدی اپنے بال سنوار رہی ہے میز پر پڑی ہوئی پرانی سی گھڑی کی طرف دیکھتی ہے جس پر سوا دس بجے ہیں۔ اختر اسی میز پر ایک ڈائجسٹ رکھے بڑی دلچسپی سے پڑھ رہا ہے۔)

سعیدہ: دیکھنا یہ گھڑی ٹھیک ہے۔

اختر: پہلے کبھی ہوئی ہے۔ (پھر پڑھنے لگتا ہے)

(سعیدہ گھڑی اٹھا کر کان سے لگاتی ہے۔ چند لمحے سننے کی کوشش کرتی ہے)

سعیدہ: ذرا دیکھنا، مجھے تو آواز نہیں آرہی۔

اختر: چابی ختم ہو جائے تو آواز نہیں آیا کرتی۔ UNDER STAND اب مجھے پڑھنے دو۔

سعیدہ: (گھڑی کو چابی دیتے ہوئے) یہ کیا بکواس پڑھتے رہتے ہو ہر وقت

اختر: بڑی مزیدار قسط ہے ایمان سے۔ ہیرو کو پندرہ آدمیوں نے گھیرا ہوا ہے اور وہ سب کو مار رہا ہے۔

سعیدہ: (رسالے پر ہاتھ رکھتے ہوئے) پہلے ٹائم بتاؤ۔

اختر: (گھڑی دیکھتے ہوئے) ساڑھے گیارہ۔

سعیدہ: بیڑا غرق۔

اختر: اس پر سے تو ہاتھ اٹھاؤ۔

سعیدہ: تمہاری گھڑی ٹھیک ہے نا؟

(بے تابی سے پوچھتی ہے جیسے نفی میں جواب چاہتی ہو)

اختر : خیال تو یہی ہے۔

سعیدہ : پھر تو مجھے فوراً چلنا چاہیئے۔

اختر : کہاں جا رہی ہو۔

سعیدہ : انٹرویو۔ (چیزیں سمیٹتی ہے)

اختر : کل بھی تم ......؟

سعیدہ : ہاں۔ مگر وہ لوگ مجھے پسند نہیں آئے۔

اختر : سبحان اللہ۔ تم انٹرویو دینے گئی تھیں یا لینے۔

(فقیر حسین کمرہ میں داخل ہوتا ہے۔ کمر پہ ہاتھ رکھ کر انگڑائی لیتا ہے)

فقیر حسین : لاحول ولاقوۃ۔ یہ کمر پتہ نہیں کیوں دکھنے لگی ہے۔ کہیں جا رہی ہو بیٹی۔

سعیدہ : جی ابو۔ اے آئی ڈولن ملز کی طرف سے کال آئی ہے۔

فقیر حسین : اچھا۔ ایک کپ چائے دیتی جانا بیٹی۔

(سعیدہ وقت کے بارے میں پریشانی چھپانے کی کوشش کرتی ہے)

سعیدہ : اچھا ابا۔ ابھی..... بناتی ہوں۔

فقیر حسین : (مڑکر جاتے ہوئے) ادھر دکان میں ہی دے دینا۔

سعیدہ : جی اچھا۔

(فقیر حسین جاتا ہے۔ سعیدہ بے بسی سے اختر کی طرف دیکھتی ہے اختر مسکراتا ہے۔ سعیدہ اشارے سے کہتی ہے۔ بنا دو گے۔ اختر اشارے سے اثبات میں جواب دیتا ہے)

سعیدہ : چینی چھوٹے نیلے ڈبے میں ہے۔

اختر : میں ڈھونڈ لوں گا تم جاؤ۔

(سعیدہ اس کا گال تھپک کر جاتی ہے۔ اختر رسالہ بند کر کے کاہلی سے اٹھتا ہے)

سین نمبر ۹

(رفیق کا ڈیرا۔ عابد اور ریاست، سلامت سے باتیں کر رہے ہیں)

سلامت : میں نے آپ سے عرض کیا ہے نا جناب۔ استاد ایک ضروری کام سے کہیں گیا ہوا ہے اور کچھ پتہ نہیں ابھی اسے کتنے دن لگیں گے۔

ریاست : اس کو ہمارا پیغام تو پہنچا دو سائیں۔

سلامت : پیغام پہنچا سکتا تو مجھے کیا اعتراض تھا بھائی صاحب۔ استاد نے سختی سے منع کیا ہوا ہے۔

عابد : تو تمہیں کچھ اندازہ نہیں اس کی واپسی کا۔

سلامت : میرے حساب سے تو اس کو اب تک آجانا چاہیئے تھا، لہٰذا میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔

عابد : (ریاست سے) ٹھیک ہے پھر اب کیا ہو سکتا ہے۔ آؤ چلیں۔

سلامت : آپ کچھ کام کی نوعیت تو عرض کریں۔ ہو سکتا ہے ہم ہی اس کو سرانجام دے دیں۔

عابد : نہیں، میں تمہارے استاد سے ہی بات کروں گا

سلامت : آپ کی مرضی۔

ریاست : سائیں، جب آپ کا استاد آئے تو اس کو آکھنا، سردار صاحب کی کوٹھی پر ریاست سے بات کرلے

ریاست میرا نام ہے سائیں۔

سلامت : مجھے پتہ ہے بادشاہ۔ معلوم ہے مجھے۔

ریاست : (عابد سے) آؤ سائیں۔

عابد : (سوچتے ہوئے آہستہ سے بات کرتا ہے) اور کوئی آدمی ہے تمہاری نظر میں۔

ریاست : (نفی میں سر ہلاتے ہوئے) یہاں نہیں ہے سائیں۔

(عابد سوچ میں پڑ جاتا ہے)

سین نمبر ۱۰

(باہر کورٹ کی عمارت سے PAN کرتا ہوا کیمرہ۔ سردار جہانگیر پر زوم ان ہوتا ہے جو دو تین آدمیوں اور ایک وکیل کے ساتھ باتیں کرتا ہوا اپنی موٹر کی طرف آرہا ہے قریب پہنچنے پر ریاست جو موٹر میں تھا باہر نکل کر دروازہ کھولتا ہے۔ یہاں سے آواز اِن ہوتی ہے۔ جہانگیر وکیل کو ہدایت دے رہا ہے۔)

جہانگیر : تم اسی بات پر ڈٹے رہو سائیں کہ قتل کے وقت فرید خان فیکٹری میں ڈیوٹی پر موجود تھا۔

وکیل : مگر سردار صاحب .... ٹائم کیپر کی گواہی اور حاضری رجسٹر سے تو ....

جہانگیر : جو کام تمہیں کہا جاتا ہے سائیں، وہ کیا کرو۔ عدالت میں نہ کوئی رجسٹر پیش ہوگا۔ نہ ٹائم کیپر۔ اس کا بندوبست ہو جائے گا۔ (گاڑی میں بیٹھتا ہے) تم کب آئے ہو ریاست۔

ریاست : ابھی پہنچا ہوں سائیں۔

(باقی آدمیوں کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھتا ہے۔ وکیل واپسی کے لیے مڑتا ہے موٹر چلتی ہے)

جہانگیر : کام ہو گیا ہے۔

ریاست : نہیں سائیں۔ رفیق کہیں گیا ہوا ہے۔

جہانگیر : کام کیا ہے ؟

ریاست: کوئی مکان شکان خالی کرانے کا چکر ہے سائیں۔

جہانگیر: مکان۔ بس۔

ریاست: ہاں سائیں۔ ایسی ہی کچھ بات لگتی ہے۔

جہانگیر: اور اس کے لیے یہ لوگ کرائے کے بدمعاش ڈھونڈ رہے ہیں۔

(کیمرہ جہانگیر کے کلوز پر آتا ہے جو کسی سوچ میں پڑ گیا ہے۔)

سین نمبر ۱۱

فقیر حسین کا کمرہ۔

سمیع سویلین لباس میں۔

سمیع: دیکھیے قبلہ آپ کے تعاون کے بغیر ہمارا کسی نتیجے پر پہنچنا ممکن نہیں۔ سازش آپ کے خلاف یقیناً کی گئی ہے۔ مگر کیوں اور کس نے۔ یہ دو سوال ایسے ہیں جن کا جواب صرف آپ دے سکتے ہیں۔

فقیر حسین: کسی مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان پر تہمت یا بہتان لگانے سے سنگین کوئی جرم نہیں ہو سکتا۔ اگر میں کسی پر شبے کا اظہار کروں اور وہ بے گناہ نکلے ..... تو۔ تو میں حشر کے روز اسے کیا منہ دکھاؤں گا۔

سمیع: دیکھیے جناب اب ہمارے پاس کوئی الہ دین کا چراغ تو ہے نہیں کہ ہم گھر بیٹھے مجرموں کا پتہ چلا لیں کسی کیس کی مختلف کڑیاں ملانے سے ہی ہم کسی نتیجے پر پہنچتے ہیں۔

فقیر حسین: اگر میں یہ کہوں کہ میری کسی سے دشمنی نہیں پھر۔

سمیع: ہو سکتا ہے کسی دوسرے کو آپ سے دشمنی ہو۔

(فقیر حسین سوچ میں پڑ جاتا ہے)

ذہن پر زور دیجیے۔ کوئی ایسا شخص جس کو اس سے فائدہ پہنچ سکتا ہو۔

فقیر حسین: (چند لمحے سوچتا رہتا ہے پھر نفی میں سر ہلاتا ہے) نہیں۔ نہیں ایس پی صاحب۔ میں کسی پر شبے کا اظہار نہیں کرنا چاہتا۔ کیونکہ اس میں بھی نقصان میرا ہی ہے۔

سمیع: (قدرے برہم ہو کر) اب دیکھیے آپ لوگ خود پولیس سے تعاون نہیں کرتے اور پھر نکتہ چینی بھی کرتے ہیں کہ پولیس آپ کے مسائل حل نہیں کرتی۔

فقیر حسین: آپ بالکل بجا فرما رہے ہیں۔ لیکن میں بھی مجبور ہوں۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے ایس پی صاحب کہ آدمی کنوئیں اور کھائی کے درمیان معلق ہو کر رہ جاتا ہے۔

سمیع: خالد تو بتا رہا تھا کہ آپ اصول کے معاملے میں کسی چیز کی رعایت نہیں کرتے۔

فقیر حسین: (دکھ سے مسکراتا ہے) آپ اس کیس میں خصوصی دلچسپی خالد کی وجہ سے لے رہے ہیں نا۔

سمیع : جی ہاں۔

فقیر حسین : یعنی اگر وہ آپ کا دوست نہ ہوتا تو آپ شاید خود اس تفتیش کی زحمت نہ کرتے۔

سمیع : (قدرے پریشانی میں) جی ہاں۔ اس لیول کی انکوائری عام طور پر ہمارے اے ایس آئی کرتے ہیں۔

فقیر حسین : گویا آپ بھی اپنے اصول سے انحراف کر رہے ہیں۔ (سمیع بے بسی میں کچھ کہنے کی کوشش کرتا ہے) کچھ نقاب ایسے ہوتے ہیں ایس پی صاحب۔ جنہیں آپ اس ڈر سے نہیں اٹھاتے کہ کہیں ان کے نیچے وہی چہرہ نہ نکل آئے۔ جسے آپ دیکھنا نہیں چاہتے۔ میری بات سمجھ رہے ہیں آپ۔

سمیع : (سوچتے ہوئے جانے کو اٹھتا ہے) کچھ کچھ۔
سعیدہ بی بی آئیں تو انہیں کہیئے گا، کل کسی وقت مجھے آفس میں مل لیں۔

(فقیر حسین اثبات میں سر ہلاتا ہے۔ سمیع کچھ سوچتے ہوئے جاتا ہے)

سین نمبر ۱۲

جمال کا دفتر۔

(جمال سخت پریشانی کے عالم میں ہے۔ سعید غنی بھی پریشانی کے عالم میں کھڑا ہے)

جمال : یہ۔ یہ سب کیسے ہو گیا غنی۔

غنی : میری تو خود سمجھ میں نہیں آ رہا جمال صاحب آپ تو خود ان لوگوں سے مل کر آئے ہیں۔ اتنی SOLID اور ESTABLISHED پارٹی تھی۔

جمال : میز پر پڑے ہوئے کاغذات اٹھا کر انتہائی مایوسی کے عالم میں دیکھتا ہے۔ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑتا ہے، ہم تباہ ہو جائیں گے غنی۔

غنی : صبح سے تین چار TALEX دے چکا ہوں۔ کوئی جواب نہیں آ رہا۔

جمال : میں نے تمہیں سمجھایا تھا ایسا مت کرو تین چار لاکھ کی کسٹم ڈیوٹی بچانے کے لیے تم نے تیس لاکھ کی رقم ڈبو دی ہے۔ کہاں سے ادا کروں گا میں یہ رقم۔

غنی : میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا سر۔ وہ لوگ ...... وہ ایسا نہیں کر سکتے۔

جمال : (کاغذ اٹھا کر اس کی طرف پھینکتا ہے) وہ ایسا کر چکے ہیں غنی۔ یہ پڑھا نہیں تم نے۔ اوہ خدایا اب میں دنیا کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ سارے شہر میں لوگ انگلیاں اٹھائیں گے مجھ پر اُف۔

غنی : حوصلہ رکھیئے سر۔

جمال : اب بیارہ گیا ہے حوصلہ رکھنے کو اس وقت میں نے تمہیں روکا تھا کہ ایل سی (L/C) کھلوائے بغیر سپلائی مت کرو۔ آدمی ننھا ہو جاتا ہے۔ اب میں کہاں سے PAYMENT کروں گا۔ مرزا صاحب تو دو تین دفعہ اشارتاً کہہ بھی چکے ہیں۔

غنی : ان سے کچھ مہلت لے لیں سر۔

جمال : کس کس سے لوں گا مہلت۔ اُف خدایا۔ اب کیا ہوگا۔

(غنی پریشانی کے عالم میں بیٹھ کر ایک کاغذ کو دو بار۔ پڑھتا ہے کاغذ رکھ کر سوچ میں پڑ جاتا ہے۔ جمال استہزائیہ ہنسی ہنس کر جیسے اپنے آپ سے بات کرتا ہے)

ہم اُدھر وولن ملز کا پلانٹ لگانے کے چکر میں تھے اور یہاں جھگڑا ہی صاف ہو گیا ہے۔

غنی : ہم اس خبر کو چھپا تو سکتے ہیں سر۔

جمال : کب تک۔ (غنی کا جواب سا ہو کر سر جھکا لیتا ہے) ایک ہفتے کے اندر اندر سب لوگ میری بوٹیاں نوچنے کے لیے جمع ہو جائیں گے۔ جیسے گدھ کسی مُردار پر حملہ کرتے ہیں۔ اوہ نو۔ نو۔

(ہسٹریائی انداز میں میز پر پڑی ہوئی چیزیں پھینکتا ہے)

نو —— No —— No

سین نمبر ۱۳

(فقیر حسین ایک گاہک کو سودا دے رہا ہے گاہک پیسے دیتا ہے۔)

گاہک : ایک روپیہ کم ہے۔ شام کو دے جاؤں گا۔

فقیر حسین : اچھا —— یاد سے دے جانا بھائی۔

(گاہک جاتا ہے)

اختر : (ایک ٹرے میں اندرونی کمرے سے کھانا لے کر آتا ہے ٹرے رکھتا ہے) اس سے اُدھار نہ کریں ابا جی یہ پیسے نہیں دیا کرتا —— غلام رسول نائی کے بھی اس نے پیسے دینے ہیں۔

فقیر حسین : ہو سکتا ہے بیٹا اس بے چارے کی کوئی مجبوری ہو۔ شوق سے تو کوئی اُدھار نہیں لیتا نا۔

اختر : ایک سے ایک پڑا ہے اس محلے میں اودھار کا شوقین —— آپ کو پتہ ہے یہ چرس پیتا ہے!

فقیر حسین : سنا ہے میں نے! لیکن ہمیں اس سے کیا۔ کمزوریاں کس میں نہیں ہوتیں بیٹا۔ ہمیشہ انسان کی اچھائیوں پر نظر رکھنی چاہیئے۔

سین نمبر ۱۴

(احمد علی کا دفتر۔ احمد علی۔ خالد۔)

احمد علی : بزنس میں سب سے زیادہ اہم چیز ہے SENSE OF OPPORTUNITY ...... موقعہ شناسی۔ ہمیشہ دوسرے کی کمزوریوں پر نظر رکھنی چاہیئے۔ جس طرح باکسنگ میں حریف کو اسی جگہ ضرب لگائی جاتی ہے جہاں اسے پہلے سے چوٹ لگی ہو۔

خالد : کیا آپ کے خیال میں یہ —— ظالمانہ حرکت نہیں۔

احمد علی : اگر تم یہ ظالمانہ حرکت نہیں کرو گے تو تمہیں خود ناک آؤٹ ہونا پڑے گا۔

خالد : مگر کیوں۔ خدا کی زمین اتنی بڑی ہے۔ اتنا رزق ہے اس میں ...... کیا سب لوگ آپس میں مل بیٹھ

کر محبت سے اسے نہیں کھا سکتے۔

احمد : نہیں۔ اس لیے کہ دنیا اس قدیم رومن اکھاڑے کی طرح ہے، جہاں زندہ رہنے کے لیے دوسرے کو مارنا ضروری ہوتا ہے۔ اسے ہی SURVIVAL OF THE FITTEST کہتے ہیں۔

خالد : معاف کیجئے گا اباجان۔ آپ کا یہ فلسفہ میرے حلق سے نہیں اترتا۔

سین نمبر ۱۵

(فقیر حسین۔ اختر۔ کھانا کھا رہے ہیں۔)

فقیر حسین : یہ فلسفہ نہیں ہے بیٹے —— زندگی کا شعور ہے —— انسان نے صدیوں کی جدوجہد کے بعد مل جل کر رہنا سیکھا ہے۔ معاشرہ حسنِ عمل اور حسنِ نیت کے اشتراک سے آگے بڑھتا ہے اگر سب لوگ اپنے اپنے حصہ کا کام ایمانداری سے کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ معاشرے میں استحکام اور یک جہتی پیدا نہ ہو ——

اختر : چھان بورے اور فروٹ کیک میں یک جہتی کیسے ہو سکتی ہے اباجی ——

فقیر حسین : ہو سکتی ہے بیٹا —— ہو سکتی ہے —— اپنے رسولِ کریمؐ کی حیاتِ طیبہ پر نظر ڈالو —— ان کے پیغام کو سمجھو —— کیا انہوں نے غلاموں اور آقاؤں کو شیر و شکر نہیں کر دیا تھا۔

اختر : اُن کی بات اور ہے وہ تو ۔۔۔۔ بہت اونچی ہستی تھے۔

فقیر حسین : بے شک —— تھے —— مگر انہوں نے جو رستہ ہمیں دکھایا ہے وہ ہماری پہنچ سے باہر نہیں ہے۔

اختر : اب زمانہ بہت بدل گیا ہے اباجی۔

فقیر حسین : کیا بدلا ہے —— کہاں بدلا ہے۔ کیا لوگ آج بھی نیک آدمیوں کی عزت نہیں کرتے۔

اختر : کرتے ہونگے —— عام طور پر تو نیکی کرنے والے کو بیوقوف ہی کہتے ہیں لوگ۔

سین نمبر ۱۶

(احمد۔ خالد۔ احمد علی کا دفتر چائے پیتے ہوئے)

احمد : یہی تو فرق ہے ایک پریکٹیکل اور ایک انٹیلیکچوئل آدمی میں —— بے مقصد نیکی ہوائی تیر کی طرح ہوتی ہے۔ اچھا کام کوئی گناہ تو نہیں ہوتا کہ آدمی اسے چھپا کر رکھے۔ اگر خیرات کرتے ہو تو دھوم دھام سے کرو۔ کسی کو کچھ دو تو چوک میں کھڑے ہو کر دو۔ لوگوں کو پتہ چلنا چاہیئے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ نیکی کر اور دریا میں ڈال والا محاورہ کس بیوقوف نے ایجاد کیا تھا۔

خالد : یعنی آپ کے نزدیک نیکی اور نمائش لازم و ملزوم ہیں۔

احمد : بالکل —— لوگ کوئی اچھا کام کرتے ہوئے تصویریں کیوں اترواتے ہیں۔ خبریں کیوں چھپواتے

ہیں، اخباروں میں ——— اس لیے کہ اگر انہوں نے کسی کام میں روپیہ یا وقت صرف کیا ہے تو
اس کو باقاعدہ رجسٹر ہونا چاہیئے۔

خالد : یہ تو پھر بونس ہوا۔

احمد : لوگ اچھے اچھے کپڑے، مہنگے مہنگے درزیوں سے سلوا کر کیوں پہنتے ہیں۔ اسی لیے نا کہ ان کی
شخصیت دوسروں سے نمایاں ہو۔ لوگ ان کا نوٹس لیں۔ گھروں میں اچھی اچھی قیمتی چیزیں
ڈرائنگ روم میں رکھتے ہیں تا کہ آنے جانے والے انہیں دیکھیں، دیکھتے ہیں نا —؟

(خالد لاجواب سا ہو کر سر جھکا لیتا ہے)

احمد : عابد تم سے چھوٹا ہے لیکن وہ یہ سب باتیں سیکھ گیا ہے۔ تم بھی سیکھو کام آئیں گی۔

سین نمبر ۱۷

(عابد اپنے دفتر میں۔ سلطان جس آدمی نے فقیر حسین کے گھر چوری کی رقم
رکھی تھی)

عابد : میں نے فون کر دیا ہے مال ڈلیور کر کے سٹور کیپر سے واؤچر سائن کرا لینا اور واپسی پر بل
اُن کے آفس میں دیتے آنا۔ مسٹر جعفری ہیں ان کے مینجر۔

سلطان : ٹھیک ہے جی۔

عابد : واپسی پر وین ورکشاپ میں چھوڑ دینا۔ اس کا میسر اگیر سلپ کرتا ہے۔

(سلطان اثبات میں سر ہلاتا ہے)

سلطان : سر جی — وہ میں نے آپ سے ..... (شاطرانہ انداز میں سر کھجاتے ہوئے) بونس BONAS
کے سلسلے میں عرض کیا تھا جی ——— لوگ بہت تنگ کر رہے ہیں۔

عابد : تم نے تو وعدہ کیا تھا کہ .....

سلطان : میں تو اپنے وعدے پر اب بھی قائم ہوں سر جی۔ پر — میرے سالے کی شادی ہے جی۔
حیدر آباد میں۔

عابد : (مسکراتے ہوئے) تو یہ کہو نا — بیوی تنگ کر رہی ہے ——— ٹھیک ہے کل صبح ملنا۔

(سلطان اپنی کامیابی پر مسکراتا ہے کان کی لو مسلتا ہے۔)

سین نمبر ۱۸

(جمال کا دفتر۔ سگرٹوں سے بھرے ہوئے ایش ٹرے سے کیمرہ آہستہ آہستہ
PULL OUT کرتے ہیں۔ جمال اپنی کرسی میں چھت کی طرف منہ کیے بیٹھا ہے
ہاتھوں میں سگرٹ ہے چہرہ بے رونق ہے دروازہ ذرا سا کھلتا ہے۔ اس میں
سعید غنی اور شمائلہ نظر آتے ہیں۔ سعید غنی شمائلہ کو اندر جانے کا اشارہ کرتا

ہے اسے ذرا سا آگے کی طرف دھکیلتا ہے شمائلہ کے چہرے پر ہچکچاہٹ ہے سعید ذرا غصے سے اس کی طرف دیکھتا ہے۔ شمائلہ مجبوراً آگے بڑھتی ہے بال سنوار کر بڑی ادا سے جمال کے قریب آتی ہے جمال اس کی آمد سے بے خبر ہے۔)

شمائلہ : (لگاوٹ آمیز انداز میں) ہیلو سر۔

(جمال ایسے انداز میں سر گھما کر اس کی طرف دیکھتا ہے جیسے ایسا کرنے میں سخت دقت محسوس ہو رہی ہو، ایسے انداز میں پلکیں جھپکتا ہے جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔ کھوکھلی آواز میں بولتا ہے۔)

جمال : اوہ —— ہیلو —— شمائلہ؟

شمائلہ : آپ نے آج صبح سے مجھے بلایا ہی نہیں —— کل تو۔

(مصنوعی انداز میں شرماتی ہے)

جمال : اس وقت تم جاؤ —— میں کچھ پریشان ہوں۔

شمائلہ : آپ تو کہتے تھے میری آنکھوں میں ڈوب کر آپ اپنی ساری پریشانیاں بھول جاتے ہیں۔

جمال : (نیم ہسٹریائی انداز میں) بکواس کرتا تھا میں —— بھونک رہا تھا کتے کی طرح۔

(شمائلہ اس کے انداز سے ایک دم خائف ہو جاتی ہے۔ جمال اپنی سیٹ سے اُٹھ کر اسے گھورتا ہے شمائلہ خوفزدہ ہو کر دیوار کے ساتھ لگتی ہے۔)

کیا تمہیں نہیں پتہ تھا اس بات کا۔

شمائلہ : (خوفزدگی میں) سر۔ سر۔

جمال : مجھے پتہ ہے، تم بھی مجھ سے نفرت کرو گی۔ دور بھاگو گی مجھ سے —— ہاں —— مجھے پتہ ہے۔

شمائلہ : (خوفزدہ انداز میں خوشامد کرتی ہے) ایسا کیسے ہو سکتا ہے سر.... میں تو —— میں تو آپ کی۔

جمال : مجھے پتہ ہے تم میری کیا ہو —— نکل جاؤ یہاں سے —— مجھے کسی کی ہمدردی نہیں چاہیئے —— فکر نہ کرو، میں تمہاری تنخواہ لے کر نہیں بھاگوں گا

شمائلہ : پلیز سر۔

جمال : (اپنی دھن میں بولتا چلا جاتا ہے) جو عزت سے جینا جانتے ہیں وہ عزت سے مر بھی سکتے ہیں —— کسی کی انگلی اٹھنے سے پہلے چلا جاؤں گا یہاں سے —— آگ لگا دوں گا ہر چیز کو ——

(شمائلہ اس اثنا میں موقع پا کر باہر کھسک جاتی ہے جمال چند لمحے پاگلوں کی طرح کھڑا رہتا ہے پھر آ کر دوبارہ اپنی کرسی میں گرتا ہے چہرے سے سخت کشیدگی کے آثار نمایاں ہیں سعید غنی اندر آتا ہے، جمال خالی خالی نظروں سے اس کی طرف دیکھتا ہے۔ جمال میز کی دراز سے تین چار چیک بکیں نکالتا ہے ان پر جلدی جلدی دستخط

کرتا ہے انہیں سعید غنی کی طرف پھینکتا ہے۔

جمال : یہ لوکل میو سب لوگوں کا حساب صاف کر کے انہیں چھٹی دے دینا۔ اس سے پہلے کہ بینک والوں کو پتہ چلے، سب رقم نکلوا لو ——— میرا جنازہ بہت دھوم سے اٹھنا چاہیئے۔

غنی : (پرسکون انداز میں) آپ سمجھتے ہیں کہ آپ کے خودکشی کر لینے سے سب مسائل حل ہو جائینگے۔

جمال : اس گڑھے میں، جسے قبر کہتے ہیں اخبار نہیں آتا غنی ——— ریڈیو اور ٹی وی کی خبریں بھی سنائی نہیں دیتی وہاں ——— ملاقاتی بھی نہیں آتے ———

غنی : آپ سے مجھے ایسی ——— بزدلی کی توقع نہیں تھی۔

جمال : بزدلی ——— تم اسے بزدلی کہتے ہو ——— کیا اپنے ہاتھوں سے اپنی جان لینا بزدلی ہے۔ نہیں مسٹر غنی نہیں ——— شیر کا دل چاہیئے اس کے لیے۔

غنی : آپ اگر ٹھنڈے دل سے سوچنے کی کوشش کریں تو حالات اتنے خراب نہیں ہیں، جتنے آپ نے سمجھ لیئے ہیں۔

جمال : اور ذلیل کرانا چاہتے ہو مجھے۔

غنی : میری بات غور سے سنیئے جمال صاحب ——— تیس لاکھ کوئی اتنی بڑی رقم نہیں کہ پوری نہ ہو سکے ——— آپ کے پاس فیکٹری ہے، کوٹھی ہے۔

جمال : اِن دونوں کو بیچ کر بھی یہ نقصان پورا نہیں ہو سکتا غنی۔ میری موت ہی اس کا حل ہے۔

غنی : ان کو بیچے بغیر بھی آپ اس مصیبت سے نکل سکتے ہیں۔ (جمال ایسے انداز میں ہاتھ ہلاتا ہے جیسے کہہ رہا ہو شٹ اپ) میرے ذہن میں ایک تجویز ہے)۔ (جمال بیزار انداز میں اس کی طرف دیکھتا ہے) اگر کوئی بڑی پارٹی آپ کی گارنٹی کے لیے کھڑی ہو جائے تو میرا دعویٰ ہے ہم چند مہینوں میں اس CRISIS سے گزر سکتے ہیں۔

جمال : اور یہ بڑی پارٹی آسمان سے نازل ہو گی!

غنی : آپ میری بات تو سنیئے ——— دولن ملز کے پلانٹ کا گاہک ہم ڈھونڈ کر اس کا سودا کر لیتے ہیں۔ دو ڈھائی لاکھ اس میں یقیناً بچ جائیں گے۔

جمال : پلیز غنی۔ شٹ اپ۔

غنی : (اس کی جھاڑ کا بُرا مانے بغیر بولتا رہتا ہے) جہاں تک بینکوں کی رقم کا تعلق ہے...... میرے خیال میں اگر انہیں کوئی مضبوط گارنٹی مل جائے تو وہ سال چھ مہینے ہماری طرف سے آنکھیں بند کر سکتے ہیں۔ آخر وہ بھی تو INTEREST وصول کریں گے۔

جمال : اور وہ مرزا صاحب کی PAYMENT؟

غنی : بس اسی کا مسئلہ ہے نا ——— اس کے بارے میں سوچ لیتے ہیں ——— آٹھ لاکھ کی

PAYMENT ہے نا۔

جمال : (سوچتے ہوئے) نہیں غنی نہیں، یہ ممکن نہیں ہے۔ میں ہاتھ پھیلانے پر مر جانے کو ترجیح دیتا ہوں۔

غنی : آپ کو کون کہہ رہا ہے ہاتھ پھیلانے کو —— مسز انیسہ سے ملے ہیں نا آپ!

جمال : (اسی جارحانہ انداز میں) ہاں پھر۔

غنی : اگر وہ آپ کی ضمانت بن کر کھڑی ہو جائے تو کسی کو جرأت نہیں ہو سکتی آپ پر انگلی اٹھانے کی۔!

جمال : مگر وہ کیوں ہو گی کھڑی۔ کیا رشتہ ہے اس سے میرا۔

غنی : رشتہ ہی تو پیدا کرنا پڑے گا۔

جمال : کیا مطلب۔

غنی : آپ چاہیں تو اسے قابو کر سکتے ہیں۔ عورتیں آپ سے بہت جلد متاثر ہوتی ہیں۔

جمال : وہ عورت نہیں ہے مسٹر غنی —— پتھر ہے پتھر۔

غنی : عورت، عورت ہی ہوتی ہے جمال صاحب۔ یہ بات آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ اور لگانے والے تو پتھر میں بھی جونک لگا لیتے ہیں۔

جمال : نہیں۔

(ایک دم سوچ میں پڑ جاتا ہے آواز میں کمزوری آتی ہے)

یہ کیسے ہو سکتا ہے..... وہ

غنی : آپ کوشش تو کر کے دیکھئے۔

(جمال سوچ میں پڑ جاتا ہے)

سین نمبر ۱۹

(انیسہ کا دفتر۔ انیسہ۔ سعیدہ۔ انیسہ چند کاغذات غور سے دیکھ رہی ہے بیچ بیچ میں سعیدہ کی طرف بھی دیکھتی ہے جو بے چینی سے پہلو بدل رہی ہے۔ انیسہ کاغذات رکھتی ہے)

انیسہ : پڑھائی کیوں چھوڑ دی ہے۔ (سعیدہ سر جھکا لیتی ہے) اوہ — والد صاحب ہیں۔

سعیدہ : جی۔

انیسہ : بہن، بھائی۔

سعیدہ : ایک بھائی ہے چھوٹا ہے مجھ سے۔

انیسہ : والد صاحب نوکری کرتے ہیں۔

سعیدہ : پچھلے ہفتے — ریٹائر ہوئے ہیں۔

انیسہ: اوہ ——— انگریزی کیسی ہے تمہاری۔

سعیدہ: جی ——— ٹھیک ہی ہے تقریباً۔

انیسہ: ٹھیک ہے، تم جعفری صاحب کے کمرے میں بیٹھو۔

(میز سے کچھ کاغذات اٹھا کر دیتی ہے)

یہ پیپرز لے لو اپنے۔

سعیدہ: تو ——— کیا ——— میں

انیسہ: GO AND WAIT THERE! - ابھی مجھے اور بھی انٹرویو بھی کرتے ہیں۔

سعیدہ: جی .... بہتر۔

(سعیدہ جاتی ہے۔ انیسہ شفقت سے اسے جاتے ہوئے دیکھتی ہے)

سین نمبر ۲۰

(جعفری کا دفتر۔ سعیدہ کے ساتھ دو تین اس کی ہم عمر لڑکیاں خاموش اور قدرے بے چین بیٹھی ہیں۔ جعفری اپنے کام میں مصروف ہے۔ سعیدہ اپنا پرس کھول کر رومال نکالنے لگتی ہے سلطان داخل ہوتا ہے سعیدہ کی نظر اس پر نہیں پڑی۔ سلطان جعفری کی میز پہ جاتا ہے)

سلطان: اسلام علیکم۔

جعفری: فرمایئے۔

سلطان: جی یہ بل تھا ——— عابد صاحب نے بھجوایا ہے۔

جعفری: (بل دیکھ کر) ٹھیک ہے ——— (بل ایک سائڈ پر رکھتا ہے) شکریہ۔

سلطان: اچھا جی سلام علیکم۔

(سلطان مڑتا ہے سعیدہ سے نگاہ ملتی ہے ایک دم گھبرا جاتا ہے۔ سعیدہ حیرت سے اس کی طرف دیکھتی ہے سلطان اپنا چہرہ چھپاتے ہوئے جلدی سے باہر نکل جاتا ہے۔ سعیدہ کا حیرت زدہ کلوز۔)

7

کردار

• فقیر حسین • سعیدہ • اختر • احمد علی • خالد • حابد • سلمیٰ
• رفیق • سلامت • سعید غنی • جہانگیر • جمال • انیسہ • جعفری
• سلطان • سہیلی • گریوال • ڈرائیور • رکشہ والا نمبر۱ • رکشہ والا نمبر۲ • چار بدمعاش

سین نمبر۱

(قسط نمبر ۶ کا آخری سین چلتا ہے۔ سلطان کے جانے کے بعد سعیدہ پریشانی کے عالم میں (جعفری) مینجر کی طرف مڑتی ہے جو دوبارہ کام میں مصروف ہو چکا ہے۔

سعیدہ جعفری کے سامنے ایسے انداز میں کھڑی ہوتی ہے جیسے سمجھ میں نہیں آ رہا کیسے بات شروع کرے۔ جعفری اس کی طرف دیکھتا ہے)

جعفری: آپ تشریف رکھیں نا بی بی۔

(سائڈ پر پڑی ہوئی کرسیوں کی طرف اشارہ کرتا ہے)

سعیدہ: جی میں —— ایک بات پوچھنی تھی آپ سے۔

جعفری: (قدرے خشک لہجے میں) دیکھیں بی بی۔ انٹرویو میڈم خود لے رہی ہیں۔ میں اس سلسلے میں آپ کو کچھ نہیں بتا سکتا۔ اگر پتہ ہوتا تب بھی نہیں —— میڈم INDISCIPLINE کو بالکل پسند نہیں کرتیں۔ آپ انتظار کریں۔ ابھی پتہ چل جائے گا۔

سعیدہ: (شرمندہ سی ہو کر) جی میں انٹرویو کے بارے میں نہیں پوچھ رہی۔

(جعفری حیرت سے اس کی طرف دیکھتا ہے۔)

یہ صاحب۔ جو ابھی یہاں کھڑے تھے۔ آپ انہیں جانتے ہیں؟

جعفری: کون صاحب؟

سعیدہ: یہی آدمی جو ابھی ابھی آپ کو کوئی کاغذ دے کر گیا ہے۔

جعفری: اوہ۔ جی نہیں۔

(سعیدہ پریشان سی ہو کر خاموش ہو جاتی ہے۔ کشمکش میں مبتلا ہے جعفری غور سے
اس کی طرف دیکھتا ہے)

جعفری: آپ کو کوئی کام ہے اس سے؟

سعیدہ: جی۔ جی نہیں۔ دراصل۔

جعفری: احمد ٹیکسٹائل میں کام کرتا ہے۔ آتا رہتا ہے یہاں اکثر۔

سعیدہ: (حیرت سے) احمد ٹیکسٹائل ———— !

(اس پر سلطان کا جملہ ri-iاہ ہوتا ہے)

("جی یہ بل تھا۔ عابد صاحب نے بھجوایا ہے": پریشانی میں سرسلتی ہے)

سعیدہ: یہ عابد۔ احمد صاحب کا رڑکا ہے نا!

جعفری: (معنی خیز نظروں سے اس کی طرف دیکھتا ہے) آپ تو ساری فیملی سے واقف ہیں؟

سعیدہ: (اس کی نظروں سے گھبرا جاتی ہے) جی وہ..... میرے....

(جعفری مسکراتا ہے۔ انٹرکام کی گھنٹی بجتی ہے۔ ایک دم سنجیدہ ہو کر بات
کرتا ہے)

جعفری: (فون پر) جی۔ جی ابھی آیا۔

(ایک دم ایک فائل اٹھا کر جاتا ہے۔ سعیدہ کا کلوز۔ سخت حیرت میں ہے)

سین نمبر ۲

(عابد کا دفتر۔ سلطان۔ عابد۔)

عابد: (پریشانی کے عالم میں ٹہلتے ہوئے) تمہیں یقین ہے کہ اس نے تمہیں پہچان لیا تھا۔

سلطان: ہاں جی۔ وہ۔ ایسے ہی لگتا تھا جی۔

عابد: (مٹھیاں بھینچتے ہوئے) اوہ۔ ڈیم اٹ۔ یہ خواہ مخواہ کی مصیبت شروع ہو گئی ہے۔

سلطان: میں مارا جاؤں گا۔ سر جی۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔

عابد: خاموش رہو۔ مجھے سوچنے دو۔

(فون کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے۔ رک جاتا ہے۔ غور سے سلطان کی طرف دیکھتا ہے
جو بہت پریشان ہے۔

عابد: مگر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ.... تمہیں یقین ہے کہ اس نے تمہیں پہچان لیا تھا۔

(سلطان خوفزدہ انداز میں اثبات میں سر ہلاتا ہے۔ عابد پریشان سا ہو کر کرسی میں
گرتا ہے)

اچھا تم جاؤ۔ میں کرتا ہوں کچھ بندوبست۔

سلطان : پولیس میں رپورٹ ہو گئی تو میں مارا جاؤں گا سر جی ۔ مجھے ان کی مار سے بڑا ڈر آتا ہے ۔ ایسا نہ ہو کہ میرے منہ سے نکل جائے کہ ..... آپ ....

(عابد گھور کر اس کی طرف دیکھتا ہے)

مجھے اس چکر سے نکال لیں سر جی ..... میں اندر نہیں ہونا چاہتا ۔

(عابد کا گھونٹ ۔ سوچ میں پڑ جاتا ہے ۔)

سین نمبر ۳

(احمد علی کا دفتر)

(کیمرہ ایک رائیٹنگ پیڈ پہ اوپن ہوتا ہے جس پہ احمد علی آڑی ترچھی لکیریں بنا رہا ہے ۔ آہستہ آہستہ زوم بیک کرتے ہیں ۔ عابد اس کے سامنے پریشان انداز میں بیٹھا انگلیوں سے میز کھٹکھٹا رہا ہے ۔)

احمد : (کاغذ پر ایک بڑا سا کراس لگاتا ہے اور ہاتھ سے پیڈ ایک طرف کرتا ہے) تم نے کیا سوچا ہے

عابد : میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ڈیڈ ۔ اس بیوقوف کے بچے نے سارا کام چوپٹ کر دیا ہے ۔

احمد : EASY SON EASY ۔ نروس ہونے اور LOOSE TEMPER کرنے سے آج تک کوئی مسئلہ حل نہیں ہوا ۔ قصور نہ تمہارا ہے ۔ نہ سلطان کا اور نہ کسی اور کا ۔ اب کون کہہ سکتا تھا کہ اس دفتر میں اسے OF ALL THE PERSONS سعیدہ مل جائے گی ——— ! وہ وہاں کیا رہی تھی ؟

عابد : I DON'T KNOW ۔ وہاں کھڑی تھی وہ ۔

احمد : خیر اس کا پتہ بھی میں کرواتا ہوں ۔ لیکن اس وقت سب سے ضروری بات یہ ہے کہ ......

(سوچتے ہوئے مڑتا ہے)

کس دن گیا تھا سلطان ——— فقیر حسین کے گھر !

عابد : (سوچنے کی کوشش کرتے ہوئے) EXACTLY تو مجھے یاد نہیں ——— .... IT WAS

(سوچتے ہوئے)

سات آٹھ تاریخ کی بات ہو گی ۔

احمد : CHECK IT اور اس پورے ہفتے کی اس سے چھٹی کی درخواست لے لو ۔ اکاؤنٹنٹ سے کہو کر ..... خیر میں گریوال کو سمجھا دوں گا ۔ تم سلطان کو میرے پاس نہ بھیج دو ۔

عابد : وہ بہت ڈرا ہوا ہے ڈیڈ ۔ کہتا ہے مجھے کہیں باہر بھجوا دیں ۔

احمد : (سوچ میں پڑ جاتا ہے) NOT A BAD IDEA ——— اسے دو تین مہینوں کے لیے کہیں غائب کرا دو ——— اول تو ہو سکتا ہے ایسی سچویشن ہی نہ بنے ..... اور اگر بن بھی گئی

تو MEANWHILE میں.... ٹھیک ہے.... اسے بہرحال سین سے غائب کرادینا بہتر ہے GIVE HIM SOME MONEY ...اور.... احتیاطاً اُس سے ایک RESIGNITION پر بھی دستخط کروالینا تاریخ تیئیس ڈلوانی۔

عابد : (حیرت سے) کیوں ڈیڈ۔

احمد : ایسے آدمی کا کچھ بھروسہ نہیں ہوتا بیٹے۔ اگر وہ ڈر گیا یا اس نے زیادہ CLEVER بننے کی کوشش کی تو ہمارے پاس اپنی صفائی کا بندوبست ہونا چاہیے۔

عابد : سردار صاحب سے بات کروں۔ ڈیڈ ——

احمد : کیا۔

عابد : وہ بندے شندے غائب کراتے رہتے ہیں نا —— سلطان کوان کے علاقے میں بھجوا دیتے ہیں۔

احمد : (تذبذب میں) سردار صاحب سے —— دیکھ لو!

عابد : (اٹھتے ہوئے) OK - DAD میں چلتا ہوں۔

احمد : گریوال کو میرے پاس بھجوا دو —— اور —— اپنے اکاؤنٹنٹ سے بھی کہنا۔ مجھے ملے۔ آج ہی۔

عابد : ٹھیک ہے ڈیڈ۔

(عابد جاتا ہے۔ احمد سوچ میں پڑ جاتا ہے)

سین نمبر ۴

(ویگن میں سعیدہ کھڑکی کے ساتھ لگی کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہے۔ ویگن مختلف سڑکوں سے گزرتی ہے۔ سعیدہ بدستور پریشان ہے۔)

سین نمبر ۵

ایک معمولی سا کمرہ۔ کیمرہ ادھ کٹی سبزیوں کی پرات سے ٹریک کرتا ہوا سعیدہ پر جاتا ہے جو ایک کرسی پر خاموش بیٹھی ہے۔ اس کی سہیلی دوسرے کمرے سے چائے کا ایک کپ لے آتی ہے۔ کپ میز پر رکھتی ہے۔ شرمندہ انداز میں ہنستی ہے جس میں بے چارگی بھی نمایاں ہے۔

سہیلی : اتنے دنوں بعد تم میرے گھر آئی ہو اور میں تمہیں خالی چائے پلا رہی ہوں۔ سچ مجھے بہت بُرا لگ رہا ہے۔

سعیدہ : (اخلاقاً) کمال کرتی ہو تم یہ تو میرا اپنا گھر ہے۔

سہیلی : تم دو منٹ بیٹھو یہ ساتھ بیکری ہے.... میں کچھ لے آتی ہوں۔

سعیدہ : (ہاتھ سے پکڑ کر روکتے ہوئے) پلیز نصرت۔ بیٹھ جاؤ۔ میرا کچھ کھانے کو جی نہیں چاہ رہا۔

سہیلی : یہ تمہیں آج اچانک میری یاد کیسے آگئی۔

سعیدہ : کچھ نہیں۔ بس ایسے ہی۔ بہت دن سے جی چاہ رہا تھا...... آج ادھر سے گزر رہی تھی۔ آگئی۔

(بات کر کے پھر کسی سوچ میں پڑ جاتی ہے۔ سہیلی غور سے اس کی طرف دیکھتی ہے)

سہیلی : اچھا جی چاہ رہا تھا تیرا مجھ سے ملنے کو! جب سے آئی ہو چپ چاپ بیٹھی ہو۔ کیا بات ہے۔

سعیدہ : کچھ نہیں۔

سہیلی : بات کدھر کرتی ہو۔ دھیان تمہارا کدھر ہے ——

(ہنستے ہوئے)

کیا چکر ہے۔ کہیں دل تو نہیں لگا لیا۔

سعیدہ : (مجبوراً مسکراتے ہوئے) نہیں —— ایسی کوئی بات نہیں۔

(اٹھتے ہوئے)

اچھا میں چلتی ہوں۔

سہیلی : (حیرت سے) کمال کرتی ہو تم..... ایسے میں تمہیں کیسے جانے دے سکتی ہوں۔ اب کھانا کھا کر جانا۔

(جلدی سے ٹرے اپنے آگے رکھ کر سبزی کاٹنے لگتی ہے)

سعیدہ : نہیں نصرت۔ مجھے گھر پہنچنا ہے۔ ابو انتظار کر رہے ہوں گے۔

سہیلی : میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ اتنی مدت کے بعد آئی ہو اور....

(ایک دم اداس سی ہو جاتی ہے)

لگتا ہے تمہیں میرا گھر پسند نہیں آیا۔ کالج میں ہم کیسے کیسے خواب دیکھا کرتے تھے اپنے گھر کے

سعیدہ : (پریشان ہو کر) اتنا اچھا تو ہے۔ کیا نہیں ہے تمہارے گھر میں۔ چھوٹا ہے تو کیا ہوا۔ آدمی کا دل بڑا ہونا چاہیئے۔

(پریشانی میں اپنی چیزیں سمیٹتی ہے سہیلی غور سے اس کی طرف دیکھتی ہے)

سہیلی : تمہیں ضرور کوئی پریشانی ہے۔ دیکھو تمہارے ہاتھ بھی کانپ رہے ہیں۔ کیا بات ہے سعیدہ پلیز۔ مجھے بتاؤ۔

(اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتی ہے)

بانٹنے سے دکھ کم ہو جاتا ہے۔

سعیدہ : (آہستہ سے اس کا ہاتھ ہٹاتی ہے) کچھ دکھ ایسے ہوتے ہیں جو بانٹنے سے اور بڑھ جاتے ہیں۔

(جاتی ہے۔ سہیلی حیرت سے اس کی طرف دیکھتی ہے)

سین نمبر ۶

دکیمرہ اُون کے ایک گچھے پر اوپن ہوتا ہے سعیدہ اپنے بستر پر بیٹھی سلجھانے کی کوشش کر رہی ہے۔ چہرے سے شدید کشمکش کے آثار نمایاں ہیں۔ اختر اپنے رسالے سے نظر اٹھا کر ایک دو دفعہ اس کی طرف دیکھتا ہے۔ کوئی بیس سیکنڈ تک اس خاموشی کو ESTABLISH کرتے ہیں۔ یک دم سعیدہ الجھے ہوئے گولے کو جھنجھلا کر ایکطرف پھینکتی ہے۔ اختر اس کی طرف غور سے دیکھتا ہے اور کتاب بند کر کے تکیے کے نیچے رکھتا ہے اٹھ کر سعیدہ کی چارپائی کے پاس آتا ہے۔ اندر سے پریشان ہے لیکن زبردستی ہنستے ہوئے بات شروع کرتا ہے اُون کا گولہ اٹھاتا ہے)

اختر : اس بے چارے پر کس بات کا غصہ نکال رہی ہو۔

(سعیدہ خاموش رہتی ہے)

لاؤ میں ٹھیک کر دیتا ہوں۔

چارپائی پر بیٹھ کر گچھا سعیدہ کے گھٹنے پر رکھتا ہے اور اس کے بل کھولنے کی کوشش کرتا ہے)

یہ ——————

(دھاگہ کھینچتا ہے)

اِدھر سے نکالا۔ یوں ..... اور اب اسے یہاں سے ایسے کھولا اور ... ایک شعر سناؤں تمہیں۔

(سعیدہ اس کی طرف دیکھ کر سر جھکا لیتی ہے)

اکبر الہ آبادی کا ہے۔ ہماری اردو کی کتاب میں تھا۔

؎ فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں
ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں

کیسا ہے؟ ویسے یہ چکر ہے عجیب۔ اب دیکھو نا۔

(یہ دیکھ کر کہ اس کی کسی بات کا سعیدہ پر کوئی اثر نہیں ہو رہا ایک دم سنجیدہ ہو جاتا ہے)

کیا بات ہے؟

سعیدہ : کچھ نہیں۔

اختر : دیکھو سعیدہ۔ میں تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں ..... جب تم پریشان ہوتی ہو نا .... تو یہ جو تمہاری ناک ہے نا .... یہ لمبی ہو جاتی ہے۔

(اپنے مذاق پر خود ہی ہنستا ہے سعیدہ کی ناک پکڑتا ہے۔

یہ دیکھو۔

سعیدہ : (اس کا ہاتھ پیچھے ہٹاتے ہوئے) اختر پلیز، میری طبیعت ٹھیک نہیں۔

اختر : یہی تو میں پوچھ رہا ہوں۔ کیا ہوا ہے تمہاری طبیعت کو۔

سعیدہ : کچھ نہیں۔ بس ایسے ہی دل بھاری سا ہو رہا ہے۔

اختر : نوکری مل گئی ہے تمہیں۔ اتنی اچھی..... اس لیے ـــــ میں نے کہیں پڑھا تھا کہ اچانک خوشی سے بھی بعض اوقات کچھ ذہن پریشان ہو جاتے ہیں۔

سعیدہ : نہیں۔ یہ بات نہیں۔ جاؤ تم سو جاؤ۔

اختر : دیکھو سعیدہ میں تم سے چھوٹا ضرور ہوں..... مگر ہم نے کبھی ایک دوسرے سے دل کی بات نہیں چھپائی مجھے بتاؤ کیا پریشانی ہے تمہیں ـــــ!

(سعیدہ چند لمحے لیے انداز میں اختر کی طرف دیکھتی ہے جیسے یہ فیصلہ کر رہی ہو کہ اس کو اصل بات بتائے یا نہیں۔ کوئی فیصلہ کر کے اچانک اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتی ہے)

سعیدہ : نہیں سچ۔ کوئی ایسی بات نہیں ہے۔

(اختر شکوہ آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھتا ہے۔)

سعیدہ : تم کالج لاء ذرا نی کرلو۔

اختر : دیکھو باجی میں نے تم سے کتنی مرتبہ کہا ہے کہ.....

سعیدہ : (بات کاٹتے ہوئے) مگر اب تو مجھے نوکری مل گئی ہے۔ بارہ سو روپے مہینے کے میں نے کیا کرنے ہیں ـــــ! تمہاری تعلیم مکمل ہو جائے تو.....

اختر : (بے چینی سے اٹھ کر کمرے میں ٹہلتا ہے) پھر بھی کچھ نہیں ہوگا۔ میں پاس بھی ہو گیا تو نوکری کے لیے میری ڈگری اس وقت تک VALID نہیں ہوگی جب تک اس کے نیچے سفارش یا رشوت کے پیسے نہیں لگیں گے۔ نہیں سعیدہ نہیں۔ میں نے اپنے لیے راستہ چن لیا ہے۔ تم میری فکر نہ کرو۔

سعیدہ : کیسے نہ کروں! میں تم سے بڑی ہوں۔ تمہارے لیے سوچنا میرا فرض ہے۔

اختر : فرض۔ فرض۔ فرض۔ یہ تم اور ابو ہر وقت فرضوں کا وظیفہ کیوں کرتے رہتے ہو۔ کیا تمہارا کوئی حق نہیں ہے اس زندگی پر ـــــ سکاؤٹ بن کر زندگی نہیں گزرتی سعیدہ۔ یہاں پانچ روپے کے لیے..... صرف پانچ پیسے کے لیے ایک انسان دوسرے کو جان سے مار دیتا ہے..... زمین کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے کے لیے اپنے خون کے رشتوں کو گھروں میں بند کر کے لوگ پٹرول چھڑک دیتے ہیں۔ اور..... اور.....

(جذبات کی شدت سے الفاظ نہیں ملتے۔ فقیر حسین اندرونی کمرے سے داخل ہو کر یہ منظر دیکھتا ہے۔)

سعیدہ: شاید تم ٹھیک کہتے ہو۔ مگر.....

فقیر حسین: (کمر کو دباتے ہوئے) کیوں جھگڑ رہے ہو تم لوگ۔

سعیدہ: (ایک دم بستر سے نکل کر فقیر حسین کے پاس آتی ہے) کچھ نہیں ابو..... جھگڑ تو نہیں رہے تھے ..... ایسے ہی....

فقیر حسین: یہ ہمارے نور چشمی کس بات پر ناراض ہو رہے تھے؟

(اختر اس کے لہجے کے طنز سے HURT ہو کر اس کی طرف دیکھتا ہے۔ جا کر اپنے بستر پر بیٹھ جاتا ہے۔ چند لمحوں کی خاموشی۔)

سعیدہ: کھانا لاؤں۔ ابو۔

فقیر حسین: ابھی رک جاؤ بیٹی۔ بھوک تو کوئی خاص ہے نہیں..... پتہ نہیں یہ دوکان پر بیٹھنے کی وجہ سے ہے ..... اب وقت پر بھوک نہیں لگتی۔ بس کمر دکھتی رہتی ہے۔

سعیدہ: لائیے میں دبا دوں.....

(ہاتھ سے روکتے ہوئے)

فقیر حسین: نہ۔ نہ۔ نہ بیٹی۔ ابھی میں اتنا بوڑھا نہیں ہوا۔ ہاں اب بتاؤ..... وہ کیا نوکری ہے... کیا کام ہے۔ کون لوگ ہیں۔

سعیدہ: بڑے اچھے لوگ ہیں ابو۔ فرم کی مالک مس انیسہ بہت اچھی عورت ہیں۔ بہت پیار سے بولتی ہیں۔

فقیر حسین: (ہنستے ہوئے) ابھی نوکری تم نے شروع کی نہیں اور مالکوں کے گن پہلے گانے شروع کر دیئے ہیں۔ تمہارے پیچھے وہ خالد کے دوست ایس پی صاحب کیا نام ہے ان کا....؟

سعیدہ: سمیع!

فقیر حسین: ہاں۔ وہ آئے تھے۔ پوچھ رہے تھے۔ مجھے کس پر شبہ ہے۔

سعیدہ: (پریشانی میں) پھر۔

فقیر حسین: میں نے کہہ دیا بیٹی مجھے کسی پر شبہ نہیں..... کیا فائدہ ہے کسی کا نام لینے سے۔ اگر یہ سب کچھ احمد علی نے ہی کرایا ہے بیٹی تو اللہ اسے معاف کرے..... میرے ساتھ جو ہونا تھا ہو چکا۔ اس کی بدنامی سے مجھے کیا مل جائے گا۔

اختر: (جھنجھلا کر کتاب زور سے بند کرتا ہے۔ اٹھ کر ان کی طرف آتا ہے) آخر آپ مان کیوں نہیں لیتے کہ آپ ان لوگوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اللہ رسول کو بیچ میں لا کر اپنی کمزوریوں کے جواز کیوں ڈھونڈتے ہیں۔

سعیدہ: (غصے سے) اختر۔

فقیر حسین: اسے کہنے دو بیٹی۔ اسے حق ہے ایسی باتیں کرنے کا۔ دیکھو نا کیسی بہادری سے زندگی کا مقابلہ کر رہا ہے۔ کتنی چمک ہے اس کی آنکھوں میں۔ نہ اس میں کوئی کمزوری ہے نہ اسے کوئی جواز ڈھونڈنے کی ضرورت ہے۔

(مایوسی کے عالم میں سر ہلاتا ہے۔ اختر پیر پٹختا ہوا واپس اپنے بستر پر جاتا ہے سعیدہ خاموش اور پریشان کھڑی ہے)

سین نمبر ۲

(سردار جہانگیر کا گھر۔ جہانگیر اور عابد آمنے سامنے بیٹھے ہیں۔ درمیان میں چائے کے برتن کچھ کھانے کی چیزیں)

جہانگیر: یہ حلوہ لو سائیں۔ ہمارے علاقے کی خاص چیز ہے۔

عابد: بس سردار صاحب۔ میں MEALS کے دوران کچھ اور کھالوں تو میرا UPSET .. STOMACHE ہو جاتا ہے۔

جہانگیر: STOMACHE کو اتنا نازک نہیں رکھو نا سائیں۔ ایک تو تم آج کل کے جوان لوگ لڑکیوں کی طرح اپنے فگر کے پیچھے پڑے رہتے ہو۔ بندے کو کھاتے پیتے رہنا چاہیئے۔ پتر۔

عابد: آپ تو خود اب تک اتنے سمارٹ ہیں۔

جہانگیر: (ہنستے ہوئے) اس کی وجوہات دوسری ہیں.... وہ بھی بتاؤں گا تمہیں۔ کھاؤ شاباش۔

عابد: (ایک ٹکڑا اٹھا کر منہ میں رکھتا ہے) ایک پرابلم میں پھنس گیا ہوں سردار صاحب۔

جہانگیر: کوئی حرج نہیں سائیں۔ پرابلم تو مردوں کا زیور ہوتا ہے۔ فرماؤ۔

عابد: ایک آدمی کو کچھ دنوں کے لیے وہ کرانا ہے.... وہ کیا کہتے ہیں۔ روپوش۔

جہانگیر: اس دن تو تم کچھ اور کہہ رہے تھے پتر۔

عابد: وہ دوسرا مسئلہ ہے.... اس کو فی الحال میں نے ڈراپ کر دیا ہے۔ ایک وقت میں دو دو چیزیں ہینڈل کرنا بہت مشکل ہے۔

جہانگیر: نہ سائیں نہ۔ اسی میں تو سارا لطف ہے کھیل ہمیشہ بڑا کھیلنا چاہیئے۔

عابد: ویسے اگر دیکھا جائے.... تو ہے ایک ہی بات، یہ بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے یعنی آپ یوں سمجھیں کہ.....

جہانگیر: دیکھو پتر.... میں آدمی ہوں ذرا صاف اور سیدھی بات کرنے والا.... اگر تمہیں مجھ سے کوئی مشورہ کوئی مدد درکار ہے تو کھل کر بات کرو.... چونکہ چنانچہ والی گفتگو مجھے اچھی نہیں لگتی.....

عابد: قصہ دراصل یہ ہے سردار صاحب....

(TIME IAPSE میں دکھاتے ہیں کہ عابد سردار جہانگیر کو سارا قصہ سنا چکا ہے۔ ایک نوکر سامان اٹھا کر جا رہا ہے۔ سردار اثبات کے انداز میں سر ہلاتا ہے۔ مسکراتا ہے۔

جہانگیر: یہ تو کوئی مشکل کام نہیں ہے پتر۔ تم وہ بندہ تو آج ہی بھیجد و میرے پاس۔ جب تک تم کہو گے اس کی ہوا نہیں ملے گی کسی کو..... اور اگر تم چاہو تو.... (کندھے جھٹکتا ہے)

عابد: نہیں سردار صاحب۔ بس اسے صرف پولیس کی نظروں سے اوجھل رکھنا ہے.... وہ بھی احتیاطاً

جہانگیر: خاطر جمع رکھو سائیں۔

(ریاست آتا ہے۔ سلام کرتا ہے۔ جہانگیر اس کی طرف دیکھتا ہے جیسے آمد کا مطلب معلوم کرنا چاہتا ہو۔

ریاست: رفیق کا بندہ آیا ہے سائیں۔

(جہانگیر آنکھ کے اشارے سے کہتا ہے اسے اندر بلاؤ۔ ریاست دروازہ کی طرف جا کر آواز دیتا ہے)

لنگھ آ جوان۔

(چند لمحوں بعد سلامت آتا ہے)

سلامت: سلاما علیکم۔

جہانگیر: رفیق کدھر ہے جوان۔

سلامت: استاد گیا ہے چوہدری صاحب۔ کام پوچھا ہے اس نے۔

جہانگیر: (چند لمحے سوچتا ہے عابد کی طرف دیکھ کر مسکراتا ہے) تو پتر.... دوسرے کام کا بندوبست ادھر سے ہو جائے گا۔ رفیق اچھا ——— اعتباری آدمی ہے۔ (سلامت سے) ان کو لے جاؤ اور رفیق سے کہنا ان کا کام کرا دے۔ اور ہاں۔ حساب مجھ سے آ کر لے کر.... یہ ہمارا پتر ہے۔

عابد: نہیں سردار صاحب.... وہ میں کر لوں گا۔

جہانگیر: بزرگوں کے آگے ضد نہیں کرتے پتر.... جاؤ شاباش۔ (ملتانی میں) ریاست، تو بھی نال ونج نال۔

ریاست: جو حکم سائیں۔

(عابد، ریاست، سلامت جاتے ہیں۔ جہانگیر کا کلوز مسکراتا ہے)

سین نمبر ۸

(سڑک کے کنارے فقیر حسین کسی سواری کے انتظار میں کھڑا ہے۔ ایک رکشہ اس کے قریب آ کر رکتا ہے)

فقیر حسین: سمن آباد چلو گے بھائی؟
رکشہ والا: کس جگہ۔
فقیر حسین: ٹچی ٹھٹھی کے موڑ پر۔
رکشہ والا: دس روپے ہوں گے۔
فقیر حسین: تمہارا میٹر نہیں چلتا بھائی؟
رکشہ والا: میں نے عرض کیا ہے بزرگو، دس روپے ہوں گے۔ چلنا ہے تو چلو۔ نہیں تو میرا ٹائم خراب نہ کرو۔
فقیر حسین: مگر بھائی، حکومت نے یہ میٹر اس لیے لگائے ہیں کہ....

(بات کاٹتے ہوئے)

رکشہ والا: آپ نے جانا ہے کہ میرا میٹر چیک کرانا ہے؟
فقیر حسین: میٹر کے حساب سے جو بنے گا وہ دے دوں گا۔

(رکشہ والا گھور کر اس کی طرف دیکھتا ہے۔ رکشہ سٹارٹ کرتا ہے۔ جاتا ہے۔
فقیر حسین حیرت سے اس کی طرف دیکھتا ہے۔ دوبارہ رکشے کے انتظار میں رکتا ہے ایک اور رکشہ آتا ہے۔ رکتا ہے)

فقیر حسین: سمن آباد جانا ہے بھائی۔
رکشہ والا: بیٹھو۔ تشریف رکھو۔

(رکشہ چلتا ہے۔ دور جاتے ہوئے رکشہ سے DISSOLVE کر کے آتے ہوئے رکشہ کو دکھاتے ہیں۔ رکشہ رکتا ہے۔ فقیر حسین کپڑے جھاڑتا ہوا اترتا ہے)

فقیر حسین: کتنے پیسے ہوئے بھائی۔
رکشہ والا: (میٹر دیکھتے ہوئے) دس روپے دے دو جناب۔
فقیر حسین: (حیرت سے) دس روپے۔
رکشہ والا: (آگے سے ہٹتے ہوئے) لو۔ آپ خود ملاحظہ کر لو۔

(کیمرہ میٹر پر کٹ کرتا ہے۔ جہاں نو روپے اسی پیسے کے ہندسے نظر آتے ہیں)

فقیر حسین: تمہارے میٹر میں کوئی خرابی لگتی ہے بھائی۔ چار میل کے دس روپے کیسے بن سکتے ہیں۔
رکشہ والا: میں نے آپ کو میٹر دکھا دیا ہے بزرگو۔ اب مجھ سے بحث نہ کرو۔
فقیر حسین: مگر بھائی یہ تو سراسر زیادتی ہے۔ آخر کس حساب سے بنائے ہیں تم نے دس روپے۔
رکشہ والا: کلومیٹر کے حساب سے۔
فقیر حسین: کیا ریٹ ہے کلومیٹر کا؟
رکشہ والا: (رکشہ کا سوئچ آف کرتا ہے) دیکھو بزرگو۔ یہ میری روزی کا ہے اگر میں ہر مسافر کے سوالوں کا

جواب دینا شروع کروں تو سارا دن میرا اسی کام میں لگ جائے... مہربانی کر کے یہ جرح
بند کرو اور میرا کرایہ مجھے دو۔
فقیر حسین: کرایہ میں ضرور دوں گا بھائی۔ مگر جاتے۔ ایک تو تمہیں چاہیئے کہ قانون کے مطابق میٹر کا رخ
سواری کی طرف رکھو تاکہ سواری کو پتہ چلتا رہے۔
رکشہ والا: رکھا ہوا تھا پہلے۔ آدھی سواریاں رستے میں ہی اتر جاتی تھیں۔
فقیر حسین: اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہارا میٹر غلط ہے نہ ہے نا۔
(غصہ دباتے ہوئے)
رکشہ والا: پچاس روپے روزانہ مالک کے نکالنے ہوتے ہیں جناب۔ پچیس روپے گیلن پٹرول کا
ریٹ ہو گیا ہے۔ گھر میں بال بچوں کے لیے روٹی بھی لے جانی ہوتی ہے۔ دس روپے سیر
چنے کی دال ہے دال روٹی بھی نہیں پوری ہوتی ایمانداری سے۔
فقیر حسین: مگر بھائی کبھی تم نے سوچا ہے جن لوگوں سے تم زیادہ پیسے لیتے ہو وہ بھی کتنی مشکل سے
کماتے ہیں... یہ سارے مسئلے ان کے بھی تو ہیں مجھے بھی تو اپنے بچوں کے لیے روٹی لے جانی
ہے۔
رکشہ والا: تو لے جاؤ بزرگو۔ کون روکتا ہے آپ کو۔
فقیر حسین: میرا ضمیر۔ میرا دل نہیں مانتا بیٹا۔
(پریشان سا ہو کر اس کی طرف دیکھتا ہے)
رکشہ والا: آپ نے جو دینا ہے دو بزرگو۔ ہمیں بھی کوئی شوق نہیں ہے میٹر تیز چلانے کا۔ مجبوری انسان
سے سب کچھ کرا لیتی ہے۔
(فقیر حسین جیب سے کچھ روپے نکال کر اسے دیتا ہے رکشہ والا ایک نظر سے
دیکھتا ہے۔ پھر جیب میں ڈالتا ہے)
فقیر حسین: مجبوریوں کے آگے ہتھیار ڈالنے سے وہ کم نہیں ہوتیں بیٹا۔ بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ پھیلتی
جاتی ہیں چاروں طرف۔
(رکشہ والا ایک لمحے کے لیے فقیر حسین کی طرف دیکھتا ہے۔ کچھ بڑبڑاتا ہے،
رکشہ سٹارٹ کر کے جاتا ہے۔)

سین نمبر ۹

(فقیر حسین کا گھر۔ خالد۔ سعیدہ)

خالد: (سخت پریشانی میں) یہ نہیں ہو سکتا سعیدہ.... ابا جان
سعیدہ: میں اسی لیے آپ کو بتا نہیں رہی تھی۔ حقیقت بڑی تلخ ہوتی ہے خالد۔

خالد : نہیں سعیدہ یہ بات نہیں، میرا مطلب تھا۔ یہ بھی تو ہو سکتا تھا تمہیں غلطی۔ غلط فہمی ہوئی ہو۔ اور

سعیدہ : نہیں خالد۔ مجھے اس بات کا اتنا ہی یقین ہے جتنا اس کا کہ آپ اس وقت میرے سامنے بیٹھے ہیں۔ وہ شخص جس نے سوئی گیس چیک کرنے کے بہانے رقم اس کمرے میں چھپائی تھی۔ آپ لوگوں کی مل میں کام کرتا ہے۔ اس کے باوجود اگر آپ حقیقت سے آنکھیں چرانا چاہیں تو یہ آپ کی مرضی ہے۔

خالد : تمہارے ابو کو پتہ ہے اس بات کا۔

سعیدہ : نہیں۔ مگر میرا خدا جانتا ہے کہ میں نے اس انکشاف کا بوجھ کیسے اپنے دل پر روکا ہوا ہے میرا جی چاہتا تھا کہ میں رو رو کر چیخ چیخ کر ساری دنیا کو بتاؤں کہ۔۔۔ دیکھو لوگو۔۔۔ دولت کی ہوس میں خون کے رشتے کیسے تنکوں کی طرح بہہ جاتے ہیں۔۔۔ مگر میں نہیں بولی۔ اس ڈر سے نہیں بولی کہ اس میں آپ کی آپ کے خاندان کی رسوائی ہے۔ اس خاندان کی جس نے ہمیں کبھی اپنا نہیں سمجھا۔

خالد : (دکھ سے) سعیدہ۔

سعیدہ : میں آپ کی بات نہیں کر رہی خالد۔ مگر آپ کے خاندان نے میرے مظلوم باپ پر جو ظلم ڈھائے ہیں۔ میں انہیں کبھی معاف نہیں کر سکتی۔ کبھی معاف نہیں کروں گی۔

(دکھ اور طیش سے)

خالد : مجھے۔ مجھے ان سے یہ امید نہیں تھی۔

سعیدہ : مجھے بھی نہیں تھی۔ جب چچا احمد علی ہمارے گھر آئے تو میں کتنی خوش ہوئی، زمین پر پاؤں نہیں پڑتے تھے میرے۔ اور پھر۔ اور پھر جب ابو نے چچا احمد علی پر شبے کا اظہار کیا تو اس کے باوجود کہ میرا دماغ ان کے ساتھ تھا۔ میرے دل نے کہا — نہیں۔ اللہ کرے یہ جھوٹ ہو۔ مگر۔

(سسکیاں لینے لگتی ہے۔ خالد تذبذب کے عالم میں ہاتھ ملتا ہے۔ جیسے کچھ سمجھ میں نہ آ رہا ہو)

خالد : پلیز سعیدہ۔ ہم میں بہت شرمندہ ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا میں کیا کروں۔

سعیدہ : (ایک دم سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھتی ہے) آپ۔ آپ یہاں سے چلے جائیں خالد۔۔۔ اور پھر کبھی یہاں نہ آئیں۔ اور ہو سکے تو اپنے گھر والوں کو بھی سمجھائیں کہ ہماری ان سے کوئی دشمنی نہیں۔ ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیں۔

(آواز بلند ہوتی ہے)

جان بخش دیں میرے ابو کی۔

خالد : سعیدہ۔ (آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں)

سعیدہ : آپ چلے جائیں خالد۔ پلیز۔ آپ کا پچھتاوا اُن زخموں کو نہیں دھو سکتا جو کینسر کی طرح ہماری زندگی میں پھیل گئے ہیں۔ چلے جائیں چلے جائیں پلیز۔

(روتی ہوئی دوسرے کمرے میں جاتی ہے۔ خالد چند لمحے پریشان سا کھڑا رہتا ہے۔ مڑکر باہر نکل جاتا ہے۔)

سین نمبر ۱

(رفیق کا ڈیرا۔ رفیق۔ اختر۔)

(رفیق اپنے مخصوص انداز میں چادر گھٹنوں کے گرد لپیٹے بیٹھا ہے۔ چہرے سے گہری سوچ بچار کے آثار نمایاں ہیں۔ کسی آہٹ پر ایک دم چونک کر دیکھتا ہے چادر کے بل کھولتا ہے دروازے میں اختر کو دیکھ کر ایک لمبا سانس لیتا ہے چند لمحے اختر کی طرف دیکھتا رہتا ہے۔

رفیق : آؤ (اختر آتا ہے) بیٹھو۔

اختر : کہاں گئے ہوئے تھے آپ؟

رفیق : (گھورتے ہوئے) کیوں؟

اختر : (اس کے غیر متوقع جواب سے گھبرا جاتا ہے) کچھ نہیں۔ ایسے ہی پوچھا تھا میں نے۔

رفیق : یہ سکول نہیں ہے۔ کیا۔ مدرسہ نہیں ہے تمہارا۔ یہاں بے فضول بات مت کیا کرو۔

اختر : سوری۔

رفیق : سلامت بتا رہا تھا کہ تمہارا باپ کوئی بڑا شریف آدمی ہے۔ کیا۔ بڑی عزت ہے اس کی محلے میں ——— تم کیوں آئے ہو یہاں۔

اختر : میں نے آپ کو بتایا تو تھا.... مجھے کسی سے انتقام لینا ہے۔

رفیق : انتقام ——— انتقام لینا آسان کام نہیں ہے ——— کیا.... بہت جان مارنی پڑتی ہے اس میں ——— یہ خیال دل سے نکال دو۔ جاؤ اپنے باپ کی خدمت کرو۔ کیا۔ اس کا نام خراب نہ کرو۔

اختر : میں یہ انتقام اپنے باپ کے لیے ہی لینا چاہتا ہوں۔

رفیق : (بے قراری سے ٹہلتے ہوئے) تو تم بھی.... تم بھی میری طرح اپنے کسی "سگے" کا بدلہ لینا چاہتے ہو۔ سلگ رہے ہو میری طرح اندر سے ——— کیا ——— تڑپ رہے ہو پانی سے نکلی ہوئی مچھلی کی طرح۔

اختر : ہاں.... میں اس معاشرے سے انتقام لینا چاہتا ہوں.... اپنے جیسے لاکھوں لوگوں

کا انتقام ——

رفیق : معاشرے سے ..... تم ..... (ہنستا ہے) تم سارے معاشرے سے انتقام لوگے ..... بات کا ....

اختر : اپنے خوابوں کی موت کا۔

رفیق : آسان زبان میں بات کر —— کیا —— خواب کیا آدمی ہوتے ہیں جو مرجاتے ہیں۔

اختر : آپ نہیں سمجھیں گے میری بات —— میں دراصل۔

رفیق : (اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ہنستا ہے) میں تیری بات نہیں سمجھ سکتا اور تو مجھ سے اپنے مسئلے کا حل پوچھنے آیا ہے —— کیا —— تو نے کبھی کوئی ایسا مریض دیکھا ہے جو بخار کی دوائی لینے موچی کے پاس جاتا ہو۔ بول۔

اختر : نہیں۔

رفیق : تو پھر کیوں آیا ہے میرے پاس —— کیا —— جسے تیرے مرض کا نہیں پتہ اس سے دوائی کیوں مانگتا ہے۔

اختر : آپ تو ناراض ہو گئے ..... میرا یہ مطلب نہیں تھا۔

رفیق : پہلے ٹھنڈے دل سے بیٹھ کر سوچو۔ تمہارا مطلب کیا ہے —————— اپنے آپ سے جھوٹ مت بولو۔ اپنے آپ سے جھوٹ بولنے والا کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔

اختر : (حیرت سے اس کی طرف دیکھتا ہے) بڑے کمال کا فقرہ ہے۔

رفیق : اس فقرے میں کوئی کمال نہیں ہے —— کیا —— کوئی نئی بات نہیں ہے ..... تمہیں یہ اس لیے اچھا لگا کہ تم نے اس کی آگ میں جل کر نہیں دیکھا۔ مجھے دیکھو —————— میں دس سال سے اس آگ میں جل رہا ہوں کیا —— انتظار کی آگ میں جل رہا ہوں۔

اختر : (کسی کا انتظار ہے آپ کو ؟

رفیق : ہاں ..... ایک شخص کا انتظار ہے —————— اس کی کچھ امانتیں ہیں میرے پاس —— وہ اپنی امانتیں سنبھال لے ..... پھر میں ہوں گا، اور میرے دشمن۔

(رفیق کے چہرے پر جلتی ہو ... حویلی اور عورتوں اور بچوں کا شور O/S ہوتا ہے۔ آہستہ آہستہ کیمرہ اس کے کلوزپر آتا ہے یہاں تک کہ صرف اس کی آنکھیں فریم میں رہ جاتی ہیں جو آتشِ انتقام سے دہک رہی ہیں۔

سین نمبر ۱۱

(دفتر۔ خالد۔ گریوال)

خالد : (جھنجھلائے ہوئے انداز میں) مسٹر گریوال۔ مجھے باتوں میں بہلانے کی کوشش مت کیجئے۔ مجھے اپنے سوال کا جواب چاہیئے۔

گریوال : (تذبذب کے عالم میں) میں کیا عرض کروں۔ سر۔ میں ملازم آدمی ہوں، اپنے کام سے کام رکھتا ہوں —
آپ کا کاروبار ماشاء اللہ اتنا بڑا ہے ..... ہر آدمی کے بارے میں مجھے کیسے خبر ہو سکتی ہے۔

خالد : میں ہر آدمی کے بارے میں نہیں پوچھ رہا، مسٹر گریوال، میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کل ہماری
فیکٹری سے جو شخص مسز ایلیسہ جمیل کے دفتر گیا تھا۔ اس کا نام کیا ہے؟

گریوال : میرا تعلق سیلز سے ہے سر — فیکٹری ..... آپ عابد صاحب سے کیوں نہیں پوچھ لیتے۔

خالد : اتنی عقل مجھے ہے مسٹر گریوال —— ! I AM NOT A DAMN FOOL
..... سمجھ گئے آپ۔

گریوال : جی —— جی سر —— یس سر۔

خالد : ایک گھنٹے کے اندر اندر آپ مجھے اس شخص کا نام پتہ معلوم کر کے دیں گے۔

گریوال : جی —— بالکل سر —— رائٹ سر۔

خالد : اور اس کے بارے میں آپ کسی سے کوئی بات نہیں کریں گے۔ ابا جان اور عابد سے بھی نہیں۔

گریوال : جی —— ٹھیک ہے سر۔

خالد : NOW PLEASE GO -

(گریوال جاتا ہے۔ خالد بے چینی سے آفس میں ٹہلتا ہے)

سین نمبر ۱۲

(رفیق کا ڈیرا۔ رفیق۔ اختر)

رفیق : جینا بہت مشکل ہے —— اختر —— کیا —— بہت مشکل ہے! اس کو اور مشکل نہیں بنانا
چاہیے —— جاؤ اپنے گھر لوٹ جاؤ۔
شالا مسافر کوئی نہ تھیوے ککھ جنہاں تھیں بھارے ہو۔

اختر : جو کام آپ خود کر رہے ہیں اس سے مجھے کیوں منع کرتے ہیں۔

رفیق : زندگی نے مجھے جس امتحان میں ڈالا ہے، میں چاہوں بھی تو اس سے نہیں نکل سکتا۔ کیا —— کبوتر
کے آنکھیں بند کر لینے سے بلی چلی نہیں جاتی۔ تمہارے پاس تو رستہ ہے واپسی کا —— کیا ——
گھر ہے تمہارے پاس۔

اختر : (طنزیہ انداز سے) گھر —— ؟ جس گھر کے لیے میں کچھ کر نہیں سکتا اسے اپنا کہنے کا مجھے کوئی
حق نہیں۔

رفیق : (غور سے اس کی طرف دیکھتا ہے۔ اختر آنکھیں چراتا ہے) یہاں رہ کر بھی تم اس گھر کے لیے
کچھ نہیں کر سکتے —— کیا —— اور دور ہوتے جاؤ گے —— جاؤ —— لوٹ جاؤ
جاؤ ——

(گھور کر اس کی طرف دیکھتا ہے اختر۔ لمحے تذبذب کے عالم میں کھڑا رہتا ہے پھر باہر جاتا ہے رفیق چند لمحے بڑے TENSE انداز میں اسے جاتے ہوئے دیکھتا ہے دیوار پر لگے ہوئے شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا عکس دیکھتا ہے وہاں اسے اپنی جگہ اختر کا چہرہ نظر آتا ہے آئینے پر ہاتھ رکھتا ہے ہونٹ بھینچتا ہے اس کے چہرے پر پھر آتش زدہ عمارت واری ہوتی ہے آئینہ دیوار سے نوچ کر زمین پر پھینکتا ہے اس کے کلوز پر سلامت کی آواز سارا ہوتی ہے۔)

سلامت: استاد۔ (رفیق تیزی سے گھوم کر اس کی طرف دیکھتا ہے۔ دروازے میں سلامت کے ساتھ عابد کھڑا ہے) انہیں سردار صاحب نے بھیجا ہے۔ ان کے دوست ہیں۔

رفیق: (اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش میں ماتھے سے پسینہ پونچھتا ہے) بیٹھو۔

عابد: (رفیق سے واضح طور پر متاثر نظر آتا ہے) سردار صاحب نے بتایا ہے کہ تم ہر قسم کا کام کر لیتے ہو۔

رفیق: تم نے ٹھیک سنا ہے —— کیا —— کام بتاؤ۔

عابد: کام یہ ہے کہ ——

(TIME LAPSE میں عابد اپنی کہانی سنا چکا ہے رفیق گھور کر اس کی طرف دیکھتا ہے)

رفیق: تو تم اس آدمی فقیر حسین سے اس کا مکان خالی کرانا چاہتے ہو۔

عابد: ہاں ——

رفیق: اور وہ خالی نہیں کرتا —— کیا —— مانتا نہیں ہے۔

عابد: ہاں۔ میں نے تمہیں بتایا نا۔

رفیق: (بات کاٹتے ہوئے) لالچ نہیں مانتا —— ترڑی میں نہیں آتا —— کیا —— کوئی ہے اس کے پیچھے؟

عابد: کوئی بھی نہیں —— بس دماغ اس کا خراب ہے —— بے وجہ ضد کر رہا ہے۔

رفیق: جو آدمی لالچ میں نہ آئے، ترڑی نہ مانے۔ وہ بے وجہ ضد نہیں کیا کرتا —— کیا —— اصیل آدمی ہوتا ہے۔

عابد: اسی لیے تو میں تمہارے پاس آیا ہوں —— کتنے پیسے لوگے!

رفیق: پیسے میں کام کے لیا کرتا ہوں —— باؤ —— یہ کام مجھے نہیں کرنا۔

سلامت: استاد جی۔ وہ ....

رفیق: میری بات کے بیچ میں مت بولا کر سلامت —— کیا۔ زبان کھینچ لوں گا کسی دن!

(سلامت ڈر کر پیچھے ہٹتا ہے)

عابد : کیا مطلب۔ یعنی تم یہ کام نہیں کر سکتے۔

رفیق : کر سکتا ہوں۔ کروں گا نہیں۔ اصیل آدمی پر میں ہاتھ نہیں اٹھاتا۔ کیا ــــ بہت کم لوگ ہوتے ہیں ایسے۔

عابد : (مایوسی سے) سردار صاحب تو کہہ رہے تھے....

رفیق : سردار صاحب بھی ٹھیک کہہ رہے تھے... میں خود ان سے بات کروں گا۔ کیا۔ تم جاؤ۔

عابد : اگر پیسوں کی کوئی بات ہے تو....

رفیق : (گھورتے ہوئے) بہت پیسے ہیں تمہارے پاس ؟

(عابد گھبرا کر خاموش ہو جاتا ہے سلامت اسے کہنی سے کھسکنے کا اشارہ کرتا ہے۔ عابد کندھے جھٹک کر مڑتا ہے۔ رفیق کا کلوز جو ٹھوڑی مسل رہا ہے)

سین نمبر ۱۳

(جمال اپنے ڈریسنگ روم میں پرفیوم لگا رہا ہے۔ آئینے میں اطمینان آمیز انداز میں اپنی TURN OUT کا جائزہ لیتا ہے مڑ کر سعید سے بات کرتا ہے جو دروازے کے قریب کھڑا ہے)

جمال : باقی تو سب ٹھیک ہے مگر یہ کار روک کر غنڈوں کا حملہ اور میرا عین وقت پر کسی ہیرو کی طرح پہنچ کر اسے بچانا ــــ کچھ بہت فلمی سی سچوئیشن ہے۔

سعید : فلمی تو ہے مگر اصل زندگی میں ایسا بہت کم ہوتا ہے۔ اگر اسے شبہ نہ ہو تو اس سے زیادہ IMPRESSIVE سچوئیشن اور کوئی نہیں ہے۔

جمال : خیر شبہ تو میں نہیں ہونے دیتا۔ چار سال کالج کے ڈراموں کا ہیرو رہا ہوں ــــ البتہ تمہارے آدمی کہیں گڑبڑ نہ کر دیں۔

سعید : ان کی آپ فکر نہ کریں۔ انہیں میں نے اچھی طرح سمجھا دیا ہے۔ میں خود بھی قریب ہی رہونگا

جمال : (بالوں میں برش کرتے ہوئے) دیکھو۔ غلطی کا مارجن نہیں ہے ہمارے پاس۔

سعید : تھوڑی سی مار آپ کو کھانی پڑے گی۔

جمال : وہ میں کھا لوں گا۔ مگر۔ پتہ نہیں کیوں یہ ترکیب مجھے بہت گھٹیا سی لگ رہی ہے۔

سعید : ٹائم زیادہ ہوتا تو کوئی اور بات سوچ لیتے۔ اس وقت تو یہی سب سے بہتر ہے...... کوشش کیجئے گا کہ وہ آپ کو ایک دفعہ گھر ضرور لے جائے۔

جمال : (متفکرانہ انداز میں) اچھا ــــ دیکھتے ہیں۔

سین نمبر ۱۴

(انیسہ اپنی موٹر میں پچھلی سیٹ پر بیٹھی کچھ پڑھ رہی ہے۔ ڈرائیور گاڑی چلا رہا ہے۔ ایک موڑ سے ایک پرانی سی موٹر اس کا تعاقب شروع کرتی ہے کٹ کر کے جمال پر جاتے ہیں جو ان سے کچھ دور اپنی گاڑی سٹارٹ کرتا ہے۔ دونوں کاریں ایک سنسان سڑک پر آ رہی ہیں بدمعاشوں کی گاڑی تیزی سے آگے آتی ہے انیسہ کا ڈرائیور گھبرا کر بریک لگاتا ہے انیسہ کے ہاتھ سے اخبار چھوٹتا ہے سیٹ پر گرتی ہے گاڑی رکتی ہے دو بدمعاش ڈرائیور کو گھسیٹ کر باہر نکالتے ہیں۔ انیسہ دروازہ کھول کر باہر نکلنے کی کوشش کرتی ہے سامنے ایک بدمعاش ہاتھ میں پایپ رینچ لیے کھڑا ہے، جمال کی گاڑی دکھائی دیتی ہے بدمعاش انیسہ کو کھینچ کر ایک طرف لے جانے کی کوشش کرتا ہے۔ انیسہ بے اختیار ہو کر بچاؤ۔ بچاؤ۔ چیختی ہے۔ جمال کی گاڑی رکتی ہے جمال نیچے اترتا ہے۔ چاروں طرف دیکھتا ہے۔ ڈرائیور بیہوش پڑا ہے چاروں بدمعاش جارحانہ انداز میں اس کی طرف بڑھتے ہیں۔)

بدمعاش ۱: بھاگ جاؤ بابو۔ یہاں سے۔

انیسہ: (بدمعاش سے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے) چھوڑو مجھے۔ چھوڑو۔ کمینے، ذلیل۔

جمال: اوہ۔ مسز جمیل۔ آپ (انیسہ حیرت سے اس کی طرف دیکھتی ہے۔ پہچانتی ہے) چھوڑ دو انہیں۔

بدمعاش نمبر ۲: (سلاخ اس کی طرف لہراتے ہوئے) تو تم ایسے نہیں مانو گے۔

(دونوں گتھم گتھا ہوتے ہیں زیادہ تر لڑائی انیسہ کے تاثرات سے دکھاتے ہیں۔ انیسہ کو پکڑنے والا بدمعاش اپنے ساتھیوں کی دُرگت بنتے دیکھ کر غصے سے پایپ رینچ گھماتا ہوا جمال کی طرف بڑھتا ہے۔ جمال مار کھانے کے باوجود لڑتا رہتا ہے ایک دفعہ لڑائی کے دوران انیسہ کے قریب گرتا ہے۔ چلا کر کہتا ہے)

جمال: آپ نکل جائیں یہاں سے۔

(انیسہ نفی میں سر ہلاتی ہے پھر کچھ سوچ کر اچانک بھاگ کر جمال کی گاڑی میں بیٹھتی ہے اسے سٹارٹ کرتی ہے اور جمال کی طرف بڑھتے ہوئے دو بدمعاشوں پر چڑھا دیتی ہے۔ بدمعاش اس کی زد سے بچنے کے لیے بھاگتے ہیں۔ باقی کے بدمعاش جمال سے مار کھا کر دوڑتے ہیں بھاگ کر اپنی موٹر میں بیٹھتے ہیں۔ موٹر سٹارٹ نہیں ہوتی جمال ان کی طرف بڑھتا ہے مگر یہ دیکھ کر کہ ان کی موٹر سٹارٹ نہیں ہو رہی اپنی جگہ پر رک جاتا ہے۔ انیسہ کی طرف دیکھتا ہے جو گاڑی کو

بدمعاشوں کی طرف لا رہی ہے ایک دم ٹکرا کر گرتا ہے۔ انیسہ بریک لگاتی ہے بدمعاش گھبراہٹ میں اس کی طرف دیکھتے ہیں گاڑی سٹارٹ کر کے بھاگتے ہیں جمال ایک آنکھ کھول کر انہیں جاتے دیکھتا ہے اطمینان کی سانس لیتا ہے۔ اٹھنے کی کوشش کرتا ہے انیسہ اسے سہارا دیتی ہے۔ جمال لمبے لمبے سانس لیتا ہے۔

انیسہ : زیادہ چوٹ تو نہیں آئی آپ کو۔

جمال : نہیں۔ پتہ نہیں (سر پہ ہاتھ لگاتا ہے جہاں سے خون نکل رہا ہے انیسہ تیزی سے بال ہٹا کر زخم دیکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ پریشانی میں اِدھر اُدھر دیکھتی ہے۔ جمال کے کوٹ کی اوپر کی جیب سے رومال نکال کر زخم پر رکھتی ہے) ہمیں فوراً پولیس میں رپورٹ کرنی چاہیئے۔

انیسہ : سب سے پہلے ہمیں ہسپتال چلنا چاہیئے ․․․․ آپ گاڑی تک چل سکیں گے۔

جمال : کوشش کرتا ہوں۔

(وہ کھڑا کر کھڑا ہوتا ہے۔ ڈگمگاتا ہوا کار تک جاتا ہے انیسہ اپنے ڈرائیور کو اٹھانے کی ناکام کوشش کرتی ہے بیچارگی سے جمال کی طرف دیکھتی ہے۔ جمال لڑکھڑاتا ہوا اس کی طرف بڑھتا ہے ڈرائیور کو ٹانگوں سے پکڑتا ہے)

سین نمبر ۱۵

(انیسہ کا گھر۔ جمال کی مرہم پٹی ہو چکی ہے۔ کوٹ اتر چکا ہے۔ بازو پر پٹی ہے ایک چادر لپیٹ رکھی ہے۔ اپنے ہاتھ پہ دو گولیاں رکھ کر اسے دیتی ہے۔ پانی کا گلاس۔

انیسہ : یہ لیجیئے ـــــ یہ بھی کھائیں ـــــ ڈاکٹر صاحب نے کہا تھا درد کم نہ ہو تو چار چار گھنٹے بعد دو گولیاں لیتے رہیں۔

جمال : (گولیاں کھاتے ہوئے) شکریہ۔

انیسہ : شکریہ تو مجھے آپ کا ادا کرنا چاہیئے (کافی بناتے ہوئے) چینی کتنی ـــــ

جمال : ایک!

انیسہ : پتہ نہیں کیا چکر ہے اس ہفتے میں یہ دوسرا واقعہ ہے۔

جمال : (حیرت سے) دوسرا؟

انیسہ : جی ہاں۔ کچھ دن پہلے میرے گھر میں ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کی گئی تھی اور آج ـــــ (سوچ میں پڑ جاتی ہے) خیر ـــــ کافی لیجیئے ـــــ

جمال : شکریہ۔ اس وقت بہت ضرورت تھی اس کی۔

انیسہ : میں سوچتی ہوں اگر آپ ․․․․ اچانک وہاں نہ پہنچ جاتے تو ․․․․․

جمال : شاید اسی اتفاقات کا نام زندگی ہے۔ ورنہ عام طور پر میں ہمیشہ دوسرے رستے سے گھر جاتا ہوں۔ اُدھر سڑک کی مرمت وغیرہ ہو رہی ہے ..... (ہنستے ہوئے) بس اللہ نے سبب پیدا کرنا تھا۔

انیسہ : ایک بات بتائیے جمال صاحب۔ انسان بغیر کسی وجہ کے جانور کیوں بن جاتا ہے ؟

جمال : جی !!

انیسہ : اب دیکھئے نا میں نے ان لوگوں کا کیا بگاڑا تھا۔ اس بے چارے ڈرائیور کا کیا قصور ہے۔ لیکن لوگ ایک بٹوا چھیننے کے لیے چند روپوں کی خاطر ..... میری سمجھ میں نہیں آتا ..... یہ کس قسم کی ترقی ہو رہی ہے دنیا میں۔

جمال : (پریشانی میں) جی ہاں ..... کچھ ایسا ہی ہے ..... اب دیکھئے نا۔

انیسہ : (چونکتے ہوئے) اوہ معاف کیجئے گا۔ آپ زخمی ہیں اور میں پتہ نہیں کیا بکواس کیے جا رہی تھی۔ کافی اور لیں گے۔

جمال : جی نہیں شکریہ ..... میں اب چلتا ہوں ..... (اٹھتا ہے)

(کراہ کر دوبارہ بیٹھ جاتا ہے)

انیسہ : ارے ارے ..... آپ بیٹھے چلیئے نہیں ..... میں آپ کے گھر فون کر دیتی ہوں آپ کی مسز ؟

جمال : ابھی تک مسنگ MISSING ہے۔

انیسہ : جی — ؟

جمال : کچھ نہیں —— آپ تکلیف نہ کیجئے۔ میں اکیلا رہتا ہوں ..... اتفاق سے آج نوکر بھی چھٹی پر ہے۔

انیسہ : پھر تو آپ ..... (ایک دم رک سی جاتی ہے) یہیں رہ جایئے۔

جمال : نہیں۔ آپ کو تکلیف ہو گی۔ خوامخواہ۔

انیسہ : نہیں تکلیف کی اس میں کیا بات ہے ..... میں گیسٹ روم کھلوا دیتی ہوں —— (باہر کو جاتے ہوئے) ایک منٹ۔

(انیسہ جاتی ہے جمال اطمینان کی سانس لے کر سر کھجاتا۔ کافی کا گھونٹ بھرتا ہے کیمرہ دیوار پر لگی ہوئی PAINTING پر جاتا ہے جہاں ایک COW BOY لمبا رسہ گھما کر گائے کے گلے میں حلقہ ڈال رہا ہے۔)

سین نمبر ۱۶

(احمد علی کا گھر۔ خالد۔ سلمیٰ)

سلمیٰ : (آزردہ آواز میں) میری تو خود سمجھ میں نہیں آتا بیٹے ..... کیا کروں ..... کیسے انہیں سمجھاؤں۔ اپنی صحت ان کی اتنی خراب رہتی ہے۔ ساری ساری رات جاگتے رہتے ہیں۔ سوچتے رہتے

ہیں۔

خالد: کیوں امی۔ اور کیا چاہیے انہیں۔ سب کچھ تو ہے۔

سلمیٰ: میں بھی تو یہی کہتی ہوں۔ مگر میری وہ سنیں تو ــــــ پتہ نہیں انہیں کیا ہو گیا ہے پہلے تو وہ ایسے نہیں تھے۔ اب تو چوبیس گھنٹے انہیں ایک ہی دھن رہتی ہے۔ پیسہ کماؤ ــــــ پیسہ کماؤ۔

خالد: (پریشانی میں ہاتھ ملتے ہوئے) میں اپنے ضمیر پہ بوجھ لے کر زندہ نہیں رہنا چاہتا ــــــ مجھے گھن آتی ہے ایسی دولت سے مجھے نفرت ہے ان سب چیزوں سے جو ایسی دولت سے خریدی گئی ہیں۔ یہ گھر، گھر نہیں ہے امی۔ مجھے اس کی دیواروں پر ان بے شمار لوگوں کی ہڈیاں لٹکی ہوئی نظر آتی ہیں جن کو میرے باپ نے...... اوہ خدایا۔ (مٹھیاں بھینچتا ہے) میں اس گناہ میں شریک نہیں ہوں گا امی۔

سلمیٰ: (محبت سے اسے تھپکتے ہوئے) لیکن ہم کیا کر سکتے ہیں بیٹے۔ تمہارے ابا، کوئی اور بات سننے کو تیار ہی نہیں ہوتے ــــــ جب سے یہ کم بخت مل چلانے کا جنون چڑھا ہے... انہیں سب کچھ بھول گیا ہے۔ تم پڑھے لکھے ہو بیٹا، سمجھدار ہو۔ کسی طریقے سے انہیں سمجھاؤ

خالد: وہ نہیں سمجھیں گے امی مجھے کچھ اور ہی کرنا ہوگا۔

(فیصلہ کن انداز میں سر اٹھاتا ہے)

سلمیٰ: (خوفزدہ سی ہو کر) خالد ــــــ!

خالد: ہاں امی ــــــ اب میرے لیے اس گھر میں رہنا ممکن نہیں۔

سلمیٰ: خالد ــــــ!

خالد: میں نے بہت سوچا ہے امی۔ میرے پاس اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں۔

سلمیٰ: تم ــــــ تم ــــــ مجھے چھوڑ کر ــــــ نہیں۔

(اسے بازو سے پکڑتی ہے)

خالد: ہاں امی ــــــ اس لیے کہ اس گھر کو آپ کی اور آپ کو اس گھر کی ضرورت ہے ــــــ

سلمیٰ: (جذباتی انداز میں) تو تم میرے کچھ نہیں لگتے۔ تمہاری ضرورت نہیں ہے مجھے۔ نہیں خالد نہیں میں تمہیں نہیں جانے دوں گی۔

(آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں)

خالد: آپ کے آنسو مجھے روک سکتے ہیں امی.... مگر ان انگاروں کو نہیں بجھا سکتے، جن کی آگ سے قطرہ قطرہ میری چربی پگھل رہی ہے۔ میں اس گھر میں رہ کر اپنے آپ کو منہ نہیں دکھا سکتا

اور جب کوئی شخص اپنے آپ کو منہ نہ دکھا سکے امی ـــــ تو اسے زندہ نہیں رہنا چاہیئے۔

سلمیٰ : مگر بیٹے۔

خالد : اب فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے اگر آپ مجھے زندہ دیکھنا چاہتی ہیں تو مجھے یہاں سے نکل جانے دیں ـــــ

سلمیٰ : تو ـــ تو ـــ پھر مجھے بھی ساتھ لے چلو۔

خالد : (آزردہ ہو کر) ضرور لے جاتا مگر آپ کے اس گھر سے اتنے رشتے ہیں کہ ایک رشتہ ان سب کے پچھتاوے نہیں سمیٹ سکتا۔

(جانے لگتا ہے)

سلمیٰ : خالد ـــــ خالد بیٹے ـــــ رک جاؤ۔

خالد : امی ـــــ خدا کے لیے .... روئیے نہیں ـــــ میری بات سمجھنے کی کوشش کریں۔

سلمیٰ : سمجھتی ہوں بیٹا ـــــ سمجھتی ہوں ـــ پر دل نہیں سمجھتا میرا ـــ اچھا۔ ایک دن صرف ایک دن اور رک جاؤ۔

خالد : کوئی فائدہ نہیں۔ میں جانتا ہوں آپ ایسا کیوں کہہ رہی ہیں۔ لیکن آپ کو اندازہ نہیں ابا جان اس دلدل میں کہاں تک دھنس چکے ہیں ... ایسی دلدل جو انہوں نے خود تیار کی ہے۔

سلمیٰ : پھر بھی۔ میری خاطر۔

(روتی ہوئی آنکھوں سے خالد کی طرف دیکھتی ہے خالد مجبور ہو کر سر جھکاتا ہے)

سین نمبر ۱۷

(انیسہ جمیل کا دفتر۔ انیسہ ایک فائل پڑھ رہی ہے۔ سعیدہ دروازہ کھول کر جھانکتی ہے۔)

سعیدہ : میں اندر آسکتی ہوں۔

انیسہ : (عینک اتار کر رکھتے ہوئے) آؤ ـــــ بیٹھو۔

سعیدہ : (بیٹھتے ہوئے) شکریہ۔

انیسہ : کام سمجھ لیا تم نے اپنا۔

سعیدہ : جی۔

انیسہ : ANY PROBLEM

سعیدہ : جی ـــ جی نہیں۔

انیسہ : میں نے تمہیں اس لیے بلوایا ہے کہ اس دفتر کے اور میرے طریقِ کار کے بارے میں دو تین باتیں اچھی طرح سمجھ لو۔ ذہن نشین کر لو انہیں۔ ONCE FOR ALL

سعیدہ: جی۔

انیسہ: جھوٹ، خوشامد اور کام چوری۔ سب سے زیادہ نفرت مجھے ان تین چیزوں سے ہے ——
UNDERSTAND

سعیدہ: جی۔

انیسہ: شادی شدہ تو تم نہیں ہو نا؟

سعیدہ: جی نہیں۔

انیسہ: منگنی وغیرہ ہوئی ہے۔

سعیدہ: (قدرے حیران ہو کر) جی نہیں۔

انیسہ: GOOD۔ دراصل مجھے دفتر میں سٹاف کا۔ خصوصاً لڑکیوں کا مہمانوں سے ملنا جلنا بالکل پسند نہیں۔ پتہ نہیں کیوں ہم لوگ کام کو کام نہیں سمجھتے۔ بہرحال IN YOUR CASE۔ یہ طے ہوا کہ دفتر میں کوئی غیر مرد تم سے ملنے نہیں آئے گا۔

سعیدہ: (شرم اور دبے دبے غصے سے) جی نہیں۔ مگر...

انیسہ: (تعریفی نظروں سے اس کی طرف دیکھتی ہے) EASY —— کچھ باتیں بظاہر تلخ لگتی ہیں لیکن ایک دفعہ کھل کر ہو جائیں تو آئندہ بہت سی پریشانی بچ جاتی ہے۔ تیسری بات ہے PUNCTUALITY۔ دیر سے آنے والوں کو میں پسند نہیں کرتی۔ CLEAR

سعیدہ: (قدرے بے چینی سے) جی۔

انیسہ: یہ تو تھے DONTS —— جو کچھ تمہیں نہیں کرنا۔ —— جو کچھ تمہیں کرنا ہے اس کے بارے میں مسٹر جعفری نے تمہیں بتا دیا ہے۔ بتا دیا ہے نا۔

سعیدہ: جی ہاں۔

انیسہ: اس کے بعد اگر تمہیں کوئی مسئلہ ہو۔ کوئی شکایت ہو۔ سیدھی میرے پاس آنا —— محنت سے اچھا کام کرنے والوں کو میں ہر ممکن سہولت دیتی ہوں۔

سعیدہ: جی —— بہت اچھا۔

انیسہ: اب تم جا سکتی ہو۔

سعیدہ: شکریہ

(جاتی ہے۔ انیسہ کے چہرے پر ایک نرم مسکراہٹ آتی ہے دوبارہ فائل کی طرف متوجہ ہوتی ہے انٹرکام کا بزر بجتا ہے۔ ریسیور اٹھاتی ہے)

انیسہ: یس۔

آواز: میڈم، جمال صاحب بات کرنا چاہتے ہیں۔

انیسہ : (بے خیالی میں) کون جمال صاحب؟

آواز : آپ کے گھر سے بول رہے ہیں میڈم۔

انیسہ : اوہ —— ملوائیں —— جی جمال صاحب۔ جی میں بالکل اچھی ہوں۔

سین نمبر ۱۸

(احمد علی۔ خالد۔ احمد کا بیڈ روم یا خالد کا کمرہ۔)

(احمد علی پائپ سلگا کر دو تین لمبے لمبے کش لیتا ہے۔ چہرے سے فکر کے آثار نمایاں ہیں)

احمد : بات یہ ہے برخوردار فلسفے سے حیات و کائنات کے مسائل پر گفتگو تو ہو سکتی ہے مگر ایک پاؤ آٹا نہیں خریدا جا سکتا۔ تم دولت کے خلاف اتنی لمبی چوڑی تقریریں اس لیے آسانی سے کر سکتے ہو کہ تم اسے افورڈ کر سکتے ہو (خالد احتجاجی انداز میں کچھ کہنے لگتا ہے) ایک منٹ۔ کیا دنیا کا کوئی قانون، کوئی نظریہ، کوئی سسٹم ایسا ہے جو یہ کہتا ہو کہ انسان کو محنت نہیں کرنی چاہیے۔ نہیں کہتا نا۔ تو اب اگر اس محنت کے نتیجے میں کوئی شخص دولت کماتا ہے تو اسے بُرا کیسے کہا جا سکتا ہے۔

خالد : بات دولت کی نہیں ابا جان۔ اس طریقے کی ہے جس سے اسے حاصل کیا جاتا ہے۔

احمد : تو آؤ اس طریقے پر بات کر لیتے ہیں۔ فرض کرو میرے پاس دس روپے ہیں اور میں انہیں صحیح وقت پر صحیح جگہ INVEST کر کے MAXIMUM نفع کماتا ہوں اور ایک دوسرا آدمی اپنی عقل، سوجھ بوجھ یا لیاقت کی کمی کی وجہ سے اپنی اصل رقم بھی کھو بیٹھتا ہے تو اس میں قصور کس کا ہے؟ کیا میں صرف اس لیے اپنے نفع سے ہاتھ کھینچ لوں کہ ایک بیوقوف انسان کا نقصان ہو رہا ہے؟

خالد : میں آپ سے بحث نہیں کرتا ابا جان —— میں آپ کو قائل بھی نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ ہم دونوں کی فریکوئنسیز مختلف ہیں۔ ہم دو مختلف منطقوں کے آدمی ہیں۔ میں تو صرف اتنا عرض کر رہا ہوں کہ میرے لیے اس گھر میں رہنا اور یہاں کا رزق کھانا ممکن نہیں۔

احمد : مگر یہ تمہارا حق ہے۔ میں تمہارا باپ ہوں۔ چڑیاں اور کوے بھی اپنے بچوں کے لیے دانا چن کر لاتے ہیں۔ یہ فرض ہوتا ہے والدین کا۔

خالد : آپ اپنا فرض ادا کر چکے ہیں۔ میرا آپ پر کوئی حق واجب نہیں رہا۔ اب مجھے اپنی زندگی خود گزارنے دیجیے۔

احمد : (لہجہ بدلتے ہوئے) بیوقوف نہ بنو خالد۔ جب تم میری عمر کو پہنچو گے تو تمہیں معلوم ہوگا ..... کہ میں ٹھیک کہہ رہا تھا۔ صرف تجربہ ہی تمہیں یہ بتا سکے گا۔

خالد : آپ اپنے تجربات مجھ پر کیوں ٹھونسنا چاہتے ہیں۔ زندگی کوئی سائنس کا فارمولا تو نہیں کہ ہر دفعہ ہائیڈروجن اور آکسیجن کے ملنے سے پانی پیدا ہو جائے گا۔ میرے COMPONENTS آپ کے فارمولے سے بھی تو ہو سکتے ہیں۔

احمد : (لاجواب سا ہو کر) بائی دی وے میں پوچھ سکتا ہوں کہ یہ اچانک BRAIN WAVE تمہیں آئی کیسے ہے؟ کل تک تو تم اچھے بھلے تھے۔

خالد : آپ نہ پوچھیں تو بہتر ہے۔

احمد : کیوں —— کیوں نہ پوچھوں۔ میرا بیٹا میرا گھر چھوڑ کے جا رہا ہے اور میں اس سے سبب بھی نہ پوچھوں —— میرے سینے میں بھی دل ہے بیٹا۔

خالد : (جذبات پر قابو پانے کی کوشش میں) نہیں ابا جان۔ مجھے یقین نہیں آتا۔ اگر آپ کے سینے میں دل ہوتا تو آپ چچا فقیر حسین کے خلاف اتنی گھناؤنی سازش کبھی نہ کرتے۔

(باپ احمد علی کے ہاتھ میں ایک لمحے کے لیے لرزتا ہے) یہ آپ نے بہت برا کیا ہے ابا جان —— بہت برا۔

احمد : (بات بنانے کی کوشش میں) اوہ۔ وہ —— تو —— تمہیں غالباً پورے واقعات کا علم نہیں۔

خالد : دکھ تو یہی ہے کہ مجھے پورے واقعات کا علم ہے۔ آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا ابا جان۔

احمد : دیکھو میں تمہیں سمجھاتا ہوں —— بات دراصل یہ ہے کہ ....

خالد : پلیز ابو۔ خدا کے لیے۔ اس گناہ کے جواز ڈھونڈ کر اپنے آپ کو اور گنہگار نہ کیجئے۔ میں اللہ سے یہی دعا کرتا ہوں کہ وہ کسی طرح آپ کے دل میں نیکی ڈال دے۔ آپ کو ان کانٹوں سے نجات دے دے جو آپ دن رات اپنے رستے میں بو رہے ہیں۔

(اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لیتا ہے اپنی آنکھوں سے لگاتا ہے) اللہ ہم سب پر رحم کرے۔

(تیزی سے باہر نکلتا ہے۔ احمد پریشان سا ہو کر اس کے پیچھے جاتا ہے)

احمد : خالد —— خالد بیٹے۔

(احمد کے کلوز پر جاتے ہیں جو کچھ نہ سمجھ سکنے کے انداز میں کھڑا ہے)

8

کردار

• فقیر حسین • احمد علی • سعیدہ • اختر • خالد • عابد • رفیق • جمال
• انیسہ جمیل • جہانگیر • سلامت • ریاست • سمیع • حسینہ
• سعید غنی۔

سین نمبر ۱

(انیسہ کا ڈرائنگ روم)

جمال انیسہ کی تصویر کو غور سے دیکھ رہا ہے انیسہ بیرونی دروازے سے داخل ہوتی ہے۔ جمال ایسے انداز میں تصویر کی طرف متوجہ رہتا ہے جیسے اسے انیسہ کی آمد کا علم نہیں ہوا۔ انیسہ چند لمحے اس کی طرف دیکھتی ہے پھر صوفے پر بیٹھتی ہے)

انیسہ : اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟

جمال : (چونکنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے) اوہ۔ اب بہتر ہے۔ آپ کیسی ہیں؟

انیسہ : میں ٹھیک ہوں۔

(چند لمحے کی خاموشی۔ جیسے دونوں بات کرنے کے لیے موضوع ڈھونڈ رہے ہیں)

انیسہ : کھانا کھایا آپ نے؟

جمال : کھانا۔ جی وہ ——— نہیں۔

انیسہ : (حیرت اور پریشانی سے) کیوں۔ میں حسینہ کو خاص طور پر کہہ کے گئی تھی کہ.... ایک تو ڈھنگ کا نوکر بھی نہیں ملتا۔

جمال : (اندر کی طرف جاتی ہوئی انیسہ کو ہاتھ سے روکتا ہے) آپ ناراض نہ ہوئیے پلیز۔ اس میں آپ کی اس ملازمہ کا کوئی قصور نہیں۔ میں نے خود اُسے منع کیا تھا۔

انیسہ : کیوں؟

جمال : اس نے بتایا کہ آپ کھانا گھر آ کر کھاتی ہیں۔ میں نے سوچا ایک ساتھ ہی کھائیں گے۔

انیسہ : مگر جمال صاحب۔ میں تو کھانا کھاتی ہوں چار بجے اور اس کا بھی کچھ ٹھیک نہیں۔ آپ بیمار ہیں ——— آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا۔

(آواز دیتے ہوئے)

حسینہ۔ او حسینہ ....

(حسینہ آتی ہے)

کھانا لگاؤ۔ فوراً۔

(حسینہ جاتی ہے)

جمال : ویسے نام آپ نے اس کا بہت چُن کے رکھا ہے؟

(شرارت سے مسکراتی ہے)

انیسہ : (بجائے ہنسنے کے سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھتی ہے) کسی شخص کی ایسی کمزوری پر ہنسنا نہیں چاہیئے۔ جسے وہ دُور نہ کر سکتا ہو۔

جمال : (ٹھٹھاکر) آئی ایم سوری۔ مجھے واقعی ایسا نہیں کہنا چاہیئے تھا۔

انیسہ : یہ بات آپ میں بہت اچھی ہے کہ غلطی مان لیتے ہیں۔ کج بحث لوگ مجھے بالکل اچھے نہیں لگتے۔

سین نمبر ۲

(انیسہ کا ڈرائینگ روم۔ ڈائننگ ٹیبل۔ جمال اور انیسہ کھانا کھا رہے ہیں۔ چند لمحوں کی خاموشی۔

انیسہ : (سلاد کی پلیٹ اٹھاتے ہوئے) یہ سلاد لیجیئے۔

جمال : (سلاد پلیٹ میں ڈالتے ہوئے) شکریہ۔

انیسہ : آج کئی برسوں کے بعد اس ٹیبل پر دو آدمی کھانا کھا رہے ہیں۔

جمال : آپ کی ملازمہ نے بتایا تو مجھے یقین نہیں آتا تھا۔

انیسہ : معلوم ہوتا ہے آپ حسینہ سے خاصی انکوائری کرتے رہے ہیں۔

جمال : (قدرے گھبرا کر) جی نہیں .... دراصل آپ جیسی ....

(لفظ کے انتخاب میں تھوڑا وقت لیتا ہے)

باوقار۔ اور .... اور وجیہہ خاتون کے لیے ....

انیسہ : (مسکراتے ہوئے) وجیہہ، عورتوں کے لیے استعمال نہیں ہوتا۔

جمال : (جھینپ کر ہنستے ہوئے) دراصل میں گریس فُل اور چارمنگ کہنا چاہتا تھا مگر آپ کے ڈر سے نہیں کہا۔

انیسہ : میرے ڈر سے؟ میں اتنی ڈراؤنی تو نہیں ہوں۔

(مسکراتی ہے)

جمال : اس دن آفس میں آپ نے .... میرا مطلب ہے آپ کا رویہ ایسا تھا کہ ....

انیسہ : ہاں جمال صاحب ۔ وہ روپیہ میری ضرورت بھی ہے اور ڈھال بھی ۔ اگر میں ایسا نہ کروں تو لوگ شہد کی مکھیوں کی طرح مجھ سے چمٹ جائیں ـــــ ایک تنہا عورت کے لیے اس معاشرے میں عزت سے زندہ رہنا بہت مشکل ہے جمال صاحب ۔ آپ مرد ہیں نا ۔ یہ بات آپ کی سمجھ میں نہیں آسکتی

جمال : آپ ٹھیک کہتی ہیں ، لیکن مسز جمیل ، ایک بات پوچھوں ۔ برا تو نہیں مانیں گی ۔

انیسہ : اگر آپ کے خیال میں وہ بات برا ماننے والی ہے تو بہتر ہے نہ پوچھیں ۔ یہ سویٹ لیجیے ۔

(ایک پیالہ آگے کرتی ہے)

جمال : شکریہ ۔ میں میٹھا ذرا ....

انیسہ : (مسکراتے ہوئے) موٹا ہونے سے ڈرتے ہیں ۔

جمال : نہیں ۔ ایسی تو کوئی بات نہیں ۔

انیسہ : مجھے دیکھیے ، میں ہر کھانے کے ساتھ میٹھا ضرور کھاتی ہوں ۔ اور آج تک موٹی نہیں ہوئی ۔

جمال : (تعریفی نظروں سے اس کی طرف دیکھتا ہے) سمجھ میں نہیں آتا اگر جمیل صاحب کو فوت ہوئے پندرہ برس ہو چکے ہیں تو آپ کی شادی کس عمر میں ہوئی تھی ؟

YOU LOOK SO YOUNG

انیسہ : I AM THIRTY SEVEN جمال صاحب ۔ بیس سال کی عمر میں میری شادی ہوئی تھی اور صرف دو سال بعد ـــــ

جمال : اوہ کتنے افسوس کی بات ہے ۔

انیسہ : تقدیر سے کون لڑ سکتا ہے جمال صاحب ؟ آپ چائے پسند کریں گے یا قہوہ ؟

جمال : جو آپ کی مرضی ۔ ویسے ایک بات ہے مسز جمیل ۔ ظاہر ہے آپ نے تنہا رہنے کا فیصلہ سوچ سمجھ کر ہی کیا ہو گا ۔ لیکن یہ کچھ ـــــ بہت زیادہ ظالمانہ نہیں ہے ۔

انیسہ : شاید ہو ، لیکن میرے پاس ـــــ خیر چھوڑیے ان باتوں میں کیا رکھا ہے ۔ آپ یہ سیب لیجیے بہت اچھا ہے ۔

جمال : بس ۔ پلیز ۔ میری عادتیں خراب نہ کیجیے ۔ یہ کھانا مجھے برسوں یاد رہے گا ۔

انیسہ : (مسکراتے ہوئے) کیوں ۔ کیا خصوصیت ہے اس کھانے میں ۔

جمال : خصوصیت کھانے میں نہیں ۔ کھلانے والے میں ہے ۔

(اپنے جملے کا ردعمل دیکھنے کے لیے انیسہ کی طرف دیکھتا ہے جو پریشان سی ہو کر اس کی طرف دیکھتی ہے)

سین نمبر ۳

(فقیر حسین کا گھر)

(فقیر حسین بستر پر بیٹا کوئی کتاب پڑھ رہا ہے۔ سعیدہ اس کا ناشتہ لے کر آتی ہے۔ خاموشی سے ناشتہ رکھ کر جانے لگتی ہے۔ فقیر حسین غور سے اس کی طرف دیکھتا ہے۔ جاتی ہوئی سعیدہ کو آواز دیتا ہے)

فقیر حسین: سعیدہ بیٹی۔

سعیدہ: جی ابو۔

فقیر حسین: کیا بات ہے کچھ دنوں سے تم بہت چپ چپ ہو۔

سعیدہ: نہیں تو ابو۔

فقیر حسین: اچھا۔

(کندھے جھٹکتا ہے)

شاید۔ نوکری کیسے جا رہی ہے تمہاری؟

سعیدہ: ٹھیک ہے بس۔

فقیر حسین: (چائے پیتے ہوئے) اس دن تو تم بہت تعریفیں کر رہی تھیں۔ اپنی اس ... وہ کیا نام تھا ..... ؟

سعیدہ: مسز انیسہ۔

فقیر حسین: ہاں، بھئی میری سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ عورتیں کیسے دفتر کا انتظام چلا لیتی ہیں .... یہ تو خاصا ..... وہ ..... ٹیکنیکل قسم کا معاملہ نہیں ہوتا۔

سعیدہ: ہوتا تو ہے ابو۔ مگر آدمی کرنا چاہے تو کیا نہیں کر سکتا۔

فقیر حسین: یہ تم نے بالکل سچ کہا بیٹی۔ اب دیکھو نا احمد علی نے بیٹھے بٹھائے .... لوگ ایسا کیوں کرتے ہیں بیٹی کیا مل جاتا ہے انہیں ایسی باتوں سے؟

سعیدہ: کچھ نہ کچھ ملتا ہی ہوگا نا ابو۔ ہو سکتا ہے ہمارے ہی دیکھنے میں کوئی خرابی ہو۔ اچھائی اور برائی بھی تو اضافی ہوتی ہیں نا ابو۔ کوئی چیز ایک کے لیے دوا ہوتی ہے اور دوسرے کے لیے زہرِ قاتل۔

فقیر حسین: نہیں بیٹی ایسا نہیں ہوتا۔ برائی اور اچھائی کے درمیان ایک حد ضرور ہوتی ہے۔

سعیدہ: جس طرح رات اور دن کے درمیان دھندلکا ہوتا ہے؟ جس میں کوئی چیز صاف نہیں نظر آتی۔

فقیر حسین: دیکھو بیٹی۔ بحری جہاز کے پورٹ ہول میں دیکھنے سے پورا سمندر نظر نہیں آتا۔ اس کے لیے عرشے پر کھڑا ہونا پڑتا ہے۔

سعیدہ: سمندر تو وہاں سے بھی پورا نظر نہیں آتا۔ ابو۔

فقیر حسین: (غور سے دیکھتے ہوئے) تم کہنا کیا چاہتی ہو؟

سعیدہ: کچھ نہیں۔ میں تو آپ کی بات کا جواب دے رہی تھی۔

(چند لمحے کی خاموشی)

ایک بات بتائیں ابو ——— کیا آپ نے سچ سچ دل سے چچا احمد علی کو معاف کر دیا ہے۔

فقیر حسین : نہیں۔ ہاں۔ شاید۔ تم کیوں پوچھ رہی ہو!

سعیدہ : میں سوچ رہی تھی اگر آپ کو ان ساری باتوں کے باوجود ان کا اتنا خیال ہے تو ——— تو۔ آپ یہ مکان دے کیوں نہیں دیتے ان کو ——— یہ جھگڑا ختم کیوں نہیں کرتے۔

فقیر حسین : یہ دو بالکل مختلف باتیں ہیں بیٹی۔ میں اپنا خون کرنے والے کو تو معاف کر سکتا ہوں۔ مگر اپنے اعتماد کے قاتل کو نہیں بخش سکتا۔ احمد علی نے مجھے نوکری سے نکلوا کر جو دکھ دیا ہے۔ وہ اس دکھ کا پاسنگ بھی نہیں جو اس نے رشتہ داری کے نام پر مجھے دیا ہے۔ کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں بیٹی جن پر سمجھوتہ ممکن نہیں ہوتا۔

سعیدہ : میں نے بھی اسے یہی کہا تھا؛

فقیر حسین : کسے ؟

سعیدہ : خالد کو۔

فقیر حسین : خالد۔ ہاں اب دیکھو نا۔ کون کہہ سکتا تھا کہ احمد علی کے گھر خالد جیسا بیٹا پیدا ہو سکتا ہے کسی طرف سے لگتا ہی نہیں اس خاندان کا۔

سین نمبر ۴

(سمیع کا دفتر۔)

سمیع : بہر حال اب تم نے فیصلہ کر ہی لیا ہے تو میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ مگر پارٹنر.... اس عمر میں تمہارے جیسے سمجھدار آدمی کا گھر چھوڑ کے چلے جانا۔ معاف کرنا بڑی بچگانہ سی حرکت ہے۔

خالد : کاش میں تمہیں پوری بات بتا سکتا۔

سمیع : اب کیا سوچا ہے تم نے ؟

خالد : کچھ نہیں۔ بس وہی پہلے والا کام کریں گے۔ لڑکے پڑھائیں گے۔

سمیع : لڑکوں کو تو اکثر گھروں سے بھاگتے سنا ہے لیکن تم غالباً پہلے پروفیسر ہو جس نے یہ کارنامہ دکھایا ہے۔

(ہنستا ہے)

خالد : (سنجیدگی سے) میں گھر سے بھاگا نہیں ہوں سمیع۔ اسے چھوڑ کر آیا ہوں۔

سمیع : خدا کے واسطے خالد۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ لگتا ہے تم اپنی SENSE OF HUMOUR بھی وہیں چھوڑ آئے ہو۔ بندہ خدا میں تو مذاق کر رہا ہوں۔

خالد : تقدیر نے میرے ساتھ ایسا مذاق کر دیا ہے کہ اب مجھے کوئی اور مذاق اچھا نہیں لگتا۔

(اٹھتے ہوئے)

چلتا ہوں۔

سمیع : چائے کا آرڈر میں نے دیا ہے اس کے پیسے یہاں رکھ دو اور بڑے شوق سے چلے جاؤ۔

(دونوں ہنستے ہیں۔ خالد بیٹھ جاتا ہے)

سمیع : ویسے چائے اس دن تمہاری اس کزن نے بہت اعلیٰ پلائی تھی۔ ACTION REPLAY نہیں ہو سکتا اس کا۔

خالد : نہیں۔ وہ تو پیچ ہی ختم ہو گیا ہے۔

(سمیع غور سے اس کی طرف دیکھتا ہے۔ خالد کا کلوز۔)

سین نمبر ۵

(انیسہ کا ڈرائنگ روم۔)

دیوار پر لگی ہوئی بچوں کی تصویر سے PAN کرتے ہوئے انیسہ اور جمال پر آتے ہیں۔ جو اسی انداز میں آمنے سامنے بیٹھے ہیں۔ انیسہ کا ہاتھ میز پر ہے جسے جمال بڑے غور سے دیکھ رہا ہے انیسہ ہنس رہی ہے۔

جمال : آپ کے دماغ کی لائن دل سے زیادہ مضبوط ہے۔

انیسہ : وہ تو ہے۔

جمال : لیکن یہ دیکھئے۔ یہاں آکر صورت حال بدل گئی ہے۔ یہ ابھار دیکھ رہی ہیں نا آپ .... یہ بہت کم ہاتھوں میں ہوتا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی روح اندر سے بہت بے چین ہے۔ کسی تازہ پکڑے ہوئے پرندے کی طرح پھڑ پھڑا رہی ہے۔

(مسکراتے ہوئے)

انیسہ : کبھی پھڑ پھڑاتی تھی اب نہیں۔ کچھ عادت سی ہو گئی ہے بلکہ اب تو اچھا لگنے لگا ہے یہ سب کچھ ....

جمال : مگر لکیریں تو کچھ اور کہہ رہی ہیں؟

انیسہ : اچھا جمال صاحب۔ یہ بتائیے۔ جن لوگوں کے ہاتھ نہیں ہوتے ان کی قسمت کا پتہ کیسے چلتا ہے؟

جمال : (اس سوال سے پریشان سا ہو جاتا ہے) ہاتھ نہیں ہوتے۔ تو .... وہ .... پتہ نہیں۔ شاید۔

انیسہ : تقدیر بہت بڑی چیز ہے جمال صاحب۔ ہاتھ کی ان چند لکیروں میں قید نہیں ہوتی۔ اس کے آگے تو آدمی بے بس ہو جاتا ہے۔ یہ تو ایسے ہے جیسے آدمی سمندر میں کسی ٹوٹے ہوئے تختے پر سفر کر رہا ہو۔ آپ خوش نصیب ہیں کہ کسی امتحان میں نہیں پڑے۔

جمال : یہ آپ کیسے کہہ سکتی ہیں؟ ہو سکتا ہے میں زندگی سے آپ سے زیادہ دکھی ہوں۔

انیسہ : آپ کے چہرے سے تو پتہ نہیں چلتا۔

جمال : چہرے سے تو آپ کے بھی پتہ نہیں چلتا۔

انیسہ : ہاں، شاید۔ ٹی ایس ایلیٹ کی ایک لائن ہے۔

PREPARE A FACE TO MEET THE FACES THAT YOU MEET.

دنیا کے لیے شکل تو بنا کر رکھنی پڑتی ہے جمال صاحب۔

جمال : (سر جھکا کر پریشانی میں ہاتھ ملتا ہے) دنیا کے لیے۔ ہاں دنیا کے لیے آدمی کو بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔

انیسہ : (غور سے اس کی طرف دیکھتی ہے) کوئی پریشانی ہے آپ کو؟

جمال : (اس کی بات ان سنی کر کے جذباتی انداز میں بولتا ہے) آپ کو پتہ ہے مسز انیسہ میں اس دنیا میں بالکل اکیلا ہوں آپ کی طرح۔ اور میرے پاس تجربہ بھی نہیں ہے میں سمجھتا تھا شاید سبھی لوگ میری طرح سچ بولتے ہیں۔ مگر..... (دکھ بھرے انداز میں ہنستا ہے)

YOU NEVER KNOW

انیسہ : (توجہ اور پریشانی سے) کیا بات ہے۔ مجھے بتائیے شاید میں آپ کی کچھ مدد کر سکوں۔

جمال : مدد تو میں کسی کی نہیں لوں گا۔ مگر آپ اتنی اچھی ہیں کہ میں آپ کو اپنا دکھ سنانا ضرور چاہتا ہوں.... میں ایک ایسی مشکل میں پھنس گیا ہوں کہ.... میں آپ کو شروع سے سناتا ہوں۔

(انیسہ کا کلوز جو گہری ہمدردی اور توجہ سے اس کی طرف دیکھ رہی ہے)

سین نمبر ۶

(رفیق کا ڈیرا۔ سلامت اور اختر)

سلامت : چھوڑو یار یاد۔ کوئی اور بات کرو۔ استاد کو پتہ چل گیا تو ہم دونوں کی کم بختی آجائے گی۔

اختر : تم میرے دوست نہیں ہو۔

سلامت : (اوہو۔ ایک تو تم باتیں بڑی دل کھینچنے والی کرتے ہو۔ خوامخواہ بندہ جذباتی ہو جاتا ہے۔) استاد کی کہانی سن کر تم نے کیا لینا ہے۔

اختر : بس میں جاننا چاہتا ہوں۔ ایک دفعہ کوئی بات میرے دماغ میں پھنس جائے نا۔ تو نکلتی نہیں۔

سلامت : اسی لیے تو استاد کہتا ہے تم اس کام میں نہ پڑو۔ کام کرو اور بھول جاؤ۔

اختر : اچھا اچھا اب تم مجھے باتوں میں نہیں لگاؤ۔ تم کب سے ہو استاد کے ساتھ۔

سلامت : میں۔ بہت سال ہو گئے ہیں اب تو۔ میں اور جیلا دونوں یتیم خانے سے بھاگے تھے۔

(ہاتھ کے اشارے سے بتاتا ہے)

اتنے اتنے تھے اس وقت۔ استاد بھی نیا نیا آیا تھا یہاں۔ اس وقت وہ موٹروں کے وہیل کپ اتار کر بیچا کرتا تھا۔

اختر : اوہ۔

سلامت : بڑا پھرتیلا اور جیدار تھا۔ واہ۔ واہ۔ واہ۔

اختر : یہ مجھے پتہ ہے۔ تم یہ بتاؤ وہ ہے کون۔ کہاں سے آیا ہے؟

سلامت : یہ بات وہ کسی کو نہیں بتاتا۔ بس اتنا پتہ ہے کہ اس کی ایک بھابی اور اس کے دو بچے ہیں۔

اختر : کس کے۔ استاد کے یا بھابی کے۔

سلامت : بھابی کے یار۔ استاد کی تو ابھی شادی نہیں ہوئی۔

اختر : اچھا۔

سلامت : ان کو اس نے فیصل آباد میں مکان لے کر دیا ہوا ہے۔ اس کا بھائی جیل میں عمر قید بھگت رہا ہے نا آخری سال ہے۔

اختر : کیا کیا تھا اس نے؟

سلامت : پوری بات کا تو مجھے علم نہیں۔ پیچھے سے ملتان کے علاقے کے ہیں۔ وہاں کسی جھگڑے میں دشمنوں نے استاد کے سارے خاندان کو حویلی میں بند کر کے زندہ جلا دیا تھا۔ سنا ہے کوئی بڑے اثر رسوخ والے لوگ تھے۔

اختر : مگر یار استاد کا بھائی کیسے اندر ہو گیا۔ زیادتی تو دوسرے لوگوں کی تھی۔

سلامت : میں نے جو سنا ہے بتا رہا ہوں۔ موقعے پر تو موجود تھا نہیں میں۔

(رفیق دروازے میں آ کر ان کی باتیں سنتا ہے۔ دونوں اس کی آمد سے بے خبر ہیں۔)

اختر : جنہوں نے آگ لگائی تھی وہ نہیں پکڑے گئے۔

سلامت : میرا خیال ہے نہیں۔

(رفیق ایک دم اندر آتے ہوئے بولتا ہے۔ اس کی اچانک آمد سے سہم جاتے ہیں)

رفیق : تمہیں کیا پریشانی ہے؟

سلامت : وہ۔ میں۔ استاد

رفیق : تم سے میں بعد میں بات کروں گا سلامت۔ پہلے مجھے اس سے پوچھ لینے دے۔

اختر : (اس کی تیز نظروں سے گھبرا جاتا ہے) کچھ نہیں۔ میں سلامت سے پوچھ رہا تھا کہ۔۔۔۔

رفیق : زندگی میں اتنے سوال ہوتے ہیں کہ آدمی پوچھتے پوچھتے تھک جاتا ہے۔ زیادہ سوال نہ کیا کر۔ اتنے جوابوں کا بوجھ تم نہیں اٹھا سکتے۔

اختر : مجھے ایسے لگتا ہے جیسے آپ کے دل پر کوئی بہت بڑا بوجھ ہے۔

رفیق : کس کے دل پر نہیں ہوتا۔ تم کیوں آتے ہو یہاں۔ کسی بوجھ سے نکلنے کے لیے آتے ہو نا۔

اختر : (اس کی بات سے قائل ہو کر) ہاں۔

رفیق : تو پھر اپنے کام سے کام رکھو۔ مت سوچو کسی اور کے بارے میں۔ زیادہ سوچنے سے دم گھٹنے لگتا ہے۔

اختر : تو پھر آپ کیوں سوچتے ہیں؟

رفیق : (اس سوال پر ایک دم چونکتا ہے غور سے اس کی طرف دیکھتا ہے) تم۔ تم۔ بالکل وہی باتیں کرتے ہو جو ایک زمانے میں۔ میں کیا کرتا تھا۔ بیٹھو۔ پوچھو۔ کیا پوچھنا ہے؟

سین نمبر ۷

(انیسہ کا ڈرائنگ روم۔)

انیسہ : میری سمجھ میں نہیں آتا جمال صاحب۔ آپ نے اتنا بڑا رسک لے کیسے لیا۔

جمال : بس حماقت کہہ لیجیے۔ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

انیسہ : یہ تو اس سے بھی کچھ آگے کی چیز ہے۔ آپ نے کسی سے مشورہ کر لیا ہوتا۔

جمال : کس سے کرتا؟ کوئی میرا اپنا ہو تب ہے نا۔

انیسہ : یہ تو بہت تکلیف دہ بات ہے۔

جمال : پتہ نہیں آپ میں ایسی کیا بات ہے کہ مجھ سے رہا نہیں گیا۔ آپ کو دیکھ کر یوں لگا جیسے رونے کیلئے کندھا مل گیا ہو۔ یقین کریں آپ اس دنیا میں واحد ہستی ہیں۔ جس سے میں نے اپنے دل کی بات کی ہے۔ اس گھر میں آکر مجھے یوں محسوس ہوا ہے جیسے تپتے ہوئے صحرا میں اچانک کوئی سایہ دار درخت مل جائے۔ اس کے لیے میں ہمیشہ آپ کا احسان مند رہوں گا۔ اچھا اب مجھے اجازت دیجیے۔ (اٹھتا ہے)

انیسہ : (ایک منٹ دسوچتے ہوئے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتی ہے، جمال بیٹھ جاتا ہے) سچی بات یہ ہے جمال صاحب کہ آپ کے بارے میں میرا پہلا تاثر بہت خراب تھا۔ میں آپ کو بھی ایک بگڑا ہوا امیرزادہ سمجھتی تھی جو...... مجھے خوشی ہے کہ میرا وہ تاثر غلط نکلا۔ آپ صبح میرے دفتر آئیں۔ میں دیکھوں گی کہ اس سلسلے میں کیا کیا جا سکتا ہے۔

جمال : نہیں انیسہ بیگم۔ میرے لیے آپ کی یہ ہمدردی اور توجہ بہت ہے۔ اپنی ناتجربہ کاری سے میں جس دلدل میں پھنس گیا ہوں۔ اس سے میں خود ہی نکلوں گا۔ اور اگر نہ بھی نکل سکا تو آپ سے ملنے کے بعد اب مجھے اور کسی چیز کی خواہش نہیں رہی۔ اب میں آسانی سے مر سکتا ہوں۔

انیسہ : (بے اختیاری میں اس کے منہ پر ہاتھ رکھتی ہے) خبردار۔ ایسی بری باتیں منہ سے نہیں نکالتے۔ تم مجھ سے چھوٹے ہو، جو میں کہتی ہوں وہی کرو۔ آرام سے بیٹھ جاؤ اور مجھے سوچنے دو۔

(کٹ کر کے دیوار پر لگی تصویر پر جاتے ہیں)

سین نمبر ۸

(جہانگیر کا شہر والا گھر۔ جہانگیر، عابد بیٹھے ہیں ریاست پیچھے کھڑا ہے۔ ایک ملتانی کافی کا کیسٹ بج رہا ہے۔ جہانگیر کے چہرے پر گہری محویت کے آثار ہیں۔ عابد بے چینی سے

پہلو چل رہا ہے کافی کا آخری انترا بجتا ہے۔ اس کے بعد جہانگیر آنکھیں کھولتا ہے۔
کیسٹ بند کرتا ہے)

جہانگیر: (سبحان اللہ۔ کیسی پتے کی باتیں کرتے تھے یہ بزرگ (عابد کا REACTION) لگتا ہے پتر تمہیں موسیقی
سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے۔

عابد: ہے سردار صاحب۔ مگر یہ..... فوک قسم کی موسیقی۔ میرے کچھ پلّے نہیں پڑتی۔ میوزک ایسا ہونا چاہیے جس
پر آدمی کے پاؤں خود بخود ہلنے لگیں۔

جہانگیر: (مسکراتے ہوئے) یہ تم نہیں بول رہے پتر۔ تمہاری عمر بول رہی ہے۔ جب میری عمر کو پہنچو گے پھر تمہیں پتہ چلے
گا۔ تان کس طرح ہڈیوں میں رستہ بناتی ہوئی گزرتی ہے۔ (ہاتھ سے اشارہ کرتا ہے) ادھر ریڑھ کی ہڈی میں
گھنگھرو سے بجنے لگتے ہیں۔

عابد: اچھا سردار صاحب میں اب چلتا ہوں۔

جہانگیر: نہ پتر نہ۔ تمہارے کام کے بارے میں سوچنے ہی تو میں نے یہ میوزک لگایا تھا۔ عارفانہ کلام سن کر
روح ذرا ہلکی سی ہو جاتی ہے۔ دماغ تیزی سے کام کرنے لگتا ہے۔ دراصل یہ آدمی رفیق میری سمجھ میں
نہیں آیا۔ کچھ گڑبڑ ہے اس کے ساتھ۔

عابد: جی ہاں۔ کچھ عجیب سا آدمی ہے۔

جہانگیر: تو پھر ایسے کرتے ہیں ——— یہاں بلوا لیتے ہیں اس آدمی۔ نقیر حسین کو ——— سمجھا دیتے ہیں اس کو
ساری بات۔ DISCUSSION کر لیتے ہیں اس سے..... کیوں ریاست۔

ریاست: جو حکم سائیں۔

عابد: (پریشانی میں) میرے خیال میں۔ میرا سامنے آنا مناسب نہ ہوگا۔ ڈیڈی اسے پسند نہیں کریں گے۔

جہانگیر: تو تم نہ آؤ نا سامنے پتر ——— میں کروں گا اس سے بات۔

عابد: وہ ذرا ——— خر دماغ سا آدمی ہے۔

جہانگیر: اپنے علاقے میں ہر طرح کے جانور کا معقول علاج ہوتا ہے پتر۔ اس کو بلا کے بات کر لیتے ہیں۔ گفتگو
لمبی ہو گئی تو باقی بات اپنے علاقے میں کریں گے۔ کیوں ریاست؟

ریاست: صحیح ارشاد کیتا اے سائیں۔

عابد: (فیصلہ کن انداز میں) بالکل ٹھیک ہے۔

جہانگیر: ریاست۔

ریاست: جی سائیں۔

جہانگیر: چار ساڑھے چار بجے واپس آؤں گا میں۔

ریاست: بندہ حاضر ہوئے گا سائیں۔

جہانگیر: شاباش (عابد سے) انشاءاللہ شام تک تمہارا کام ہو جائے گا پتر۔

(کیسٹ کا بٹن دباتا ہے ایک اور کافی شروع ہوتی ہے آنکھیں بند کر کے جھومتا ہے)

سین نمبر ۹

(سمیع کا آفس)

سمیع: میری سمجھ میں نہیں آتا، آپ انکوائری کیوں رکوانا چاہتی ہیں۔ یہ آپ کی فیملی کے مستقبل کا سوال ہے۔

سعیدہ: اسی لیے رکوانا چاہتی ہوں سمیع صاحب۔

سمیع: معاف کیجئے گا میری سمجھ میں آپ کی بات نہیں آئی۔ اب جبکہ یہ ثابت ہو گیا ہے کہ آپ کے والد کے خلاف سازش کی گئی ہے۔ انہیں باقاعدہ منصوبے کے ساتھ اس کیس میں پھنسایا گیا ہے تو آپ کہہ رہی ہیں میں [illegible]ری رکوا دوں۔

سعیدہ: پلیز سمیع صاحب۔ آپ میری بات مان لیجئے۔ آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔

سمیع: دیکھئے خاتون۔ میری بات سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ آپ ...

سعیدہ: آپ انکوائری کر کے جس بات کا پتہ چلائیں گے .... وہ مجھے اس وقت بھی معلوم ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ میں آپ کو روک رہی ہوں۔

سمیع: (سوچتے ہوئے) آج صبح سے ہی عجیب عجیب باتیں ہو رہی ہیں۔ ابھی کچھ دیر پہلے خالد آیا تھا۔ وہ بھی گھر سے قطع تعلق کر آئے ہیں۔ اور اب آپ .... کچھ عجیب سا طرزِ فکر ہے آپ لوگوں کا۔

سعیدہ: خالد نے گھر چھوڑ دیا ہے۔ کیوں؟

سمیع: وجہ نہ بتانا شاید آپ لوگوں کی خاندانی عادت ہے۔

(سعیدہ سوچ میں پڑ جاتی ہے)

سین نمبر ۱۰

انیسہ کا گھر۔

(انیسہ کے ڈرائنگ روم میں۔ انیسہ، جمال، سعید غنی۔ انیسہ غور سے ایک فائل پڑھ رہی ہے کچھ کچھ کر سر ہلاتی ہے اس دوران میں جمال اور غنی متوقع نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہیں۔)

انیسہ: کام تو تم نے بہت خراب کر رکھا ہے۔ (جمال اثبات میں سر ہلاتا ہے) مرزا صاحب کی PAYMENT کتنی ہے؟

سعید: آٹھ لاکھ بیس ہزار۔

انیسہ: اور ایک مہینہ تم پہلے ہی وعدے سے لیٹ ہو چکے ہو -؟

جمال: جی۔

انیسہ : ان سے بات کی ہے!

جمال : نہیں —— کوئی فائدہ نہیں ہے۔ وہ کسی کا لحاظ نہیں کرتا۔

انیسہ : مجھے پتہ ہے۔ (ایک فائل اٹھا کر اندر کی طرف جاتی ہے) اچھا —— میں کرتی ہوں ان سے فون پر بات!

سعید : (انیسہ کو جاتے ہوئے دیکھتا ہے معنی خیز انداز میں جمال کی طرف دیکھتا ہے۔ مسکراتا ہے۔ دبی آواز میں بولتا ہے) کمال کر دیا ہے آپ نے جمال صاحب۔

جمال : (بے خیالی میں) ہوں —— کیا ——

سعید : (مزاحیہ انداز میں) ایسے بیٹھے ہیں سرکار جیسے جانتے نہیں —— بڑے گرو ہیں آپ۔

جمال : (تذبذب کے عالم میں) پتہ نہیں کیوں سعید —— مجھے یہ سب کچھ اچھا نہیں لگ رہا۔

سعید : (اسی CARE FREE انداز میں) لگے گا —— لگے گا۔ آپ دیکھتے جایئے۔

جمال : پتہ نہیں لوگ کسی کو دھوکا دے کر چین سے سو کیسے لیتے ہیں۔

سعید : یہ دھوکا نہیں ہے جمال صاحب —— اور پھر مصیبت میں تو سب کچھ جائز ہوتا ہے۔

جمال : پھر بھی —— میرا دل نہیں مانتا —— انیسہ بہت اچھی عورت ہے۔ بہت ہمدرد دل ہے اس کا۔

سعید : آپ کی طرح اسے بھی ایک سہارے کی ضرورت ہے جمال صاحب . . . . وہ یہ مہربانیاں بے مقصد نہیں کر رہی —— اس کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھایئے —— ایسے موقعے زندگی میں بار بار نہیں آتے۔

جمال : (جھنجھلا کر) تمہیں نہیں پتہ سعید۔ اس کی ہمدردی کی وجہ یہ نہیں ہے۔

سعید : عورتوں کی آنکھیں کبھی جھوٹ نہیں بولتی جمال صاحب۔ میں شرط لگا سکتا ہوں، یہ عورت آپ سے محبت کرتی ہے۔

جمال : (تذبذب میں) تم کیا سمجھتے ہو محبت کو —! ایسے ہی بکواس کرتے جا رہے ہو۔

سعید : چلیے دیکھ لیتے ہیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ آپ کو اس کی حوصلہ افزائی کرنی ہوگی —— سچویشن بنا کر دیں۔ پھر دیکھیں کیا ہوتا ہے۔

(جمال اسے اشارے سے خاموش کرتا ہے کہ انیسہ آ رہی ہے)

انیسہ : لو بھئی مرزا صاحب والا مسئلہ تو طے ہو گیا ہے۔ تین مہینے کا ٹائم لے لیا ہے میں نے ان سے۔ اب تم اپنی پارٹی کو پکڑو۔

جمال : اسے تو سعید ہی پکڑے گا۔ اسی نے سودا کیا تھا۔

سعید : پاسپورٹ تیار ہے —— میں FIRST AVAILIBLE فلائٹ سے چلا جاتا ہوں۔

انیسہ : ایک ریفرنس مجھ سے لیتے جایئے گا —— کام آئے گا۔ آؤ جمال میں تمہیں اپنا لان دکھاؤں پھولوں

سے کچھ دلچسپی ہے تمہیں ؟

جمال : تھی تو نہیں۔ اب شاید ہو جائے۔

(انیسہ اس کی طرف دیکھتی ہے جمال سر جھکاتا ہے انیسہ مسکراتی ہے ـــــ سعید کا کلوز ـــــ اطمینان بخش انداز میں سر ہلاتا ہے۔)

سین نمبر ۱۱

(احمد کا دفتر۔)

احمد : یہ تم نے اچھا نہیں کیا عابد ـــــ فقیر حسین کو فی الحال TOUCH کرنا ہی نہیں چاہیئے تھا۔ میں خالد کی وجہ سے پہلے ہی بہت پریشان ہوں۔

عابد : خالد بھائی تو آج تک میری سمجھ میں نہیں آئے ڈیڈ۔ عجیب سی THINKING ہے اُن کی۔!

احمد : کتابوں کی عینک سے زندگی کو دیکھنے والوں کی یہی ٹریجڈی ہوتی ہے۔ ایک زمانے میں میرا دماغ بھی اسی طرح خراب ہوا کرتا تھا۔ فقیر حسین کا اب تک ہے مجھے خوشی ہے کہ تم اس جھنجھٹ میں نہیں پڑے۔

عابد : ہاں ڈیڈ ـــــ میں خوامخواہ چیزوں کو فلاسفائز (PHILOSOPHISE) کر کے مشکل نہیں بناتا ـــــ آدمی کو سٹریٹ فیکٹ ہونا چاہیئے

احمد : (ایک ایک حرف چبا کر بولتا ہے) ہو۔نا۔چا۔ ہیئے ـــــ اسی "چاہیئے" کا تو سارا سیاپا ہے ـــــ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ فقیر حسین REASON سے کام لیتا اور وہ GOD FOR SAKEN مکان خالی کر دیتا۔ خالد کو چاہیئے تھا کہ وہ اپنے باپ کی مجبوریاں سمجھتا اور اس کی محبت کو ٹھکرا کر نہ جاتا مگر ان دونوں نے ایسا نہیں کیا۔

عابد : کیوں نہیں کیا ڈیڈ ـــــ کیا پرابلم ہے ان لوگوں کی ؟

احمد : یہ پرابلم اگر سمجھ میں آ جائے بیٹا تو دنیا کے بہت سے مسئلے حل ہو سکتے ہیں۔ کتابیں پڑھنے میں کوئی برائی نہیں ہے مگر ان کتابوں سے زندہ رہنے کے گُر نہیں سیکھے جا سکتے۔ اگر ان لکھنے والوں کے حالات اچھے ہوتے تو یہ لوگ کوئی ڈھنگ کا کام کیوں نہ کر لیتے۔ کتابیں کیوں لکھتے ؟

عابد : EXECTLY ڈیڈ ـــــ کتابوں کی اصل جگہ بک شیلف میں ہوتی ہے۔

احمد : اگر مجھے پتہ ہوتا تو میں کبھی خالد کو کتابوں کے جال میں نہ پھنسنے دیتا۔

عابد : میرا خیال ہے وہ سعیدہ کی وجہ سے ان لوگوں کی اتنی سائڈ لے رہے ہیں۔

احمد : (حیرت سے) سعیدہ کی وجہ سے۔ تمہارا مطلب ہے سعیدہ ..... فقیر حسین کی ..... بیٹی۔

عابد : جی ہاں ـــــ خالد بھائی کا کچھ چکر ..... MEAN وہ اسے بہت پسند کرتے ہیں۔

احمد : تمہیں کیسے پتہ ہے ؟

عابد : اب یہ EXPLAIN کرنا تو بہت مشکل ہے ڈیڈ۔ میں نے FEEL کیا ہے کچھ ایسا۔ اور پھر وہ

ان کی طرف جاتے بھی بہت ہیں۔

احمد : اوہ۔ آئی سی۔ (I SEE)

(احمد کا کلوز)

سین نمبر ۱۲

(رفیق کا ڈیرا)

اختر : آپ کی مدد کو کوئی نہیں آیا۔

رفیق : (گہرے غم سے) نہیں۔ کوئی بھی نہیں آیا۔ یہاں تک کہ جب میں اپنی بھابی اور دونوں بچوں کو لے کر بھابی کے گاؤں پہنچا تو ان لوگوں نے بھی مجھے یہی کہا کہ میں وہاں نہ ٹھہروں۔ کیونکہ وہ لوگ ہماری حفاظت کا ذمہ نہیں لے سکتے۔

اختر : اتنی دہشت تھی ان ڈاکوؤں کی۔

رفیق : اتنی کہ تم اندازہ نہیں کر سکتے۔ میرا سارا خاندان جلا دیا گیا اور کوئی گواہی دینے والا نہ تھا جو بھائی بچا تھا وہ اس وقت حوالات میں تھا۔

اختر : پھر آپ نے کیا کیا؟

رفیق : میں کیا کرتا ـــــ پندرہ سال کا تھا میں۔ صرف پندرہ سال کا ـــــ داڑھی مونچھیں بھی نہیں نکلی تھیں ابھی

اختر : پڑھتے تھے؟

رفیق : ہاں آٹھویں میں ـــــ اور اس وقت سے اب تک حالات کے سکول میں جماعتیں پڑھ رہا ہوں میرے پاس تو اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ تم کیوں اپنی زندگی خراب کر رہے ہو۔

اختر : میرے پاس بھی اور کوئی راستہ نہیں ہے۔

رفیق : ہے، اختر ہے ـــــ تمہارے پاس واپسی کا راستہ ہے، تمہارے کانوں میں ان لوگوں کی چیخیں نہیں گونجتیں جو تمہارے اپنے تھے ! تم دکھ کی ان گلیوں سے نہیں گزرے جہاں دیواریں راستہ نہیں دیتیں۔ تم پر تو کسی کا کوئی قرض نہیں ہے اختر ـــــ جاؤ اپنے گھر کی طرف لوٹ جاؤ۔

اختر : میں اس گھر کے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔ میں تو ان لوگوں کو بھی نہیں روک سکتا جو ہم سے وہ مکان چھیننا چاہتے ہیں۔ ان سے نمٹنے کے لیے مجھے بدمعاش بننا ہوگا۔ میرے پاس اور کوئی چارہ نہیں

رفیق : جب کوئی تم پر ہاتھ اٹھائے تو مجھے بتانا ـــــ مگر اپنے آپ کو اس آگ میں مت ڈالو۔ یہ تمہیں جلا کے راکھ کر دے گی میری طرح۔

اختر : میں اپنا بدلہ خود لینا چاہتا ہوں۔

رفیق : منہ سے بات نکالنے میں کچھ نہیں جاتا ـــــ کرنا بہت مشکل ہوتا ہے ـــــ بہت مشکل ـــــ

تم مجھے اپنے چھوٹے بھائی کی طرح عزیز ہو۔ مجھے پتہ ہے یہ کام تمہارے بس کا نہیں۔ اسے مجھ پر چھوڑ دو ــــــ جاؤ شاباش۔

(اختر چند لمحے تذبذب کے عالم میں کھڑا رہتا ہے پھر جانے کے لیے مڑتا ہے)

سین نمبر ۱۲

فقیر حسین کا گھر۔

(سعیدہ ایک بڑے ٹرے میں کھانا رکھ کر لاتی ہے ٹرے میز پر فقیر حسین کے آگے رکھتی ہے۔)

سعیدہ: آپ شروع کریں میں پانی لے کر آتی ہوں۔

فقیر حسین: بھئی یہ بہت زیادتی ہے سعیدہ بیٹی، ایک تو تم دفتر سے تھکی ہاری آئی ہو اور پھر آتے ہی کھانا پکانے میں لگ جاتی ہو۔ اس کا کچھ اور بندوبست کرنا پڑے گا۔

سعیدہ: (جگ رکھتے ہوئے کرسی گھسیٹ کر بیٹھتی ہے جلدی جلدی کھانا شروع کرتی ہے) شرارت آمیز انداز میں فقیر حسین کی طرف دیکھتی ہے) جب مجھے زیادہ بھوک لگی ہو نا ابو تو للہ ٹھیک سے سنائی نہیں دیتے۔

فقیر حسین: (محبت سے مسکراتے ہوئے) بہت شیطان ہوگئی ہو تم۔

سعیدہ: آپ بھی تو عجیب باتیں کرتے ہیں اور کیا بندوبست ہو سکتا ہے؟

فقیر حسین: کوئی ملازمہ رکھی جا سکتی ہے کھانا پکانے کے لیے۔

سعیدہ: ملازمہ کا کھانا اور میں اپنے ابو کو کھلاؤں۔ IMPOSSIBLE ۔

فقیر حسین: اچھا بابا۔ پھر صبح پکا کے چھوڑ جایا کرو۔ مجھے نہیں اچھا لگتا اس طرح تمہارے آتے ہی باورچی خانے میں گھس جانا۔

سعیدہ: یہ میرا فرض ہے ابو اور آپ خود ہی تو کہا کرتے ہیں۔ ڈیوٹی از ڈیوٹی۔

فقیر حسین: مگر اب تم نوکری کرتی ہو۔

سعیدہ: اچھا پلیز چھوڑیں اس بات کو۔ سالن اچھا بنا ہے نا۔

فقیر حسین: وہ تو ہمیشہ ہی تم اچھا بناتی ہو۔ اللہ بخشے تمہاری ماں بھی کچنال بہت اچھی پکاتی تھی۔

(اختر آتا ہے ہاتھ میں دو تین کتابیں ہیں۔ کتابیں میز پر رکھتا ہے)

اختر: (جلدی سے پلیٹ گھسیٹ کر اپنے آگے رکھتا ہے سالن ڈالتا ہے دونوں کی طرف باری باری منہ کر کے سلام کرتا ہے) السلام علیکم۔ السلام علیکم۔ بھئی واہ خوشبو تو بہت اچھی ہے۔ (چمچ سے سالن ادھر ادھر کر کے دیکھتا ہے) یہ ہے کیا چیز۔

سعیدہ: (دکان سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے) یہ جو کچھ بھی ہے ابھی تمہیں پتہ چل جائے گا۔ پہلے ہاتھ دھو کر

آؤ۔ چلو بھاگو۔

اختر: اکیا مصیبت ہے۔ ہر وقت میرے ہاتھوں اور دانتوں کے پیچھے پڑی رہتی ہو صبح دھویا نہیں تھا ہاتھ منہ

سعیدہ: وہ صبح تھی میرے چاند، میرے لاڈلے۔ اور اس وقت دوپہر کے تین بج رہے ہیں۔

اختر: (ہنستے ہوئے) MAEN YOU سہ پہر کے۔

(جلدی سے ایک لقمہ توڑ کر منہ میں رکھتا ہے سعیدہ اسے کالر سے پکڑ کر اٹھاتی ہے)

سعیدہ: تم ایسے نہیں مانو گے۔

(پلیٹ اس کے آگے سے اٹھاتی ہے) چلو۔

اختر: (ہاتھ دکھاتے ہوئے) دیکھو ایمان سے کتنے صاف ستھرے ہیں (پلیٹ پکڑنے کی ناکام کوشش کرتا ہے) ابو اسے سمجھائیں نا۔

فقیر حسین: (مسکراتے ہوئے) اتنے بڑے ہو گئے ہو تم دونوں، لیکن ابھی تک بچوں کی طرح لڑتے ہو۔

اختر: میں کب لڑتا ہوں۔ یہی لڑتی رہتی ہے ہر وقت۔ بلی کی طرح۔

سعیدہ: تم یہ جنگلیوں والی عادتیں چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔

اختر: (اندر کی طرف جاتے ہوئے) دیکھ لینا تمہاری شادی کسی ایسے آدمی سے ہوگی جو آٹھ آٹھ دن کپڑے نہیں بدلے گا۔ (فرضی داڑھی پر ہاتھ پھیرتا ہے) انشاء اللہ۔

سعیدہ: (مصنوعی دھمکی آمیز انداز میں) جاتے ہو یا.... (اختر بھاگ کر جاتا ہے۔ سعیدہ اس کی لائی ہوئی کتابوں میں سے ایک کتاب اٹھا کر دیکھتی ہے ایک دم خوش سی ہو جاتی ہے) یہ دیکھیں ابو۔

فقیر حسین: کیا ہے؟

سعیدہ: بی اے کے کورس کی کتابیں ــــــ یا اللہ تیرا شکر ہے۔

فقیر حسین: (کتاب پکڑ کر دیکھتے ہوئے خوش ہوتا ہے) بھئی یہ تو سچ مچ۔

اختر: (تولیے سے ہاتھ پونچھتا ہوا آتا ہے) لو اب تو ٹھنڈ پڑ گئی ہے منہ بھی دھو کر آیا ہوں ساتھ تاکہ دوبارہ نہ اٹھنا پڑے۔ پلیٹ کدھر ہے؟

سعیدہ: (خوشی سے بے تاب ہو کر) اختر۔ یہ ۔ یہ کتابیں۔ تمہاری ہیں۔

اختر: ہاں۔

سعیدہ: تو کیا ۔ تم۔

(متوقع نظروں سے اس کی طرف دیکھتی ہے)

اختر: ہاں میں نے سوچا جو دو پرچے دینے ہیں وہ بھی دے ہی دیں۔ خوامخواہ بے چارے یونیورسٹی

والے پریشان ہو رہے ہیں۔

سعیدہ: (مسرت سے بے قابو ہو کر اسے پیار کرتی ہے) کتنے پیارے ہو تم۔ کتنے اچھے ہو۔

اختر: (اس کے جذبات سے متاثر ہو کر) اچھا اب روٹی بھی کھانے دو گی یا۔

سعیدہ: ٹھہرو میں تمہارے لیے گرم سالن لاتی ہوں۔

اختر: (مذاحیہ انداز میں) خوشامدیں!

سعیدہ: بکواس نہیں کرو۔ پہلے تو جیسے میں تمہیں ٹھنڈا کھانا دیتی ہوں۔

(سعیدہ جاتی ہے)

فقیر حسین: بھئی اختر میاں .... بہت دل خوش کیا ہے تم نے میرا آج۔ خدا تمہیں خوش رکھے تمہاری پڑھائی مکمل ہو جائے تو سمجھو میری دنیا اور عاقبت دونوں سنور گئیں۔

سعیدہ: (دروازے میں آ کر بے تابی سے بولتی ہے) یہ نیکی تمہارے جی میں آ کیسے گئی۔

اختر: ایک بڑے آدمی سے ملا تھا۔ اس نے صلاح دی ہے۔

سعیدہ: رہو گے کمینے ہی۔

فقیر حسین: اچھا بھئی تم لوگ اپنا جھگڑا جاری رکھو۔ میرا دکان کھولنے کا ٹائم ہو گیا ہے۔

(فقیر حسین جاتا ہے سعیدہ کپڑے سے گرم دیگچی سنبھالتی ہوئی آتی ہے)

سعیدہ: سچ اختر۔ آج میں بہت خوش ہوں۔

(گرم دیگچی پر ہاتھ لگنے سے سی کرتی ہے اختر تیزی سے اس کا ہاتھ پکڑتا ہے)

اختر: کیا ہوا ـــــ اوہ۔ یہ تو جل گیا ہے۔

سعیدہ: آج میں اتنی خوش ہوں کہ ایک انگلی کیا پورا ہاتھ بھی جل جائے تو پروا نہیں کروں گی۔

اختر: (اس کی بات سے واضح طور پر متاثر ہوتا ہے) سچ۔

(سعیدہ اثبات میں سر ہلاتی ہے) شاید رفیق ٹھیک ہی کہتا تھا۔

سعیدہ: رفیق ـــــ کون۔

اختر: میرا ایک دوست ہے۔ اسی نے مجھے امتحان دینے پر آمادہ کیا ہے۔

سعیدہ: اللہ اسے بھی خوش رکھے۔ بہت اچھا آدمی ہو گا۔

اختر: (اپنے آپ سے) اچھا۔ ہاں۔ مگر لوگوں کا کچھ اور خیال ہے اس کے بارے میں۔

سعیدہ: (پرس کھول کر کچھ نوٹ اسے دیتی ہے) یہ لو۔ باقی کتابیں بھی لے آؤ۔

اختر: لے آؤں گا اتنی جلدی کیا ہے۔

سعیدہ: آج ہی لے کر آؤ۔ امتحان میں دن ہی کتنے ہیں۔

اختر: ہا ہا تم تو پیچھے ہی پڑ گئی ہو۔

سعیدہ : کھانا کھا کر فوراً کتابیں لاؤ۔ بس۔

(محبت سے اس کے بال کھینچتی ہے)

سین نمبر ۱۴

انیسہ کا گھر۔

(جمال سوٹ میں ملبوس ہاتھ میں دو تین پیکٹ لیئے آتا ہے۔ انیسہ اس کی طرف دیکھتی ہے مسکرا کر اٹھتی ہے)

جمال : (مسکراتے ہوئے) باریابی کی اجازت ہے؟

(اسی انداز میں STILL ہو جاتا ہے)

انیسہ : (اسے اوپر سے نیچے تک دیکھتی ہے) اس وقت تو خاصے بھلے مانس معلوم ہو رہے ہو۔ بیٹھو۔

جمال : (ایکشن سے نکلتے ہوئے) شکریہ۔ اگر چند منٹ اور اجازت نہ ملتی تو یہ بھلا مانس گیا تھا۔

انیسہ : بالکل بچوں سی حرکتیں ہیں تمہاری۔ (جمال پیکٹ اس کی طرف بڑھاتا ہے جسے وہ بے خیالی میں پکڑ لیتی ہے حیرت سے پوچھتی ہے) یہ کیا ہے۔!

جمال : اس میں چند چیزیں ہیں جنہیں دیکھ کر آپ کو یاد آئے گا کہ سنگھار ہر عورت کا پیدائشی حق ہے اور یہ جو آپ ہر وقت بھکشوؤں کی طرح جوگ والے رنگ پہنے رہتی ہیں نا۔ یہ آپ کی شخصیت سے میچ نہیں کرتے۔

انیسہ : کیا مطلب۔

جمال : مطلب یہ کہ میری آنکھیں دکھ گئی ہیں آپ کے یہ سفید اور گرے گرے (GREY) سے کپڑے دیکھ کر یہ ساڑھی ذرا پہن کے دکھائیے۔

انیسہ : کیا کہہ رہے ہو تم۔ تمہیں پتہ نہیں میں....

جمال : مجھے پتہ ہے کہ آپ شہر کی ایک انتہائی معزز اور باوقار عورت ہیں اور یہ کہ اپنے شوہر کی وفات سے لے کر اب تک پندرہ برس میں آپ نے اپنی زندگی کو اپنی ذات تک محدود کر رکھا ہے، لیکن میں آپ کو مزید یہ ظلم کرنے کی اجازت نہیں دوں گا۔

انیسہ : جمال۔

جمال : آپ مجھے ڈانٹیں گی نا اور کے ڈانٹ میں۔ گھر سے نکال دیں گی۔ نکال دیں۔ مگر یہ ساڑھی آپ کو پہننی پڑے گی۔ (ساڑھی کھول کر دکھاتا ہے) آپ پر بہت سجے گی یہ۔

انیسہ : (قدرے شکست خوردہ انداز میں) مگر جمال۔ پلیز۔ تمہیں پتہ ہے میں....

جمال : مگر کیوں۔ کس قصور کی پاداش میں آپ یہ سب کچھ کر رہی ہیں۔ اگر آپ جوانی میں بیوہ ہو گئیں تو اس میں آپ کا کیا قصور ہے۔ اس روگ کا کیا قصور ہے جسے آپ نے جیتے جی ایک بیوہ عورت بنا

بنا دیا ہے۔

(سگریٹ سلگاتا ہے)

انیسہ : میری بات سمجھنے کی کوشش کرو جمال۔

جمال : آپ یہ کپڑے بدل آئیں۔ پھر میں آپ کی ساری باتیں سمجھنے کی کوشش کروں گا۔ اوہ۔ کیسا مرد بیزار گھر ہے آپ کا۔ ایک ایش ٹرے نہیں ہے سارے گھر میں۔

انیسہ : (جھینپ کر) جمیل صاحب کی وفات کے بعد....

جمال : چونکہ اس گھر میں مردوں کا داخلہ ممنوع ہو گیا تھا اس لیے کبھی ایش ٹرے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی یہی کہیں گی نا آپ۔

انیسہ : (لاجواب ہو کر) ہاں۔

جمال : او مائی گوڈ۔ تمہیں اپنی عادتیں بدلنی ہونگی انیسہ۔ (انیسہ اس تخاطب سے چونک کر اس کی طرف دیکھتی ہے جمال جان بوجھ کر نظریں نہیں ملاتا) جو خوشیاں تمہارا حق ہیں انہیں کیوں ٹھکراتی ہو۔ چلو۔ (ساڑھی دیتے ہوئے) کپڑے بدل کے آؤ۔ ہم کھانا آج باہر کھائیں گے۔

(انیسہ ایک سحرزدہ معمول کی طرح اس کی طرف دیکھتی ہے۔ بے اختیاری میں۔ ساڑھی اس کے ہاتھ سے لیتی ہے)

سین نمبر ۱۵

فقیر حسین کا گھر۔

(محلے کی چار پانچ عورتیں اور مرد فقیر حسین کے گھر میں جمع ہیں۔ دروازہ کھلتا ہے اختر تیزی سے اندر آتا ہے سعیدہ اسے دیکھ کر روتی ہوئی اس کی طرف بڑھتی ہے اس سے لپٹ جاتی ہے)

سعیدہ : اختر۔ اختر۔

اختر : (گھبرا کر) کیا ہوا.... غلام رسول نے بتایا ہے کہ....

سعیدہ : وہ ابو کو لے گئے ہیں اختر۔ انہیں زبردستی لے گئے ہیں۔

اختر : کون۔

سعیدہ : میں ادھر اپنے کمرے میں تھی۔ شور سن کے گئی تو وہ انہیں موٹر میں بٹھا رہے تھے۔ تین چار آدمی تھے۔ (رونے لگتی ہے)

اختر : نہیں۔

(اختر کے ہاتھ سے کتابیں گرتی ہیں۔ اس کا کلوز۔ پس پر سعیدہ کی سسکیاں O/L ہوتی ہیں)

9

کردار

• فقیر حسین • سعید • اختر • احمد علی • خالد • عابد • سلمیٰ • جمال
• انیسہ • جہانگیر • رفیق • سلامت • ریاست • سعید • جعفری
• کرم الٰہی • سمیع

سین نمبر ۱

رفیق کا ڈیرا۔

(اختر سخت پریشان اور غصے میں ہے۔ رفیق اسے سمجھانے کی کوشش کر رہا ہے)

رفیق : آرام سے۔ تحمل سے پوری بات سناؤ مجھے۔ ہوا میں تیر چلانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ یہ احمد علی کون ہے!

اختر : میرے ابو کا کزن ہے۔ احمد ٹیکسٹائل والا...

رفیق : اور وہ کیوں پیچھے پڑا ہے تم لوگوں کے!

اختر : پتہ نہیں۔ ہمارا مکان خالی کرانا چاہتے ہیں وہ لوگ!

رفیق : کیا نام بتایا تھا تم نے اپنے والد صاحب کا!

اختر : فقیر حسین۔

رفیق : (سوچتے ہوئے) یہ احمد علی، لمبا سا، خوبصورت سا لڑکا ہے۔ چھوٹی چھوٹی مونچھیں ہیں اس کی!

اختر : نہیں۔ ان کے تو بچے جوان ہیں۔

رفیق : (اپنے آپ سے) تو پھر وہ کون تھا۔ اس کا کوئی بیٹا ہے اس حلیے کا...

اختر : ہاں۔ عابد ہے اس طرح کا۔

رفیق : (دروازے کی طرف منہ کر کے آواز دیتا ہے) سلامت۔

سلامت : (آتے ہوئے) جی استاد جی۔

رفیق : وہ جو اس دن سردار صاحب نے آدمی بھیجا تھا۔ کیا نام تھا اس کا۔

سلامت : پتہ نہیں جی۔ ریاست کو معلوم ہو گا۔ پتہ کر آؤں۔

رفیق : نہیں۔ (سوچتے ہوئے) یہ کوئی لمبا ہی معاملہ لگتا ہے۔

(اختر سے)

آؤ میرے ساتھ۔

(دروازے پر رک کر سلامت سے بات کرتا ہے)

میں سردار جہانگیر کی طرف جا رہا ہوں۔ اگر دو گھنٹے تک واپس نہ آؤں تو وہاں پتہ کرنا۔

اختر : مگر استاد، میرے ابو تو ۔۔۔۔ یہ سردار صاحب کون ہیں۔

رفیق : ہیں ایک ۔ اور اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو تمہارے والد کی گمشدگی کا کوئی نہ کوئی تعلق سردار صاحب سے ضرور ہے۔ اور ہاں مجھے استاد مت کہا کرو۔ میرا نام رفیق ہے۔

اختر : سب یہی کہتے ہیں استاد ۔۔۔۔

رفیق : تم ان سب میں سے نہیں ہو۔ مجھے ۔ آؤ۔

(دونوں جاتے ہیں)

سین نمبر ۲

جہانگیر کے گھر کا کمرہ۔

(فقیر حسین ایک کمرے میں بند ہے۔ تالے میں کنجی گھومنے کی آواز پر چونکتا ہے۔ دروازہ کھلتا ہے۔ سردار جہانگیر نیم تاریکی میں رہ کر اس سے باتیں کرتا ہے۔ اندر آنے سے پہلے ملتانی لہجے میں ریاست سے کہتا ہے کہ وہ باہر رہ کر اس کا انتظار کرے۔ اندر آکر چند لمحے غور سے فقیر حسین کی طرف دیکھتا ہے۔)

جہانگیر : کیا حال ہے سائیں۔ کوئی تکلیف مکلیف تو نہیں یہاں؟

(فقیر حسین اس سوال اور لہجے پر حیران سا ہو کر اس کی طرف دیکھتا ہے)

فقیر حسین : تم کون ہو بھائی۔

جہانگیر : میں تمہارا دوست ہوں۔ بہی خواہ ہوں تمہارا۔

فقیر حسین : مجھے کیوں اغوا کیا ہے؟

جہانگیر : اغوا۔ نہ سائیں نہ۔ اغوا تو لڑکیوں کو کیا جاتا ہے تمہیں تو میں نے یہاں صلاح مشورے کے لیے بلایا ہے۔ تبادلہ خیال کرنا ہے تم سے ایک مسئلے پر۔

فقیر حسین : یہ طریقہ ہوتا ہے صلاح مشورہ کرنے کا؟ تم ہو کون؟

جہانگیر : آرام سے سائیں۔ آرام سے۔ اس عمر میں غصے آنے سے بلڈ پریشر ہائی ہو جاتا ہے۔ نسیں پھٹ جاتی ہیں دماغ کی۔ بچے جوان ہوں تو آدمی کو ایک ایک لمحہ سوچ سمجھ کر خرچ کرنا چاہیے۔ اچھا سائیں یہ بتاؤ۔ کون سا خزانہ دفن ہے اس مکان میں جو تم اسے چھوڑنے پر راضی نہیں ہوتے۔

فقیر حسین : (دیکھتے ہوئے) اوہ۔ تو تم احمد علی کے آدمی ہو۔

جہانگیر: (مصنوعی حیرت سے) احمد علی۔ یہ کون صاحب ہیں سائیں۔

(فقیر حسین تیز نظروں سے اس کی طرف دیکھتا ہے۔ جہانگیر ایک دم لہجہ بدلتا ہے اب اس کی آواز میں ایک طرح کا حکم اور فیصلہ کن انداز ہے۔)

جہانگیر: اچھا سائیں۔ میرے پاس فضول بحث کا ٹائم نہیں ہے۔ تم نے ستر ہزار میں وہ مکان میرے ہاتھ فروخت کیا ہے۔ کاغذات تیار ہو رہے ہیں۔ ان پر دستخط کر دو۔ اور جا کر اپنے بچوں کے ساتھ آرام سے رہو۔

فقیر حسین: میں نے وہ مکان نہ کسی کے ہاتھ بیچا ہے اور نہ بیچوں گا۔

جہانگیر: بیکار ضد نہیں کرتے سائیں۔ کیا فائدہ ہے لڑکا تمہارا معذور ہو جائے۔ ٹوٹے ہوئے ہاتھ پاؤں کے ساتھ فٹ پاتھ پر پڑا ہو۔ صاحب زادی تمہاری —

فقیر حسین: بکواس بند کرو۔ خبردار اگر ایک لفظ بھی میری بچی کے بارے میں منہ سے نکالا۔

جہانگیر: (ہنستے ہوئے) اس وقت سے ڈرو سائیں جب سارے شہر میں ہر آدمی کی زبان پر یہ قصہ ہوگا — لڑکی گھر میں بیٹھی بیٹھی بوڑھی ہو جائے گی اور کوئی رشتہ تمہاری دہلیز کے قریب سے نہیں گزرے گا۔

فقیر حسین: (شدید غصے اور صدمے کے عالم میں ٹھیک طرح بول نہیں پاتا) تم۔ ہو کون۔ کیا تعلق ہے تمہارا اس بات سے۔

جہانگیر: میں نے ساری بات تمہیں سمجھا دی ہے سائیں۔ ابھی دو تین گھنٹے ہیں تمہارے پاس۔ آرام سے بیٹھ کے سوچ لو۔ مگر فیصلہ کرنے سے پہلے اچھی طرح سوچ لینا کہ کمان سے نکلا ہوا تیر واپس نہیں آتا۔ میں نہیں چاہتا سائیں کہ....

(ریاست تیز تیز چلتا ہوا آتا ہے ایک طرف کھڑا ہو جاتا ہے جہانگیر اس کی طرف دیکھتا ہے۔

کیا بات ہے؟

ریاست: رفیق آیا ہے سائیں۔

جہانگیر: رفیق —؟

ریاست: کہتا ہے آپ سے کوئی ضروری بات کرنی ہے۔
(قریب آکر سرگوشی کے لہجے میں)

عابد صاحب کا پوچھ رہا تھا۔

جہانگیر: (سوچتے ہوئے۔ بغیر کسی پریشانی کے) اوہ۔ تم ایسے کرو، ریاست اسے حویلی بھجوا دو۔ اس کا یہاں رہنا ٹھیک نہیں۔ میں رفیق کو دیکھتا ہوں۔
(مڑ کر جاتا ہے۔ فقیر حسین اس کی طرف دیکھتا ہے)

سین نمبر ۳

جہانگیر کا گھر۔

(رفیق اور اختر جہانگیر کا انتظار کر رہے ہیں۔ اختر بے چین ہے۔ رفیق خاموش

ہے۔ جہانگیر آتا ہے۔)

جہانگیر: (مسکراتے ہوئے) السلام علیکم سائیں۔

(دونوں سے ہاتھ ملاتا ہے)

بیٹھو۔ میں کل ہی ریاست سے پوچھ رہا تھا کہ رفیق کدھر غائب ہو گیا ہے۔ چائے پیو گے کہ ٹھنڈا۔

رفیق: کچھ نہیں سردار صاحب۔ میں ایک بات پوچھنے آیا تھا آپ سے۔

جہانگیر: جم جم پوچھو سائیں۔ مگر ساتھ ساتھ چائے بھی چلتی رہے تو کیا حرج ہے۔

(آواز دیتا ہے)

کرم الہٰی۔

کرم الہٰی: (دروازے میں سامنے آتا ہے) جی سائیں۔

جہانگیر: چائے لاؤ۔

(کرم الہٰی سر جھکا کر جاتا ہے۔ جہانگیر اختر کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔)

آپ کی تعریف سائیں۔

رفیق: یہ۔ میرا۔ بھائی ہے سردار صاحب۔

جہانگیر: اچھا۔ اچھا۔ ماشاءاللہ۔

(بات کرتے کرتے کھڑکی کے پاس آ کر دیکھتا ہے جہاں فقیر حسین کو جیپ میں سوار

کرایا جا رہا ہے۔ کھڑکی کے قریب چلتے ہوئے بولتا ہے جب جیپ گیٹ سے

باہر نکلتی ہے تو اس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ نمودار ہوتی ہے۔)

کیا خوب بات کہی ہے میاں محمد صاحب نے .... بھائی بڑی نعمت ہوتے ہیں رفیق؟

(رفیق جہانگیر کے انداز سے قدرے بے چین ہو کر بولتا ہے)

رفیق: آپ نے ایک آدمی بھجوایا تھا سردار صاحب میرے پاس۔ ریاست کے ساتھ۔ گورا سا لڑکا

تھا۔ لمبے قد کا۔

جہانگیر: تمہارے پاس۔ اچھا وہ ..... بھئی تم نے اچھا نہیں کیا رفیق۔ معمولی سا کام تھا۔

رفیق: وہ کون تھا سردار صاحب؟

جہانگیر: اپنا ہی آدمی ہے۔ کوئی کام ہے اس سے؟

رفیق: جی ہاں۔ بس آپ مجھے اس کا پتہ دے دیجئے۔

جہانگیر: ایسی بھی کیا جلدی ہے سائیں۔ بیٹھو تو سہی۔ بات تو بتاؤ۔ ہمیں بلوا دیتے ہیں اسے۔

رفیق: (اختر سے) کیا نام بتایا تھا تم نے اُس کا۔

اختر: عابد۔

(جہانگیر غور سے اختر کی طرف دیکھتا ہے۔)

رفیق: عابد نام ہے اس کا۔ غالباً۔

جہانگیر: ہاں۔ میرے ایک سجن کا بیٹا ہے۔ کر دو نا اس کا کام۔

رفیق: اس کا کام ہو گیا ہے سردار صاحب۔ اسی لیے میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔

جہانگیر: (انجان بنتے ہوئے) بہت اچھا کیا تم نے۔ وہ تو بہت مایوس ہو رہا تھا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے یہیں تھا۔

رفیق: (حیرت سے) یہیں تھا۔

جہانگیر: ہاں ہاں۔ کہہ رہا تھا وہ کچھ صلح صفائی کی کوشش کر رہا ہے۔

رفیق: (سوچ میں پڑ جاتا ہے) اس کے باپ کا نام احمد علی ہے نا؟

جہانگیر: (اثبات میں سر ہلاتے ہوئے) تم جانتے ہو اسے!

اختر: (بے چینی سے) میں نے کہا تھا نا.... ابو کو انہی لوگوں نے اٹھوایا ہے۔

(جہانگیر کا REACTION)

آپ میرے ساتھ آئیں۔

(رفیق اسے کندھے سے پکڑ کر روکتا ہے۔ گھور کر اس کی طرف دیکھتا ہے)

رفیق: مجھے وہ آدمی واپس چاہیئے سردار صاحب:

جہانگیر: کون آدمی؟

رفیق: جسے ان لوگوں نے اٹھوایا ہے۔

(جہانگیر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے)

اور آپ کو پتہ ہے ساری بات کا۔

جہانگیر: دیکھو سائیں۔ مجھے کچھ پتہ نہیں تم کس آدمی کی بات کر رہے ہو۔ لیکن میں اپنی یا اپنے دوستوں کی نیت پر شک کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ صاف صاف کہو تم کیا کہنا چاہتے ہو؟

رفیق: میں اس آدمی فقیر حسین کی واپسی چاہتا ہوں سردار صاحب۔ اور بس۔ نہ میرا کسی سے جھگڑا ہے اور نہ میں ایسا چاہتا ہوں۔

جہانگیر: بڑی اچھی بات ہے سائیں۔ جھگڑے میں ہمیشہ نقصان ہوتا ہے۔ کسی کا زیادہ۔ کسی کا کم۔ لیکن میرے خیال میں تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ ان لوگوں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا۔ اور اگر

کیا ہے تو میرے علم میں نہیں ہے۔

رفیق : ٹھیک ہے۔ میں پتہ کروں گا۔ آپ سے ایک درخواست ہے سردار صاحب۔

(جہانگیر اس کی طرف دیکھتا ہے)

آپ درمیان میں نہ آیئے گا۔

جہانگیر : پر سائیں تمہارا کیا INTEREST ہو وے اس بات میں۔ تم کیوں کود رہے ہو کسی دوسرے کی آگ میں۔

رفیق : میرا بھی ایک بجن ہے اس کھیل میں۔ اچھا۔ خدا حافظ۔

جہانگیر : (دروازے کی جانب جاتے ہوئے) میرا تو خیال تھا سائیں۔ تم بھی میری طرح اس کھیل سے باہر رہتے آرام سے دور بیٹھکر تماشہ دیکھتے۔

رفیق : یہ تماشہ نہیں ہے سردار صاحب۔ میرے اپنے گھر کی بات ہے آداب عرض۔

(دونوں جاتے ہیں۔ چند لمحے بعد کرم الٰہی ٹرالی پر چائے کا سامان لے کر آتا ہے جہانگیر ایک پلیٹ میں سے برفی کا ٹکڑا اٹھا کر منہ میں رکھتا ہے اور اسے چباتے ہوئے کچھ سوچتا ہے۔

سین نمبر ۴

فقیر حسین کا گھر۔

دوکان کی طرف سے سعیدہ، سمیع اور خالد اندر کے کمرے میں داخل ہوتے ہیں سعیدہ سسکیاں بھر رہی ہے۔ خالد سخت پریشان ہے۔)

سمیع : آپ کسی آدمی کو پہچان سکتی ہیں (سعیدہ نفی میں سر ہلاتی ہے) جس تیزی اور پھرتی سے یہ کام کیا گیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اغوا کنندگان بڑے منجھے ہوئے اور پیشہ ور قسم کے بدمعاش ہیں۔

خالد : میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ابا جان اور عابد اس حد تک بھی گر سکتے ہیں، نہیں مجھے یقین ہے یہ کام انہوں نے نہیں کیا۔ وہ ایسا نہیں کر سکتے۔

سمیع : میری اطلاع کے مطابق وہ دونوں اغوا کے وقت اپنے اپنے دفتروں میں تھے لیکن...

خالد : نہیں سمیع، کچھ بھی ہو۔ اس طرح کا کام وہ نہیں کر سکتے۔

سعیدہ : کروا تو سکتے ہیں۔

خالد : (جیسے زخمی سا ہو کر اسکی طرف دیکھتا ہے) مگر سعیدہ...

سمیع : دیکھیے۔ مسئلے جذبات سے نہیں عقل سے حل ہوتے ہیں۔ پہلے سے کوئی فیصلہ کر کے اگر کسی کیس کو دیکھا جائے تو زیادہ امکان اس بات کا ہوتا ہے کہ آدمی صحیح لائن سے بھٹک جائے۔ (سعیدہ سے) آپ کا بھائی کہاں ہے۔

سعیدہ : وہ بھی بے چارا اسی پریشانی میں ہے کل رات سے اس نے کھایا بھی نہیں کچھ۔

سمیع : اور آپ نے۔ (سعیدہ لاجواب سی ہو کر سر جھکاتی ہے۔ سمیع خالد سے) خالد پلیز، تم انہیں کچھ کھلاؤ۔ اس طرح تو یہ اور زیادہ نقصان کریں گی۔ میں شام کو دوبارہ آؤں گا۔

(التجا کے انداز میں)

سعیدہ : میرے اپو مجھے لا دیجئے۔ پلیز۔

(بے حد متاثر ہوتے ہوئے)

سمیع : پلیز۔ سعیدہ بہن۔ حوصلہ کیجئے۔ اللہ نے چاہا تو ہم انہیں ضرور ڈھونڈ نکالیں گے۔

(سعیدہ منہ پھیر کر رونے لگتی ہے۔ خالد پریشانی سے سمیع کی طرف دیکھتا ہے۔ سمیع سے کہتا ہے حوصلہ کرو اور سعیدہ کو بھی حوصلہ دو۔)

سین نمبر ۵

(انیسہ اور جمال موٹر میں شہر کی مختلف سڑکوں سے گزرتے ہیں۔ انیسہ بہت خوش ہے۔ چلتی ہوئی موٹر پر ان کی آوازیں اُبھر رہی ہوتی ہیں)

انیسہ : اچھا بابا بس۔ اب بہت سیر ہو چکی۔ ختم کرو اب مجھے آفس پہنچنا ہے۔

جمال : ایک دن آفس نہیں جاؤ گی تو قیامت نہیں آ جائے گی۔ ذرا موسم تو دیکھو۔ ایسے دن دفتروں میں بیٹھ کے ضائع کرنے کے ہوتے ہیں۔

انیسہ : کام کے وقت ہمیشہ کام کرنا چاہیے۔

جمال : خدا کے لیے انیسہ اب کلاس روم سے نکل آؤ۔ یہ PLAY WHILE YOU PLAY اور WORK WHILE YOU WORK قسم کے مقولے اب بہت پرانے ہو گئے ہیں دنیا میں۔ EARLY TO BED AND EARLY TO RISE کے علاوہ بھی بہت سی باتیں ہیں۔

انیسہ : اچھا اچھا۔ اب زیادہ فلسفہ نہ جھاڑو۔ یہ تم سگریٹ کیوں پیتے رہتے ہو ہر وقت۔ دیکھو انگلیاں کیسی کالی ہو رہی ہیں۔ کل سے تم صرف پانچ سگریٹ روزانہ پیا کرو گے۔

جمال : پانچ۔ بس؟

انیسہ : ہاں۔ یہ میرا حکم ہے۔

جمال : (گاڑی روکتا ہے بولتے ہوئے دروازہ کھولتا ہے) یا میرے مولا۔ اس خاتون کے دل میں رحم ڈال۔ (مزاحیہ انداز میں) ایک دو سگریٹ بڑھ نہیں سکتے ملکہ عالیہ۔

انیسہ : (شرارت آمیز سنجیدگی سے) نہیں فریادی۔

جمال : (سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے۔ حکم کی تعمیل ہوگی ملکہ عالیہ۔ تشریف لائیے۔

انیسہ : تہذیب تو تمہیں چھو کر نہیں گئی۔ اِدھر سے آکے دروازہ کھولو۔

جمال : اوہ۔ سوری۔

(بھاگ کر دوسری طرف جاتا ہے دروازہ کھولتا ہے۔ جمال جلدی سے گاڑی کا دروازہ بند کر کے مزاحیہ انداز میں رومال سے اپنا بازو صاف کرتا ہے۔ سیٹ سے کیمرہ اٹھا کر گلے میں ڈالتا ہے۔ وکٹورین سٹائل میں بازو انیسہ کی طرف بڑھاتا ہے انیسہ جھجک سی جاتی ہے۔ ہنستی ہے جمال زبردستی بازو انیسہ کے بازو میں ڈالتا ہے دونوں ہنستے ہیں۔)

سین نمبر ۶

(باغ ہیں۔ دو ایک تاریخی مقامات ہیں۔ جمال انیسہ کی تصویریں اتارتا ہے۔ دونوں بہت خوش ہیں۔)

سین نمبر ۷

احمد علی کا بیڈ روم

احمد علی خالد سے گفتگو کر رہا ہے۔ سلمیٰ پریشانی کے عالم میں دونوں کی طرف دیکھ رہی ہے۔)

احمد علی : (دبے دبے غصے کے ساتھ بولتا ہے) میری سمجھ میں نہیں آتا تمہیں ہو کیا گیا ہے۔ تمہارے دماغ میں یہ خیال آیا کیسے کہ میں نقیر حسین کو KIDNAP کروا سکتا ہوں۔ اور۔ کوئی کام نہیں ہے مجھے دنیا میں۔

خالد : اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کا اس میں کوئی ہاتھ نہیں۔

احمد علی : نہیں۔ نہیں۔ نہیں۔ اور کیوں ہو؟ کیا لینا ہے میں نے اس سے۔ مکان کا ذرا سا مسئلہ تھا۔ تو اسی کا فائدہ تھا اس میں۔ بازار سے دس بیس ہزار زیادہ ہی دے رہا تھا اسے۔ لیکن جب وہ نہیں مانا تو بات ختم ہو گئی۔ میں تو وہ بات بھول بھی چکا ہوں۔

خالد : اگر آپ وہ بات بھول چکے ہوتے ابا جان، تو ان کی نوکری نہ جاتی، اس عمر میں انہیں بدنامی کا یہ داغ نہ سہنا پڑتا۔

احمد علی : دیکھ رہی ہو سلمیٰ، سُن رہی ہو اپنے لاڈلے کی گفتگو۔ یہ۔ یہ میرا بیٹا ہے، میرا خون ہے جو میرے خلاف بول رہا ہے۔ مجھ پر کیچڑ اچھال رہا ہے۔

خالد : میں آپ کے خلاف نہیں سچائی کے حق میں بول رہا ہوں ابا جان۔

احمد علی : سچائی، تمہیں پتہ ہے کیا ہوتی ہے سچائی؟ تعصب کی عینک سے سچائی نظر نہیں آیا کرتی برخوردار۔ بڑا جگرا چاہیے اس کا سامنا کرنے کے لیے۔ کسی پر انگلی اٹھانے سے پہلے اپنے

گریبان میں جھانکنا پڑتا ہے۔ اس میلی بنیان کو دیکھنا پڑتا ہے جو کلف لگی ہوئی سفید براق قمیض کے نیچے چھپی ہوتی ہے۔ ہے حوصلہ دیکھنے کا؟

خالد : ہے ابا جان۔ تبھی تو میں آیا ہوں۔

احمد علی : تم آئے نہیں بھیجے گئے ہو۔ اور جس نے تمہیں بھیجا ہے اسے بھی میں اچھی طرح جانتا ہوں۔

(خالد حیرت سے اس کی طرف دیکھتا ہے)

خالد : کس نے بھیجا ہے مجھے۔

احمد علی : سننا چاہتے ہو تو سنو۔ یہ سب آگ اس لڑکی سعیدہ کی لگائی ہوئی ہے۔ اسی نے میرے خلاف تمہارے دل میں یہ زہر بھرا ہے۔

خالد : (حیرت سے) ابا جان۔

سلمیٰ : یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔

احمد علی : میں سچ کہہ رہا ہوں سلمیٰ۔ وہی لڑکی اس سارے فساد کی جڑ ہے۔ اسی کے عشق میں دیوانے ہو کر تمہارے یہ صاحبزادے اپنے بوڑھے باپ کے سر میں خاک ڈال رہے ہیں۔

خالد : آپ کو ایسی باتیں نہیں کرنی چاہیئے ابا جان۔ سعیدہ تو....

سلمیٰ : کیا یہ سچ ہے خالد بیٹے؟

(پریشانی میں)

خالد : امی۔ میں۔ دراصل....

احمد علی : (سمجھانے کے انداز میں) اس گھر میں داخل ہونے کے لیے اس نے بڑا غلط راستہ چنا ہے بیٹا۔ تمہیں میرے خلاف بھڑکا کر وہ وقتی طور پر تو ہمیں ایک دوسرے سے دور کر سکتی ہے لیکن ہمیشہ کے لیے نہیں۔ یہ کھیل اسے بہت مہنگا پڑے گا۔

خالد : ایسی کوئی بات نہیں ہے ابا جان۔ سعیدہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

احمد علی : جب عشق کا بھوت سر پر چڑھتا ہے برخوردار تو انسان کو کچھ سجائی نہیں دیتا۔ اپنی طرف ہی دیکھو؛ کیا تم نے کبھی مجھ سے گستاخی کا تصور بھی کیا تھا؟

خالد : گستاخی تو میں نے اب بھی کوئی نہیں کی ابا جان۔

احمد علی : بہت خوب۔ دنیا کا کون سا الزام ہے جو تم نے مجھ پر نہیں لگایا۔ کون سی تہمت ہے جو مجھ پر نہیں دھری۔ اور کسے کہتے ہیں گستاخی۔ اغوا جیسے جرم کا تو الزام تم نے مجھ پر ثابت کر دیا ہے۔

خالد : کسی اور کیا دشمنی ہو سکتی ہے چچا فقیر حسین سے۔

سلمیٰ : مگر بیٹا۔ تمہارے ابو کہہ تو رہے ہیں کہ ان کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں۔

احمد علی : یہ نہ کہواسے۔ اس کے دل میں تو میرے لیے سوائے بدگمانی کے کچھ نہیں ہے۔ اس لڑکی نے

اس کی آنکھوں پر ایسی پٹی باندھی ہے۔ کہ اسے اب میری کسی بات کا یقین نہیں آئے گا۔

خالد : آپ بار بار اس بے چاری کو بیچ میں کیوں لاتے ہیں۔
(بے چاری کے لفظ پر زور دے کر۔)

احمد علی : اس لیے بیٹا کہ اس بے چاری کی باتوں میں آ کر ہی تم نے اس گھر کو چھوڑا ہے۔ اسی نے تمہیں یہ ساری کہانی گھڑ کے دی ہے۔

خالد : (قدرے IRRITATED انداز میں) ایسا نہیں ہے ابا جان نہیں ہے ایسا۔ ایک تو ان لوگوں پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹے ہیں اس پر آپ مسلسل انہی کو الزام دیئے جا رہے ہیں۔

احمد علی، تو تمہارے خیال میں! میں جھوٹ بول رہا ہوں۔

خالد : (چند لمحے غور سے اس کی طرف دیکھتا ہے) اگر یہ سچ نہیں بھی ہے ابا جان۔ تو کاش کسی طرح ہو جائے۔

(تیزی سے مڑ کر باہر نکل جاتا ہے۔ احمد علی کنپٹیاں دباتا ہے۔ سلمیٰ ایسے انداز میں کھڑی ہے جیسے اس کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا ہو۔)

سین نمبر ۸

(جمال کا امیرانہ مگر بے ترتیب بیڈ روم ایک طرف میوزک پلے کا قیمتی سامان رکھا ہے جس کے ارد گرد بہت سے کیسٹ بکھرے پڑے ہیں کمرے کا ماحول ESTABLISH کرنے کے بعد دروازے پر کٹ کرتے ہیں۔)

(جہاں سے جمال اور انیسہ داخل ہوتے ہیں جمال بول رہا ہے۔ انیسہ تنقیدی نظروں سے کمرے کا جائزہ لیتی ہے)

جمال : ایک تو یہ بڑی مصیبت ہے لوگ میری بات کا اعتبار نہیں کرتے۔

انیسہ : (اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے) لوگ یا لڑکیاں۔

جمال : (کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے) توبہ۔ توبہ۔ توبہ۔ لڑکیوں سے تو میں ایسے بھاگتا ہوں جیسے......

انیسہ : (چھیڑنے کے انداز میں) لڑکیوں سے یا ان کی طرف۔

جمال : ایک تو تم بدگمان بہت ہو۔

انیسہ : بزرگوں نے کہا ہے آدمی بڑا ہو تو سمجھا جاتا ہے اس کی ریپوٹیشن بری نہیں ہونی چاہیئے۔

جمال : (صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) بیٹھو۔

(انیسہ صوفے کا کشن اٹھا کر اسے جھاڑتی ہے)

انیسہ : یہ کیا حالت بنا رکھی ہے گھر کی۔ توبہ توبہ۔

(ایک دو چیزیں اٹھا کر ترتیب سے رکھتی ہے۔ قالین سے سگریٹ کے دو تین ٹکڑے

اٹھاتی ہے)

یہ سگریٹ تم ایش ٹرے میں کیوں نہیں بجھاتے ۔

جمال : (بے پروائی سے) کیا فرق پڑتا ہے اس سے ۔

انیسہ : کتنے اچھے کارپٹ کا ناس مار رکھا ہے ۔ کتنے بدسلیقہ ہوتے ہو تم مرد لوگ ۔

جمال : ہم بدسلیقہ نہ ہوں گے تو تم لوگوں کا سلیقہ کیسے سامنے آئے ؟

انیسہ : اٹھتے کس وقت ہو صبح ۔

جمال : جس وقت آنکھ کھل جائے ۔

انیسہ : بری بات ! آدمی کو اپنی عادتوں میں بہت ریگولر ہونا چاہیئے —— (بستر کی طرف دیکھ کر) اس بیڈ کی PLACING بھی غلط ہے ۔

جمال : (مزاحیہ انداز میں) کیوں ! کچن میں ہونا چاہیئے تھا اسے ؟

انیسہ : (ڈانٹنے کے انداز میں گھورتی ہے) جو حال تم نے بنا رکھا ہے ۔ ایک دن کچن میں ہی ہوگا ۔

جمال : (REACTION ۔ اپنی جھنجلاہٹ پر قابو پاتے ہوئے بولتا ہے) جب اپنا تنقیدی جائزہ مکمل کر چکو تو مجھے بتا دینا کہ کیا پینا پسند کروگی ۔

(ایسے انداز میں صوفے پر بیٹھتا ہے جیسے انیسہ کو معائنے کا ٹائم دے رہا ہو ۔)

انیسہ : سچ جمال ۔ مجھے امید نہیں تھی کہ تم اتنے بے ڈھنگے طریقے سے رہتے ہوگے ۔ اس پورے گھر کو RENOVATION کی ضرورت ہے —— تمہارے سمیت !

جمال : تو تم لے لو نا ٹھیکہ ۔

انیسہ : ٹھیکے پر کیے گئے کام اکثر خراب ہوتے ہیں —— تمہارا تو مستقل علاج ہونا چاہیئے ۔

(جمال غور سے اس کی طرف دیکھتا ہے انیسہ بھی یکدم اپنے جملے کی تیزی سے گھبرا سی جاتی ہے ۔ جمال سے نظریں نہیں ملاتی ۔ جمال کا REACTION کہ یہ اس نے کیا کہہ دیا ہے ۔ چند لمحے کی خاموشی ۔ جمال بغیر کوئی بات کیے اٹھ کر کیسٹ لگاتا ہے ۔ قالین پر بیٹھتا ہے ۔ انیسہ بھی اس کے قریب آکر قالین پر بیٹھتی ہے ۔ دونوں ایک دوسرے کی طرف چور نظروں سے دیکھتے ہیں ۔ انیسہ جیسے ہمت کرکے بولتی ہے)

انیسہ : ایسے کیوں دیکھ رہے ہو میری طرف ۔

جمال : میں کیا کروں ۔ سارے کمرے میں تم ہی نظر آرہی ہو مجھے ۔

انیسہ : (شرما کر اس کے ہاتھ پر ہاتھ مارتی ہے) ہشت ۔

(دونوں پھر ایک دوسرے کو ۔ نہ دیکھنے لگتے ہیں ۔ موسیقی ۔)

سین نمبر ۹

(احمد کا بیڈ روم)

احمد علی ڈریسنگ گاؤن میں ملبوس ہے عابد کے انداز سے پتہ چلتا ہے جیسے ابھی ابھی باہر سے آرہا ہے)

عابد : مگر اب کیا ہو سکتا ہے ڈیڈ۔

احمد : یہی تو سوچ سوچ کے پریشان ہو رہا ہوں ——— تم بعض اوقات بہت جلد بازی کرتے ہو عابد!

عابد : اب مجھے کیا معلوم تھا سردار صاحب ... صورت سے تو وہ اتنے ڈائرکٹ ایکشن والے آدمی نہیں لگتے

احمد : تمہیں اندازہ نہیں وہ کتنا خطرناک آدمی ہے۔ اس طرح کے کام تو اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہیں۔ جوں جوں مجھے اس کے بارے میں پتہ چل رہا ہے میری گھبراہٹ بڑھتی جارہی ہے۔

عابد : گھبرانے کی کیا بات ہے ڈیڈ۔ ہمارے تو وہ دوست ہیں۔

احمد : سانپ کبھی کسی کے دوست نہیں ہوتے بیٹا۔ ان سے دوستی کے لیے ان کا زہر نکال کر انہیں کیچوا بنانا پڑتا ہے۔

عابد : مگر سردار صاحب تو بہت چالاک ہیں۔

احمد : اسی لیے تو کہتا ہوں تم نے جلد بازی کی ہے۔ اُدھر خالد نے اپنے اس ایس پی دوست کو INVOLVE کر کے ایک اور تلوار میرے سر پہ لٹکا رکھی ہے۔ میں بہت پریشان ہوں۔

عابد : سوری ڈیڈ۔ لیکن میں پھر کہتا ہوں۔ مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ سردار صاحب اس حد تک چلے جائیں گے۔

احمد : (سوچتے ہوئے) فقیر حسین کی گمشدگی ہمارے لیے بہت نقصان دہ ہے۔ اسے واپس بھجوانا ہی پڑے گا۔

عابد : مگر ڈیڈ ..... اب یہ ممکن نہیں ہے۔

احمد : اس کے سوا کوئی چارا نہیں، مائی سن۔ میں اس معاملے کو مزید بگاڑنا نہیں چاہتا۔

عابد : لیکن اس سے تو COMPLICATIONS اور بڑھ جائیں گی۔

احمد : میرا نہیں خیال ..... بہرحال اب تم اس معاملے سے بالکل الگ ہو جاؤ۔ میں خود سردار صاحب سے بات کروں گا۔

عابد : مگر آپ تو کہہ رہے تھے کہ (سلمیٰ ٹرے میں کافی لے کر آتی ہے) آپ سردار صاحب کے .....

احمد : (تیزی سے اس کی بات کاٹتے ہوئے) ہاں سردار صاحب کے گھوڑوں کا تو جواب نہیں (عابد کا ری ایکشن) بڑا خاندانی گھوڑا ہے ان کے پاس (سلمیٰ ٹرے میز پر رکھتی ہے۔ احمد علی لمبا سانس لیتا ہے) بھئی سبحان اللہ، کیا غضب کی کافی بناتی ہو تم سلمیٰ۔ سارے کمرے میں خوشبو پھیل جاتی ہے۔ ہے نا عابد

عابد : (مسکراتے ہوئے) — خوشامدانہ لہجے میں) آخر کس کی ہیں۔

سلمیٰ : (مسکراتے ہوئے) ایک نمبر کے خوشامدی ہو تم دونوں باپ بیٹے۔

عابد : (مکالمے کے انداز میں) خوشامد کہہ کر میرے جذبات کی توہین نہ کیجئے امی۔ چینی دو چمچ۔ کریم زیادہ

(تینوں ہنستے ہیں سلمیٰ دونوں کو کافی دیتی ہے)

احمد : تم نہیں پیوگی۔

سلمیٰ : مجھے خوامخواہ نیند اڑانے کا شوق نہیں ہے۔

عابد : (اپنا کپ اٹھاتے ہوئے) اچھا میں چلتا ہوں۔ گڈ نائٹ۔

سلمیٰ : آرام سے بیٹھ کے پی تو لو۔

عابد : نہیں امی —— میں ذرا کپڑے بدل لوں۔ صبح سے ٹائی باندھ رکھی ہے۔ OK ڈیڈ۔

سلمیٰ : بالکل آپ پر گیا ہے؟

احمد : ہاں۔ کاش خالد بھی۔ (سلمیٰ کے REACTION سے ایک دم اندازہ کرتا ہے کہ اسے یہ بات نہیں چھیڑنی چاہیئے تھی)۔ بیٹھو، تم کھڑی کیوں ہو!

سلمیٰ : بھائی فقیر حسین کا کچھ پتہ چلا۔

احمد : نہیں۔ مگر انشاء اللہ بہت جلد چل جائے گا۔ اپنی طرف سے تو میں پوری کوشش کر رہا ہوں۔

سلمیٰ : (جیسے خاوند پر الزام رکھنے سے کترا رہی ہو) آپ — آپ تو..... آپ پر کیوں الزام رکھ رہا تھا خالد؟

احمد : بے وقوف ہے۔ نادان ہے۔ شک کا پودا بانس کی طرح ہوتا ہے سلمیٰ — ایک دفعہ دماغ میں گھس جائے۔ تو بڑھتا ہی چلا جاتا ہے اس نے خوامخواہ فقیر حسین اور میری بات کا بتنگڑ بنا لیا ہے۔

سلمیٰ : (پھر اسے AVOID کر کے بولتی ہے) کتنا اچھا ہوتا اگر..... آپ نے کبھی سوچا ہے احمد کہ....

احمد : (ٹوکتے ہوئے) دیکھو سلمیٰ کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو فوری طور پر انسان کے تجزیے میں اس کی CALCULATION میں نہیں آتیں۔ لیکن ان سے گھبرانا نہیں چاہیئے۔ آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جاتا ہے۔

سلمیٰ : خدا کرے ایسا ہی ہو۔ پتہ نہیں کیوں میرے دل میں ہر وقت عجیب عجیب وسوسے آتے رہتے ہیں

(احمد تیز نظروں سے اس کی طرف دیکھتا ہے۔ سلمیٰ ٹرے میں خالی کپ رکھ کر جاتی ہے)

سین نمبر ۱۰

(فقیر حسین کا گھر)

(بند دروازے کے باہر سے اختر کی آواز آتی ہے جو کسی سے کہہ رہا ہے)

اختر کی آواز : میں ایک منٹ میں آیا۔

(اختر دروازہ کھول کر اندر آتا ہے دروازہ بھیڑتا ہے سعیدہ غم زدہ نظروں سے

اس کی طرف دیکھتی ہے)

اختر : سعیدہ تم ذرا۔ اِدھر (کچن کی طرف اشارہ کرتا ہے) چلی جاؤ.... میرے ساتھ کچھ آدمی ہیں۔

سعیدہ : کیا بات ہے۔

اختر : کچھ نہیں۔ وہ میں نے ذکر کیا تھا نا تم سے اپنے دوست رفیق صاحب کا.... وہ آئے ہیں۔ انہیں دوکان دکھانی ہے ابو کی۔

سعیدہ : اچھا۔

(کچن کی طرف جاتی ہے اختر دروازے کی طرف جا کے دروازہ کھولتا ہے)

اختر : آیئے۔

(رفیق اور سلامت آتے ہیں۔ سعیدہ کا تاثر جو حیرت سے انہیں دیکھتی ہے۔)

رفیق : وہ دوکان کدھر ہے۔

اختر : (ایک دروازے کی طرف جاتے ہوئے) اِدھر سے آیئے۔

(رفیق اور سلامت اس کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں)

سین نمبر ۱۱

(فقیر حسین کی دوکان میں مختلف چیزیں بکھری پڑی ہیں۔ رفیق غور سے جائزہ لے رہا ہے۔ سلامت اور اختر خاموش کھڑے ہیں۔ رفیق کچھ سمجھ کر سر ہلاتا ہے۔)

رفیق : یہ دروازہ باہر گلی میں کھلتا ہے نا۔ (اختر اثبات میں سر ہلاتا ہے) کسی نے روکا نہیں ان لوگوں کو؟

اختر : کون روکتا۔ سب کو اپنی جان پیاری ہوتی ہے۔

سلامت : پر یار انسانیت بھی کوئی چیز ہے۔

اختر : میں نے بھی محلے والوں سے یہی سوال کیا تھا۔ پتہ ہے مجھے کیا جواب ملا؟ (جذبات پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہے) سنو گے تو یقین نہیں آئے گا سلامت کہ لوگ اتنے سنگدل اور بے حس بھی ہو سکتے ہیں۔ (آواز بلند ہو جاتی ہے) اِن کے آنسو، اِن کی تسلیاں، اِن کے دلاسے ...سب دنیاداری کے ہیں جھوٹے اور بے معنی.... اِن کی....

(رفیق تسلی دینے کے انداز میں اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہے تھپکتا ہے۔)

رفیق : حوصلہ نہیں ہارتے اختر۔ وہ جو اوپر والا ہے نا.... سب کچھ دیکھ رہا ہے ۔ آؤ۔

(مڑتا ہے۔ دروازے میں سعیدہ کھڑی ہے۔ اس نے پیالہ پلیٹ رکھی ہے۔ رفیق اسے چند لمحے دیکھتا رہ جاتا ہے)

سعیدہ : میں نے چائے رکھ دی ہے اختر۔

اختر : اچھا۔ ہاں۔ یہ میری بڑی بہن ہے سعیدہ۔

سلامت : اسلام علیکم بہن جی۔ بڑا افسوس ہوا ہے جی۔۔۔۔ پر آپ حوصلہ رکھو اللہ نے چاہا تو ہم آپ کے والد صاحب کو ضرور ڈھونڈ نکالیں گے۔

سعیدہ : آپ کی بڑی مہربانی بھائی صاحب۔

سلامت : لو جی اس میں مہربانی کی کیا بات ہے۔ اختر باؤ ہمارا یار ہے۔ جگر ہے ہمارا۔۔۔۔ اور پھر انسانیت بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ کیوں استاد۔

رفیق : (گھورتے ہوئے) ہر بات میں مت بولا کر سلامت۔

(سلامت کھسیانا سا ہو کر خاموش ہو جاتا ہے۔ رفیق سعیدہ سے مخاطب ہوتا ہے انداز میں شعوری طور پہ مہذب بننے کی کوشش نمایاں ہے نظریں جھکا رکھی ہیں۔)

آپ ان میں سے کسی شخص کو پہچان سکتی ہیں بی بی؟

سعیدہ : جی نہیں۔

رفیق : (سوچتے ہوئے) اچھا آؤ اختر۔

اختر : چائے پی لیں۔

رفیق : چائے۔ (تذبذب کے عالم میں) اچھا۔

سعیدہ : (دروازے سے ہٹ کر راستہ دیتے ہوئے) آیئے۔

(رفیق اس کے قریب سے سر جھکائے گزرتا ہے۔ اختر اور سلامت گزرتے ہیں سعیدہ کسی سوچ میں گم ہے)

سین نمبر ۱۲

جمال کا گھر

(کیسٹ ریکارڈر پر کیمرہ اوپن ہوتا ہے اس پر ٹیلیفون کی گھنٹی کی آواز ۔ اوہ ہوتی ہے گانا شروع ہوتا ہے DON'T TELL ME STORIES ۔ زوم بیک کر کے جمال اور انیسہ پہ آتے ہیں۔ جو قالین پہ بیٹھے بڑی محویت سے موسیقی سن رہے ہیں ایک دم انیسہ کو جیسے کچھ یاد آ جاتا ہے۔

انیسہ : ایک منٹ ذرا روکنا اسے۔

(جمال بٹن دبا کر کیسٹ روکتا ہے) یہ تو بالکل وہی گانا ہے۔ جا جا رے جا ــــ کاہے کرت اب جھوٹی بتیاں ــــ سوتن کے سنگ رین بتائی ــــ مورے کہے تورے بنا نیند نہ آئی۔

جمال : (حیرت سے) ہاں۔ بالکل وہی ہے ـــ ـــ اس کا مطلب یہ ہوا کہ رت چاہے مشرق ، ہو

چاہے مغرب کی۔ مرد سے ہمیشہ بدگمان رہتی ہے۔

انیسہ : جی۔ اس کا مطلب یہ کیوں نہیں کہ مرد چاہے مشرق کا ہو چاہے مغرب کا، ہمیشہ بے وفا ہوتا ہے

جمال : مردوں کی وفاداری کو تو تاریخ شاہد ہے۔

انیسہ : وہ کیسے۔

جمال : وہ یوں کہ مجنوں بے چارے نے ریگستانوں میں تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔ فرہاد بھائی نے تیشہ سر پر ماریا رانجھے نے کان پھڑوا لیے۔ اس کے مقابلے میں تمہاری اُن، لیلیٰ، شیریں اور ہیر وغیرہ خواتین نے کیا کیا ہے۔

انیسہ : اور سوہنی کے بارے میں کیا خیال ہے جو کچے گھڑے کے ساتھ چناب میں اتر گئی تھی۔

جمال : وہ مسئلہ اور ہے..... اسے تو دراصل مہینوال کے بنائے ہوئے بیف برگر دں کا چسکا پڑ گیا تھا۔

(مزاحیہ انداز میں ران کا گوشت کاٹنے کی ایکٹنگ کرتا ہے۔)

انیسہ : (ہنستے ہوئے) بکواس نہیں کرو۔ شرم تو نہیں آتی ایسی باتیں کرتے ہوئے۔

جمال : (مزاحیہ سنجیدگی کے ساتھ) ایمان سے میں صحیح بتا رہا ہوں۔ یہ تو بعد میں لوگوں نے اور اور باتیں بنا لی ہیں۔

انیسہ : (اٹھتے ہوئے) تمہاری باتیں تو ختم ہوں گی نہیں۔ میں چلتی ہوں۔ بہت دیر ہو گئی ہے۔

جمال : دیر کہاں ہوئی ہے۔ گیارہ ہی تو بجے ہیں ابھی۔

انیسہ : میں ٹھیک دس بجے سو جایا کرتی ہوں۔ تم نے میری عادتیں بھی خراب کر دی ہیں۔

(جمال ایک سگریٹ سلگانے لگتا ہے انیسہ سگریٹ اس کے منہ سے لے کر توڑتی ہے جمال روکنے کی ناکام کوشش کرتا ہے) تمہارا آج کا کوٹہ ختم ہو چکا ہے۔

جمال : بس ایک کی اجازت دے دو۔

انیسہ : نہیں۔ آرڈر از آرڈر۔

جمال : (چہرے پر ایک لمحے کے لیے ناراضگی کا سایہ لہراتا ہے پھر زبردستی ہنستا ہے)

AS YOU LIKE MADAM.

انیسہ : اور آئندہ سے تم یہ نیلی پیلی قمیضیں بھی نہیں پہنو گے۔ آدمی کو ذرا سوبر رہنا چاہیئے۔

جمال : آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ ابھی میری عمر۔

(ایک دم محسوس کرتا ہے کہ وہ غلط بات کہنے جا رہا ہے رکتا ہے) تمہیں اچھے نہیں لگتے شوخ رنگ۔ ٹھیک ہے آئندہ سے نہیں پہنوں گا۔

سین نمبر ۱۳

جہانگیر کا گھر۔

جہانگیر: آپ کی مرضی ہے سائیں۔ باقی اگر میرا مشورہ مانو۔ تو آگے بڑھایا ہوا قدم پیچھے نہیں ہٹانا چاہیئے۔ بدشگونی ہوتی ہے۔

احمد: وہ تو ٹھیک ہے سردار صاحب۔ لیکن اگر غلط قدم اٹھ جائے تو اسے پیچھے ہٹانے میں کوئی حرج نہیں ہوتا۔ عابد نے بے وقوفی کی جو..... خیر..... میرا عرض کرنے کا مطلب یہ تھا کہ آپ فقیر حسین کو واپس اس کے گھر بھجوا دیں تاکہ یہ معاملہ ختم ہو۔

جہانگیر: معاملہ تو ایسے ختم نہیں ہوتا سائیں۔ فرض کرو اگر ہم نے اسے چھوڑ دیا اور وہ پولیس کے پاس پہنچ گیا تو۔ گڑبڑ ہو جائے گی نا سائیں۔

احمد: اول تو وہ ایسا کرے گا نہیں۔ اور فرض کیا کر بھی لے تو.... نہیں سردار صاحب۔ چونکہ ہم میں سے کوئی بھی اس کے سامنے نہیں آیا اس لیے خطرے کی کوئی بات نہیں۔

جہانگیر: میں تو آیا ہوں نا اس کے سامنے سائیں۔

احمد: اوہ۔ (سوچ میں پڑ جاتا ہے) یہ تو بہت برا ہوا۔

جہانگیر: (غور سے اس کی طرف دیکھتا ہے) خیر تم فکر نہ کرو سائیں۔ تمہارا کام ہو جائے گا۔ میں آج ہی اسے واپس بلوا لیتا ہوں۔ (ریاست کو آواز دیتا ہے) ریاست۔

ریاست: (آتے ہوئے) جی سائیں۔

جہانگیر: اس آدمی کو واپس اس کے گھر پہنچا دو اسے چھوڑ بھی دینگے اور چھوڑیں گے بھی نہیں ـــ ایک لڑکی ہے نا اس کی۔

ریاست: جی سائیں۔

جہانگیر: اس کو اچھی طرح سمجھا دینا۔ جاؤ۔ جاؤ۔ شاباش۔

(ریاست جاتا ہے۔ جہانگیر مسکرا کر احمد کی طرف دیکھتا ہے۔ احمد اثبات میں سر ہلاتا ہے۔)

احمد: بہت بہت شکریہ۔ سردار صاحب۔

جہانگیر: نہ سائیں نہ۔ کیوں مجھے گنہگار کرتے ہو۔ تم ہمارے دوست ہو۔ سجن ہو۔ تمہاری خدمت ہمارا فرض ہے۔

سین نمبر ۱۴

جمال کا گھر۔

(جمال بستر میں لیٹا ہے۔ سعید دروازے پر دستک دیتا ہے۔ جمال وہیں سے بولتا ہے)

جمال: یس۔

سعید : (دروازہ کھول کر آتا ہے) اسلام علیکم۔

جمال : وعلیکم اسلام۔ (جمائی لیتے ہوئے) یہ تم کہاں سے ٹپک پڑے صبح ہی صبح۔

سعید : (گھڑی دیکھتے ہوئے) بائی دی وے گیارہ بج رہے ہیں۔

جمال : پھر گیارہ بج رہے ہیں؟ یہ گیارہ اتنی جلدی کیوں بج جاتے ہیں۔

سعید : (معنی خیز انداز میں) کل سنا ہے آپ سارا دن گھومتے رہے ہیں۔

جمال : ہاں۔ مگر یار مجھے تو اب ڈر آنے لگا ہے۔

(سعید استفہامیہ نظروں سے دیکھتا ہے) وہ خاتون تو کچھ زیادہ ہی سیریس ہوتی جارہی ہے۔

سعید : یہ تو اچھی بات ہے۔

جمال : (اضطرار کے عالم میں کمبل پھینک کر بستر پر بیٹھتا ہے) نہیں ہے نا اچھی بات ۔۔ وہ دو تین دفعہ اشاروں اشاروں میں شادی کی بات کر چکی ہے۔

سعید : (حیرت سے) اوہ ۔۔ ویسے برائی کیا ہے اس میں ۔۔؟

جمال : (غصے میں) برائی ۔۔ تمہارا مطلب ہے میں اس سے شادی کروں۔ او ۔ شٹ اپ۔

سعید : آپ ذرا ٹھنڈے دل سے غور کریں۔

جمال : تمہارا دماغ ٹھیک ہے؟ وہ مجھ سے کم از کم دس سال بڑی ہے اور پھر ۔۔۔ ساری عادتیں اس میں بڑی بوڑھیوں جیسی ہیں۔ یہ نہ کرو وہ نہ کرو۔ یہ نہ پیو وہ نہ پیو۔ یوں نہ بیٹھو ۔۔ میرا تو دماغ خراب کر دیا ہے اس نے چند دنوں میں۔

سعید : لیکن جمال صاحب .....

جمال : لیکن ویکن کچھ نہیں۔ ہمارے مسائل کا ہاتھی نکل گیا ہے۔ اب صرف دُم باقی رہ گئی ہے۔ یہ بھی نکل جائے تو میں اس خاتون کے قریب بھی نہیں پھٹکوں گا۔

سعید : مگر وہ تو بہت اچھی عورت ہے۔

جمال : یہی تو مصیبت ہے۔ اس کے اچھا ہونے نے ہی تو مجھے عذاب میں ڈال رکھا ہے۔ میں اس کی عزت کرتا ہوں اور بس ۔ اسے محبوبہ یا بیوی بنانا ممکن نہیں ہے۔

سعید : آپ کی مرضی ۔۔ ویسے اس طرح کے موقعے روز روز نہیں ملتے۔

جمال : میں نے ان چند دنوں میں بہت کچھ سیکھا ہے۔ اب میں کوشش کروں گا کہ دوبارہ کبھی ایسی مصیبت میں نہ پڑوں۔ ہاں، تم سٹاف سے سب لڑکیوں کی چھٹی کرا دو۔ اس وقت موقع بھی ہے۔ آئندہ ہم صرف مردوں کو ایمپلائی کریں گے۔ اب ہمیں کام کرنا ہے۔ سعید۔ میں دانت صاف کر کے آتا ہوں۔ پھر چائے پیتے ہیں

(سعید پریشانی کے عالم میں جمال کی طرف دیکھتا ہے جو باتھ روم کی طرف

جارہا ہے)

سین نمبر ۱۵

جہانگیر کا گھر۔

جہانگیر: دیکھو سائیں۔ ز آدمی کے لیے میرے دل میں بہت عزت ہے بڑا لحاظ ہوتا ہے مجھے ایسی باتوں کا۔۔۔۔ تم نے اس دن میرا کام کیا تھا۔۔۔ میں نے تمہارا کر دیا۔۔۔ اب ختم کرو یہ بات۔

رفیق: (ممنونیت کے انداز میں) میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں سردار صاحب کہ وہ کون لوگ تھے۔

جہانگیر: تم آم کھاؤ سائیں۔ پیڑوں کی گنتی میں ٹائم کیوں ضائع کرتے ہو۔ تمہیں اس آدمی فقیر حسین کی تلاش تھی۔ اسے واپس لانا چاہتے تھے تم۔۔۔۔ اس کا انتظام ہو گیا۔ اللہ اللہ خیر سلا۔

رفیق: مگر سردار صاحب۔۔۔۔

جہانگیر: (سمجھاتے ہوئے) دیکھو سائیں بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں، جن پر پردہ پڑا ہے تو اچھا ہے۔ بندہ تمہارا شام تک پہنچ جائے گا۔ لیکن اپنا وعدہ یاد رکھنا۔ یہ بات یہیں ختم ہو گئی ہے۔ اب نہ تم کوئی قدم اٹھاؤ گے نہ وہ لوگ۔۔۔۔ ورنہ میں درمیان میں سے ہٹ جاؤں گا۔

رفیق: مگر وہ لوگ ہیں کون؟

جہانگیر: (غور سے رفیق کی طرف دیکھتا ہے رفیق بھی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتا ہے جہانگیر ایک دم مسکراتا ہے) اسی لیے میں تمہیں نہیں بتاتا سائیں۔ مجھے پتہ ہے تم آسانی سے بھولنے والے نہیں ہو کوئی اور بات کرو۔

رفیق: (تذبذب میں) نہیں۔ میں چلتا ہوں۔ ان لوگوں کو اطلاع بھی دینی ہے۔

سین نمبر ۱۶

فقیر حسین کا گھر۔

دروازے پر دستک کی آواز۔ سعیدہ دوسرے کمرے سے آتی ہے۔ دروازہ کھولتی ہے۔ رفیق کو دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے۔)

رفیق: (رک رک کر کہتے ہوئے) اختر کہاں ہے؟

سعیدہ: آپ ہی کی طرف کہہ کر گیا تھا۔

رفیق: اچھا۔ میں وہیں مل لیتا ہوں۔ اس سے۔۔۔۔ (جاتے جاتے رکتا ہے) آپ کے والد صاحب کا پتہ چل گیا ہے۔

سعیدہ: (دروازہ اضطرار کے عالم میں پورا کھول دیتی ہے) جی۔۔۔۔ کہاں ہیں وہ۔ آ۔ آپ۔ اندر آجایئے۔

رفیق: جی۔ میں۔۔۔۔ میں یہیں ٹھیک ہوں۔ انشاء اللہ شام تک وہ پہنچ جائیں گے۔

سعیدہ : وہ ہیں کہاں۔ کون لوگ تھے وہ...

رفیق : یہ تو وہی آپ کو بتائیں گے۔ اچھا میں چلتا ہوں۔ (مڑتا ہے)

سعیدہ : سنیئے۔ (رکتا ہے) آ۔ آپ۔ کیا سچ مچ میرے ابو....

رفیق : رفیق جھوٹ نہیں بولتا بی بی — وہ ضرور پہنچ جائیں گے۔

سعیدہ : اللہ آپ کو خوش رکھے۔ اختر ملے تو اسے گھر بھجوا دیجئے گا۔

رفیق : جی۔ (نظر اٹھا کر سعیدہ کی طرف دیکھتا ہے جو اس کی طرف دیکھ رہی ہے نظریں جھکا لیتا ہے)

خدا حافظ۔

سعیدہ : (اپنے آپ سے) خدا حافظ۔

(چند لمحے جاتے ہوئے رفیق کو دیکھتی ہے دروازے کو زور سے بھینچتی ہے

سر کواڑ کے ساتھ لگاتی ہے)

سین نمبر ۱۷

انیسہ کا دفتر۔

(جعفری انیسہ کو کچھ فائلیں دکھا رہا ہے ایک کاغذ اس کے آگے آگے رکھتا ہے

انیسہ پڑھتی ہے)

انیسہ : کون لایا ہے یہ APPLICATION۔

جعفری : ان کا بھائی ہے جی۔ وہ تو کوئی عجیب ہی کہانی سنا رہا ہے جی کہ.... مس سعیدہ کے والد...

کچھ لوگ انہیں اٹھا کر لے گئے ہیں۔

انیسہ : (حیرت سے) کیسے؟

جعفری : مس سعیدہ کے والد کو جی۔

انیسہ : اوہ۔ ذرا اندر بھیجو اسے

جعفری : (فائل میز پر رکھتے ہوئے) بہتر۔

(جعفری جاتا ہے انیسہ کاغذ دوبارہ پڑھتی ہے۔ دروازہ کھلتا ہے اختر

داخل ہوتا ہے دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں۔ ان پر

چوری کی رات کا سین وا ہوتا ہے۔

انیسہ : تم؟

10

کردار

• فقیر حسین • سعید • اختر • احمد علی • خالد • عابد • نیلم • جمال
• انیسہ • رفیق • جہانگیر • سلامت • ریاست • شمائلہ • سعید
• جعفری • حسینہ

سین نمبر ۱

انیسہ کا دفتر

(9 EPISODE کا آخری سین۔ اختر داخل ہوتا ہے۔ دونوں پر 9 EPISODE کا آخری
وا ای ہوتا ہے)

انیسہ : تم؟
اختر : (پیچھے کی طرف کھسکتے ہوئے) آ۔ آ۔ آپ۔
انیسہ : تم۔ سعیدہ کے بھائی ہو۔

(اختر پہلے اثبات میں پھر نفی میں سر ہلاتا ہے)

تم سعیدہ کے بھائی کیسے ہو سکتے ہو؟

اختر : جی۔ میں۔ ... میں ...
انیسہ : بیٹھ جاؤ ...

(اختر کھڑا رہتا ہے۔ انیسہ ڈانٹنے کے انداز میں بولتی ہے۔)

تم نے سنا نہیں؟

اختر : ہم۔ مجھے جانے دیجئے۔
انیسہ : ایک ڈاکو کو۔ ایک چور کو جانے دوں۔
اختر : (احتجاج کے انداز میں) میں چور نہیں ہوں۔
انیسہ : بہت خوب۔ اس دن چندہ لینے آئے تھے میرے گھر۔ ..
اختر : آپ جو چاہے سمجھ لیں۔
انیسہ : کتنی بھولی بھالی صورتیں ہیں تم دونوں بہن بھائیوں کی

اختر : سعیدہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں .... اس کو تو پتہ بھی نہیں کہ میں .... پلیز اسے نہ بتایئے گا۔

انیسہ : بھائی ڈاکے مارے اور بہن کو پتہ نہ ہو، یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

اختر : یہ سچ ہے محترمہ .... آپ مجھ سے جو چاہیں سلوک کریں۔ لیکن خدا کے لیے سعیدہ پر کوئی الزام نہ لگائیں .... میری غلطی کی سزا اسے نہ دیں۔

انیسہ : اگر تمہیں اس کا اتنا ہی خیال تھا تو ایسی گندی حرکت کی کیوں؟

اختر : (پہلے سے بہتر حالت میں ہے قدرے جھنجلائے ہوئے انداز میں بولتا ہے) جس پر پڑتی ہے محترمہ وہی جانتا ہے۔ دور بیٹھ کر باتیں کرنا بہت آسان ہے۔

(انیسہ قدرے حیرت اور توجہ سے اس کی طرف دیکھتی ہے)

انیسہ : اب تم رابن ہڈ کی طرح جرم کے حق میں جواز ڈھونڈ کے دکھاؤ گے۔

اختر : میں جواز ڈھونڈ نہیں رہا محترمہ .... میری پوری زندگی جواز ہے اس کا .... لیکن میں اپنے جرم سے انکار نہیں کروں گا .... مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا لیکن .. اس وقت میری سمجھ میں اور کچھ نہیں آتا تھا۔

انیسہ : اوہ ———

(اپنی سیٹ میں بیٹھتی ہے)

بیٹھو۔

(اختر بیٹھتا ہے)

کیا مجبوری تھی تمہیں۔

سین نمبر ۲

فقیر حسین کا گھر۔

فقیر حسین : میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا بیٹی!

سعیدہ : آپ کو اچھی طرح پتہ ہے ابو، یہ حرکت چچا احمد علی کے علاوہ ....

فقیر حسین : نہیں بیٹی۔ پہلے میرا بھی یہی خیال تھا لیکن یہ کوئی اور ہی لوگ تھے۔ خیر لعنت بھیجو ..

سعیدہ : یہ کیسے ہو سکتا ہے ابو۔ اب تو روز روز کا جھگڑا ختم کرنا ہی پڑے گا۔ جو لوگ اس حد تک اتر سکتے ہیں وہ اس سے آگے بھی جا سکتے ہیں۔ ہمیں قانون کی مدد لینی ہو گی۔

فقیر حسین : نہیں بیٹی .... نہیں ———

(سوچ میں پڑ جاتا ہے)

سعیدہ : آپ کو کیا ہو گیا ہے ابو۔ اس طرح مسلسل خوف میں ہم کیسے زندہ رہ سکتے ہیں۔

فقیر حسین : (قدرے جھنجلاتے ہوئے انداز میں) میں نے کہہ دیا ہے نا ——— کچھ نہیں کرنا ہمیں ——— یوں

سمجھو یہ واقعہ ہوا ہی نہیں تھا۔

سعیدہ: (احتجاجی لہجے میں) مگر ابو ———

(سمجھانے کے انداز میں)

کل کو اگر وہ لوگ مجھے...

فقیر حسین: (تڑپ کر) اسی لیے تو کہتا ہوں مت چھیڑو اس بات کو....

سعیدہ: آخر آپ بتاتے کیوں نہیں، کون لوگ ہیں وہ کیوں لے گئے تھے آپ کو۔

فقیر حسین: (چند لمحے سوچتا ہے پھر آزردگی سے ہنستا ہے) خدا کی یہ زمین کتنی بڑی ہے بیٹی.... کتنا رزق پیدا کیا ہے اس نے اس میں۔ پھر بھی کچھ لوگ ہر وقت دوسروں کے منہ سے نوالے چھینتے رہتے ہیں۔ کیوں؛ کیا مل جاتا ہے انہیں اس مردم آزاری سے....

سعیدہ: ظلم بھی آندھی اور سیلاب کی طرح اندھا ہوتا ہے ابو.... اسے وجہ ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ سیلاب کا پانی کھیتوں کو برباد کرتے وقت یہ نہیں سوچتا کہ ان فصلوں میں کیسے کیسے خواب سانس لے رہے تھے.... اُسے تو صرف مٹانے سے غرض ہوتی ہے....

فقیر حسین: .... انسان کو تو اللہ تعالیٰ نے آنکھیں دی ہیں بیٹی، وہ تو دیکھ سکتا ہے کہ آگے کیا ہے۔ دماغ دیا ہے کہ وہ سوچے، دل دیا ہے کہ وہ محسوس کرے۔ ہم سے تو یہ شہد کی مکھیاں اچھی ہیں۔ کتنی تنظیم ہوتی ہے ان کے چھتوں میں، ہم ایسا کیوں نہیں کر سکتے بیٹی ——— ہم تو اشرف المخلوقات ہیں۔

سعیدہ: مگر شیطان بھی تو اسی اللہ نے پیدا کیا ہے نا ابو۔

فقیر حسین: ہاں۔

سعیدہ: اور یہ بھی کہا ہے کہ اس کی باتوں میں نہ آنا۔ اس کا مقابلہ کرنا۔ اس کے شر کو روکنا۔ اور.....
اور.....

فقیر حسین: مجھے پتہ ہے بیٹی۔ سب پتہ ہے ——— لیکن میں ایک اکیلا۔ ایک بہت کمزور آدمی ہوں میں ساری دنیا سے نہیں لڑ سکتا بیٹی۔ بس اب مت چھیڑو یہ بات۔ میرے دل کو تکلیف ہوتی ہے۔

(سعیدہ چند لمحے گومگو کے عالم میں کھڑی رہتی ہے۔ اختر آتا ہے۔ کچھ پریشان سا ہے)

اختر: السلام علیکم۔

(سر جھکا کر اپنے کمرے کی طرف جاتا ہے۔)

سعیدہ: APPLICATION دے آئے۔

اختر: ہاں

سعیدہ: (جاتے ہوئے کو آواز دے کر روکتی ہے) رکو تو سہی۔ مگر اسے ان سنا کر کے چپ چاپ جا رہے ہو اور ش کر

طرح...

اختر : کیا ہے؟

(سعیدہ غور سے اس کی طرف دیکھتی ہے۔ اختر اپنی پریشانی چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ سعیدہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے دوسرے کمرے میں لاتی ہے۔ کٹ کر کے سعیدہ اور اختر کو آتے ہوئے دکھاتے ہیں۔ سعیدہ اختر کو کرسی پر بٹھاتی ہے خود سامنے بیٹھ جاتی ہے)

سعیدہ : کیا بات ہے؟

اختر : کیسی بات؟

(زبردستی پُر اعتماد نظر آنے کی کوشش کرتا ہے)

ایسے کیا دیکھ رہی ہو میری طرف۔

سعیدہ : اگر تم آئینے میں اپنی شکل دیکھو تو تمہیں اس سوال کا جواب مل جائے گا۔

اختر : کیوں، سینگ نکل آئے ہیں میرے سر پہ؟

سعیدہ : دیکھو اختر۔ جب تم پریشان ہوتے ہو نا تو تمہاری ناک بھی میری طرح لمبی ہو جاتی ہے..... بتاؤ کیا بات ہے؟

اختر : کون سی بات، تمہیں تو خواہ مخواہ شوق ہے پُراسرار بننے کا۔

سعیدہ : مسز انیسہ نے تو نہیں کہا کچھ؟

اختر : انہوں نے کیا کہنا تھا؟

(نظریں چرا کر بولتا ہے)

سعیدہ : خود ملے تھے ان سے؟

(اختر اثبات میں سر ہلاتا ہے)

سعیدہ : کیسی لگیں؟

اختر : لگنے والی تو اُن میں کوئی ایسی بات نہیں۔

سعیدہ : (پیار سے اسے مارتی ہے) بہت بدمعاش ہو گئے ہو تم۔

اختر : کہہ رہی تھیں شاید آج کل میں کسی وقت آئیں۔

سعیدہ : (حیرت سے) یہاں؟

اختر : اور کیا میں انہیں کسی ہوٹل کا ایڈریس دیتا؟

سعیدہ : نہیں۔ میرا مطلب ہے..... کیا بتایا تھا تم نے انہیں۔

اختر : میں نے کچھ نہیں بتایا۔ انہوں نے ہی پوچھا تھا، سب کچھ۔

سعیدہ : اوہ ۔

(سوچ میں پڑ جاتی ہے۔ اختر کا کلوز جو مضطرب انداز میں ناخن کاٹتا ہے)

سین نمبر ۳

انیسہ کا گھر

(کیمرہ انیسہ اور جمال کی پکنک کے دوران لی ہوئی تصویروں پر اوپن ہوتا ہے جنہیں انیسہ بڑے شوق اور خوشی سے دیکھ رہی ہے چہرے پر مسکراہٹ ہے جیسے اُن یادوں سے لطف اندوز ہو رہی ہو۔ لباس اور میک اپ میں بھی خلاف معمول جوان نظر آنے کی کوشش ہے۔ جیولری بھی پہن رکھی ہے۔ حسینہ ٹرے میں شربت یا جوس کا گلاس لے کر آتی ہے۔ دروازے کی گھنٹی بجتی ہے۔ گلاس اضطرار کی وجہ سے انیسہ کے ہاتھ میں لرزتا ہے چھلکتا ہے۔ گلاس کو جلدی سے ٹرے میں رکھتی ہے اور لباس ٹھیک کرتی ہوئی دروازے کی طرف جاتی ہے۔

انیسہ : تم ٹھہرو حسینہ میں کھولتی ہوں۔

(حسینہ حیرت سے اس کی طرف دیکھتی ہے انیسہ دروازہ کھولتی ہے۔ سامنے جمال کھڑا ہے۔ جمال انیسہ کی سج دھج دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے اس کی آنکھوں میں تعریف اور حیرت کے تاثرات ہیں۔ انیسہ کسی نوبیاہتا دلہن کی طرح مسکراتی ہے۔)

جمال : یہ۔ یہ تم ہو؟

(اسے غور سے اوپر سے نیچے تک دیکھتا ہے)

انیسہ : (شرماتے ہوئے) کیا دیکھ رہے ہو۔

جمال : میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ غلطی سے کسی اور گھر میں تو نہیں آگیا۔

انیسہ : کیوں۔ ایسی کیا بات ہے؟

جمال : اس وقت تو تم بالکل لڑکی لگ رہی ہو۔

(انیسہ ایک دم اس کی طرف دیکھتی ہے جمال اپنے جملے کے تاثر سے آنکھ مچولی کھیلتا ہے)

جمال : ایسے لگتا ہے جیسے.... ابھی ابھی سکول سے آئی ہو۔

انیسہ : اب بناؤ نہیں زیادہ۔

جمال : چلو سکول سے نہیں تو کالج سے سہی۔ لیکن بخدا..... بہت اچھی لگ رہی ہو۔

انیسہ : صرف اچھی؟

جمال : نہیں..... بہت اچھی۔

(اس کی محبت آمیز نظروں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ نروس انداز میں مسکراتا ہے)

میرا مطلب ہے۔ بالکل داغ کا وہ شعر لگ رہی ہو۔

انیسہ : کون سا؟

جمال : وہ...... وہ...... وہی بھئی...... وہ کیا ہے

سہ جنوں تمتماتی ہیں خنجر ہاتھ میں ہے تن کے بیٹھے ہیں

کسی سے آج بگڑی ہے جو وہ یوں بن کے بیٹھے ہیں

انیسہ : (خوش ہے مگر مصنوعی غصہ سے گھڑی دیکھ کر) یہ مت سمجھو کہ اس خوشامد کی وجہ سے میں تمہارا دس منٹ دیر سے آنا معاف کر دوں گی۔ PUNCTUALITY.

جمال : بس بس۔ بس۔ نو لیکچر

انیسہ : یہ حلیہ کیا بنا رکھا ہے؟

جمال : (حیرت سے اپنے آپ کو دیکھتا ہے) کیا ہے ٹھیک ٹھاک ہوں۔

انیسہ : خاک ٹھیک ٹھاک ہو۔ ٹائی کیوں نہیں باندھی۔

جمال : ایسے ہی.... ویسے بھی ٹائی آج کل فیشن میں کچھ اِن نہیں ہے۔

انیسہ : سوٹ کے ساتھ ٹائی پہنی ہو تو آدمی مہذب لگتا ہے۔

جمال : تمہیں کس نے کہا ہے میں مہذب ہوں۔ اور بائی دی وے یہ سوٹ اور ٹائی کب سے ہماری تہذیب میں شامل ہو گئے ہیں۔

انیسہ : فضول بحث نہیں کرتے۔ مجھے یہ لفنگوں جیسا کھلا گریبان اچھا نہیں لگتا۔ تمہیں ذرا سوبر رہنا چاہیئے

جمال : (چہرے پر ایک ناگواری کی شکن ابھرتی ہے) جب سوبر رہنے کی عمر آئے گی نا تو ہو جاؤں گا۔

(گھڑی دیکھتے ہوئے)

چلو۔ دیر ہو رہی ہے۔

انیسہ : (نفی میں سر ہلاتی ہے۔) پہلے چل کر ڈھنگ کے کپڑے پہنو۔ چلو شاباش۔

(جمال کا کلوز۔ چہرے پر ناگواری کے اثرات ہیں)

سین نمبر ۴

فقیر حسین کا گھر

(فقیر حسین کوئی کتاب پڑھ رہا ہے۔ اختر بیرونی دروازے سے داخل ہوتا ہے پیچھے مڑ کر آواز دیتا ہے)

اختر : آیئے رفیق صاحب۔

(رفیق جھجکتا ہوا اندر داخل ہوتا ہے)

یہ ہیں ابا رفیق صاحب۔

رفیق: السلام علیکم۔

فقیر حسین: (اٹھ کر رفیق سے ہاتھ ملاتا ہے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرتا ہے) وعلیکم السلام۔ آؤ بھائی آؤ۔ بیٹھو یہیں آجاؤ میرے پاس ....

رفیق: شکریہ۔

فقیر حسین: میں نے اختر سے کہا بھئی مجھے اس دوست سے ملاؤ تو سہی جس نے تمہیں پڑھائی دوبارہ شروع کرنے پر تیار کر لیا ہے۔ آخر کون سا جادو ہے۔ اس کے پاس۔

(مسکراتے ہوئے)

میں تو دو سال سے اسے سمجھا سمجھا کر تھک چکا تھا۔

اختر: (شرمندگی سے) اچھا اب جانے دیں نا ابو....

رفیق: اختر بڑا اچھا لڑکا ہے .... یہ

(سعیدہ اندرونی دروازے سے آتی ہے۔ رفیق کو دیکھ کر ایک دم حیران سی رہ جاتی ہے۔ رفیق بھی اسے دیکھتے کا دیکھتا رہ جاتا ہے۔ غیر ارادی طور پر اپنی جگہ سے کھڑا ہو جاتا ہے۔)

سعیدہ: بیٹھئے تشریف رکھئے۔ آپ! ابو یہ ....

فقیر حسین: ہاں بیٹا، اختر نے مجھے بتایا ہے ان کے بارے میں۔ چائے نہیں پلواؤ گی ـــ

سعیدہ: ابھی لاتی ہوں۔ ویسے کھانا بھی تیار ہے اگر....

فقیر حسین: تو پھر کھانا ہی لے آؤ۔ کیوں رفیق میاں۔

رفیق: جی نہیں .... میں تو .... آپ کھائیے۔

فقیر حسین: ارے بھائی اس میں تکلف کی کیا بات ہے۔ کھانے کا وقت ہے۔ جو پکا ہے کھائیں گے۔ ہاں تو بیٹا کیا کرتے ہو تم؟

رفیق: میں .... میرا کپڑے کا کام ہے جی کچھ....

فقیر حسین: ماشاء اللہ۔ ماشاء اللہ۔

(سعیدہ اختر کو اشارہ کرتی ہے کہ میرے ساتھ آؤ۔ اختر پہلے اشارے سے استفسار کرتا ہے پھر سعیدہ کے پیچھے پیچھے دوسرے کمرے میں جاتا ہے)

اختر: (جاتے ہوئے) میں ابھی آیا ابو۔

فقیر حسین: تم نے بہت اچھا کیا ہے بیٹا۔ جو اسے پڑھائی پہ لگا دیا ہے۔ بڑا پریشان تھا اس کی طرف سے میں..

رفیق : جی۔ مگر میں نے تو۔۔۔۔

فقیر حسین : (اس کی طرف توجہ نہ دیتے ہوئے اپنی رو میں بولتا ہے) تعلیم کے بغیر فی زمانہ گزارا نہیں ہے پڑھے لکھے آدمی کا حال ڈھور ڈنگروں جیسا ہوتا ہے۔۔۔۔ دھوبی کے کتے کی طرح نہ گھر کا ہوتا ہے نہ گھاٹ کا۔

رفیق : جی۔ جی۔

سین نمبر ۵

(سعیدہ پرس میں سے کچھ پیسے نکال کر اختر کو دیتی ہے۔

سعیدہ : یہ لو اور جلدی آنا۔

اختر : مگر لاؤں کیا؟

سعیدہ : جو سمجھ میں آئے لے آنا۔ (مزاحیہ سنجیدگی سے سوچتے ہوئے) ویسے تمہاری سمجھ پر بھروسہ کرنا ہے تو رسک کی بات۔

اختر : تم تو جیسے بڑی منشی فاضل ہو۔ نا۔

سعیدہ : (جلدی جلدی اسے کچھ برتن دھوکر اور صاف کر کے دیتی ہے) ویسے تمہارا یہ دوست۔۔۔۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تمہاری کیا چیز ملتی ہے اس سے۔

اختر : خیالات؟

سعیدہ : مطلب یہ کہ اس کا بھی اوپر والا خانہ خالی ہے۔

(کنپٹی کی طرف اشارہ کرتی ہے)

کچھ ہونق سا آدمی ہے۔

اختر : تم اسے ہونق کہتی ہو۔ پتہ ہے (ایک دم رک جاتا ہے)

سعیدہ : اور کیا۔ صورت سے پہلوان لگتا ہے مونچھیں بدمعاشوں جیسی ہیں اور باتیں ایسے کرتا ہے جیسے منہ میں زبان ہی نہیں۔ عجب سی شے ہے کچھ۔

(لہجے میں اختر کو تنگ کرنے کا انداز نمایاں ہے)

اختر : آدمی کی صورت نہیں اس کی سیرت دیکھنی چاہیئے۔

سعیدہ : ارے تم تو برا مان گئے۔ میں تو ایسے ہی مذاق کر رہی تھی۔۔۔۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تمہارا دوست ہو (وقفہ دے کر شرارت سے مسکراتی ہے۔) اور تمہاری طرح اَن پڑھ نہ ہو۔

اختر : دیکھو سعیدہ۔۔۔۔ میں۔

(سعیدہ منہ پر انگلی رکھ کر اسے خاموش کرتی ہے کہ دوسرے کمرے میں آواز جا رہی ہے۔ اشارے سے کہتی ہے آگے چلو)

سعیدہ : جلدی آنا۔

سین نمبر ۶

فقیر حسین : بات برداشت کی نہیں حالات کی ہے بیٹا۔ میں بزدل اور ڈرپوک نہیں ہوں۔ مگر میری بچی جوان ہے... میں ان لوگوں سے الجھ کر اس کی زندگی اور آبرو خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔

رفیق : (اثبات میں سر ہلاتا ہے) آپ بھی ٹھیک کہتے ہیں۔

فقیر حسین : وہ بڑے ظالم لوگ ہیں۔

رفیق : میں جانتا ہوں۔

فقیر حسین : (حیرت سے) تم جانتے ہو انہیں؟

رفیق : (گھبرا کر) میں۔ ہاں۔ نہیں میں کہہ رہا تھا اس طرح کے لوگ بہت ظالم ہوتے ہیں۔ اخباروں میں روز اس طرح کی خبریں آتی ہیں۔ بڑی تصویریں چھاپتے ہیں۔ اخبار والے ایسی باتوں کی.... بڑا مزا لے کر لکھتے ہیں۔ ان ظلم کی کہانیوں کو۔

(سعیدہ کچھ پلیٹیں لے کر آتی ہے۔ میز پر رکھتی ہے۔ رفیق کو کرسی کی طرف متوجہ کرتی ہے)

سعیدہ : آپ ادھر آجائیں۔ ذرا ایزی ہو کر بیٹھیں۔

رفیق : (نظریں ملتے ہی جھکا لیتا ہے) جی۔ اچھا۔

(اٹھ کر کرسی پہ بیٹھتا ہے)

سعیدہ : آپ اختر کو کب سے جانتے ہیں؟

رفیق : میں۔ جی۔ (سعیدہ اثبات میں سر ہلاتی ہے) زیادہ دیر نہیں ہوئی۔

سعیدہ : میرا بھی یہی خیال تھا۔

سین نمبر ۷

جمال کا بیڈ روم

(فون کی گھنٹی بجتی ہے۔ جمال آکر فون اٹھاتا ہے۔ سکرین کے بقیہ نصف پر انیسہ کا چہرہ ہے۔

جمال : ہیلو۔

انیسہ : کہاں تھے تم۔ کب سے فون کر رہی ہوں۔

جمال : اوہ۔ تم۔ ایسے ہی کچھ دوستوں کے ساتھ تھا۔

انیسہ : یہ ایسے ہی کچھ دوستوں۔ کیا ہوتا ہے۔ کون لوگ تھے وہ۔

جمال : (چہرے پر غصہ نمودار ہوتا ہے۔ آواز کو معتدل رکھنے کی کوشش کرتا ہے) اب میں تمہیں ان سب کا BIO-DATA فراہم کروں۔

انیسہ : (دھمکانے کے انداز میں) یہ میں اس لیے کہہ رہی ہوں کہ پہلے بھی تم اپنے دوستوں کی وجہ سے مصیبت میں پھنسے تھے۔

جمال : (خوشگوار انداز بناتے ہوئے) تم ابھی تک جاگ رہی ہو؟

انیسہ : ہاں۔ نیند نہیں آرہی تھی۔ پتہ نہیں مجھے کیا ہوتا جا رہا ہے۔ (ہنستے ہوئے محبت آمیز انداز میں) تم نے میری عادتیں خراب کر دی ہیں۔

جمال : (بوٹ اتارتے ہوئے) اچھا میں نے خراب کی ہیں تمہاری عادتیں۔ گڈ۔

انیسہ : سنو...... صبح ادھر ہی آجانا۔ ناشتہ اکٹھے کریں گے۔

جمال : نہ بابا۔ تم ناشتہ کرتی ہو صبح سات بجے۔ اور میرا دن ہی دس بجے چڑھتا ہے۔

انیسہ : فکر نہ کرو۔ سب ٹھیک کر دوں گی۔ ایک دم تیر کی طرح سیدھے ہو جاؤ گے۔

(جمال پریشانی میں سر کھجاتا ہے۔ جیسے اس موضوع سے بچنا چاہ رہا ہو۔)

ہیلو....

(کریڈل پر ہاتھ مارتی ہے)

ہیلو۔

جمال : ہاں۔ سن رہا ہوں۔

انیسہ : میں سمجھی شاید لائن.... اچھا یہ بتاؤ ناشتے میں کیا کھاؤ گے۔

جمال : بابا۔ جو ہو گا کھا لوں گا.... میں کوئی اتنا PARTICULAR نہیں ہوں ناشتے کے بارے میں۔

(قدرے رنجیدگی سے)

انیسہ : میں نے خود بنانا ہے ناشتہ تمہارے لیے۔ اس لیے پوچھ رہی تھی۔

(جمائی لیتے ہوئے)

جمال : جو تمہارے جی میں آئے بنا لینا۔ اب اجازت دو۔ پھر صبح وقت پر نہ پہنچا تو پیچھے پڑ جاؤ گی۔

(مصنوعی غصہ سے)

انیسہ : میں پیچھے پڑتی ہوں تمہارے۔

جمال : نہیں بابا۔ میں پڑا ہوں تمہارے پیچھے۔ بس۔ اب تو خوش ہو۔ اچھا خدا حافظ۔

(فون رکھ کر دونوں ہاتھوں سے سر دباتا ہے) سکرین سے آؤٹ ہوتا ہے۔ انیسہ کا چہرہ سکرین پر آتا ہے۔ جس کے ہاتھ میں ابھی تک فون کا ریسیور ہے۔ ریسیور کی طرف دیکھ کر مسکراتی ہے۔)

انیسہ : (محبت بھرے انداز میں) شیطان۔

(ریسیور کریڈل پر رکھ کر فون گود میں رکھ لیتی ہے۔ سوچنے لگتی ہے)

سین نمبر ۸

خالد کا کمرہ

خالد کی تصویر سے PAN کرتے ہوئے سلمیٰ پر آتے ہیں جو کمبل تہہ کر کے خالد کے بستر پر رکھ رہی ہے۔ نیلم آتی ہے۔

نیلم : تو آپ یہاں ہیں اور میں سارے گھر میں آپ کو ڈھونڈتی پھر رہی تھی۔

(ماں کی سنجیدگی کو دیکھ کر کچھ پریشان سی ہوتی ہے)

کیا بات ہے امی؟

سلمیٰ : (دوپٹے سے آنکھیں پونچھتے ہوئے) کچھ نہیں۔

نیلم : اوہ (ایسے انداز میں سر ہلاتی ہے جیسے وجہ سمجھ میں آگئی ہو۔ ذرا سا وقفہ دے کر بولتی ہے) آپ سمجھائیں نا امی خالد بھائی کو۔ آپ کی بات وہ نہیں ٹالتے۔

سلمیٰ : اس گھر میں سب پڑھے لکھے ہیں بیٹا۔ میں ٹھہری جاہل اور ان پڑھ۔ میری بات کون سنتا ہے۔

نیلم : ویسے میں سمجھتی ہوں کہ ہر آدمی کو اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے کا حق ہے۔ لیکن پھر بھی خالد بھائی کو آپ کا اور ابو کا خیال کرنا چاہیئے تھا۔ زیادتی کی ہے انہوں نے۔

سلمیٰ : (آزردگی سے) پتہ نہیں کس کی زیادتی ہے؟

نیلم : ابو بتا رہے تھے کہ ..... انکل فقیر حسین نے ان کے کان بھرے ہیں۔

سلمیٰ : (جیسے خالد کی وکالت کرتی ہے) خالد کوئی دودھ پیتا بچہ نہیں ہے۔ ماشاء اللہ تم سب میں سمجھدار ہے۔

نیلم : اسی لیے تو میں بھی حیران ہوں۔ وہ ہیں کہاں؟

سلمیٰ : وہیں رہ رہا ہے وہ کیا ہوتا ہے کالج کا۔ جس میں دوسرے شہروں کے لڑکے رہتے ہیں۔

نیلم : ہوسٹل۔

سلمیٰ : وہی۔

سین نمبر ۹

احمد علی کا دفتر۔

احمد : یہاں میں نے تمہیں اس لیے بلوایا ہے کہ وہاں گھر پر تمہاری ماں کے سامنے یہ باتیں نہیں کر سکتا ہوں۔

(خالد سنجیدگی اور استفسار آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھتا ہے)

تمہیں کچھ پتہ ہے کہ تم نے مجھے کس الجھن میں ڈال دیا ہے۔

خالد : میں سمجھا نہیں آپ کی بات؟

احمد : دیکھو خالد میاں۔ اس شہر میں۔ میں نے دن رات محنت کر کے، خون پسینہ ایک کر کے ..... یہ نام، یہ

عزت جمع کی ہے۔ کس لیے۔ کس لیے۔ تم لوگوں کے لیے نا۔

خالد : پلیز ابا جان۔ یہ بات ہم کئی مرتبہ کر چکے ہیں۔

احمد : پہلے میری پوری بات سن لو۔ میں اس مسئلے کا ایک ایسا پہلو تمہارے سامنے رکھنا چاہتا ہوں جس کا حل میرے پاس نہیں ہے (طنزیہ انداز میں) تم ماشاء اللہ بہت پڑھے لکھے ہو..... سمجھ دار ہو۔ یقیناً کوئی بہتر مشورہ دو گے۔

خالد : فرمائیے۔

احمد : اس شہر میں اللہ کے فضل سے میری چار کوٹھیاں ہیں۔ فیکٹری کے لوگوں کے لیے اسّی کوارٹر ہیں۔ اب تم ہی بتاؤ، جب تم ہاسٹل میں رہوگے تو میں دنیا کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ کیا مل رہا ہے تمہیں مجھے بدنام کر کے۔

خالد : اس میں آپ کی کیا بدنامی ہے۔ ہوسٹل میں میرا رہنا کوئی ایسی قابل اعتراض بات تو نہیں ہے۔

احمد : کیسے نہیں ہے۔ ہر ملنے والا یہی پوچھتا ہے۔ اب میں کس کس سے جھوٹ بولوں۔

عابد : مجھ سے بھی کئی لوگ پوچھ چکے ہیں۔ لیکن خالد بھائی کو اس سے کیا..... (وہ تو۔ طنزیہ انداز میں کندھے جھٹکتا ہے)

احمد : اگر تمہیں میرے جذبات کا نہیں تو میری عزت کا ہی خیال کرو۔ پتہ نہیں ان لوگوں نے تمہارے دل میں میرے خلاف کیا کیا زہر بھر دیا ہے۔

(احتجاجی لہجے میں)

خالد : میں نے آپ سے عرض کیا ہے ابا جان۔ میرے اس فیصلے سے ان لوگوں کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

عابد : تو پھر آپ کیوں تفتیش کراتے پھر رہے ہیں۔ علیحدہ کیوں نہیں ہو جاتے اس معاملے سے۔

خالد : پہلی بات تو یہ ہے عابد کہ تفتیش کراتے وقت مجھے پتہ نہیں تھا کہ اس پردے کے پیچھے خود۔ (عابد کی طرف اشارہ کرتا ہے) میرا چہرہ ہوگا اور اب جبکہ یہ چہرہ میرے سامنے ہے۔ میں اس کا سامنا نہیں کر سکتا۔

احمد : کہیں کوئی بہت بڑی غلط فہمی ہے اس سارے AFFAIR میں۔

خالد : غلط فہمی نہیں۔ غلطی ابا جان۔

احمد : ہو سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے۔ لیکن بیٹا یہ بات ہم آرام سے ایک دوسرے پر اعتماد کر کے بھی تو کر سکتے ہیں۔ اگر غصے میں میں نے فقیر حسین کو کچھ کہہ دیا ہے۔ اس کو تکلیف پہنچی ہے۔ میری کسی بات سے۔ تو میں خود اس کے پاس چلا جاتا ہوں۔

(عابد احتجاجی انداز میں باپ کی طرف دیکھتا ہے۔ احمد اسے گھورتا ہے کہ تم بیچ میں مت بولو۔)

ختم کرتے ہیں اس خرافات کو.....

خالد : اور جو نقصان ان سے پہنچ چکا ہے؟

احمد : THAT CAN BE REPAIRED AS WELL! تم گھر چلو۔ تمہاری وجہ سے سب کچھ الٹ پلٹ ہو رہا ہے۔ تمہاری ماں باؤلوں کی طرح دیواروں سے باتیں کرتی رہتی ہے۔ نیلم نے رو رو کر آنکھیں سجالی ہیں۔ مجھ سے اور عابد سے ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھا نہیں جاتا۔ پھٹے ہوئے گریبان کو کھینچنے سے کپڑا سلتا نہیں ہے۔ اور پھٹ جاتا ہے۔

(چند لمحے سوچتا ہے)

خالد : نہیں ابا جان۔ فی الحال میں ایسا نہیں کر سکتا۔ مجھے سوچنے دیجئے۔ جب تک چچا فقیر حسین کا مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ میرے ضمیر سے یہ بوجھ ہٹ نہیں جاتا۔ میں۔ میں۔ بہت مجبور ہوں ابا جان۔

(خالد جاتا ہے احمد پریشانی کے عالم میں اس کی طرف دیکھتا ہے۔)

عابد : دیکھا آپ نے۔ خالد بھائی پوری طرح ان کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں۔

احمد : (ناراضگی سے عابد کی طرف دیکھتا ہے) یہ بات اتنی آسان نہیں ہے عابد۔ (سوچ میں پڑتا ہے)

سین نمبر ۱۰

انیسہ کا دفتر۔

(انیسہ کسی فائل پر دستخط کر رہی ہے۔ گھڑی دیکھتی ہے۔ قلم ہاتھ سے رکھتی ہے)

انیسہ : باقی کی فائلیں کل دیکھوں گی جعفری صاحب۔

جعفری : (جھجکتے ہوئے) بہت سے ضروری خط ہیں میڈم۔ اگر آپ ان کے جواب لکھوا دیتیں تو....

انیسہ : مجھے پتہ ہے۔ جمال صاحب کا منیجر آگیا تھا؟

جعفری : جی۔

انیسہ : بنک گارنٹی جمع کرادی تھی ان کے اکاؤنٹ میں۔

جعفری : جی ہاں، میڈم، مگر..... اتنی بڑی رقم۔

انیسہ : مسٹر جعفری۔

(لہجے میں سرزنش نمایاں ہے)

جعفری : یس میڈم۔

انیسہ : جو میں کرتی ہوں، اس کا مجھے پتہ ہوتا ہے ـــ UNDERSTAND

جعفری : جی..... جی میڈم۔ میں نے تو اس خیال سے عرض کیا تھا کہ.....

انیسہ : آپ نے اپنے خیالات اپنے کام تک محدود رکھیں۔

(جعفری شرمندہ سا ہو کر سر جھکا لیتا ہے۔ فائلیں اٹھا کر جانے لگتا ہے)

اور ایک بات اور

(جعفری رکتا ہے)

میں نہیں چاہتی کہ جمال۔ جمال صاحب کو اس TRANSACTION کا پتہ چلے۔

جعفری: جی بہتر۔

(جعفری جاتا ہے۔ انیسہ فون کے نمبر گھماتی ہے۔

سین نمبر ۱۱

OUT DOOR

(کیمرہ کھلے آسمان کے منظر سے آہستہ آہستہ LONG SHOT میں درختوں پر آتا ہے (زوم ان کر کے) گھاس کے، ایک تختے پر پھولوں کے درمیان رفیق دونوں ہاتھ گردن کے پیچھے رکھ کر لیٹا ہوا ہے سلامت اس کے قریب بیٹھا ہے۔ رفیق کے سر کے قریب ایک کیاری کے پاس "پھول توڑنا منع ہے" کی تختی لگی ہے۔ رفیق آسمان میں اڑنے والے پرندوں کو دیکھ رہا ہے۔ سلامت اس کی خاموشی سے کچھ بیزار سا ہے)

سلامت: کیا بات ہے استاد — آج تم بڑے چپ چپ ہو — ؟

رفیق: جب چڑیاں بول رہی ہوں تو جی چاہتا ہے آدمی کچھ نہ بولے۔ چپ چاپ ان کی باتیں سنتا رہے۔

سلامت: (جیسے اس کی بیوقوفی پر ہنستا ہے) چڑیوں کی باتیں سنتا رہے؟ کیا باتیں کرتے ہو استاد؟ بھلا چڑیوں کی زبان بھی کسی کی سمجھ میں آتی ہے۔

رفیق: آتی ہے سلامت آتی ہے۔ غور سے سنو گے تو تمہیں ان پھولوں میں سے بھی آوازیں آئیں گی۔

سلامت: پھولوں میں سے آوازیں نہیں خوشبو آتی ہے استاد۔

رفیق: ہاں وہ بھی آتی ہے۔ خیر — چھوڑو اسے —

(اٹھ کر بیٹھتا ہے سلامت کے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہے۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہتا ہے)

...کل جا رہا ہوں سلامت۔

...کہاں؟

...ں کی تلاش میں۔

(اس کے چہرے پر جلتا ہوا گھروا ری ہوتا ہے)

... تمہارے بھائی صاحب.... ؟

... پرسوں رہا ہو رہے ہیں۔

...(کر) یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔ اس کا تو انشاء اللہ جشن ہو گا بڑے دھوم دھڑکے ...یرے کو دولہن کی طرح سجا دیں گے ہم —

رفیق : نہیں ۔ سلامت نہیں ۔ وہ یہاں نہیں آئیں گے ۔ اور ۔ اور ۔ میں بھی اب شاید دوبارہ
سلامت : کیسی باتیں کرتے ہوئے استاد ۔ بارہ سال سے ہم تمہارے ساتھ ہیں ۔ تم کو اکیلے کیسے جانے دے سکتے ہیں ۔ ہم سب چلیں گے تمہارے ساتھ ۔
رفیق : (نفی میں سر ہلاتا ہے) نہیں سلامت، وہ میرے دشمن ہیں ۔
(میرے ۔ پر زور دیتا ہے)
سلامت : (احتجاجی انداز میں) تو ہم کچھ نہیں لگتے تمہارے ؟
رفیق : لگتے کیوں نہیں ۔ تمہی لوگ تو میرے .....
(سلامت آنسو بھری آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتا ہے ۔ رفیق تسلی دینے کے لیے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہے سلامت اس کا ہاتھ پیچھے ہٹا دیتا ہے)
سلامت : (چادر سے آنسو پونچھتے ہوئے) چھوڑ یار ۔
رفیق : میری بات سمجھنے کی کوشش کرو سلامت ۔ ابھی بھائی صاحب کو میں نے فیصل آباد ان کے بچوں کے پاس پہنچانا ہے ۔ ان کے کچھ کاروبار کا انتظام کرنا ہے ۔ اس کے بعد میں اُن لوگوں کو ڈھونڈنے نکلوں گا ۔
سلامت : جب بھی نکلو، ہم کو ساتھ لے کر جانا ۔
رفیق : (تسلی دینے کے انداز میں سر ہلاتا ہے) باؤ اختر اور اس کے گھر والوں کا خیال رکھنا ۔
سلامت : اس کی تم فکر نہ کرو ۔ باؤ کے لیے اپنی جان بھی حاضر ہے ۔
(دونوں باتیں کرتے ہوئے آہستہ آہستہ زوم آؤٹ ہوتے ہیں ۔)

سین نمبر ۱۲

احمد علی کا دفتر ۔
(پلازا کے ماڈل سے کیمرہ احمد علی پر آتا ہے جو اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش میں ہے آواز کو معتدل بناتے ہوئے سردار جہانگیر کی طرف مڑتا ہے جو صوفے پر بڑے اطمینان سے بیٹھا اس کی طرف دیکھ رہا ہے سامنے میز پر کچھ کاغذات ہیں ۔)
احمد : میرا خیال ہے سردار صاحب اس مسئلے پر ہم پہلے گفتگو کر چکے ہیں اور آپ کی رضا مندی سے ہی یہ طے پایا تھا کہ ....
جہانگیر : سائیں ۔ سائیں ۔ اس طرح جذبات میں آنے سے تو بات خراب ہو جاتی ہے (ہاتھ سے اشارہ کرتا ہے) چھوٹی چھوٹی باتوں سے اتنے بڑے بڑے مسئلے پیدا ہو جاتے ہیں ۔ میرے خیال میں تو اس (کاغذات کی طرف اشارہ کرتا ہے) ARRANGEMENT میں کوئی خرابی نہیں ہے

احمد : خرابی کیسے نہیں ہے سردار صاحب۔ لمیٹڈ کمپنی بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں اور ڈائریکٹرز شامل ہو جائیں گے۔ ہر تین سال کے بعد الیکشن کرانے پڑیں گے۔ شیئر ہولڈرز ہر ذرا ذرا سی بات میں ٹانگ اڑائیں گے اور.....

جہانگیر : کیسے ڈائریکٹر اور کون سے شیئر ہولڈر سائیں۔ انتظام تو سارا ہم نے..... بلکہ آپ نے کرنا ہے۔ یہ تو صرف کاغذی کارروائی ہے۔

احمد : نہیں سردار صاحب... یہ کاغذی کارروائی ہمارے پورے VENTURE کو FRUSTRATE کر سکتی ہے۔ کل کو..... نہیں سردار صاحب۔ I DON'T THINK, THIS IS POSSIBLE

جہانگیر : (اس کی طرف دیکھ کر مسکراتا ہے) سائیں۔ دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں، جو POSSIBLE نہ ہو۔ انسان کی نیت اور ارادہ ہونا چاہیئے۔ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے۔ مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ہماری پارٹنر شپ کا MODE کیا ہے۔ جہاں مجھے بھروسہ نہ ہو وہاں تو میں بات شروع ہی نہیں کرتا۔

احمد : تو پھر.....

جہانگیر : پرابلم یہ ہے سائیں کہ زمینیں بچانے کے لیے اپنے حقوق کی نگہداشت کے لیے۔ میں نے ان کو بانٹ دیا ہے تقسیم کر دیا ہے اپنے عزیزوں، رشتہ داروں میں، اپنے اعتبار کے آدمیوں میں۔ کنٹرول میرا ہے ان پر.... ملکیت میری ہے لیکن رجسٹریاں.... کاغذات وغیرہ.... میری بات سمجھ رہے ہو، نا سائیں۔

احمد : جی۔

جہانگیر : تو اس (ہاتھ سے چکر بناتا ہے) گڑبڑ کی وجہ سے ضروری ہے کہ ہم ان لوگوں کا حصہ بھی اس میں رکھیں۔

احمد : وہ تو ٹھیک ہے سردار صاحب..... مگر.....

جہانگیر : وکیل بتا رہا تھا کہ آپ نے بھی بچوں سے اپنے لیے مختار نامے لیے ہیں۔

احمد : (اس انکشاف سے ٹھٹکا جاتا ہے) وہ تو..... وہ..... دراصل..... میں تو اپنی جائداد پہلے سے ہی تقسیم کر چکا ہوں۔

جہانگیر : (بھولا بن کر) اچھا سائیں پھر شاید مختار ناموں پر تاریخ غلط درج ہو گی۔ (احمد چونک کر اس کی طرف دیکھتا ہے۔ جہانگیر نظریں نہیں ملاتا) تو پھر کیا خیال ہے سائیں ۔۔؟

احمد : (چند لمحے سوچتا ہے اپنی کرسی میں بیٹھتا ہے ماتھا مسلتا ہے) میں دراصل ایک فیملی پرابلم کی وجہ سے کچھ پریشان ہوں۔ سردار صاحب۔ GIVE ME SOME TIME

— میرا دماغ کچھ.....

جہانگیر : (کرسی کی پشت پر آ کر احمد کے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہے) کوئی بات نہیں۔ اچھی طرح سوچ لو — میں بھی کچھ دنوں کے لیے گاؤں جا رہا ہوں۔ اگلے بدھ کو واپسی ہو گی۔ انشاءاللہ۔

سین نمبر ۱۳

جمال کا دفتر۔

(جمال ایک TALEX پڑھ رہا ہے چہرے پر مسکراہٹ ہے سامنے سعید باچھیں کھلائے بیٹھا ہے۔ جمال TALEX میز پر رکھتا ہے سعید توبہ کے انداز میں کانوں کو ہاتھ لگاتا ہے)

سعید : میں آپ کو بتا نہیں سکتا یہ دن میں نے کس عذاب میں گزارے ہیں۔

جمال : عذاب سا عذاب۔ پانچ دس پونڈ تو ضرور LOOSE — WEIGHT کیا ہو گا میں نے !

سعید : اگر یہ مسز جمیل غیبی فرشتہ بن کر نہ آتی تو ہم تو گئے تھے۔

جمال : ہاں۔ اور اب سب سے پہلے مرزا صاحب کا اور اس کا حساب صاف کرو۔ اس احسان مندی کے بوجھ نے تو میرا جینا حرام کر رکھا ہے۔

سعید : ویسے آپ کی ایکٹنگ کی میں داد دوں گا۔ ایک دو دفعہ تو میں خود شک میں پڑ گیا تھا۔

جمال : (سوچتے ہوئے) اب میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اس سچویشن سے RIGGLE OUT کیسے کروں — ! وہ بڑی POSSESIVE اور بڑی حساس عورت ہے۔

سعید : میں نے تو آپ سے کہا ہے — ! (جمال گھور کر اس کی طرف دیکھتا ہے) تو دوسری صورت میں بہتر یہی ہے کہ فوراً اس سے پیچھا چھڑا لیں۔

جمال : کیسے ؟

سعید : بہت بے مروت ہونا پڑے گا اس کے لیے۔

جمال : یہ بہت مشکل ہے سعید۔

سعید : اس کے سوا کوئی چارہ نہیں جمال صاحب — آج یا کل آپ کو یہ کرنا ہی پڑے گا

THE SOONER THE BETTER

جمال : (سوچتے ہوئے) اچھا۔ بنک سے پتہ کرو AMOUNT کب تک پہنچ جائے گی۔

سعید : ADVICE آ گئی ہے۔ THAT'S ENOUGH۔ آپ چاہیں تو اس وقت بھی DRAW کرا سکتے ہیں۔

جمال : اچھا ـــــ ٹھیک ہے ـــــ ذرا کافی بھجوا دو ـــــ اتنے دنوں بعد ذہن سے بوجھ ہٹا ہے تو کچھ تھکاوٹ سی ہو گئی ہے۔

(سعید جاتا ہے جمال ایک لمبا سانس لے کر سر کرسی کی پشت سے ٹکاتا ہے اس پر شمائلہ کی آواز سنائی دیتی ہے)

شمائلہ : MAY I COME IN, SIR!

جمال : (مسکراتے ہوئے) اوہ - ہیلو - آؤ -
شمائلہ : (ادا سے) اتنے دنوں بعد آپ آفس آئے ہیں - اور نظر اٹھا کر دیکھا بھی نہیں -
جمال : میں دراصل ....
(فون کی گھنٹی بجتی ہے اشارے سے شمائلہ کو بیٹھنے کے لیے کہتا ہے فون اٹھاتا ہے)
ہیلو - ہاں - اس وقت - بھئی اس وقت تو - اوہو ایک تو تم حکم بہت دیتی ہو - اچھا بابا —
آتا ہوں -
(بیزاری سے فون رکھتا ہے چند لمحے کچھ سوچتا ہے جھنجھلا کر اٹھتا ہے - زبردستی مسکرا کر شمائلہ کی طرف دیکھتا ہے -
میں ایک کام جا رہا ہوں — شاید دیر ہو جائے -
شمائلہ : میں انتظار کروں سر -
جمال : نہیں — کل سہی -
(میز سے چابیاں اٹھا کر جاتا ہے - شمائلہ اس کی طرف حیرت سے دیکھتی ہے)

سین نمبر ۱۴

(کیمپ جیل کے دروازے سے قیدی (عمر پچاس سال) نکلتا ہے باہر ریاست اور جہانگیر کے دو مین اور آر بی اس کا استقبال کرتے ہیں گلے ملتے ہیں قیدی ان کے ساتھ جیپ میں بیٹھتا ہے - بہت خوش ہے جیپ چلتی ہے ایک رکشہ اسے کراس کرتا ہے جس جگہ جیپ کھڑی تھی وہاں رکشہ رکتا ہے، رفیق اپنے کپڑے کے سوداگر والے لباس میں رکشے سے اترتا ہے رکشے والے کو پیسے دیتا ہے ادھر اُدھر دیکھتا ہے - جیل کے دروازے کی طرف جاتا ہے -)

سین نمبر ۱۵

فقیر حسین کا گھر -
(سعیدہ میز پہ چائے کا سامان رکھ رہی ہے - اختر پریشان سا بیٹھا ہے - انیسہ فقیر حسین سے باتیں کر رہی ہے)
انیسہ : یہ کیا کر رہی ہو سعیدہ - میں نے ابھی ابھی کھانا کھایا ہے -
سعیدہ : (انیسہ کے آنے سے بہت خوش ہے) لیجیے یہ کون سا زیادہ ہے -
(کپ اپنے آگے رکھتے ہوئے) چینی کتنی پئیں گی آپ :
فقیر حسین : سعیدہ بہت تعریفیں کرتی ہے آپ کی -
انیسہ : (انگلی سے ایک چمچ کا اشارہ کرتی ہے) اخلاقاً مسکراتی ہے) جو خود اچھے ہوتے ہیں انہیں ہمیشہ

دوسروں میں اچھائیاں نظر آتی ہیں۔ کیوں اختر میاں۔

(اختر پٹپٹا کر اس کی طرف دیکھتا ہے سر جھکا لیتا ہے۔)

فقیر حسین: (مسکراتے ہوئے خوش دلی سے) اس سے مت پوچھئے گا۔ یہ اس بات میں بھی کوئی فلسفہ نکال لے گا۔

سعیدہ: (محبت سے ٹوکتے ہوئے) ابو پلیز۔

فقیر حسین: (ہنستے ہوئے) میں تو یونہی مذاق کر رہا تھا۔ اب تو میرا بیٹا بہت اچھا ہو گیا ہے۔

انیسہ: اختر بتا رہا تھا کہ..... آپ لوگوں کے کچھ رشتہ دار۔ شاید آپ کو تنگ کر رہے ہیں۔

فقیر حسین: (ایک دم سنجیدہ ہو جاتا ہے) نہیں محترمہ..... وہ اور بات ہے..... ٹھیک ہو جائے گا انشاء اللہ۔ آپ فکر نہ کریں۔

انیسہ: آپ کی نوکری بھی تو شاید۔

فقیر حسین: (قدرے بے قراری سے اس موضوع کو ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے) جو قسمت میں لکھا ہو۔ ہو کر رہتا ہے۔ آپ چائے پیجئے۔ یہ۔ یہ۔ بسکٹ لیجئے۔

انیسہ: (غور سے اس کی طرف دیکھتی ہے) خود دار اور غیرت مند آدمی کے ساتھ یہ بڑی پرابلم ہوتی ہے..... قطبی ستارے کی طرح ہمیشہ اکیلا رہنا چاہتا ہے وہ..... معافی چاہتی ہوں مجھے آپ کے ذاتی معاملات میں دخل اندازی نہیں کرنی چاہیے تھی۔

دکار کا ہارن بجنے کی آواز، جیسے کسی کو متوجہ کیا جا رہا ہو۔

فقیر حسین: (اخلاقاً اور شرمندگی سے) نہیں آپ غلط سمجھتی ہیں۔ دراصل۔

سعیدہ: ابو نے فیصلہ کیا ہے کہ اس بات کو یہیں دفن کر دیا جائے۔

انیسہ: کبوتر ہمیشہ آنکھیں بند کر کے ہی سمجھتا ہے کہ بلی چلی گئی ہے۔ خیر..... (ہارن دوبارہ بجتا ہے) اختر میاں باہر گاڑی میں جمال صاحب بیٹھے ہیں۔ انہیں کہنا میں ابھی آرہی ہوں۔ (مسکراتے ہوئے) ہارن پہ ہارن دیئے جا رہے ہیں۔

فقیر حسین: بھئی انہیں اندر ہی لے آؤ نا۔ کمال کیا ہے آپ نے بھی۔ کون صاحب ہیں۔

انیسہ: ایک۔ عزیز ہیں میرے۔ وہ خود ہی نہیں آنا چاہ رہے تھے.....

(اختر دروازہ کے قریب منتظر کھڑا ہے کہ فیصلہ ہولے۔ ہارن کی آواز پھر آتی ہے۔ انیسہ اپنا پرس اٹھاتی ہے) انہیں دراصل ایک جگہ پہنچنا تھا۔ دیر ہو رہی ہے۔ اچھا میں چلتی ہوں۔

سعیدہ: کچھ دیر تو اور بیٹھئے۔

انیسہ: نہیں سعیدہ۔ پھر سہی۔ صبح تو دفتر آؤ گی نا۔

سعیدہ: جی۔

انیسہ : بس ٹھیک ہے۔ اچھا۔

(فقیر حسین کو سلام کرتی ہے) خدا حافظ۔

سعیدہ : چلیئے میں آپ کو چھوڑ آؤں۔

انیسہ : تم بیٹھو۔ اختر چلتا ہے میرے ساتھ۔ اچھا خدا حافظ۔

(سعیدہ کا گال محبت سے تھپتھپاتی ہے۔ انیسہ اور اختر جاتے ہیں۔ سعیدہ بڑے EXCITED انداز میں فقیر حسین کی طرف مڑتی ہے)

سعیدہ : دیکھا ابو میں نہ کہتی تھی ...... کتنی اچھی ہیں مس انیسہ۔

سین نمبر ۱۶

OUT DOOR

(چلتی ہوئی کار میں۔ جمال نے غصے سے منہ پھلا رکھا ہے۔ انیسہ اسے منانے کے انداز میں اس کی طرف دیکھتی ہے۔ مسکراتی ہے جمال بات نہیں کرتا۔ انیسہ کیسٹ آن کرتی ہے۔ گانے کا ایک آدھ بول چلتا ہے۔ جمال کیسٹ آف کرتا ہے۔ انیسہ مصنوعی غصے سے اس کی طرف دیکھتی ہے۔)

سین نمبر ۱۷

(جمال اسی غصے کے انداز میں داخل ہوتا ہے اس کے پیچھے پیچھے انیسہ ہے۔ جمال اس کی طرف پشت کر کے کھڑا ہوتا ہے)

انیسہ : اچھا بابا، چلو اب غصہ تھوک دو۔ (ہاتھ جوڑتے ہوئے) غلطی ہو گئی۔

جمال : اتنی باتونی کیوں ہوتی ہو تم عورتیں۔ جہاں بیٹھتی ہو بس باتیں ہی کیے جاتی ہو۔

انیسہ : کھانا — اب چھوڑ دو اس بات کو۔

جمال : ایک بات اچھی طرح سن لو۔ بلکہ سمجھ لو۔ آئندہ مجھے اس طرح ڈرائیور بنا کر کہیں لے گئیں تو میں گاڑی لے کر چلا جاؤں گا۔ پھر ڈھونڈتی پھرنا ٹیکسی رکشے۔

انیسہ : چچ چچ چچ چچ — تمہیں تو واقعی بہت غصہ چڑھا ہوا ہے۔ اچھا جناب پرامس — اب کبھی ایسا نہیں ہو گا۔ اب جا کر ہاتھ منہ دھوئیے۔ میں کھانا لگاتی ہوں۔

جمال : کھانا میں کلب میں کھاؤں گا۔ کچھ دوست انتظار کر رہے ہیں۔

انیسہ : (اس بات سے واضح طور پر HURT ہوتی ہے) لیکن کھانا تو ...... تم نے میرے ساتھ کھانا تھا۔

جمال : میں تمہیں بتانا بھول گیا تھا۔ اور تم تو یوں بھی اکیلے کھانے کی عادی ہو۔ اچھا میں چلتا ہوں۔

(اس کا جواب سنے بغیر تیزی سے جاتا ہے انیسہ حیرت سے اس کی طرف دیکھتی ہے آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ڈائننگ ٹیبل پر آتی ہے۔ جہاں دو آدمیوں کے لیے

پلیٹیں لگی ہیں۔ ایک کرسی کے سامنے سے پلیٹیں اٹھا کر ایک طرف رکھتی ہے دوسری طرف
کی کرسی پر بیٹھتی ہے پھر اس کی پلیٹیں بھی اٹھا کر ایک طرف کرتی ہے جبینہ آتی
ہے حیرت سے اس کی طرف دیکھتی ہے۔)

انیسہ : یہ برتن اٹھالو۔ میں کھانا نہیں کھاؤں گی....

سین نمبر ۱۸

(انیسہ کی آواز کمرے کے کسی منظر پر ما رہ ہوتی ہے۔ کیمرہ PAN کرتا ہوا انیسہ پر آتا
ہے جو صوفے پر بیٹھی ایک ڈائری میں کچھ لکھ رہی ہے۔)

آواز : میری سمجھ میں نہیں آتا۔ میں یہ بات کیسے شروع کروں۔ کچھ دنوں سے وہ اتنا اکھڑا اکھڑا ہے کہ لفظ میرے
ہونٹوں پر آکر رک جاتے ہیں۔ کئی بار مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ مجھے شادی کے لیے کہنے والا ہے
لیکن پھر.... اس کی یہ خاموشی میرے وجود کو آرے کی طرح چیر رہی ہے۔ پتہ نہیں وہ کیا سوچ
رہا ہے۔

(انیسہ قلم رکھ کر چند لمحے سوچتی ہے۔ اس کے چہرے پر فیصلے کی سرخی سی نمودار
ہوتی ہے۔ دوبارہ لکھنا شروع کرتی ہے۔)

ٹھیک ہے۔ میں کل خود اس سے بات کروں گی۔ اس سے کس بات کی شرم۔ وہ تو...... وہ تو۔

(انیسہ کے کلوز سے MIX کر کے اس پر منظر D/S ختم ہونے کے بعد دوبارہ انیسہ
پر آتے ہیں۔ جس کی ڈائری زمین پر پڑی ہے اور قلم انگلیوں سے پھسل کر اس
کی گود میں پڑتا ہے۔ انیسہ کی آنکھیں بند ہیں۔)

سین نمبر ۲۰

جمال کا دفتر۔

(شمائلہ جمال کی کرسی کے ساتھ کمر لگائے بڑی ادا کے ساتھ کھڑی ہے۔ جمال کرسی
کے دوسری طرف کھڑا مسکرا رہا ہے۔ دروازہ کھلتا ہے۔ انیسہ مسکراتی ہوئی آتی
ہے ایک دم یہ منظر دیکھ کر سنجیدہ ہو جاتی ہے جمال کی نظر اس پر پڑتی ہے بولتے
بولتے رک جاتا ہے۔ چہرے پر ہلکی سی گھبراہٹ کے آثار۔)

جمال : بات یہ ہے جانِ عزیز کہ..... آؤ۔ انیسہ۔

(انیسہ خاموشی سے اندر آتی ہے۔ گھور کر شمائلہ کی طرف دیکھتی ہے۔ شمائلہ اس کی
نظروں سے گھبرا جاتی ہے چند لمحے اِدھر اُدھر دیکھتی ہے۔)

شمائلہ : (جاتے ہوئے) اچھا سر، میں چلتی ہوں۔

(شمائلہ کے جانے کے بعد چند لمحوں کی خاموشی جمال ہمت کر کے بات شروع کرتا

ہے)

جمال :۔ بیٹھو۔ کھڑی کیوں ہو۔

انیسہ : یہ تمہاری سیکرٹری تھی؟

جمال : کیوں؟ پسند نہیں آئی؟

انیسہ : اور یہ سب لڑکیاں جو باہر دفتر میں بیٹھی ہیں؟

جمال : یہ بھی یہیں کام کرتی ہیں۔ کیوں۔ کوئی اعتراض ہے؟
(بات ہنسی میں ٹالنے کی کوشش کرتا ہے۔)

انیسہ : (سنجیدگی سے) ہاں۔

جمال : بیوقوفی کی باتیں مت کرو۔ بیٹھو۔ کیا پیئو گی۔ چائے۔ کافی۔ قہوہ۔ کولڈ ڈرنک؟

انیسہ : مجھے تم سے ایک بہت ضروری بات کرنی ہے جمال۔

جمال : تو کرو۔ (مزاحیہ انداز میں کان میں انگلی رکھتا ہے) یہ دیکھو میں نے دوسرے کان میں انگلی رکھ لی ہے۔ تاکہ تمہاری بات باہر نہ نکل سکے۔

انیسہ : میں بہت سنجیدہ ہوں جمال۔

جمال : تو بابا کس نے کہا ہے تمہیں سنجیدہ ہونے کو۔ ہنسو کھیلو۔ ENJOY LIFE

انیسہ : تم نے کیا سوچا ہے؟

(جمال استفہامیہ انداز میں اس کی طرف دیکھتا ہے) میرے اپنے بارے میں۔

جمال : اس میں سوچنے کی کیا بات ہے (کچھ UNEASY سا ہو جاتا ہے۔)
(خوامخواہ ہنستا ہے)

انیسہ : کبھی تو سنجیدہ ہو جایا کرو۔

جمال : (قدرے ناراضگی سے) دیکھو انیسہ۔ میں نے کتنی مرتبہ تمہیں بتایا ہے کہ ابھی میری عمر سنجیدہ ہونے کی نہیں ہے۔ جب میں تمہاری عمر کو پہنچوں گا۔ پھر دیکھی جائے گی۔

انیسہ : (سخت دل شکستہ ہو کر) جمال۔

جمال : اور کیا، تم ہر وقت۔ ہر بات پہ مجھے ٹوکتی رہتی ہو۔ ٹھیک ہے میں تم سے چھوٹا ہوں۔ لیکن میں اتنا بے وقوف نہیں جتنا تم مجھے سمجھتی ہو۔

انیسہ : میں نے تو کبھی تم سے ایسی بات نہیں کی۔

جمال : منہ سے نہ کہنے سے کیا ہوتا ہے۔ تمہارا رویہ شروع سے میرے ساتھ ایسا ہے..... جیسے.... جیسے میں ایک انتہائی احمق اور سٹوپڈ آدمی ہوں۔

انیسہ : نہیں جمال۔ ایسا نہیں ہے۔ میں تو تمہاری بھلائی کے لیے....

(بے بس سی ہو کر خاموش ہو جاتی ہے)

جمال : تمہارے مجھ پر بہت سے احسانات ہیں انیسہ۔ (انیسہ ہاتھ کے اشارے سے روکنے کی کوشش کرتی ہے) میرے دل میں بہت عزت ہے تمہاری ..... لیکن مجھ سے کسی کی BOSSING برداشت نہیں ہوتی۔ تمہاری بڑی مہربانی ہوگی تم مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ مجھے اپنی مرضی سے زندگی گزارنے دو۔

انیسہ : (روہانسی ہو کر) مگر جمال۔ تمہاری اور میری زندگی تو..... (حوصلہ کر کے بولتی ہے) کیا یہ دو الگ الگ زندگیاں ہیں۔

جمال : (اس سے نظر ملائے بغیر بولتا ہے) اور کیا۔ تم۔ تم ہو اور میں۔

(کندھے جھٹکتا ہے)

انیسہ : تو کیا۔ میرا مطلب ہے کیا ہم دونوں۔

جمال : دیکھو انیسہ میں جانتا ہوں۔ تم کیا کہنا چاہ رہی ہو۔ لیکن تم خود سوچو یہ کیسے ممکن ہے۔ میرے اور تمہارے مزاج میں۔ عمر میں۔ نظریات میں۔ بہت فرق ہے۔

انیسہ : لیکن جمال :۔

جمال : (اپنی رو میں بولتا چلا جاتا ہے) غلط یا صحیح تم اپنی زندگی گزار چکی ہو۔ انیسہ۔ تمہیں آج سے بہت پہلے شادی کر لینی چاہیئے تھی۔ اپنے کسی ہم عمر سے۔ اب بہت دیر ہو چکی ہے۔ تم نے اپنے گرد دیواریں کھڑی کرتے وقت یہ نہیں سوچا کہ ان میں کہیں ایک دروازہ بھی ہونا چاہیئے۔ مجھے تم سے ہمدردی ہے انیسہ... مگر.....

انیسہ : (لڑکھڑا کر صوفے پر بیٹھتی ہے) چہرہ ایک دم پسینے سے بھر جاتا ہے چہرے پر سخت تکلیف کے آثار ہیں) بس کرو۔ بس کرو۔ کچھ مت کہو آگے۔

جمال : لیکن اس کے باوجود ہم اچھے دوستوں کی طرح رہ سکتے ہیں۔

(انیسہ پرس کو اتنا زور سے کھینچتی ہے کہ اس کا ہینڈل اکھڑ کر الگ ہو جاتا ہے۔
جمال گھبرا کر اس کے قریب بیٹھتا ہے)

انیسہ..... انیسہ۔

سین نمبر ۲۰

(انیسہ اپنے گھر کے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتی ہے۔ چہرے پر مردنی چھائی ہوئی ہے اندھوں کی طرح کمرے میں پھرتی ہے ایک دم کرسی میں گرتی ہے اس کی بے چینی اور دل شکستگی کو TREATMENT سے بار بار نمایاں کرتے ہیں آہستہ آہستہ اس کا چہرہ اندھیرے میں چھپنا شروع ہوتا ہے۔)

11

کردار

• فقیر حسین • سعیدہ • اختر • احمد علی • نیلم • سلمٰی • عابد • رفیق
• سردار جہانگیر • جمال • سعید • ریاست • شفیق • تاج دین • شہباز
• ڈی جی • ڈرائیور • حسینہ • سمیع • سلطان • دو سپاہی۔

سین نمبر ۱

(ایک متوسط درجے کے ہوٹل کا کمرہ۔ رفیق کا بھائی محمد شفیق اخبار پڑھ رہا ہے۔ درمیان میں ایک چھوٹی میز پر ناشتے کا استعمال شدہ سامان رکھا ہے۔ رفیق کسی گہری سوچ میں ہے۔ شفیق چند لمحے اخبار پڑھنے کے بعد اسے تہہ کر کے میز پر رکھتے ہوئے بولتا ہے)

شفیق : (نیم دیہاتی لہجے میں) بارہ سال بعد میں باہر آیا ہوں۔ پر لگتا ہے دنیا میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی۔ یہی خبریں ان دنوں بھی چھپا کرتی تھیں۔

رفیق : (چونک کر) ہاں۔ بس اخبار ذرا رنگدار ہو گئے ہیں۔

شفیق : ہاں۔ مُورتیں بہت ہیں اس میں۔

رفیق : آپ نہا دھو لیں۔

شفیق : (بے چینی سے) نہیں بھئی اب تو گھر چل کر ہی نہائیں دھوئیں گے۔ میرا دل چاہتا ہے اُڑ کر بچوں کے پاس پہنچ جاؤں۔

رفیق : مجھے پتہ ہے بھا رجی۔ پر ابھی دوپہر تک ہمیں یہاں رکنا ہے۔ مجھے ایک ضروری اطلاع کا انتظار ہے...

شفیق : (بے بسی سے) پر پُتر رفیق!....

رفیق : اور اس کے علاوہ فیصل آباد جانے سے پہلے مجھے آپ سے کچھ بہت ضروری باتیں بھی کرنی ہیں۔

شفیق : تو کرونا.... کیا سوچ رہے ہو۔

رفیق : میں سوچ رہا ہوں کہ.... پر پہلے وعدہ کرو بھا رجی۔ بھابی اور بچوں سے اس بات کا ذکر نہیں کرو گے۔

شفیق : پر کس بات کا .... کچھ بتاؤ تو سہی۔

رفیق : یہی کہ میں — انہیں میں نے بتایا ہوا ہے کہ میں کمیشن پر شہر میں کپڑا بیچتا ہوں۔

شفیق : اچھا۔

رفیق : اور۔ اگر میں واپس نہ آیا پھر بھی انہیں کچھ نہ بتائیے گا۔

(میز سے اخبار اٹھا کر اسے بے چینی سے مسلتا ہے)

شفیق : (دکھ بھرے لہجے میں) نہیں۔ رفیق نہیں۔ جو ہونا تھا ہو چکا۔ سارے خاندان میں سے اب صرف ہم دو بچے ہیں۔ میں تمہیں نہیں جانے دوں گا۔

رفیق : (بے چینی سے اٹھ کر کمرے میں ایک چکر لگاتا ہے) مجھے جانا ہے بھا۔ جی۔ آپ نے جیل میں اس طرح گن گن کر دن نہیں گزارے ہوں جس طرح یہ برچھیاں میں نے اپنے دل پر کھائی ہیں۔ ان لوگوں کو ڈھونڈنے اور انہیں ان کے کیے کی سزا دینے کے سوا اب میری زندگی کا کوئی مقصد نہیں۔

(اخبار مسلتا ہے)

شفیق : (سمجھانے کے انداز میں) دیکھو رفیق۔

رفیق : میں نے بڑا انتظار کیا ہے بھا جی۔ بڑا انتظار کیا ہے۔ بارہ سالوں سے وہ آگ میری ہڈیوں میں جل رہی ہے جس نے اس دن ہماری حویلی کو جلا کے راکھ کیا تھا۔ ان سب پیاروں کی شکلیں .... نہیں بھا۔ جی نہیں۔

(اخبار بستر پر پھینکتا ہے شفیق تسلی دینے کے انداز میں اس کا کندھا تھپکتا ہے۔ رفیق کی نظر اخبار میں چھپی ہوئی انیسہ کی تصویر پر پڑتی ہے رفیق چونک کر اسکی طرف دیکھتا ہے اور اخبار اٹھاتا ہے۔ اس کی شکنیں درست کرتا ہے۔ کیمرہ تصویر کے ساتھ اخبار میں سرخی پر آتا ہے۔

"مشہور صنعت کار انیسہ جمیل انتقال کر گئیں"

شفیق اس کی طرف دیکھتا ہے۔ رفیق کے چہرے پر سوچ اور تعجب کے آثار ہیں)

شفیق : تم اسے جانتے تھے؟

رفیق : کیسے .... نہیں ....

(رفیق کا کلوز)

سین نمبر ۲

فقیر حسین کا گھر

(فقیر حسین قرآن مجید پڑھنے کے بعد دعا مانگ رہا ہے۔ دعا مانگ کر قرآن مجید کو الماری کے اوپر رکھتا ہے۔ دروازے کی طرف منہ کر کے آواز دیتا ہے .... آواز

دینے سے پہلے ایسا تاثر دیتا ہے جیسے کچھ سونگھ رہا ہو۔)

فقیر حسین: سعیدہ بیٹی۔

(دوسرے کمرے سے سعیدہ کی آواز آتی ہے جو "آئی ابو" کہتے ہوئے کمرے میں داخل ہوتی ہے۔ ہاتھ ایسے انداز میں رکھے ہیں جیسے ان پر کوئی چیز لگی ہو جس سے کپڑے بچانے کی کوشش کر رہی ہے۔)

فقیر حسین: کیا پکا رہی ہو بیٹی۔ خوشبو تو بہت اچھی ہے۔

سعیدہ: ایک بالکل نئی چیز ہے۔ ابھی لاتی ہوں۔

(سعیدہ مڑنے لگتی ہے۔ دروازہ زور سے کھلتا ہے اختر پریشانی کے عالم میں اخبار ہاتھ میں لیے آتا ہے۔

اختر: (اخبار سعیدہ کی طرف بڑھاتے ہوئے) سعیدہ۔ یہ۔ وہ ——— وہ تمہاری انیسہ جمیل تھیں نا۔

سعیدہ: (گھبرا کر) ہاں۔ ہاں۔ ہاں۔

اختر: وہ مرگئیں۔

سعیدہ: مرگئیں۔ مسز انیسہ؟

(اخبار جھپٹ کر اس کے ہاتھ سے پکڑتی ہے۔ تصویر دیکھ کر ایک دم ہکا بکا سی ہو جاتی ہے۔ جلدی جلدی سے خبر پڑھتی ہے گہرے غم میں ہونٹ کاٹتی ہے۔ اخبار اپنے سینے کے ساتھ لگاتی ہے کرسی پر گر سی پڑتی ہے۔)

فقیر حسین: کیا ہوا بیٹی؟

اختر: وہ سعیدہ کی ایم ڈی تھیں نا ابا جی۔ وہ جو اس دن آئی تھیں۔

(فقیر حسین سمجھنے کے انداز میں سر ہلاتا ہے)

وہ فوت ہو گئی ہیں۔

فقیر حسین: اوہ۔ انا للہ و انا علیہ راجعون۔ کیسے بیٹا؟

اختر: بس جی.... لکھا ہے۔ اچانک ہارٹ فیل ہو گیا۔

سعیدہ: کتنی اچھی..... کتنی محبت کرنے والی تھیں وہ۔

فقیر حسین: بس بیٹا۔ یہ سب اُس اوپر والے کے رنگ ہیں۔

سہ کسے خبر ہے کہ وال جنبشِ قلم کیا ہے؟ اللہ۔ اللہ۔ اللہ۔

سعیدہ: اس دن کیسی بے تکلفی سے بیٹھی تھیں یہاں .... کیسے پیار سے باتیں کر رہی تھیں...... اچھے لوگ اتنی جلدی مر کیوں جاتے ہیں ابو؟

فقیر حسین: وہ بلا لیتا ہے نا اپنے پاس۔ مالک ہے نا۔ بندہ نہیں سمجھتا ان باتوں کو۔

اختر: ہارٹ اٹیک تو کہتے ہیں زیادہ تر موٹے لوگوں کو ہوتا ہے..... ان کی صحت تو.....

سعیدہ: پتہ نہیں کیا ہوا ہے۔ وہ تو بڑے مضبوط اعصاب کی مالک تھیں۔

فقیر حسین: ساڈی مار اڈوا نہ باہو، اسیں آپے اڈن ہارے ہو۔

سب نے جانا ہے بیٹی۔ سب نے جانا ہے..... اختر بیٹے..... دیکھو جنازے کا ٹائم لکھا ہے اس میں۔

سین نمبر ۳

جمال کا بیڈ روم۔

(کمرے کی نیم تاریکی میں جمال خاموش بیٹھا ہے۔ چہرے پر افسردگی ہے۔ کمرے میں بے چینی سے پھرتا ہے۔ سائڈ ٹیبل پر بکھری ہوئی پکنک کی تصویریں اٹھا کر دیکھتا ہے جو تصویر اس نے کیمرے سے ٹائمر (TIMER) لگا کر اتاری تھی۔ اسے ہاتھ میں لے کر بستر پر لیٹتا ہے۔ تصویر پر وہ سین وارد ہوتا ہے۔ جب وہ ٹائمر لگا کر بھاگ کر انیسہ کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ ٹائمر کی کلک کی آواز کے ساتھ فلیش کا ایک جھماکا اس کے چہرے پر پڑتا ہے۔ جھماکوں کے ساتھ ساتھ ٹائمر کی کلک کلک تیز ہوتی ہے۔ جیسے جمال کے ذہن پر ہتھوڑے بج رہے ہوں۔ دونوں ہاتھ اپنے کانوں پر رکھ کر چہرہ چھپا لیتا ہے۔ کلک کی آواز میں دروازے پر دستک کی آواز mix ہوتی ہے۔ دستک بار بار آتی ہے۔ چند لمحوں کے بعد جمال کو اندازہ ہوتا ہے کہ دستک سچ مچ ہو رہی ہے۔ سعید کی قدرے گھبرائی ہوئی آواز بھی آتی ہے۔)

آواز: جمال صاحب۔ دروازہ کھولیے جمال صاحب۔

(جمال نیم خوابی کے انداز میں اٹھ کر دروازہ کھولتا ہے سعید اسے دیکھ کر اطمینان کا ایک لمبا سانس لیتا ہے۔)

سعید: شکر ہے۔ میں تو ڈر ہی گیا تھا۔

(جمال ایسے انداز میں اس کی طرف دیکھتا ہے جیسے اسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو)

جمال: تم۔

سعید: لگتا ہے رات آپ بہت دیر سے سوئے ہیں۔ یہ اتنا اندھیرا کیوں کر رکھا ہے کمرے میں۔

جمال: (اسے لائٹ جلانے سے منع کرتا ہے۔ آواز میں ہلکی سی لکنت ہے) نہیں۔ یہ مت جلاؤ۔ روشنی مجھ سے برداشت نہیں ہوتی۔

سعید : اس کا مطلب ہے کہ وہ خبر ابھی آپ تک نہیں پہنچی۔
(مسکراتا ہے)

جمال : کیا؟

سعید : ہمارے راستے کا سب سے بڑا پتھر خود بخود ہٹ گیا ہے۔ آپ کی وہ مسز انیسہ....

جمال : (تقریباً چیختے ہوئے) سعید۔

سعید : (حیرت سے اس کی طرف دیکھتا ہے) اس کا ہارٹ فیل ہو گیا ہے۔ کل۔

جمال : (اپنے ہاتھوں کو گھورتے ہوئے) مجھے پتہ ہے.... پتہ ہے مجھے۔
(بے چینی سے اپنے ہاتھ میز پر مارتا ہے)

سعید : لگتا ہے تقدیر ہم پر ایک دم ہی مہربان ہو گئی ہے۔ مسز انیسہ نے تو مر کر ہمیں بالکل ہی زندہ کر دیا ہے۔

جمال : وہ مری نہیں ہے سعید۔ میں نے اسے مارا ہے۔ تم نے اسے مارا ہے۔ اس کے قاتل ہم ہیں۔ میں ہوں۔

سعید : کمال کرتے ہیں جمال صاحب آپ بھی۔ آپ کا کیا قصور ہے اس میں؟

جمال : مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا سعید۔

سعید : او ہو۔ آپ خوامخواہ جذباتی ہو رہے ہیں۔ ہر آدمی اپنی عمر ساتھ لے کر آتا ہے اسے مرنا تھا۔ مر گئی۔

جمال : تم۔ تم۔ تم کیسے!.... جاؤ سعید۔ چلے جاؤ۔ چلے جاؤ یہاں سے۔ مجھے تم سے۔ اپنے آپ سے۔ ان ہاتھوں سے خون کی بو آ رہی ہے...... اوہ خدایا..... یہ میں نے کیا کر دیا۔

(دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ کر بستر پر گرتا ہے۔ سعید چند لمحے اس کی طرف دیکھتا ہے پھر کچھ سوچ کر جاتا ہے۔

سین نمبر ۴

سردار جہانگیر کی حویلی۔

(حویلی کے ڈرائنگ روم نما دیوان خانے میں سردار جہانگیر اپنے بیٹے شہباز کے ساتھ باتیں کرتا ہوا اندرونی کمرے کی طرف سے آتا ہے۔ کمرے میں ریاست پہلے سے موجود ہے۔ جہانگیر باتوں کے درمیان سر کے اشارے سے اس کے سلام کا جواب دیتا ہے)

جہانگیر : بات ڈر یا خوف کی نہیں پُتر احتیاط کی ہے۔ پھر تمہارے ساتھ تمہارے مہمان ہیں۔ نوکر شوکر ساتھ ہوں گے تو آسانی ہو گی تم لوگوں کو — اور پھر ادھر کا علاقہ بھی....

(اشارے سے کہتا ہے کہ خطرناک ہے)

شہباز: میں نے بھی انہیں یہی کہا ہے بابا سائیں... پر وہ کہتے ہیں کہ شکاریوں ہی کی طرح کریں گے۔ سارا سامان خود اٹھائیں گے۔

جہانگیر: لگتا ہے تمہارے ان دوستوں نے شکار پر صرف کتابیں ہی پڑھی ہیں۔

(مسکراتا ہے)

اچھا ٹھیک ہے.... میں کروں گا انتظام۔

شہباز: ہم کل شام تک آجائیں گے۔

جہانگیر: (اس کا شانہ تھپکتا ہے) ٹھیک ہے پتر ٹھیک ہے۔

(شہباز جاتا ہے، جہانگیر چند لمحے سوچتا ہے ریاست کی طرف دیکھتا ہے)

ریاست: (اشارہ سمجھتے ہوئے) جی سائیں۔

جہانگیر: (سرائیکی لہجے میں) محمد بخش کوں آکھ ہک جنڑ گھن کے ڈھوترے (دو تین) بندے ساتھ لے لے.... اور چھوٹے سردار صاحب کے سامنے آئے بغیر ان کے ساتھ ساتھ رہے۔

ریاست: ٹھیک ہے سائیں ۔ (وقفہ) سائیں (جہانگیر اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے) تاج دین آیا بیٹھا اے سائیں۔

جہانگیر: بھیجو اس کو۔

(ریاست جاتا ہے جہانگیر دیوار سے لگی ہوئی ایک بندوق اتار کر اسے چیک کرتا ہے۔ دوبارہ واپس رکھتا ہے دروازے سے "قیدی" تاج دین داخل ہوتا ہے اور جہانگیر کے گھٹنوں سے احسان مندی کے انداز میں لپٹتا ہے جہانگیر شفقت سے تھپکتے ہوئے اسے اوپر اٹھاتا ہے۔)

کیا حال ہے تاجدین۔

تاج دین: آپ کی پرورش ہے سائیں ۔ بندہ نوازی ہے آپ کی۔

جہانگیر: (مسکراتے ہوئے) لگتا ہے جیل میں تمہاری بہت خاطریں ہوتی رہی ہیں۔

تاجدین: سب آپ کے اقبال کی برکت ہے سائیں۔

جہانگیر: بال بچے تو سب راضی خوشی ہیں نا تمہارے۔

تاجدین: آپ کی عنایت سے وہ بڑے سکھی رہے ہیں میرے بعد ۔ ہر چیز پہنچتی رہی ہے اُن کو۔ بڑی مہربانی آپ کی۔

جہانگیر: مہربانی نہیں تاج دین۔ یہ حق تھا تمہارا۔ جو لوگ میرے لیے کام کرتے ہیں۔ تکلیف اٹھاتے ہیں۔ ان کا خیال رکھنا میرا فرض ہے۔ اصول ہے میرا۔

تاجدین: اللہ سائیں آپ کو خوش رکھے۔

جہانگیر: اب تم جاؤ۔ جاکر اپنے بال بچوں میں آرام کرو۔ رقم تمہیں ہر مہینے پہنچتی رہے گی۔

تاجدین: میرے لائق کوئی حکم سائیں۔

جہانگیر: ابھی نہیں۔ جب ہوگا تمہیں بلواؤں گا۔

(تاجدین اسے سلام کرتے ہوئے جاتا ہے۔ کٹ کر کے کتے پر جاتے ہیں جو صوفے کے قریب بیٹھا ہے جہانگیر اسے پچکارتا ہے۔ کتا آکر اپنا سر اس کے پاؤں پر رگڑتا ہے)

سین نمبر ۵

فقیر حسین کا گھر۔

(اختر بڑے انہماک سے کوئی کتاب پڑھ رہا ہے ہاتھ میں پنسل ہے کتاب کی کچھ لائن UNDERLINE کرتا ہے۔ سعیدہ ہاتھ میں چائے کا کپ لے کر آتی ہے دروازے میں رک کر محبت آمیز نظروں سے اختر کی طرف دیکھتی ہے چائے کا کپ اس کے سامنے رکھتی ہے۔ اختر ہاتھ کے اشارے سے منع کرتا ہے۔)

سعیدہ: پی لو، پی لو، بنوائی کیوں تھی؟

اختر: (کتاب میں ایک جگہ انگلی رکھتے ہوئے) اس وقت میں نے LAW OF DIMINISHING UTILITY نہیں پڑھا تھا۔ قانونِ تقلیل افادہ حاصل۔ یہ ترجمہ ہے اس کا۔

سعیدہ: اچھا اچھا اب زیادہ نخرے نہیں کرو۔ پیئو، نہیں تو گرا دوں گی سر پر۔

اختر: اوہو، پڑھ لکھ کر بھی جاہل ہی ہو تم، بھئی اس LAW OF DIMINISHING UTILITY کے مطابق۔

سعیدہ: (کتاب پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس کی بات کاٹتی ہے) کیا بکواس کر رہے ہو۔

اختر: یہ بکواس نہیں، اکنامکس کا ایک اصول ہے۔ بیٹھو میں تمہیں سمجھاتا ہوں۔

سعیدہ: مجھے بخشو، میرے پاس اتنا فالتو ٹائم نہیں ہے۔ چائے پینی ہے کہ نہیں۔؟

اختر: اس سے مجھے نقصان ہوگا، بابا۔ (سعیدہ گھور کر اس کی طرف دیکھتی ہے) دیکھو میں تمہیں سمجھاتا ہوں۔ فرض کرو تمہیں بہت پیاس لگی ہو اور میں تمہیں ایک گلاس پانی دوں تو تمہیں کیا ہوگا۔

سعیدہ: تمہارا سر۔

اختر: مذاق نہیں بھئی۔ بڑی مزیدار بات ہے۔

سعیدہ: بھئی پیاس بجھے گی۔ فائدہ ہوگا۔ اور کیا؟

اختر: اچھا اگر میں ایک اور گلاس دوں تمہیں۔ پھر!

سعیدہ : (اس کا کان پکڑتے ہوئے) ابھی بتاتی ہوں۔

اختر : علمی بحث میں دھنگا مشتی نہیں چلتی۔ آرام سے بیٹھو ۔ اور سنو۔ اس قانون کے مطابق جو چیز فائدہ پہنچاتی ہے ایک وقت آتا ہے کہ اسی سے نقصان پہنچنے لگتا ہے۔ اب فرض کرو تمہیں اتنی پیاس تھی (ہاتھوں سے فاصلہ بتاتا ہے) پہلے گلاس سے اتنی کم ہوئی۔ دوسرے سے اتنی۔ تیسرے سے اتنی۔ چوتھے سے بالکل ختم ہوگئی اب فرض کرو تمہیں پانچواں گلاس پینے کے لیے دیا جائے تو تم کیا کرو گی۔

سعیدہ : میں نہیں پیوں گی۔

اختر : (ا‌ِ‌ہو۔ فرض کرو تم پی لو۔ پھر۔

سعیدہ : پھر کیا۔ الٹی ہو جائے گی بابا۔ پیٹ کوئی پانی کا ٹینک تو نہیں ہوتا۔

اختر : ویری گڈ۔ بس یہی ہوتا ہے LAW OF DIMINISHING UTILITY جس کا ترجمہ ہے۔ قانونِ تقلیلِ افادہ حاصل۔

سعیدہ : بھئی واہ ۔ بات تو واقعی ٹھیک ہے۔

اختر : بس اسی لیے میں چائے نہیں پی رہا۔

سعیدہ : (شرارت کے انداز میں) اس کتاب میں کوئی ایسا اصول نہیں ہے، جس سے تمہاری عقل کچھ بڑھ سکے۔

(اختر گھور کر اس کی طرف دیکھتا ہے دونوں ہنس پڑتے ہیں دروازے پر دستک کی آواز۔ اختر دروازے کی طرف دیکھتا ہے، سعیدہ اسے ہاتھ کے اشارے سے روکتی ہوئی دروازے کی طرف جاتی ہے۔)

سعیدہ : (جاتے ہوئے) ابو آگئے۔

(دروازہ کھولتی ہے رفیق کو دیکھ کر ایک دم جھجک جاتی ہے۔)

آ۔ آپ۔

رفیق : اختر ہے۔؟

اختر : (دروازے کی طرف آتے ہوئے) آپ ۔ اس وقت۔ اندر آئیں نا۔

رفیق : ہاں ..... میں جا رہا تھا۔ سوچا۔ تم لوگوں کو سلام کرتا چلوں۔

اختر : کہاں جا رہے ہیں آپ۔

رفیق : تمہیں بتایا تو تھا میں نے ۔ اُدھر۔ گاؤں میں۔

اختر : (ایک دم گھبرا جاتا ہے۔ سعیدہ اس کی گھبراہٹ سے چونکتی ہے) تو کیا۔ مگر.....

رفیق : (بات ٹالنے کے انداز میں اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر دباتا ہے، جسے سعیدہ دیکھتی ہے) ہاں!

وہ کام ہو گیا ہے۔ میں نے سلامت سے کہہ دیا ہے، وہ تم لوگوں کا خیال رکھے گا۔

اختر : لیکن استاد ــ (رفیق گھور کر اس کی طرف دیکھتا ہے) رفیق صاحب .... آپ ....

(فقیر حسین کے کھانسنے کی آواز آتی ہے۔ وہ باہر کے دروازے سے اندر آتا ہے)

فقیر حسین : (بولتا ہوا اندر آتا ہے) ارے بھئی یہ دروازہ ....

(رفیق کو دیکھ کر رکتا ہے۔ پہچانتا ہے)

اچھا۔ اچھا۔ رفیق صاحب آئے ہیں۔

رفیق : السلام علیکم!

فقیر حسین : وعلیکم السلام۔ تشریف رکھیں آپ .... (سعیدہ کو پگڑی اتار کر دیتا ہے) یہ رکھنا بیٹی۔

سعیدہ : (پگڑی رکھتے ہوئے) اتنی دیر ابو ....

فقیر حسین : بھئی۔ وہ .... ہوا یوں کہ .... (رفیق کی طرف دیکھ کر رکتا ہے) بتاتا ہوں ابھی تمہیں .... پہلے رفیق صاحب سے تو بات کر لیں .... مہمان کا حق فائق ہوتا ہے ....! (رفیق سے) کیسے مزاج ہیں آپ کے!

رفیق : جی۔ دعا ہے آپ کی۔ میں دراصل یہاں سے جا رہا ہوں۔ شہر سے۔ رخصت ہونے آیا تھا۔

فقیر حسین : مگر بھئی کہاں۔ کیوں۔ یعنی اچانک۔

رفیق : جی، وہ کچھ مقدمے بازی ہے گاؤں میں، زمین کی .... ضروری ہے جانا ....

فقیر حسین : مقدمے بازیوں میں کیا رکھا ہے بھائی! .... خواہ مخواہ کی مصیبت ہے۔

رفیق : اپنے حق کے لیے تو لڑنا پڑتا ہے۔ جناب۔

سعیدہ : بالکل ٹھیک ہے۔ میں بھی ابو سے یہی کہتی ہوں! مگر

(رفیق بے اختیار ہو کر اس کی طرف دیکھتا ہے سعیدہ اس کی نظروں کو محسوس کر کے ایک لمحے کے لیے رک جاتی ہے پھر اپنی پریشانی چھپانے کے لیے اختر سے مخاطب ہوتی ہے)

کیوں اختر!

اختر : ہاں ــ مگر .... رفیق صاحب تو ....

(رفیق آنکھ کے اشارے سے اسے منع کرتا ہے۔ اختر خاموش ہو جاتا ہے۔)

رفیق : میں آپ کی جگہ ہوتا نا .... تو کبھی یہ الزام اتنے آرام سے اپنے نام نہ لگواتا۔ دنیا دلوں میں جھانک کر نہیں دیکھتی .... دامن پر لگا ہوا داغ صبر کے آنسوؤں سے نہیں دھلتا۔ کیا۔ اسے دھونا پڑتا ہے۔

فقیر حسین : (فقیر حسین اور سعیدہ دونوں کی آنکھوں میں حیرت سی ہے) مگر .... کبھی کبھی ایسا کرنا پڑتا

ہے .... کیچڑ میں پتھر مارنے سے کپڑے اور گندے ہو جاتے ہیں۔

رفیق : آپ بہتر سمجھتے ہیں۔ لیکن میں اتنا جانتا ہوں کہ جو شخص اپنے حق کی حفاظت نہیں کرتا .... تقدیر بھی اس کا ساتھ نہیں دیتی۔ فصلوں کو سوروں سے بچانے کے لیے بڈاوے کام نہیں آتے .... آدمی کو خود پہرا دینا پڑتا ہے (ایک دم چونک کر دیکھتا ہے) معاف کرنا مجھے یہ باتیں نہیں کرنی چاہیں تھیں۔

(فقیر حسین، سعیدہ اور اختر کے REACTIONS۔ فقیر حسین کا کلوز)

سین نمبر ۶

احمد علی کا گھر۔

ڈائننگ ٹیبل پر احمد علی، سلمیٰ اور نیلم ایک ایسی خاموشی سے کھانا کھا رہے ہیں جس میں کشیدگی کے آثار نمایاں ہیں احمد علی چند لمحے بیوی اور بیٹی کی طرف غور سے دیکھتا ہے دونوں اس کی طرف دیکھ کر نظریں جھکا لیتی ہیں۔ احمد علی زبردستی جیسے ہنسانے کی کوشش کرتا ہے)

احمد علی : بھئی کوئی بات کرو۔ تم دونوں تو ایسے کھانا کھا رہی ہو جیسے کوئی بندوق لے کر تمہارے سروں پر کھڑا ہے۔

(سلمیٰ اور نیلم اس کی طرف ایک نظر دیکھ کر دوبارہ سر جھکا لیتی ہیں۔ احمد علی چند لمحے کچھ سوچتا ہے۔ آہستہ آہستہ اس کے چہرے پر غصے کے آثار نمودار ہوتے ہیں۔ نیپکنیں میز پر پھینک کر اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ چمچ اور کانٹا زور سے پلیٹ میں رکھتا ہے۔)

ہر آدمی مجھ سے ناراض ہے۔ آخر کیا کیا ہے میں نے۔ اس گھر کے لیے، تم لوگوں کے لیے .... میں نے ٹکڑے ٹکڑے کر کے یہ محل کھڑا کیا ہے۔ دنیا بھر کی آسائشیں مہیا کی ہیں۔ تمہارے چاروں طرف دولت کے ڈھیر لگا دیے ہیں .... اور۔ اور۔ اور کیا چاہیے تم لوگوں کو۔!

سلمیٰ : (ایک طرف کھڑے ہوئے نوکر سے) تم اندر جاؤ دینین۔ (نوکر جاتا ہے سلمیٰ اسے جاتے ہوئے دیکھتی ہے) نوکروں کے سامنے یوں اونچا بولیں گے تو وہ کیا سوچیں گے۔

احمد : نوکر کیا سوچیں گے۔ اس کی بہت فکر ہے تمہیں۔ میری کسی کو پرواہ نہیں۔

نیلم : ابو۔ یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ۔

احمد : اب میں کیا کروں؟ ہاتھ جوڑوں اس کے آگے۔ معافی نامہ پیش کروں اس کی خدمت میں .... کہ بیٹا گھر واپس آ جاؤ۔ تمہاری ماں اور تمہاری بہن نے میرا سوشل بائیکاٹ کر رکھا ہے۔ تم اس کی ماں ہو سلمیٰ مگر۔ اس سے پہلے میری بیوی ہو۔ میرے کچھ حقوق ہیں تم پر۔

سلمیٰ : میں نے کیا کیا ہے ؟

احمد : اور کیا کرنا ہے۔ قبرستان بنا رکھا ہے تم نے اس گھر کو۔ جب دیکھو منہ سُجا رکھا ہے۔

نیلم : آپ خالد بھائی کو لے آئیں نا ابو۔

احمد : کیسے لے آؤں ۔۔۔۔ میں نے تو اسے نہیں کہا یہاں سے جانے کو۔ وہ اپنی مرضی سے گیا ہے۔ میرے سمجھانے کے باوجود گیا ہے۔ اس کے باوجود تم لوگ ۔۔۔۔ (نیلم کی طرف سمجھانے کے انداز میں مڑتا ہے) تمہی بتاؤ بیٹی۔ اس میں میرا کیا قصور ہے ؟

نیلم : اگر وہ سعیدہ باجی سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ تو کر لینے دیجیئے۔ اتنی پیاری ہیں وہ۔

احمد : (کچھ کہتے کہتے رک جاتا ہے) ایسا نہیں ہو سکتا بیٹی ۔۔۔۔ وہ لوگ ۔۔۔۔ ہم میں اور اُن میں بہت فرق ہے بیٹی۔

سلمیٰ : دلوں میں فرق نہ ہو احمد صاحب تو باقی سب فرق مٹ سکتے ہیں۔ مٹائے جا سکتے ہیں ۔۔۔۔۔ آپ کیوں بھول جاتے ہیں کہ ایک وقت ہم بھی بھائی فقیر حسین کی طرح غریب تھے ۔۔۔۔ بلکہ شاید ان سے بھی زیادہ۔

احمد : بات امیری اور غریبی کی نہیں سلمیٰ ۔ تم جانتی ہو ۔ تم جانتی ہو کہ ۔۔۔

سلمیٰ : میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ میرا بیٹا میرے پاس نہیں۔ میرے سینے میں ماں کا دل ہے احمد صاحب۔ اور ماں کا دل اپنی اولاد کی خوشیوں میں دھڑکتا ہے۔ نفع نقصان نہیں دیکھتا۔

نیلم : امی ٹھیک کہہ رہی ہیں ابو۔ خالد بھائی گھر میں تھے تو کبھی مجھے خیال بھی نہیں ہوا تھا کہ میں ان کے بغیر اتنی بے چین بھی ہو سکتی ہوں۔ اب تو وہ ہر وقت یاد آتے ہیں۔

(جھنجھلاہٹ آمیز بے بسی کے ساتھ)

احمد : خدا کے لیے تم لوگ میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ خالد میرا بھی بیٹا ہے۔ میرا دل بھی روتا ہے اس کے لیے۔ مگر کچھ چیزیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو آدمی کے اختیار میں نہیں ہوتیں۔ تم لوگوں کو اندازہ نہیں ہے۔ میرے مان جانے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ میں فقیر حسین کو تم دونوں سے زیادہ جانتا ہوں۔ وہ یہ رشتہ کبھی تسلیم نہیں کرے گا۔

(ایک دم خوش ہو کر)

سلمیٰ : یہ بات آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔ بس آپ ایک دفعہ ہاں کہہ دیں۔ بھائی فقیر حسین میری بات نہیں ٹال سکتے۔

احمد : (چند لمحے استہزائیہ انداز میں اس کی طرف دیکھتا ہے) بہت اچھے۔ جاؤ۔ کر دیکھو کوشش۔

سلمیٰ : (جذبات سے مغلوب ہو کر) سچ۔

احمد : ہاں۔ تم لوگوں کی خوشی کی خاطر میں یہ زہر بھی پی لوں گا۔

سین نمبر ۷

ڈی جی کا دفتر۔

(ڈی جی فقیر حسین کی درخواست پڑھ رہا ہے۔ پڑھنے کے بعد کاغذ میز پر رکھ کر ایک لمبا سانس لیتا ہے۔)

ڈی جی : یہ مشورہ تمہیں کس نے دیا ہے فقیر حسین۔

فقیر حسین : مشورہ تو کسی نے نہیں دیا جناب۔ البتہ ایک خدا کے بندے نے مجھے صبر و رضا کے اصل معنی سمجھا دیئے ہیں۔

ڈی جی : بہر حال جس نے بھی تمہیں یہ راہ سمجھائی ہے وہ تمہارا دوست نہیں ہو سکتا۔ یہ سراسر خودکشی ہے۔ فقیر حسین۔

فقیر حسین : جان انسان کی آبرو سے آگے نہیں ہوتی سر۔ کانچ کے برتن پر آئی ہوئی خراش ہی اس کی اصل موت ہوتی ہے۔ میں یہ داغ اپنے ماتھے پر لے کر زندہ رہنے سے مر جانا بہتر سمجھتا ہوں۔

ڈی جی : مگر اس دن تو تم.....

فقیر حسین : میں نے عرض کیا ہے نا۔ اس وقت میں غلطی پر تھا۔

ڈی جی : دیکھو فقیر حسین میری بات مانو تو جو کچھ ہو چکا ہے اسے غنیمت جانو۔ گڑے مردے اکھاڑنے سے سوائے نقصان کے تمہیں حاصل کچھ نہیں ہوگا تمہیں اچھی طرح پتہ ہے کہ سب شہادتیں تمہارے خلاف جا رہی ہیں۔

فقیر حسین : آپ کیس پولیس کو دیجیے سر۔ لگانے دیجیے انہیں مجھے ہتھکڑیاں۔ جس نے جرم کیا ہے اُسے اس کی سزا ملنی چاہیئے... چاہے وہ میں ہوں چاہے کوئی اور....

ڈی جی : کمان سے نکلا ہوا تیر اور منہ سے نکلی ہوئی بات واپس نہیں آیا کرتے۔ ایک دفعہ پھر سوچ لو۔ مشورہ کر لو کسی سے۔

فقیر حسین : میں سب کچھ سوچ کر ہی آپ کے پاس آیا ہوں۔ رفیق نے بالکل ٹھیک کہا ہے جو آدمی اپنے حق کی خود حفاظت نہیں کرتا تقدیر بھی اس کی مدد نہیں کرتی۔

ڈی جی : کون رفیق!

فقیر حسین : ہے ایک اللہ کا بندہ۔ آپ مہربانی فرما کر انکوائری کا حکم صادر فرمایئے۔

(ڈی جی غور سے فقیر حسین کی طرف دیکھتا ہے۔ پھر اس کے ارادے کی پختگی محسوس کر کے اس کی درخواست پر کچھ لکھنے لگتا ہے۔)

سین نمبر ۸

فقیر حسین کا گھر۔

(اختر گنگناتا ہوا آتا ہے کمرے کے وسط میں رک کر سعیدہ کو آواز دیتا ہے)

اختر: او ہمشیرہ۔ (فلمی انداز میں بازو اٹھاتا ہے) کہاں ہو۔ کہاں ہو۔ کہاں ہو۔

سعیدہ: (دوسرے کمرے سے مسکراتی ہوئی آتی ہے) لگتا ہے پرچہ کچھ ٹھیک ہی ہو گیا ہے۔

(فلمی بادشاہ کے انداز میں)

اختر: تجھے کس نے بتایا فریادی۔

سعیدہ: (جھک کر آداب کرتے ہوئے) آپ کی اس بے سُری موسیقی نے ظلِ الٰہی۔

اختر: نادان لڑکی۔ موسیقی روح کی غذا ہوتی ہے۔

(اسی انداز میں)

سعیدہ: پھر آج دوپہر کو اسی سے گزارا کیجیے گا عالم پناہ۔

(عام آواز میں)

اختر: ارے نہیں یہ غضب نہ کرنا۔ بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے (دونوں ہنستے ہیں)

سعیدہ: اچھا یہ بتاؤ پرچہ کیسا ہوا ہے۔

اختر: فسٹ کلاس۔ اور وہ LAW OF DIMINISHING UTILITY والا سوال بھی آیا تھا۔

سعیدہ: ترجمہ جس کا ہوتا ہے۔ قانون تقلیلِ حاصل۔

اختر: نہ۔ قانونِ تقلیل افادہ حاصل۔ (دونوں پھر ہنستے ہیں)

سعیدہ: کیا فائدہ ایسے ترجمے کا جو اصل سے بھی مشکل ہو۔

اختر: پتہ ہے لاؤڈ سپیکر کو اردو میں کیا کہتے ہیں۔

(سعیدہ اشارے سے پوچھتی ہے کیا)

آلہ مکبر الصوت۔

سعیدہ: نہیں۔

اختر: ایمان سے۔ (دونوں پھر ہنستے ہیں) ایک اور خبر بھی ہے میری جیب میں۔ تمہارے لیے۔ سنو گی تو پھڑک اٹھو گی۔

سعیدہ: کیا؟

اختر: میں نے اس آدمی سلطان کا پتہ چلا لیا ہے۔

سعیدہ: (بے تابی سے) سچ۔

اختر: ہاں۔ وہ چھٹی پر حیدرآباد گیا ہوا تھا۔ کل ہی آیا ہے۔

سعیدہ: اسے پتہ تو نہیں چلا کہ تم۔ یعنی تمہیں۔

اختر: سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ (مصنوعی غصے سے) تم مجھے اتنا بُدھو کیوں سمجھتی ہو۔

سعیدہ: (کان کھینچتے ہوئے) اس لیے کہ تم اتنے بدھو ہو چلو پہلے سمیع صاحب کو اطلاع دے کے آؤ۔
اختر: بھوک کی وجہ سے مجھے ضعف نمبر چار پڑنے والا ہے اور تمہیں پتہ ہے اس ضعف کے دوران میری عقل کام نہیں کرتی۔
سعیدہ: جاتے ہو یا۔ (مارنے کی دھمکی دیتی ہے)
اختر: (دروازے کی طرف مڑتے ہوئے) مولا کریم یہ کیا چڑیل میرے پیچھے ڈال دی ہے۔
سعیدہ: (مصنوعی غصے سے اس کی طرف دیکھتی ہے اختر جلدی سے بھاگ کر جاتا ہے) تجھے چڑیل نظر آتی ہوں میں۔

سین نمبر ۹

فقیر حسین کا گھر۔

(بیرونی دروازے پر دستک کی آواز۔ سعیدہ اندرونی دروازے سے تیز تیز چلتی ہوئی آتی ہے۔ دروازہ کھولتی ہے۔ سلمیٰ اور نیلم کو دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے)

سعیدہ: آ۔ آپ۔
سلمیٰ: (مسکراتے ہوئے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرتی ہے) جیتی رہو۔
نیلم: (ابھی تک حیران سعیدہ سے گلے ملتی ہے) سچ آپ بڑی بے وفا ہیں سعیدہ باجی۔
سعیدہ: (گھبرائے ہوئے انداز میں) میں۔؟
سلمیٰ: بھائی صاحب کہاں ہیں۔
سعیدہ: یہیں ہیں۔ اِدھر۔ (دکان کی طرف اشارہ کرتی ہے) میں انہیں بلاتی ہوں۔
(سلمیٰ اسے اشارے سے روکنے کی کوشش کرتی ہے۔ مگر سعیدہ اس کی طرف دیکھے بغیر دوسرے کمرے کی طرف جاتی ہے۔)
سلمیٰ: ماشاء اللہ۔ کتنی پیاری ہے۔ ہے نا نیلم۔
نیلم: کتنی سمپل سمپل رہتی ہیں مگر پھر بھی کتنی کیوٹ ہیں۔ سچ می اگر سعیدہ باجی ذرا موڈرن سٹائل کے کپڑے پہنیں اور تھوڑا سا میک اپ کریں نا.... تو....
(ایسے انداز میں سر ہلاتی ہے جیسے تعریف کے لیے لفظ نہیں مل رہے)
فقیر حسین: (قدرے حیران سا سعیدہ کے ساتھ آتا ہے) السلام علیکم بھابی۔ آپ لوگ یہاں۔
سلمیٰ: (مسکراتے ہوئے) کیوں۔ ہمیں منع ہے یہاں آنا۔ ہمارا گھر نہیں ہے یہ۔
فقیر حسین: نہیں ہے کیوں نہیں۔ مگر.... آپ بیٹھیں نا۔ کھڑی کیوں ہیں۔
نیلم: آداب انکل۔
فقیر حسین: جیتی رہو۔ جیتی رہو۔ تم بھی بیٹھو بیٹی۔

سلمیٰ : نیلم تو دیوانی ہے سعیدہ کی۔ ہر وقت اس کا ذکر کرتی رہتی ہے۔ جاؤ بیٹیا تم لوگ آرام سے بیٹھ کر باتیں کرو۔ مجھے بھائی فقیر حسین سے ایک بات کرنی ہے۔

نیلم : (سعیدہ کو بازو سے پکڑتے ہوئے) آیئے باجی۔

سعیدہ : مگر..... آنٹی۔ ابو۔ میں کچھ چائے.....

سلمیٰ : نہیں بیٹی۔ اس کی ضرورت نہیں..... گھر سے ہم لوگ اچھی طرح (سعیدہ کا REACTION دیکھ کر فوراً بات بدلنے کی کوشش کرتی ہے) اچھا۔ بنالو۔ مگر صرف چائے ہو۔ میرا معدہ.....

نیلم : آپ کا کمرہ کون سا ہے باجی۔

سعیدہ : میرا۔ (مڑتے ہوئے) آؤ۔

(دونوں جاتی ہیں چند لمحے کی خاموشی فقیر حسین کچھ پریشان ہے۔ سلمیٰ بات شروع کرنے کے لیے جملہ ڈھونڈ رہی ہے)

سلمیٰ : آپ بیٹھیں نا بھائی صاحب۔

فقیر حسین : پہلے آپ تشریف رکھیں۔ اِدھر آجائیں۔

(دونوں بیٹھتے ہیں۔ چند لمحے کی خاموشی۔)

سلمیٰ : میں ایک درخواست لے کر آئی ہوں آپ کے پاس۔

فقیر حسین : میرے پاس۔

سلمیٰ : ہاں۔

فقیر حسین : آپ کے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ آپ کو کیا ضرورت ہے کسی سے کچھ مانگنے کی۔ فیکٹری، کوٹھی، موٹر، نوکر چاکر، سب کچھ تو ہے احمد علی کے پاس۔

(اس کے طنز کو پیتے ہوئے)

سلمیٰ : اس کے باوجود مجھے آپ سے کچھ مانگنا ہے۔

(بے تابی اور بے چینی سے)

فقیر حسین : دیکھیے بھابی۔ آپ سے میرا دوہرا دوہرا رشتہ ہے اور میں آپ کی ہمیشہ سے عزت کرتا ہوں..... لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا۔ اس مکان میں ایسا کون سا سرخاب کا پر لگا ہے جو احمد علی نے آپ کو۔ آپ کو بھیج دیا ہے۔

سلمیٰ : میں مکان کے لیے نہیں آئی بھائی صاحب۔

فقیر حسین : (شدید حیرت سے) تو۔

سلمیٰ : مجھے پتہ ہے آپ ہم لوگوں سے ناراض ہیں۔ لیکن بھائی صاحب آپ کو پتہ ہے احمد شروع سے ایسے نہیں تھے۔ پتہ نہیں انہیں کیا ہو گیا ہے..... آپ انہیں معاف کر دیں۔

فقیر حسین : میں نے اسے کیا کہا ہے بھابی - پیچھے تو وہ میرے پڑا ہوا ہے ..... آپ کو نہیں پتہ، اس نے میرے ساتھ وہ کیا ہے جو کوئی بدترین دشمن سے بھی نہیں کرتا - میں نے تو اسے پھر بھی کچھ نہیں کہا - بھابی - اور یہ مکان - اس کی کیا حیثیت ہے ..... اگر وہ رشتہ داری کا چکر دے کر میرے اعتماد کا میرے ضمیر کا خون نہ کرتا تو یقین جانیئے میں بغیر کچھ کہے یہ مکان خالی کر دیتا ـــــــ میں نے بتایا تھا اسے -

سلمیٰ : جو ہوا اسے بھول جائیے بھائی صاحب ..... میں تو صرف یہ چاہتی ہوں کہ ہم ایک خاندان ہیں - ایک درخت کی شاخیں ہیں - ہمیں آپس میں مل جل کر ایک دوسرے کا دکھ بانٹ کر رہنا چاہیئے -

(فقیر حسین آزردگی سے ہنستا ہے) میں تو آپ سے ٹوٹا ہوا رشتہ جوڑنے آئی ہوں -

فقیر حسین : بہت دیر ہو گئی ہے بھابی - اب شاید - احمد علی نے یہ اچھا نہیں کیا بھابی - میں نے کیا بگاڑا تھا اس کا -

سلمیٰ : جو ہوا، میں اس کے لیے آپ سے معافی مانگتی ہوں - آپ مجھے معاف کر دیں -

فقیر حسین : (بے تابی سے اسے روکتا ہے) نہیں بھابی - آپ - آپ نہ کریں ایسی باتیں - آپ کا بہت لحاظ ہے میرے دل میں -

سلمیٰ : تو پھر مان لیجیئے میری بات -

فقیر حسین : (شدید پریشانی میں) خدا کے لیے بھابی - آپ ..... ٹھیک ہے - ٹھیک ہے - آپ نہ کہیئے گا - مجھے میرے حال پر چھوڑ دے - بس مجھے اور کچھ نہیں چاہیئے اس سے - خدا اسے معاف کرے -

سلمیٰ : جب تک آپ معاف نہیں کریں گے بھائی صاحب - خدا بھی نہیں کرے گا - وہ اپنا حق چھوڑتا ہے - اپنے بندوں کا نہیں چھوڑتا -

فقیر حسین : (لمبا سانس لے کر) ٹھیک ہے - میں نے اسے معاف کیا -

(پانی پیتا ہے)

سلمیٰ : یوں نہیں بھائی صاحب - میں چاہتی ہوں یہ اختلاف ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے ..... دونوں خاندان ..... پھر سے - ایک ہو جائیں -

فقیر حسین : کیا مطلب ؟

سلمیٰ : مطلب یہ ہے کہ ..... میں ..... خالد ..... میرا خیال تھا کہ اگر آپ قبول کریں تو خالد اور ..... سعیدہ

فقیر حسین : خالد اور سعیدہ - نہیں بھابی نہیں - یہ کیسے ہو سکتا ہے -

سین نمبر ۱۰

INSIDE ، سعیدہ نیلم کی باتوں سے کچھ پریشان نظر آ رہی ہے)

نیلم : خالد بھائی کو پنک کلر بہت پسند ہے -

سعیدہ : میز پر چائے کے برتن رکھتے ہوئے) اچھا۔

(جلدی جلدی ابلے ہوئے انڈے چھیلتی ہے)

نیلم : (شرارت آمیز انداز میں مسکراتے ہوئے) ویسے آپ دونوں تو ایک دوسرے کی طبیعت سے اچھی طرح واقف ہوں گے۔ سنا ہے وہ تو یہاں اکثر آتے ہیں۔

سعیدہ : آتے تھے! (تھے ... پر زور دیتی ہے۔)

نیلم : (اس کی بات سمجھے بغیر بولتی ہے) ویسے باجی، میرے خیال میں تو شادی سے پہلے لڑکے لڑکی کو آپس میں ملنے کا موقع ضرور دینا چاہیئے۔ اس سے UNDER STANDING بڑھتی ہے

سعیدہ : (بات کو مذاق میں ٹالنے کی کوشش کرتی ہے) بعض اوقات۔ MIS UNDER STAN-DING بھی بڑھتی ہے۔

نیلم : مگر آپ کے کیس میں ایسا نہیں ہے۔ خالد بھائی تو آپ پر .... بالکل مرتے ہیں۔

سعیدہ : (ٹوکنے کے انداز میں نیلم کی طرف دیکھتی ہے۔ نرمی سے بولتی ہے) تمہیں ایسی بات نہیں کرنی چاہیئے۔ نیلم۔

نیلم : اپنی بات کا خود ہی مزا لیتی ہے) بائی دی وے۔ آپ کو پتہ ہے، ہم یہاں کیوں آئے ہیں۔

سعیدہ : (انڈوں پر نمک چھڑکتے ہوئے) نمک چھڑکنے۔

نیلم : (حیرت سے) جی۔

سعیدہ : کچھ نہیں۔ آؤ۔

(ٹرے اٹھاتی ہے نیلم بڑھ کر ٹرے اس کے ہاتھ سے لیتی ہے)

نیلم : لائیے۔ مجھے دیجئے۔

سعیدہ : نہیں بھئی تم ہماری مہمان ہو۔

نیلم (خوش دلی کے انداز میں) لیکن یہ مہمان وہ ہے (سعیدہ کی طرف انگلی سے اشارہ کرتی ہے) جو مالک مکان کی سب سے قیمتی چیز چرانے آئے ہیں۔

سعیدہ : (سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھتی ہے) تم کیا کہنا چاہتی ہو۔

نیلم : میں کہنا یہ چاہتی ہوں کہ ہم — (ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولتی ہے) آپ کو اپنی بھابی بنانے کے لیے آئے ہیں۔

سعیدہ : (بے اختیاری میں ٹرے دوبارہ میز پر رکھتی ہے) نہیں۔

نیلم (جی جناب۔ (آنکھ مارتے ہوئے) اسی لیے امی نے ہم دونوں کو ادھر بھجوا دیا ہے۔

سعیدہ : یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

نیلم : (اپنی دھن میں) سچ، سعیدہ باجی۔ جب میں نے پہلی دفعہ آپ کو دیکھا تھا نا — اسی وقت میں

آپ پر عاشق ہوگئی تھی۔ LOVE AT FIRST SIGHT

سین نمبر ۱۱

سلمیٰ : لیکن بھائی صاحب....

فقیر حسین : خالد بہت اچھا لڑکا ہے بھابی۔ میں اسے پسند بھی کرتا ہوں.... مگر یہ رشتہ.... آپ نہیں سمجھتیں۔ یہ بات میرے اختیار میں نہیں ہے۔

سلمیٰ : مجھے اس طرح مایوس نہ لوٹایئے بھائی صاحب۔ میں بڑے مان سے آپ کے پاس آئی تھی۔

فقیر حسین : نہیں بھابھی نہیں۔ مجھے معاف کر دیجئے۔ میں ایسا نہیں کر سکتا۔

سلمیٰ : (دل شکستہ انداز میں) جھگڑا آپ کا اور احمد کا ہے بھائی صاحب۔ اس کی سزا بچوں کو تو نہ دیجئے آپ سعیدہ سے پوچھ تو لیں۔

فقیر حسین : سعیدہ میری بیٹی ہے بھابی۔ میرا خون ہے۔ میں جو کچھ کر رہا ہوں اس کے بھلے کے لیے کر رہا ہوں وہ مجھ سے اختلاف نہیں کر سکتی۔

(چند لمحے دونوں خاموش رہتے ہیں)

سلمیٰ : (بجھے ہوئے دل کے ساتھ) اچھا بھائی صاحب.... میں چلتی ہوں۔ (دروازے کی طرف جا کر بھرائی ہوئی آواز میں بولتی ہے) نیلم۔ آؤ بیٹی۔

(نیلم اور سعیدہ آتی ہیں) آؤ چلیں۔

سعیدہ : (حیرت سے) چچی جان۔ چائے۔

سلمیٰ : (چادر کے پلو سے آنکھیں خشک کرتی ہے) نہیں بیٹی۔ بہت دیر ہو گئی ہے۔

(بے اختیار ہو کر سعیدہ کو گلے لگاتی ہے اسے پیار کرتی ہے۔ نیلم کا ہاتھ پکڑ کر تیزی سے جاتی ہے۔ فقیر حسین بے قراری سے ٹہلتے ہوئے سعیدہ کی طرف مڑتا ہے)

فقیر حسین : سعیدہ بیٹی یہ...

سعیدہ : آپ نے جو کیا ہے ٹھیک کیا ہے۔ ابا جان۔

(فقیر حسین محبت سے اس کے سر پہ ہاتھ رکھتا ہے)

فقیر حسین : جیتی رہو۔ جیتی رہو۔

سین نمبر ۱۲

احمد علی کا گھر۔

عابد : میری سمجھ میں نہیں آتا ڈیڈ۔ آپ نے کیسے یہ بات مان لی۔

احمد : اور کوئی WAY OUT نہیں ہے مائی سن۔ میں خالد کو۔ اس گھر کے سکون کو LOSE کر نا افورڈ

نہیں کر سکتا۔

عابد : لیکن اس طرح تو .... میری تو سمجھ میں نہیں آتا۔

احمد : موت کو دیکھ کر آدمی بخار پہ راضی ہو جاتا ہے عابد۔ اسی کو COMPROMISE کہتے ہیں کبھی کبھی آدمی کو پسپا بھی ہو جانا چاہیئے۔ تھوڑی دیر کے لیے ..

عابد : OK ڈیڈ۔ آپ کی مرضی۔ بہر حال میں اس سچوئشن سے خوش نہیں ہوں۔

احمد : خوش تو میں بھی نہیں ہوں۔ مگر .... اچھا دیکھو ....

(دروازہ کھلتا ہے سلمیٰ اور نیلم آتی ہیں دونوں خاموش ہیں نیلم چند لمحے رکتی ہے۔ پھر بغیر کچھ کہے اندر کی طرف جاتی ہے سلمیٰ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ان کی طرف آتی ہے۔ احمد غور سے اس کی طرف دیکھتا ہے۔)

اوہ تو میرا خیال صحیح تھا۔

عابد : (حیرت سے) کیا مطلب ؟

احمد : (زہر خند انداز میں) مطلب یہ کہ فقیر حسین نے ....

(ہاتھ سے انکار کا اشارہ کرتا ہے)

عابد : NO - OH وہ ایسا نہیں کر سکتے۔

THIS IS IMBOSSIBLO

احمد : (آہستہ آہستہ غصے میں آتا ہے) کہا تھا میں نے تمہیں۔ سمجھایا تھا خوش ہو گئی ہو۔ مجھے ذلیل کرا کے .... میں نے بتایا تھا تمہیں وہ پاگل ہے۔ دماغ خراب ہے اس کا۔ مگر تم۔

(سلمیٰ بغیر کچھ کہے چادر سے آنکھیں پونچھتی ہوئی اٹھتی ہے۔ جاتی ہے۔ عابد بھی سر جھٹک کر کمرے سے نکلتا ہے احمد علی چند لمحے بے چینی سے کمرے میں چکر لگاتا ہے۔)

سین نمبر ۱۳

(سمیع کا آفس۔

سمیع کسی فائل کا مطالعہ کر رہا ہے۔ سلیوٹ کی آواز پر سر اٹھا کر دیکھتا ہے دو کانسٹیبل سلطان کو حراست میں لیے دروازے پر کھڑے ہیں۔ سمیع غور سے سلطان کی طرف دیکھتا ہے سپاہی چند قدم آگے آتے ہیں۔)

سمیع : تو تم ہو سلطان۔

(سلطان کا گلوز جو نگاہیں چرانے کی کوشش کرتا ہے۔)

12

کردار

• فقیر حسین • سعیدہ • اختر • احمد علی • عابد • تمکین • جہانگیر
• رفیق • شہباز • شفیق • بھابی • نبیلہ • ناصر • گریوال
• جعفری • فیض رسول • انیسہ • سمیع • ڈی جی • قریشی
اور دو تین دیہاتی۔

سین نمبر ۱

(احمد علی کا دفتر)

(احمد علی فون سن رہا ہے گریوال مؤدب انداز میں کھڑا ہے۔)

احمد: جی ہاں۔ IT SUITS ME ..... انشاء اللہ۔ ہاں لکھوائیے۔

(اشارے سے گریوال کو کہتا ہے کہ لکھو۔ گریوال جلدی سے ایک کاغذ لے کر ساتھ ساتھ لکھتا ہے۔ احمد اس کی طرف تیز نظروں سے دیکھتا ہے گریوال مزید گھبرا کر ایک دو چیزیں گراتا ہے احمد فون پر کہتا ہے۔)

ONE MOMENT.

(پھر ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر گریوال سے سرد آواز میں بولتا ہے۔)

مسٹر گریوال۔ کتنی مرتبہ میں نے آپ کو بتایا ہے میرے کمرے میں آئیں تو نوٹ بک ساتھ لایا کیجئے۔

گریوال، (کاغذ آگے رکھ کر لکھنے کے لیے تیار ہوتا ہے پریشان ہے) سوری سر۔

احمد: (اسے گھور کر دیکھتا ہے پھر مسکراتے ہوئے فون پر بات کرتا ہے) جی۔ لکھوائیے۔ PK-306۔
گیارہ بجے پہنچے گی..... رائیٹ — میرا آدمی وہاں موجود ہو گا۔ ہاں۔ ہاں۔ ANYTHING.
..... نہیں جناب بزنس میں کیسا تکلف.....

HE WILL GET EVERY INFORMATION ... OK ....

LET'S HOPE FOR THE BEST

خدا حافظ۔

دخوں رکھتا ہے۔ ایک دم مسکراہٹ چہرے سے غائب ہوتی ہے گریوال چور نظروں
سے اس کی طرف دیکھتا ہے۔ احمد علی کچھ کہتے کہتے رک جاتا ہے۔ پھر وقفے کے
بعد بولتا ہے۔)

اے ایچ صمدانی ہے اس کا نام —— HE IS THEIR PROJECT MENAGER
آپ خود اسے ریسیو کریں گے۔ ہوٹل میں اس کی ریزرویشن کرادیجیے۔

(احمد آنکھ کے اشارے سے اسے جانے کے لیے کہتا ہے۔ گریوال جاتا ہے۔
احمد بڑے غور و فکر کے انداز میں پلازا کے ماڈل کے پاس کھڑا ہوتا ہے اسے پیار
سے چھوتا ہے۔ عابد تیزی سے آتا ہے انداز میں گھبراہٹ ہے)

عابد : سلطان ARREST ہوگیا ہے ڈیڈ۔

احمد : (ایک لمحے کے توقف سے اس کی بات سمجھتا ہے) OH NO
(نفی میں سر ہلاتا ہے)

عابد : میں ٹھیک کہہ رہا ہوں ڈیڈ۔ ابھی اس کے بیٹے نے اطلاع دی ہے۔ یہ تو بہت برا ہوا ہے
ڈیڈ۔

احمد : (سوچ میں پڑ جاتا ہے) ہاں۔

عابد : وہ کہہ رہا تھا سلطان بہت گھبرایا ہوا ہے کہیں ——؟

احمد : یہ بہت فطری بات ہے۔ گرفتاری پر خوش تو کوئی بھی نہیں ہوتا۔ لیکن اس کی گھبراہٹ ہمارے
لیے.... اس کا لڑکا کچھ سمجھدار ہے؟

عابد : جی ہاں۔ بیس بائیس سال کا ہوگا۔

احمد : اسے کہو کہ فوراً اپنے باپ سے حوالات میں ملے —— اسے کوئی نہیں روکے گا اور اسے بتائے
کہ اگر اس نے منہ بند رکھا تو ہم اس کی ضمانت بھی کرائیں گے اور کیس بھی لڑیں گے لیکن اگر اس
نے زبان کھولی تو اپنے نفع و نقصان کا خود ذمہ دار ہوگا۔ ہمارے پاس اس کا RESIGNATION
موجود ہے۔

عابد : میں خود چلا جاؤں ڈیڈ؟

احمد : احمق نہ بنو۔ تم کیسے جا سکتے ہو وہاں —!

عابد : وہ ہمارا ایمپلائی تو ہے نا ڈیڈ —— تو اس حوالے سے اگر.... میں ——
(احمد کی تیز نظر کی تاب نہ لا کر چپ ہو جاتا ہے)

احمد : (سمجھانے کے انداز میں) سلطان تمہارے کارخانے کا ایک معمولی ملازم ہے۔ کام کرتا ہے تنخواہ لیتا
ہے اس کے علاوہ وہ کیا کرتا ہے۔ کیسے رہتا ہے۔ کن لوگوں میں اٹھتا بیٹھتا ہے۔

تم کچھ نہیں جانتے ——— IT IS NOTHING OF YOUR BUSSINESS UNDERSTAND-

(ایسے انداز میں یہ جملے بولتا ہے جیسے عابد کو اس کا بیان ذہن نشین کرا رہا ہو۔)

عابد : یس۔ ٹھیک ہے ڈیڈ۔

احمد : اسے مجھ پر چھوڑ دو۔ I WILL HANDLE IT

عابد : (کندھے جھٹکتے ہوئے)۔ OK DAD

سین نمبر ۲

رفیق کا فیصل آباد کا گھر

(دونوں بچے باپ کے دائیں بائیں بیٹھے ہیں۔ رفیق ان کے مقابل میں بیٹھا ہے۔ ان کو خوش دیکھ کر خوش ہوتا ہے لیکن باتوں کے درمیان جیسے کہیں کھو سا جاتا ہے)

شفیق : (مسکراتے ہوئے) مجھے تو ابھی تک ایسے لگ رہا ہے جیسے میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔

نبیلہ : ہماری بک میں ایک کہانی ہے ابا جی۔ اس میں بھی ایک آدمی نا..... اسی طرح نیند میں نا..... پتہ نہیں کہاں کہاں پہنچ جاتا ہے۔ پھر جب اس کی آنکھ کھلتی ہے نا..... تو..... پتہ ہے کیا ہوتا ہے۔

بھابی : (چائے لے کر آتی ہے مسکراتے ہوئے نبیلہ کو ڈانٹتی ہے) کسی وقت چپ بھی کر جایا کر..... ریڈیو کی طرح بولتی رہتی ہے ہر وقت۔۔

نبیلہ : (مصنوعی غصے سے ٹھنک کر اٹھتی ہے) ٹھیک ہے جی۔ ہماری تو کوئی بات ہی نہیں سنتا یہاں۔ میں جا رہی ہوں۔

شفیق : (اسے پکڑنے اور منانے کی کوشش کرتا ہے) ارے نہیں نہیں نہیں۔ بھئی تم کیوں پڑی رہتی ہو ہر وقت میری بیٹی کے پیچھے۔ اتنی پیاری پیاری باتیں کرتی ہے۔ میں تو ترس گیا تھا اس آواز کو سننے کے لیے۔ آؤ بیٹی آ جاؤ۔ یہاں آ جاؤ۔

(نبیلہ مصنوعی غصے سے انکار کرتی ہے)

رفیق : اچھا میرے پاس تو آؤ گی نا۔

(نبیلہ اور رفیق چند لمحے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں دونوں شرارت سے مسکراتے ہیں۔ نبیلہ بھاگ کر اس کی گود میں بیٹھتی ہے)

نبیلہ : اب آپ سے میری صلح ہے۔ باقی سب سے کٹی۔

بھابی : اب دیکھو۔ گھوڑے جتنی بڑی ہو گئی ہے مگر بیٹھنے کی تمیز نہیں آئی اب تک۔

رفیق : اسے نہ ٹوکا کرو بھابی۔ یہی تو عمر ہے اس کی۔ بچوں سے ان کا بچپن چھن جائے تو وہ.....

(اپنی طرف دیکھتا ہے)

جب میں ان دونوں کو کھیلتے اور لڑتے جھگڑتے دیکھتا ہوں تو مجھے یوں لگتا ہے جیسے میرا اپنا بچپن واپس آگیا ہے۔ (دکھ بھرا لہجہ) وہ بچپن جو میں نے کبھی نہیں گزارا۔

(سب لوگ اس کی اس بات پر کچھ چپ سے ہو جاتے ہیں۔ نبیلہ اس خاموشی کو توڑتی ہے)

نبیلہ : اب تو آپ ہمارے پاس ہی رہیں گے نا۔ چاچاجی۔

ناصر : اور کیا!

رفیق : (پیار سے اس کا سر تھپکتا ہے) نہیں بیٹا۔ ابھی نہیں۔ ابھی مجھے بہت کام کرنے ہیں۔

شفیق : (محبت سے اسے ٹوکتے ہوئے) کچھ نہیں کرنا تمہیں۔ دیکھو اللہ نے ہمیں یہ کیسی چھوٹی سی جنت دے دی ہے۔

رفیق : مگر بھابی جی۔ میں اُس دوزخ کو کیا کروں جو.....

(بچوں کی طرف دیکھ کر ایک دم رک جاتا ہے)

میں نہیں رک سکتا بھابی جی۔

ناصر : آپ اپنا کاروبار یہاں کیوں نہیں شفٹ کر لیتے چاچاجی۔ اب تو ابا بھی آگئے ہیں۔

رفیق : کریں گے۔ کریں گے۔ وقت آنے پر سب کریں گے۔ تم لوگ کوئی اور بات کیوں نہیں کرتے۔

نبیلہ : (مزاحیہ انداز میں) میرا بولنا تو کسی کو پسند ہی نہیں اس لیے میں چپ ہوں۔

(ہونٹوں پر انگلی رکھ کر بیٹھتی ہے۔ سب کی طرف دیکھتی ہے اور یہ محسوس کر کے کہ اس کی بات پر کوئی نہیں ہنسا کچھ پریشان سی ہو جاتی ہے۔ کیمرہ رفیق پر آتا ہے جو اضطراب کے عالم میں پہلو بدلتا ہے اور ایک دم نبیلہ کو سینے سے لگاتا ہے)

سین نمبر ۳

(دانیہ کا دفتر

تمکین کمرے کو ایک دکھ بھری سنجیدگی سے دیکھ رہی ہے کچھ سوچتی ہے جعفری اس کے بولنے کے انتظار میں کھڑا ہے تمکین نفی میں سر ہلاتی ہے)

تمکین : نہیں جعفری صاحب۔ میں اس کمرے میں نہیں بیٹھوں گی۔ یہاں کی ہر چیز پر امی کی چھاپ کچھ اس طرح لگی ہوئی ہے کہ میں بہت UNERSY ہو رہی ہوں۔

جعفری : جی۔ بہتر۔

تمکین : آپ ساری متعلقہ فائلیں اور کاغذات میرے آفس میں پہنچوا دیجئے۔

جعفری : اور یہ کمرہ ؟

تمکین : اسے بند رہنے دیجئے۔ یونہی۔ ہر چیز جیسے ہے ویسے پڑی رہنے دیجئے۔

(انیسہ کی کرسی کی پشت پر محبت سے ہاتھ پھیرتی ہے بے اختیار سی ہوکر اس پر بیٹھتی ہے ایسے انداز میں بولتی ہے جیسے اپنے آپ سے باتیں کر رہی ہو)

امی یوں بیٹھا کرتی تھیں ..... اس طرف کو ہوکر۔

(پین سٹینڈ سے قلم کو چھوتی ہے اسے نکال کر چند لمحے دیکھتی ہے اپنے رخسار کے ساتھ لگاتی ہے۔ چومتی ہے ایک لمبا سانس لیتی ہے۔)

ان کی خوشبو اب تک اس کمرے میں موجود ہے۔

(سر کرسی کی پشت پر ٹکاتی ہے چند لموں بعد سیدھی ہو کر جعفری سے مخاطب ہوتی ہے)

ایک تصویر لگوا دیجئے ان کی ——— یہاں

(عقبی دیوار کی طرف اشارہ کرتی ہے)

جعفری : جی بہتر۔

تمکین : (ڈاخش ٹیبل کا دروازہ کھولتے ہوئے) اس دراز میں ان کی چیک بکس اور۔

(ایک دم نظر کھلے ہوئے دراز پر پڑتی ہے۔ جہاں جمال اور انیسہ کی پکنک کی تصویر اوپر ہی پڑی ہے ایک دم خاموش ہو جاتی ہے۔ حیرت سے تصویر کی طرف دیکھتی ہے۔ تصویر نکالنے لگتی ہے۔ جعفری کی طرف دیکھ کر رک جاتی ہے۔ تصویر کے اوپر ہاتھ رکھتی ہے۔)

ٹھیک ہے آپ جائیں۔ میں ابھی آتی ہوں۔

(جعفری سر جھکا کر جاتا ہے تمکین آہستہ آہستہ تصویر سے ہاتھ اٹھاتی ہے۔ تصویر دراز سے نکال کر اپنے سامنے لاتی ہے سخت پریشان ہے تصویر کلوزمیں اگر آؤٹ آف فوکس سی ہوتی ہے۔ اس پر شیشہ ٹوٹنے کی آواز ابھر رہی ہوتی ہے۔)

نوٹ

یہ سین، گزشتہ سین کے دوران بطور فلیش بیک استعمال کیا جائے گا جہاں تمکین یہ کہتی ہے کہ انیسہ اس کرسی پر یوں بیٹھا کرتی تھی وہاں سے ہم فلیش بیک میں جاتے ہیں اور واپسی پر تمکین قلمدان سے قلم نکال کر چومتی ہے۔

سین نمبر ۴

(تمکین کے چہرے سے DISSOLVE کر کے دکھاتے ہیں کہ انیسہ اس کی جگہ بیٹھی ہے اور وہ خود اس کے سامنے کرسی پر بیٹھی ہے)

انیسہ : (مسکراتے ہوئے شفقت سے) ابھی یہ تو ٹھیک نہیں ۔ تین مہینے کام کرنے، اتنے ٹیکنیکل لیکچر سننے کے بعد تمہیں کم از کم ایک مہینہ تو تفریح کے لیے ملنا چاہیئے ۔

تمکین : نہیں امی آپ کے بغیر میرا جی نہیں لگتا کہیں !

(انیسہ کی کرسی کے پاس آکر کھڑی ہوتی ہے)

انیسہ : تو تمہارا کیا خیال ہے، میں بہت خوش رہوں گی تمہارے بغیر ۔

(محبت سے اپنا سر اس کے ساتھ لگاتی ہے ۔)

تمکین : (انیسہ کے ایک دو الجھے ہوئے بالوں کو سیٹ کرتے ہوئے بولتی ہے) سچ امی آپ کا حکم نہ ہوتا تو میں کبھی اس کورس پر نہ جاتی ۔

انیسہ : (محبت سے اسے تھپکتے ہوئے) مجھے پتہ ہے بیٹی ۔ مجھے پتہ ہے ۔ لیکن تمہارا یہ سب کچھ جاننا بہت ضروری ہے آخر ایک دن تمہیں ....

تمکین : پلیز امی ۔ اس طرح کی باتیں نہ کریں کبھی کبھی میں سوچتی ہوں ۔ اگر آپ کی جگہ میری سگی ماں ہوتی تو شاید وہ بھی مجھے اتنا پیار نہ دے سکتی ۔

انیسہ : (شرارت آمیز محبت سے) اچھا ۔ تو تم سوچ بھی لیتی ہو ۔

تمکین : (مصنوعی ناراضگی سے) امی ۔

انیسہ : (ہنستے ہوئے) چلو آج اسی خوشی میں تمہیں زبردست سی شاپنگ کروائیں ۔ ماشاءاللہ ہماری بیٹی سوچنے کے قابل ہو گئی ہے ۔ کوئی مذاق تھوڑا ہی ہے ۔

(دونوں ہنس کر ایک دوسرے کے گلے سے لگ جاتی ہے ۔

سین نمبر ۵

رفیق کا فیصل آباد کا گھر ۔

سحری کا وقت ، کہیں دور سے اذان کی آواز پس منظر میں سنائی دے رہی ہے ۔ کمرے میں ہلکی ہلکی تاریکی ہے ۔ چارپائیوں پر شفیق ، بھابی ، ناصر اور زبیدہ سو رہے ہیں کیمرہ ZOOM کرتا ہے ۔ رفیق پر آتا ہے جو دروازے میں کھڑا ان سب کی طرف دیکھ رہا ہے چہرے پر غم آمیز سنجیدگی ہے ۔ ہاتھ دروازے کی کنڈی پر مضبوطی سے جما ہوا ہے ۔ مڑنے کے لیے چہرہ موڑتا ہے اس پر سلامت ۔ اختر اور سعیدہ کے چہرے O/S ہوتے ہیں ایک لمحے کے لیے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ تینوں اسی کمرے میں موجود ہیں ۔ رفیق بے اعتباری کے انداز میں سر جھٹکتا ہے دیکھتا ہے کہ وہ کمرے

میں اکیلا ہے۔ فیصلہ کن انداز میں مڑتا ہے۔ دروازے سے باہر نکلتا ہے۔)

سین نمبر ۶

OUT DOOR

(ایک سنسان گلی سے صبح کے وقت رفیق گزر رہا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے نیند میں چل رہا ہو۔ کیمرہ اس کی پشت سے آہستہ آہستہ زوم آؤٹ کرتا ہے اس پر کسی گانے والے کی آواز سُپر ہوتی ہے۔ شعر کا پہلا مصرعہ گلی میں چلتے ہوئے رفیق پر اور دوسرا مصرعہ ایک پان سگریٹ کی دوکان پر لگے ہوئے ریڈیو پر سُپر ہوتا ہے جہاں سے رفیق سگریٹ خرید رہا ہے۔)

شعر: ہم نے جب وادیٔ غربت میں قدم رکھا تھا
دور تک یادِ وطن آئی تھی سمجھانے کو

رفیق چند لمحے ریڈیو کی طرف دیکھتا ہے۔ مڑ کر جاتا ہے۔

سین نمبر ۷

تمکین کا دفتر

(تمکین انیس اور جمال کی تصویر سامنے رکھے کسی گہری سوچ میں غرق ہے۔ بزر کی آواز سے چونکتی ہے ریسیور اٹھاتی ہے)

تمکین: یس، ہوں۔ ٹھیک ہے بھجوا دیں۔

(فون رکھتی ہے تصویر کے اوپر ایک فائل رکھتی ہے دروازہ کھلتا ہے۔ سعیدہ آتی ہے دروازے میں رکتی ہے)

سعیدہ: السلام علیکم۔

تمکین: وعلیکم السلام۔ بیٹھیے۔

(چند لمحے کی خاموشی دونوں ایک دوسرے کا جائزہ لیتی ہیں)

سعیدہ: میرا نام سعیدہ ہے میں....

تمکین: مجھے پتہ ہے جعفری صاحب نے بتایا ہے آپ کے بارے میں۔

سعیدہ: (اظہار افسوس کے لیے لفظ ڈھونڈنے کی کوشش کرتی ہے) بہت افسوس ہوا ہے مجھے.. وہ بہت اچھی۔ بہت نیک دل خاتون تھیں۔

تمکین: مسٹر جعفری بتا رہے تھے کہ امی آپ کو بہت پسند کرتی تھیں۔

سعیدہ: جی۔ ان کی طبیعت ہی ایسی تھی جی کہ....

(تمکین اثبات میں سر ہلاتی ہے۔ کچھ سوچ کر ایک دم سعیدہ کی آنکھوں میں دیکھتی ہے)

تمکین : اچھا مس سعیدہ ایک بات بتائیں۔ پچھلے دنوں ایک صاحب .... (فائل کے نیچے تصویر پر بے چینی
سے انگلیاں پھیرتی ہے) آپ نے کسی صاحب کو دفتر میں آتے جاتے دیکھا ہے؟

سعیدہ : (حیرت سے) دفتر میں تو لوگ آتے جاتے ہی رہتے ہیں ... اور ....

تمکین : میرا مطلب تھا، خاص طور پر کوئی شخص۔ نوجوان سا۔ چھوٹی چھوٹی مونچھیں ہیں۔

سعیدہ : (حیرت اور پریشانی سے) جی نہیں مس۔ آپ جعفری صاحب سے پوچھیں۔ انہیں شاید علم ہو۔

تمکین : (چند لمحے کچھ سوچتی ہے) OK FORGET ABOUT IT
(ایک لمحے کے وقفہ سے بولتی ہے)

آپ کیوں ملنا چاہ رہی تھیں مجھ سے۔

سعیدہ : (اس سوال سے کچھ پریشان سی ہو جاتی ہے) میں۔ میڈم کا افسوس کرنے کے لیے حاضر ہوئی تھی۔

تمکین : افسوس۔ ہاں۔ لیکن افسوس کرنے سے حاصل کچھ نہیں ہوتا مس سعیدہ۔ جانے والے تو ... چلے
جاتے ہیں۔ انہیں تو شاید خبر بھی نہ ہوتی ہو کہ ان کے لیے کون کون رو رہا ہے۔

سعیدہ : کہتے ہیں۔ نیک روحوں کا پتہ چل جاتا ہے۔ دلوں سے نکلنے والی دعائیں ضرور لگتی ہوں گی انہیں۔

(چند لمحے دونوں خاموش رہتی ہیں۔ تمکین اپنی سیٹ سے اٹھ کر کھڑی ہوتی ہے)

تمکین : اچھا مس سعیدہ۔ آپ کا بہت بہت شکریہ (سعیدہ ایک ایسا احتجاجی GESTUZE دیتی ہے
جیسے کہہ رہی ہو کہ اس میں شکریہ ادا کرنے کی کیا بات ہے یہ تو میرے دلی جذبات ہیں) میں ابھی ذرا
SETTLE - MENTALY نہیں ہو پائی۔

سعیدہ : سب کا یہی حال ہے۔

تمکین : چند دنوں تک امی کے سٹاف کو میں READJUST کروں گی۔ تب تک آپ اسی سیٹ پر بیٹھیں۔

سعیدہ : جی بہتر۔ مجھے اجازت ہے۔

(تمکین اثبات میں سر ہلاتی ہے۔ سعیدہ جاتی ہے تمکین فائل کے نیچے سے تصویر اٹھا کر
پریشانی کے عالم میں دیکھتی ہے)

سین نمبر ۸

فقیر حسین کا گھر۔

اختر : (مسیح سے) آپ بیٹھیے میں ابو کو بلاتا ہوں۔

(مسیح اسے روکنے کے لیے ہاتھ بڑھاتا ہے۔ اختر اس کی طرف دیکھے بغیر تیزی سے جاتا
ہے۔ مسیح مسکرا کر کندھے جھٹکتا ہے۔ شیلف سے ایک کتاب اٹھا کر دیکھتا ہے۔ چند
لمحوں بعد فقیر حسین اختر کے ساتھ کمرے میں داخل ہوتا ہے۔ اس کی کھانسی کی آواز
سن کر مسیح مڑتا ہے۔ ٹوپی اتارتا ہے۔

سمیع : السلام علیکم۔
فقیر حسین : وعلیکم السلام۔ بیٹھئے ایس پی صاحب۔ تشریف رکھیے۔
سمیع : یہ کیسے ہو سکتا ہے آپ میرے بزرگ ہیں۔
فقیر حسین : اللہ آپ کو خوش رکھے۔ آپ جیسے نوجوانوں کو دیکھ کر بہت جی خوش ہوتا ہے۔ جس معاشرے میں بزرگوں کی عزت کا جذبہ موجود ہو۔ اُس سے مایوس ہونا گناہ ہے۔ میں کل ہی اختر سے کہہ رہا تھا کہ ... (ایک دم رک کر اختر کی طرف دیکھتا ہے) اختر بیٹے۔ سمیع صاحب کے لیے کچھ ٹھنڈا .... چائے (سمیع سے مخاطب ہوتا ہے) کیا پئیں گے آپ؟
سمیع : جی کچھ نہیں۔ میں دراصل آپ کو ایک خوشخبری دینے کے لیے حاضر ہوا تھا۔
فقیر حسین : وہ بھی سنتے ہیں بھئی۔ مگر مہمان کا کسی گھر میں آنا بذاتِ خود ایک خوشخبری ہوتی ہے۔ مہمان کی خدمت سے خدا اور اس کا رسول خوش ہوتے ہیں۔ جاؤ اختر بیٹے۔
(اختر جاتا ہے۔ سمیع بے بس سا ہو کر اس کی طرف دیکھتا ہے)
سمیع : آپ کی مرضی۔ ویسے کوئی ضرورت نہیں تھی اس کی۔
(فقیر حسین ہاتھ کے اشارے سے اسے کہتا ہے کہ اس مسئلے پر بحث نہ کرو)
فقیر حسین : وہ خوشخبری سنائیں آپ۔
سمیع : سلطان کو ہم نے پکڑ لیا ہے۔
فقیر حسین : سلطان۔ کون؟
سمیع : سلطان وہی آدمی ہے فقیر حسین صاحب۔ جس نے آپ کے دفتر سے رقم چوری کر کے یہاں چھپائی تھی۔
(خوش ہو کر)
فقیر حسین : اچھا۔ پکڑ لیا۔ بھئی یہ تو آپ نے بہت اچھا کیا۔ تو گویا اس نے تسلیم کر لیا کہ۔
(ہاتھوں کے اشارے سے وضاحت کرتا ہے کہ سلطان نے اُسے پھنسایا تھا)
سمیع : جی ہاں۔ لیکن وہ یہ ماننے پر تیار نہیں کہ اس کام کے لیے اسے کسی نے اکسایا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ آپ نے ایک دن ڈاک خانے میں اس کی بے عزتی کی تھی۔ جس کا بدلہ لینے کے لیے اس نے یہ حرکت کی ہے۔
فقیر حسین : میں نے۔ اس کی بے عزتی کی تھی۔ مگر ایس پی صاحب۔ میں تو اسے جانتا بھی نہیں۔ اور پھر میں۔ کسی کی بے عزتی کیسے کر سکتا ہوں۔ میں تو ہمیشہ اپنے ماتحتوں کو بھی آپ کر کے بلاتا تھا۔
سمیع : مجھے پتہ ہے۔ لیکن وہ اپنی بات پر اڑا ہوا ہے۔ میں نے بہت کوشش کی ہے.... سزا میں کمی کروانے کا لالچ بھی دیا ہے.... مگر وہ اس طرف آتا ہی نہیں۔
فقیر حسین : میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ۔
سمیع : آپ فکر نہ کیجئے۔ میں اس کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔ شکر کی بات ہے کہ آپ کے ماتھے سے یہ داغ اُتر گیا۔

میں نے اس کی اطلاع آپ کے محکمے کو دے دی ہے۔

سین نمبر ۹

(ڈی جی کا دفتر)

ڈی جی: (شرمندہ انداز میں مسکراتے ہوئے) بہرحال فقیر حسین میں تو یہی کہوں گا اس کے گھر میں دیر ہے اندھیر نہیں مجھے خوشی ہے کہ وہ شخص پکڑا گیا اور تمہاری بے گناہی ثابت ہو گئی ہے۔ میری پوزیشن تم سمجھتے ہو فقیر حسین مجھے فیصلے کے لیے فائل دیکھنی پڑتی ہے۔

فقیر حسین: میں نے آپ سے اس دن بھی عرض کیا تھا سر۔ کہ کسی شخص کا کردار.... خیر چھوڑیئے اسے۔ جو کچھ ہوا یہ شاید میری تقدیر میں تھا۔ قدرت کو میرا امتحان منظور تھا یا کچھ اور۔ لیکن سر۔ مجھے یوں لگتا ہے۔ جیسے اس واقعے نے میری پوری زندگی کا۔ میری سوچ کا رخ موڑ دیا ہے۔ ان چند کانٹوں نے مجھے احساس دلایا ہے کہ میرے اردگرد بہت سے پھول بھی ہیں۔ کیسے کیسے لوگ ملے ہیں مجھے ان دنوں میں۔ اور تو اور میرا بیٹا مجھے مل گیا ہے۔

ڈی جی: (متاثر ہوتے ہوئے) شاید اسی کو ALL IS WELL THAT ENDS WELL کہتے ہیں۔ میں نے ہدایت کر دی ہے کل صبح تم اپنے دفتر کا چارج لے لو۔

(مسکراتا ہے)

فقیر حسین: نہیں سر۔ نوکری اب نہیں کرنی مجھے۔ (ہاتھ کے اشارے سے ڈی جی کو احتجاج سے روکتا ہے) نہیں۔ نہیں سر۔ میں یہ بات خدانخواستہ کسی غصے یا گلے کی وجہ سے نہیں کہہ رہا۔ میں نے یہ فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ ریٹائر تو میں ہونے والا ہوں۔ مہینہ بعد نہ سہی۔ آج سہی۔

ڈی جی: میں EXTENTION دوں گا تمہیں۔ دو سال کی۔

فقیر حسین: آپ کا بہت بہت شکریہ سر۔ اس پاک پروردگار نے میرے منہ سے بدنامی کی کالک اتار دی ہے۔ میرے لیے یہی بہت ہے۔

ڈی جی: مگر۔ فقیر حسین۔ تم۔ کیا کرو گے۔

فقیر حسین: آپ میرا پراویڈنٹ فنڈ اور دوسرے واجبات دلوا دیجئے۔ میں کچھ کاروبار کرنا چاہتا ہوں۔ اپنے بیٹے کے ساتھ مل کر۔

ڈی جی: سوچ لو فقیر حسین۔ میری طرف سے STANDING OFFER ہے محکمے کو کچھ تو COMPANSATION دینی چاہیئے تمہیں۔

فقیر حسین: نہیں سر۔ میں نے کبھی اپنے حق سے زیادہ نہیں مانگا۔ اب آخری عمر میں کیوں اپنا ریکارڈ خراب کروں۔

ڈی جی: تمہاری مرضی۔ لیکن ہم تمہیں بڑے اعزاز کے ساتھ رخصت کریں گے (فقیر حسین انکار کرنے کی کوشش کرتا ہے) بس بس۔ بہت باتیں مان لی ہیں ہم نے تمہاری۔ یہاں ضد نہیں چلے گی۔

سین نمبر ۱۰

ایک چھوٹا سا پنڈال۔

دپچیس تیس آدمی جن میں اختر۔ سوشین بابا، میں بیٹھے۔ خالہ۔ قریشی اور ڈی جی شامل ہیں۔
سٹیج پر فقیر حسین درمیان میں ہے اس کے گلے میں ہار پڑے ہیں۔ قریشی سٹیج سیکرٹری
ہے ڈی جی تقریر کر رہا ہے۔)

ڈی جی: آخر میں میں ایک بار پھر یہی کہوں گا کہ ہم سب کو فقیر حسین صاحب کی مثال سے روشنی اور رہنمائی حاصل کرنی چاہیئے اور اللہ سے دعا کرنی چاہیے کہ وہ ہم سب کو بھی ایسے ہی کردار سے بہرہ مند کرے۔ میں آپ سب کی طرف سے فقیر حسین صاحب کو سلام کرتا ہوں اللہ تعالیٰ انہیں ہمیشہ اپنے حفظ و امان میں رکھے
(تالیوں کی گونج میں ڈی جی بیٹھتا ہے۔ قریشی سٹیج پر آتا ہے)

قریشی: عزیز دوستو، اس سے پہلے کہ میں فقیر حسین صاحب سے درخواست کروں کہ وہ اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں۔ میں اپنے محکمے کے افسر اعلیٰ جناب بخاری صاحب سے عرض کروں گا کہ وہ ہم سب دوستوں کی جانب سے فقیر حسین صاحب کی خدمت میں یہ حقیر تحفہ پیش فرمائیں۔

(ایک آدمی بڑھ کر اسے تھیلی دیتا ہے۔ فقیر حسین کی مسکراہٹ سمٹتی ہے، ڈی جی مسکرا کر اٹھتا ہے تھیلی قریشی سے ڈی جی اور پھر ڈی جی سے فقیر حسین کے ہاتھ میں آتی ہے جو غیر ارادی طور پر تھیلی پکڑ لیتا ہے سب لوگ تالیاں بجاتے ہیں قریشی ایک قدم پیچھے ہٹ کر فقیر حسین کو راسٹرم تک پہنچنے کا راستہ دیتا ہے فقیر حسین تھیلی اٹھا کر اپنے سامنے رکھتا ہے بولنا شروع کرتا ہے۔

فقیر حسین: عزیز دوستو! آپ لوگوں نے جس محنت اور عزت کا اہل مجھے گردانا ہے، یقین جانیے میں اپنے آپ کو اس کے قابل نہیں سمجھتا۔ کسی شخص کا ایماندار، فرض شناس اور با اصول ہونا کوئی غیر معمولی خوبی نہیں ہے یہ تو ہر انسان کا فرض ہے۔ اس کے بغیر انسان آدمی رہتا ہے انسان نہیں بنتا۔ (تھیلی اٹھا کر دوبارہ میز پر رکھتا ہے) یہ رقم جو آپ نے میرے لیے جمع کی ہے۔ اس عظیم جذبے کا ثبوت ہے جس نے انسان کو دوسری مخلوقات سے اشرف اور افضل بنایا ہے۔ میرے دل میں اس کے لیے بڑی قدر ہے۔ مگر دوستو، میں یہ رقم قبول نہیں کر سکتا (مختلف لوگوں کے REACTIONS) آپ برا نہ مانیے گا۔ میرے پاس آپ کی دعا سے میری ضرورت کے مطابق موجود ہے۔ یہ رقم آپ میری طرف سے ان دوستوں کے لیے رکھ لیجئے جنہیں واقعی اس کی ضرورت ہے۔

ڈی جی: مگر فقیر حسین...

(فقیر حسین ہاتھوں کے اشارے سے اسے منع کرتا ہے لوگوں کی طرف منہ کر کے شکریے کا سلام کرتا ہے اس پر تالیوں کی آواز بلند ہوتی ہے۔)

سین نمبر ۱۱

فقیر حسین کا گھر

سعیدہ : (خوشی اور محبت سے فقیر حسین کے شانے پر سر رکھتی ہے) آپ نے بہت اچھا کیا ہے ابو۔ آپ واقعی بہت بڑے ہیں۔

اختر : سچ سعیدہ، اتنی تالیاں بجائیں لوگوں نے کہ میں تمہیں کیا بتاؤں۔ ہر شخص ابو کے گُن گا رہا تھا اور جس وقت ابو نے وہ تھیلی واپس کی ہے..... اس وقت تو کچھ نہ پوچھو۔ سب بھکے بکے ہو کر ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے تھے۔

سعیدہ : اور کیا۔ آج کل کون ہاتھ آئی رقم چھوڑتا ہے۔

فقیر حسین : اچھا بھئی اب بس کرو۔ بہت ہو چکی ہے۔ اب ذرا آرام سے بیٹھ کے میری بات سنو۔ مجھے تم دونوں سے ایک ضروری مشورہ کرنا ہے۔

اختر : (ہنستے ہوئے) مشورہ کرنا ہے تو مجھ اکیلے سے ہی کر لیں۔ کیونکہ ایک تو عورتیں ویسے ہی عقل سے پیدل ہوتی ہیں اس پر ہماری سسٹر کچھ زیادہ ہی.....

(ہاتھ سے اشارہ کرتا ہے کہ دماغ کی کمزور ہے)

سعیدہ : (بچوں کی طرح جھگڑتے ہوئے) تم تو بڑے منشی فاضل ہو، نا۔ اس دن ہوائی جہاز کو ایڈیسن کی ایجاد کون بتا رہا تھا؟

اختر : (شرمندہ ہو کر) وہ تو۔ وہ تو۔ اب ایڈیسن کی اتنی ایجادیں ہیں، ایک ہوائی جہاز کے ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے۔

سعیدہ : بڑے بے شرم ہو۔

(کان مروڑتی ہے اختر مصنوعی شور مچاتا ہے۔)

اختر : دیکھئے ابو۔

فقیر حسین : (مسکراہٹ روکتے ہوئے) اتنے بڑے بڑے ہو گئے ہو تم دونوں، لیکن پھر بھی بچوں کی طرح لڑتے رہتے ہو۔ چلو سعیدہ تم ہی چھوڑ دو۔

(دونوں ایک دوسرے سے بدلہ لینے کے مصنوعی اشارے کرتے ہیں)

دراصل میں نے سوچا ہے کہ یہ مکان فروخت کر دیا جائے۔

(دونوں بہن بھائی حیرت سے اس کی طرف دیکھتے ہیں جیسے چند لمحے بات اُن کی سمجھ میں نہیں آئی۔)

سعیدہ : مگر ابو۔

اختر : یہ کیسے ہو سکتا ہے ابو۔

نقیر حسین: کیوں نہیں ہو سکتا۔ پراویڈنٹ فنڈ کی رقم اور اس مکان کے پیسے ملا کر ہم کوئی اچھا کاروبار شروع کر سکتے ہیں۔ بھئی سچ پوچھو تو تمہارے اس دوست رفیق کی باتیں بہت لگی ہیں میرے دل کو۔

(سعیدہ کا ری ایکشن (REACTION)

اختر: مگر ابو۔ ان لوگوں نے ہمارے ساتھ جو کچھ کیا ہے اس کے بعد بھی۔

نقیر حسین: مکان میں احمد علی کے پاس تو نہیں بیچوں گا بیٹا۔ اس کے ہاتھ تو کسی قیمت پر نہیں بیچوں گا۔

سعیدہ: (سوچتے ہوئے) لیکن ابو۔ اگر۔ مکان بیچنا ہی تھا تو...... اس دن چچا احمد علی کو ہی....

نقیر حسین: یہ بات نہیں ہے بیٹی۔ احمد علی نے مکان کی نہیں۔ میری قیمت لگائی تھی۔ میرے اور اپنے رشتے کو نیلام کیا تھا۔ میں انسان ہوں بیٹی، بکاؤ مال نہیں ہوں۔

اختر: (باپ کی بات کے تاثر سے نکلنے کے لیے چند لمحے لیتا ہے) آپ نے کیا سوچا ہے۔

نقیر حسین: میں نے قریشی صاحب سے اور ایک دو اور دوستوں سے مشورہ کیا ہے.... وہ سب تو پرنٹنگ پریس لگانے کی صلاح دیتے ہیں.... ترقی کے امکانات بہت ہیں اس میں۔

(سعیدہ بھی اثبات میں سر ہلاتی ہے)

اختر: (سوچتے ہوئے) ہاں، ہیں تو۔ کیوں سعیدہ۔

سین نمبر ۱۲

احمد علی کا گھر۔

(احمد علی جہانگیر کے استقبال کے لیے اٹھتا ہے۔ لیکن آج اس کے انداز میں تپاک کی کمی ہے جسے سردار جہانگیر فوراً نوٹ کرتا ہے۔ احمد علی اپنی کرسی سے تھوڑا سا اٹھ کر ہاتھ ملاتا ہے پھر بیٹھ جاتا ہے۔)

احمد علی: آیئے آیئے سردار صاحب۔ تشریف رکھیئے۔

جہانگیر: کیسے مزاج ہیں سائیں۔

احمد علی: اللہ کی مہربانی ہے کرم نوازی ہے اس کی۔

جہانگیر: (عابد کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے) اور کیا حال ہے اپنے برخوردار سائیں کا یہ تمہارا بھائی ہے پُتر۔

(لڑکے سے تعارف کراتا ہے)

عابد: اوہ۔ HOW DO YOU DO۔

(لڑکا مسکرا کر سر ہلاتا ہے)

احمد: (لڑکے سے مصافحے کے لیے ہاتھ آگے بڑھاتا ہے) اچھا۔ اچھا۔ برخوردار ہے ماشاءاللہ۔ کیا پئیں گے سردار صاحب۔

جہانگیر: کچھ نہیں سائیں۔ یہ اپنے برخوردار کا کچھ معاملہ تھا یونیورسٹی میں۔ اس کے لیے آیا تھا۔ اپنا کام

کیسا چل رہا ہے؟

احمد : اپنا کام ہے — وہ تو کچھ اٹک سا گیا ہے سردار صاحب۔ عابد — بیٹا ذرا چائے کے لیے کہنا۔

(جہانگیر غور سے احمد علی کی طرف دیکھتا ہے جو زبردستی اپنے آپ کو کسی فائل میں مصروف دکھانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس کے چہرے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ کسی سوچ میں پڑ گیا ہے۔ ایک دم مسکراتا ہے)

جہانگیر : اٹکنے سے کچھ نہیں ہوتا سائیں۔ کام کو رکنا نہیں چاہیئے۔ کیا پرابلم ہے؟

(عابد جہانگیر کے لڑکے شہباز کا ہاتھ پکڑ کر کونے والے صوفے کی طرف جاتا ہے جہاں وہ اپنی باتوں میں لگ جاتے ہیں)

احمد : (ابھی تک براہ راست بات کرنے سے کترا رہا ہے) پرابلم کوئی ایسا خاص نہیں — اور ہے بھی — بس کچھ دل کھٹا سا ہو گیا ہے۔ کچھ دنوں سے عجیب عجیب خواب آ رہے ہیں اس کے متعلق۔

جہانگیر : کاروباری فیصلے خوابوں سے نہیں سائیں، کھلی آنکھوں سے ہوتے ہیں — اور اب تو سب باتیں طے ہو چکی ہیں — میرا وکیل نہیں ملا آپ سے۔

احمد : ملا تھا — اور سچ پوچھیے تو سردار صاحب — اس کی باتیں سن کر ہی میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ VENTURE ہم دونوں کو سوٹ (SUIT) نہیں کرتا۔

جہانگیر : نہ — نہ — نہ — سائیں..... ایسی غمگین باتیں نہیں کرتے — کاروبار کو مارو گولی.... پر آپ کے دل میں میری کسی بات سے بدگمانی ہو، کوئی تکلیف پہنچے آپ کو — یہ میں نہیں ہونے دوں گا — اعتماد کے بغیر تو آدمی کوڑی کا نہیں رہتا سائیں — آپ حکم کرو — جو بات آپ کو اچھی نہیں لگتی اس کو نکالے دیتے ہیں ایگریمنٹ سے۔

(نوکر باری باری سب کے پاس چائے لے کر جاتا ہے جو اپنی مرضی سے دودھ اور چینی ملاتے ہیں)

احمد : (UNEASY انداز میں پہلو بدلتا ہے) یہ تو خیر ایک بات تھی سردار صاحب — اس کے علاوہ بھی کچھ مسائل ہیں — میری سائڈ پر — میرے خیال میں اس کو ہم ڈراپ ہی کر دیتے ہیں — NEXT TIME سہی۔

جہانگیر : (مسکراہٹ کمتی ہے۔ سنجیدہ انداز میں بولتا ہے) مرد کی زبان اس کی آن ہوتی ہے سائیں — زندگی کوئی ڈرائنگ کی کاپی نہیں ہوتی کہ لکیریں ڈالتے جاؤ اور جب جی میں آئے مٹا دو۔

احمد : آپ ٹھیک فرما رہے ہیں۔ لیکن شاید اس پراجیکٹ کے سلسلے میں ہمارے ستارے نہیں مل رہے آپس میں۔ (پلیٹ کی طرف اشارہ کر کے) یہ بسکٹ لیجیے۔

جہانگیر : ستارے اگر ڈٹ نہ جائیں سائیں (بسکٹ توڑتا ہے) تو انہیں ملانے کی صورت نکالی جا سکتی ہے۔

(ایک دم مسکرا کر اپنے پرانے انداز میں واپس آتا ہے) اس کے مسکرانے سے احمد علی کی INTENTION فوری کی واقفیت ہوتی ہے خوامخواہ مسکرا دیتا ہے) بسکٹ بڑے خستہ ہیں سائیں یہی فائدہ ہے شہر میں رہنے کا۔ آپ بھی لونا۔

احمد: (بے اختیاری میں بسکٹ پکڑتا ہے) شکریہ۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔۔۔۔

جہانگیر: نہ سائیں نہ۔ اب اور کچھ مت کہو۔ دل پر خراش سی آگئی ہے میرے۔ مگر ایک بات یاد رکھو سائیں سردار جہانگیر ایک بار جو ہاتھ پکڑ لیتا ہے۔ چھوڑتا نہیں ہے۔ بھاگنے نہیں دوں گا آپ کو۔ (مسکراتا ہے)

احمد: (پریشانی میں) جی۔ لیکن۔

جہانگیر: ہم گاؤں کے آدمی ہیں سائیں۔ سیدھی سیدھی سچی دل کی بات کرتے ہیں۔ آپ ہمیں اچھے لگے ہو اب تمہیں کسی اور کا نہیں ہونے دیں گے۔ (احمد کچھ کہنے کی کوشش کرتا ہے جہانگیر اشارے سے روک کر اپنی بات جاری رکھتا ہے) جلدی نہیں کرتے سائیں۔ سوچتے ہیں دونوں بھائی مل کر ایک دفعہ پھر سوچتے ہیں رستہ نکل آئے گا کوئی۔ رستہ نکل آیا کرتا ہے سائیں۔۔۔۔ اچھا اب اجازت دو۔۔۔۔ شام کو آؤ نا ہمارے غریب خانے پر۔ ذرا گپ شپ کریں گے۔ (بیٹے سے) شہباز آؤ پتر۔

شہباز: (عابد سے) اچھا عابد صاحب پھر ملاقات ہوگی انشاء اللہ۔ IT WAS A NICE MEETING

عابد: OH — SURE!

شہباز: (احمد سے ہاتھ ملاتے ہوئے) اچھا انکل۔ خدا حافظ۔

جہانگیر: فی امان اللہ سائیں۔ (عابد کے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہے) تم بھی آنا پتر اپنے والد صاحب کے ہمراہ۔ تم سے تو بات ہی نہیں ہوئی۔

عابد: جی ضرور۔

جہانگیر: اچھا خدا حافظ۔ آؤ پتر۔

(دونوں جاتے ہیں احمد اضطراب کے عالم میں مٹھیاں بھینچتا ہے)

عابد: کیا بات ہے ڈیڈ۔

احمد: کچھ نہیں۔ یہ سردار جہانگیر میری توقع سے بھی زیادہ چالاک ہے۔ پروں پر پانی ہی نہیں پڑنے دیتا۔

(عابد کچھ نہ سمجھنے کے انداز میں کندھے جھٹکتا ہے۔ احمد دوبارہ سوچ میں پڑ جاتا ہے)

سین نمبر ۱۳

آؤٹ ڈور۔

(گاؤں کے ایک کنوئیں پر رفیق پانی پی رہا ہے، دو تین چھینٹے اپنے منہ پر ڈالتا ہے۔ گاؤں کی طرف دیکھتا ہے، جس کے مکانات کھیتوں کے پار نظر آرہے ہیں چند لمحے دیکھتا رہتا ہے کہیں دور سے کسی کے ماہیا گانے کی آواز آتی ہے آہستہ آہستہ آواز کی طرف چلتا ہے، اس کی پشت سے زوم آؤٹ کر کے سامنے کی طرف سے لانگ شاٹ میں اسے آتے ہوئے دکھاتے ہیں۔ ایک طرف درخت کے نیچے چارپائیوں پر تین چار کسان بیٹھے ہیں ایک آدمی ماہیا گا رہا ہے۔ کسان آتے ہوئے رفیق کو دیکھ کر ایک دوسرے کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہیں رفیق ایک لمحے رک کر کچھ سوچتا ہے پھر ان کی طرف آتا ہے گانے والا خاموش ہو جاتا ہے۔)

رفیق : السلام علیکم۔

کسان : وعلیکم السلام۔

ایک دیہاتی : آؤ بھائی، بیٹھو۔ چارپائی پر جگہ بناتا ہے) کہاں سے آرہے ہو۔

رفیق : (بیٹھنے سے انکار کرتے ہوئے) مہربانی۔ مجھے ایک آدمی کا پتہ کرنا ہے۔ دس بارہ سال پہلے یہیں رہتا تھا۔ فیض رسول نام ہے اس کا۔

دیہاتی : فیض رسول۔ اپنے چوہدری کرم الٰہی کا پتر۔ (رفیق اثبات میں سر ہلاتا ہے) ادھر۔ مسجد سے آگے گھر ہے اس کا۔ دو منزلہ چوبارہ ہے۔

رفیق : اچھا۔ بہت بدل گیا ہے گاؤں نئے نئے مکان بن گئے ہیں۔ بجلی آگئی ہے نا۔

دیہاتی : تم یہاں پہلے آئے ہوئے ہو بھائی۔

رفیق : میں۔ یہاں۔ آیا نہیں۔ گیا تھا یہاں سے۔ اچھا۔ بڑی مہربانی۔ رب راکھا۔

(رفیق جاتا ہے دیہاتی حیرت سے اس کی طرف دیکھتے ہیں۔ ماہیا دوبارہ شروع ہوتا ہے۔)

سین نمبر ۱۴

حویلی کا صحن۔

(رات کا وقت۔ رفیق ایک چارپائی پہ چادر لپیٹے سو رہا ہے فیض رسول نوکر کے ساتھ آتا ہے دروازے کھلنے کی آواز پر ایک دم رفیق آنکھیں کھول دیتا ہے اٹھ کر بیٹھتا ہے دونوں چند لمحے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہتے ہیں جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہے ہوں۔ رفیق مسکراتا ہے ایک دم فیض رسول کے چہرے پہ پہچان کی روشنی

پھوٹتی ہے)

فیض رسول: تم ۔ تم رفیق ہو نا۔

(رفیق مسکراتا ہے دونوں ہنستے ہوئے ایک دوسرے کے گلے سے لپٹ جاتے ہیں)

اوئے تو کہاں تھا ظالما۔ اور یہ کیا شکل نکال لی ہے۔

رفیق: اپنی طرف بھی تو دیکھ۔

فیض رسول: تو تھا کہاں۔ کیا کرتا رہا ہے۔ کیا کر رہا ہے۔ کہاں سے آیا ہے؟

رفیق: اتنے سارے سوالوں کے جواب کے لیے کئی دن چاہئیں اور میرا بھوک کے مارے برا حال ہے۔

فیض رسول: تو نے کھانا کیوں نہیں کھایا۔ گھر میں پوچھ رہے تھے کہ یہ کیسا مہمان ہے جو آدھی رات تک کھانا نہیں کھاتا۔

رفیق: میں نے سوچا تو آئے گا تو دونوں اکٹھے کھائیں گے۔

فیض رسول: اچھا۔ کھانا تو میں کھا آیا ہوں۔ پر تیری خاطر پھر کھا لوں گا۔ ٹھہر پہلے میں تیری بھابی کو روٹی کا کہہ دوں پھر باتیں کرتے ہیں۔

رفیق: تو شادی ہو گئی تیری

فیض رسول: اب کی۔ چھ سال ہو چکے ہیں اب تو۔ دو بچے ہیں۔ ایک لڑکا۔ ایک لڑکی۔

رفیق: تجھے تو خاندانی منصوبہ بندی والوں کی طرف سے انعام ملنا چاہیئے۔

فیض رسول۔ اور تجھے پتہ ہے تیری بھابی کون ہے (شرارت سے مسکراتا ہے۔ رفیق اشارے سے پوچھتا ہے کون) چاچے رحمے کی۔

رفیق: نہیں۔

فیض: تیرے سر کی قسم۔ ابھی دیکھ لینا خود۔

رفیق: بڑا استاد ہے یار تو۔ لیکن مبارک ہو۔

فیض: اس مولا کا کرم ہے یار۔ ہم کس قابل تھے۔

رفیق: پیچھے تو تو ان دنوں بھی تھا اس کے۔ روز سکول کا کام کر کے دیا کرتا تھا۔ یاد ہے نا۔

فیض: یاد کیوں نہیں ۔ ایسی عادتیں خراب کی ہیں اس کی۔ اب برتن صاف کرواتی ہے۔

(دونوں ہنستے ہیں)

سین نمبر ۱۵

انیسہ کا بیڈ روم

تکین انیسہ کے کمرے کے دروازے کے سامنے رک کر کچھ دیر سوچتی ہے۔ تالا کھول کر اندر آتی ہے۔ لائٹ جلاتی ہے۔ الماری کھول کر مختلف چیزیں دیکھتی ہے۔ ڈائری میں

سے بہت سی تصویریں گرتی ہیں جھک کر انہیں اٹھاتی ہے۔ ڈائری ایک طرف رکھ کے بستر پہ بیٹھ کر تصویریں دیکھتی ہے تصویریں ڈائری کے اوپر رکھ کر دونوں ہاتھوں سے پریشانی کے عالم میں کنپٹیاں دباتی ہے۔ تصویریں ڈائری کے اندر رکھ کر ڈائری بند کرنے لگتی ہے ایک دم رک جاتی ہے۔ جلدی سے ڈائری دوبارہ کھولتی ہے چند ورق الٹتی ہے۔ ایک جگہ رک جاتی ہے۔ پڑھتی ہے۔ انیسہ کی آواز ا/ر ہوتی ہے)

آواز : آج دفتر سے واپسی پر راستے میں اچانک کچھ بدمعاشوں نے میری گاڑی روک لی۔ اور پرس چھیننے کی کوشش کی، وہ تو میری خوش قسمتی کہ جمال فیبرکس کے مسٹر جمال ادھر سے گزر رہے تھے۔ انہوں نے بدمعاشوں کو روکنے کی کوشش کی لیکن وہ انہیں زخمی کر کے بھاگ گئے۔ جمال صاحب کو میں گھر لے آئی ہوں۔ شاید ان کے بارے میں میرا اندازہ غلط تھا کہ وہ ایک بگڑے ہوئے امیر زادے ہیں۔ پتہ نہیں یہ اچانک لوگوں کو کیا ہو جاتا ہے۔

(آواز فیڈ آؤٹ ہوتی ہے تمکین چند لمحے کچھ سوچتی ہے)

تمکین : جمال --؟

(اپنے آپ سے بولتی ہے صفحے الٹتی چلی جاتی ہے۔ چہرے کے تاثرات بدلتے ہیں۔ ڈائری کے ایسے صفحے پر آتے ہیں جس کے سامنے کا صفحہ خالی ہے تحریر پر انیسہ کی آواز ا/ر ہوتی ہے)

آواز : (قسط نمبر ۱ کے سین نمبر ۱۸ کا حصہ تمکین پر ا/ر ہوتا ہے۔

(تمکین گہرے غم کے ساتھ ڈائری بند کرتی ہے جمال کی تصویر (اکیلی) نکال کر دیکھتی ہے آہستہ آہستہ چہرے پر غصے کے تاثرات آتے ہیں۔ تصویر ہاتھوں میں مسلتی ہے)

سین نمبر ۱۶

حویلی کا صحن۔

(رات کا وقت)

رفیق : (جذبات سے گہری آواز میں بولتا ہے) اب تمہیں بتاؤ فیض، میں ان لوگوں کو کیسے چھوڑ دوں..... کیسے بھول جاؤں سب کچھ۔

فیض : تم ٹھیک کہتے ہو۔ ظالم کو اس کے ظلم کی سزا ملنی چاہیئے۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔

رفیق : نہیں -- فیض نہیں۔ تم بال بچوں والے ہو۔ بس انہیں ڈھونڈنے میں میری مدد کر دو۔ باقی سب مجھ پر چھوڑ دو۔

فیض : یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ مجھے وہ وقت اچھی طرح یاد ہے جب تم اپنی بھابی اور اس کے بچوں کو لے کر یہاں سے نکلے تھے اور کوئی چار قدم تمہارے ساتھ چلنے کو تیار نہیں تھا...... اس وقت میں بھی تمہاری طرح

بکو نگر گیا تھا۔ رفیق مگر اب ۔ اب نہیں ۔

رفیق : (ڈھارس بندھانے کے انداز میں تسلی دیتے ہوئے) اچھا ، اچھا ، دیکھی جائے گی ۔ پہلے یہ تو پتہ چل لے کہ وہ لوگ کون تھے ۔ کہاں ہیں ۔

فیض : سمی پور کا اے ایس آئی میرا واقف ہے ۔ وہ ان دنوں یہاں ، ہیڈ کانسٹیبل ہوتا تھا ۔ اس سے پتہ کرتے ہیں ۔

رفیق : تو چلو ۔

فیض : اس وقت ۔۔ ابھی تو آدھی رات باقی ہے ۔ دو دن ہنڈ میں رہو ۔ لوگوں سے ملو ۔ ہو سکتا ہے کسی بزرگ سے کچھ سوکو مل جائے ۔

رفیق : نہیں فیض ۔ جو اس وقت نہیں بولے اب کیا بولیں گے ۔ اور پھر اس خبر سے وہ لوگ ہوشیار بھی ہو سکتے ہیں میں ان کو اسی طرح اچانک پکڑنا چاہتا ہوں جس طرح وہ ہمارے گھر میں آگ لگانے کے لیے آئے تھے ۔ چپ چپیتے اور خموش ۔

سین نمبر ۱۷

(رفیق کو مختلف لوگوں سے ملتا اور پوچھ گچھ کرتا دکھاتے ہیں آخری سین میں ایک آدمی کھیتوں کے درمیان ایک پگڈنڈی پر کھڑا دور کسی بستی کی جانب اشارے کر کے کچھ بتا رہا ہے)

سین نمبر ۱۸

(تمکین کا دفتر)

تمکین : (دبے دبے غصے کے ساتھ ، دیکھئے مسٹر جعفری ۔ آپ کو پتہ ہے مجھے جھوٹ سے سخت نفرت ہے ۔ مجھے اپنے سوالوں کا جواب چاہیئے ۔ یہ آئیں بائیں شائیں ختم کیجئے ۔

جعفری : یس میڈم ... دراصل میڈم ۔ میں نے اس ادارے کا نمک کھایا ہے اور .... میرے نزدیک اس کی عزت ....

تمکین : آپ کی اور اس ادارے کی عزت اس میں ہے کہ آپ سچ بولیں ۔ مجھے صرف ہاں اور نہیں جواب چاہیئے ۔

UNDER STAND ——

جعفری : جی ۔

تمکین : (ایک تصویر اس کے آگے رکھتے ہوئے) یہ تصویر مسٹر جمال کی ہے ۔

جعفری : (چور نظروں سے تصویر کی طرف دیکھتا ہے) جی ۔

تمکین : جس دن ان کی DEATH ہوئی ہے ۔ یہ شخص کہاں تھا ۔

جعفری : جی ۔۔ اپنے دفتر میں تھا ۔ غالباً ۔

تمکین : کیا اس دن امی اس سے ملی تھی۔

جعفری : جی شاید۔

تمکین : ایک جواب دیجئے۔

جعفری : وہ مجھے کہہ گئی تھیں کہ اگر کوئی ضروری بات ہو تو ان سے (تصویر کی طرف اشارہ کرکے) مسٹر جمال کے دفتر میں CONTACT کروں۔

تمکین : (لمبی سانس لیتے ہوئے) اوہ — آئی سی۔ تو گویا... اچھا یہ بتلایئے امی نے کچھ رقم بھی دی تھی اس شخص کو۔

جعفری : (سر جھکاتے ہوئے) جی۔

تمکین : (جیسے ساری بات سمجھ میں آگئی ہو۔) ہوں۔

جعفری : میری تو خود سمجھ میں نہیں آیا جی۔ میڈم جیسی سمجھدار اور... یہ آدمی بڑا افراڈ ہے جی۔ اسی نے میڈم کو۔

تمکین : (ہاتھ کے اشارے سے اسے چپ کراتی ہے۔ شدید طیش کو دبانے کے انداز میں ایک ایک لفظ علیحدہ کرکے بولتی ہے) ذرا فون تو ملایئے اس سے۔ (اٹھتے ہوئے جعفری کو اشارے سے روکتی ہے۔)

فون نہ ملوایئے۔ میں۔ اس سے خود ملوں گی۔

(جعفری حیرت سے اس کی طرف دیکھتا ہے۔)

(تمکین کا کلوز جس کا چہرہ اندرونی تمازت سے جل رہا ہے۔)

13

کردار

•فقیرحسین •سعیدہ •اختر •احمد علی •عابد •خالد •رفیق •جمال
•تمکین •جہانگیر •سلامت •ریاست •فیض رسول •مستری •ملنگ
•کسان •لیاقت اے ایس آئی •وکیل •راہگیر •ویٹر •سپاہی •گاہک
•گھریوال۔

سین نمبر۱

(سڑک کے کنارے تمکین گاڑی کا بونٹ اٹھائے کھڑی ہے۔ سڑک سے گزرنے والی مختلف گاڑیوں کو دیکھ رہی ہے دور سے جمال کی گاڑی نظر آتی ہے۔ آگے بڑھ کر اسے ہاتھ سے رکنے کا اشارہ کرتی ہے۔ جمال گاڑی روکتا ہے۔ تمکین ڈرائیونگ سیٹ کی کھڑکی کے پاس آتی ہے۔ چہرے سے گھبراہٹ اور پریشانی نمایاں ہے)

تمکین : سنیئے۔

جمال : جی۔

تمکین : میری گاڑی میں کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے۔ WILL YOU PLEASE HELP ME.

جمال : (اترتے ہوئے) انجن کے بارے میں، میں کچھ زیادہ تو نہیں جانتا…… آیئے دیکھتے ہیں۔

(ڈسٹری بیوٹر کی تاریں اور پلگ وغیرہ چیک کرتا ہے تمکین اس اثنا میں اس کا جائزہ لیتی ہے نظر ملنے پر چہرے کا تاثر بدلتی ہے۔ جمال ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر سیلف مارتا ہے)

جمال : بیٹری کا کچھ نقص لگتا ہے۔

تمکین : اوہ۔ یہاں قریب کوئی سروس سٹیشن ہے۔

جمال : جی ہاں۔ کوئی دو فرلانگ آگے ہے۔ پٹرول پمپ کے ساتھ۔

تمکین : آپ ایک تکلیف کریں گے۔

جمال : فرمائیے۔

تمکین : کسی مکینک کو بھجوا دیجئے یہاں۔

جمال : جی بہتر۔

تمکین: THANK YOU VERY MUCH

جمال: (مسکراتے ہوئے) ITS MY PLEASURE

تمکین: (اپنی گاڑی کا بونٹ گراتے ہوئے) تو میں انتظار کرتی ہوں۔

جمال: اگر آپ پسند کریں تو میں آپ کو پٹرول پمپ پہ ڈراپ کر دیتا ہوں۔ آپ وہاں آرام سے بیٹھیں مکینک گاڑی ٹھیک کر کے وہیں لے آئے گا۔

تمکین: (مصنوعی ہچکچاہٹ سے) جی نہیں۔ شکریہ۔ I WILL STAY HERE

جمال: AS YOU LIKE.

(گاڑی میں بیٹھ کر گاڑی سٹارٹ کرتا ہے ہاتھ ہلا کر رخصت ہوتا ہے۔ تمکین بھی خدا حافظ اور شکریہ کا ملا جلا تاثر دیتی ہے۔ جمال کے فریم سے آؤٹ ہونے پر اس کے چہرے سے مسکراہٹ سمٹتی ہے۔ بونٹ اٹھا کر ایک دو تاریں FIX کرتی ہے گاڑی سٹارٹ کر کے جاتی ہے چہرے پر گہری سنجیدگی کے آثار ہیں۔

سین نمبر ۲

جہانگیر کا شہری گھر۔

(جہانگیر کسی گہری سوچ میں کاغذات بار بار اُلٹ پلٹ کرتا ہے۔ وکیل خاموشی سے اس کے بولنے کا منتظر ہے)

جہانگیر: تم نے ہمارے پارٹنر کو ناراض کر دیا ہے سائیں۔

وکیل: میں نے تو آپ کے حکم کی تعمیل کی ہے سردار صاحب۔ آپ نے خود ہی تو فرمایا تھا کہ۔۔۔

جہانگیر: سائیں۔ سائیں۔ سائیں۔ ایک تو شہر کے لوگوں میں یہ بڑی خرابی ہے۔ بات کے چہرے پر جاتے ہیں اس کے اندر نہیں دیکھتے۔ کسی آدمی کو کمرے سے نکالنے کے لیے "تشریف لے جائیے" بھی کہا جا سکتا ہے اور ٹھڈا بھی مارا جا سکتا ہے۔ اتنی سمجھ تو آدمی میں ہونی چاہیے نا سائیں۔

وکیل: لیکن سردار صاحب۔

جہانگیر: یہ عدالت نہیں ہے سائیں۔ کیوں ہر بات کے لیے دلیلیں نکالتے ہو۔ دیکھو سائیں اگر کسی سے کوئی بات منوانی ہو تو سب سے پہلے اس کی مدافعت کو RESISTANCE کو توڑتے ہیں۔ پیار سے محبت سے۔ مسوڑھا سوجا ہوا ہو نا سائیں تو ڈاکٹر دانت نہیں نکالتا۔ پہلے دوائی دے کر SWELLING کو ختم کرتا ہے۔ تم نے تو جھوٹ ملی کو ہیتے سے اکھاڑ دیا ہے۔

وکیل: میں نے تو آپ کے مفادات کا تحفظ کیا ہے سردار صاحب۔

THIS IS MY DUTY.

جہانگیر: تمہاری ڈیوٹی یہ ہے سائیں کہ میری بات کو غور سے سنو اور اچھی طرح سمجھ لو کہ میں کیا چاہتا ہوں۔ اپنے مفادات

کے تحفظ کے لیے ہیں تمہارے ان کاغذوں کا محتاج نہیں ہوں۔ بھلے نا سائیں۔ کاروبار میں کاغذ نہیں بندہ ATTACH کرتا ہے۔ انہیں لے جاؤ اور اس DEED کا لہجہ ذرا نرم کرو۔

وکیل : (کاغذات سمیٹتا ہے) جی بہتر۔

جہانگیر : تم نے ہاتھی دیکھا ہے سائیں۔

وکیل : (حیرت سے) جی۔ جی ہاں۔

جہانگیر : وہ محاورہ بھی سنا ہوگا کہ اس کے کھانے کے دانت اور ہوتے ہیں اور دکھانے کے اور۔

وکیل : جی ہاں۔

جہانگیر : تو سائیں اس کے بھی کھانے کے دانت ذرا چھپا کر رکھو۔ نیچے رکھو ان کو لفظوں کے۔ میری بات سمجھ گئے ہو۔ سائیں۔

وکیل : (اثبات میں سر ہلاتے ہوئے) جی۔ بالکل۔

جہانگیر : جاؤ۔ اللہ بیلی۔

(وکیل کاغذات اٹھا کر مؤدب اور ڈرے ہوئے انداز میں جاتا ہے۔ دروازے پر ریاست ملتا ہے جو اندر آ رہا ہے۔)

ریاست : السلام علیکم سائیں۔

وکیل : وعلیکم السلام۔

(کاغذات ترتیب دیتے ہوئے جاتا ہے۔ ریاست اس کی طرف دیکھتا ہے)

جہانگیر : گھوڑی لے آئے ہو ریاست۔

ریاست : (جیسے خبر دینے کے لیے مناسب لفظ سوچ رہا ہے) وہ بات یہ ہوئی سردار صاحب کہ ....

جہانگیر : میں نے تیکوں گھوڑی کا پچھا ہے .... پت ریاست۔

(ریاست اس کے انداز میں چھپی ہوئی سختی سے لرز جاتا ہے)

ریاست : وہی عرض کر رہا ہوں سردار صاحب۔ چوہدری صاحب نے فرمایا ہے کہ سردار صاحب سے کہنا....

جہانگیر : (بیقراری میں، اٹھتے ہوئے) تو گھوڑی نہیں بھیجی اس نے۔

(ریاست سر جھکا لیتا ہے۔)

ہوٹل۔

(مرے میں سے [illegible] آ ہوا اٹھتا ہے)

ریاست : (دوتے ڈرتے ہوتا ہے) وہ ان کا دوسرا جانور ہے نا سائیں —— جو پچھلی ریس میں دوڑا تھا۔ وہ دے رہے تھے مجھے —— میں نے کہا، سردار صاحب کا حکم ہے کہ....

جہانگیر : (دھیمے لہجے میں) بات سنی ہی نہیں، کرم الٰہی تو گاؤں گیا ہوا ہے؟

ریاست: جی سائیں۔

جہانگیر: (سوچتے ہوئے) اس کے لیے یہ کام ہے بھی مشکل۔ شہر میں اگر تم سب نکمے ہو جاتے ہو۔ ادھر کا پانی مافق نہیں آتا تم لوگوں کو....

ریاست: نہیں سائیں ــ ہم تو....

جہانگیر: تم ایسے کرو۔ ذرا رفیق کا پتہ کرو۔ اُسے لاؤ، میرے پاس۔

ریاست: بہتر سائیں۔

(جہانگیر ایک جگہ رک کر ٹرانسسٹر ٹیپ آن کرتا ہے۔ ملتانی کافی۔ محویت سے سنتا ہے)

سین نمبر ۳

نقیر حسین کا گھر۔

کیمرہ کاغذ کے تڑے مڑے بہت سے گولوں پر اوپن ہوتا ہے۔ PAN کر کے سعیدہ اور اختر پر جاتے ہیں جو بڑی محویت سے کچھ لکھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ فقیر حسین کوئی کتاب پڑھ رہا ہے۔ سعیدہ اور اختر مصنوعی سنجیدگی اور سوچنے کے انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں۔ ایک دوسرے سے اپنی تحریر چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ پھر لکھنے لگتے ہیں۔ سعیدہ چور نظروں سے اختر کی نقل مارتی ہے۔ اختر دیکھ لیتا ہے۔ اپنا کاغذ چھپاتا ہے۔)

اختر: نقلیں کیوں مارتی ہو۔؟

سعیدہ: میں تمہاری نقل ماروں گی! تمہاری،

اختر: (نقل اتارتے ہوئے) تو یہ ایسے ایسے کر کے کیا دیکھ رہی تھیں۔

سعیدہ: میں تو تمہاری بدخطی دیکھ رہی تھی۔ توبہ کتنے نالائق ہو۔ کتنا برا ہینڈ رائٹنگ ہے تمہارا۔ ایسے لگتا ہے کسی کیڑی کو سیاہی کی دوات میں بھگو کر کاغذ پر چھوڑ دیا ہے۔

اختر: تم سے پھر بھی اچھی ہے.... میرے لفظ کم از کم پڑھے تو جاتے ہیں۔

فقیر حسین: (کتاب بند کرتے ہوئے) پھر جھگڑا۔ آخر تم لوگ آرام سے کیوں نہیں رہتے۔

اختر: دیکھئے ابو۔ یہ جو آپ کی صاحبزادی ہے نا یعنی دُخترِ نیک اختر۔ یہ....

سعیدہ: نہیں ابو۔ پہلے میری بات سُنیں۔

اختر: کوئی بات کر رہا ہو تو بیچ میں نہیں بولتے۔

سعیدہ: اگر کوئی غلط بات کر رہا ہو نا تو پھر بولنے میں کوئی حرج نہیں۔ (باپ سے) دیکھئے ابو لکھا اس سے خود نہیں جاتا اور....

اختر : (اس کے ہاتھ سے کاغذ چھیننے کی ناکام کوشش میں) ذرا دیکھئے اس نے کیا لکھا ہے۔

سعیدہ : (کاغذ چھینتے ہوئے) خبردار۔

فقیر حسین : بھئی کیا مصیبت ہے۔ چار سطروں کا ایک اشتہار لکھنا ہے اور تم لوگوں نے دو دستے کاغذ ضائع کر دیا ہے

دکھاؤ! ادھر کیا لکھا ہے۔

سعیدہ : (کاغذ بڑھاتے ہوئے) پہلے یہ دیکھیں ابو۔

فقیر حسین : (پڑھتے ہوئے) مکان خریدیئے ۔۔۔

(سعیدہ سے)

یہ کچھ عجیب سی سرخی نہیں بیٹی۔ جیسے نقالوں سے بچئے۔ مشتری ہشیار باش۔ پہلے آیئے پہلے پایئے ۔۔۔

(سمجھاتے ہوئے)

اشتہار کی سرخی ایسی ہونی چاہیئے بیٹی جسے پڑھ کر لوگ فوراً متوجہ ہوں اور یہ بھی پتہ چل جائے کہ

کس چیز کے بارے میں اشتہار دیا ہے۔۔۔

اختر : (سعیدہ کو چڑانے کے انداز میں) بس ۔۔ میں نے کہا تھا نا یہ کام تمہارے بس کا نہیں۔

فقیر حسین : تم نے کیا لکھا ہے بیٹا۔

اختر : میں نے سرخی رکھی ہے ابو۔

"بنا بنایا مکان خریدنے کا سنہری اور نادر موقع۔"

سعیدہ : سبحان اللہ۔ کیا سرخی ہے۔ آدھا اشتہار تو سرخی میں ہی خرچ ہو جائے گا۔

فقیر حسین : (مسکراتے ہوئے) ہاں بھئی اختر میاں۔۔۔۔ یہ تو کچھ زیادہ ہی لمبی ہو گئی ہے۔

سعیدہ : دراصل ابو مختصر بات کرنے کے لیے عقل کی ضرورت ہوتی ہے اور۔۔۔

(شرارت سے مسکراتے ہوئے اختر کے سر کی طرف اشارہ کرتی ہے)

بعض علاقوں میں یہ چیز بہت کم پائی جاتی ہے۔

اختر : جی۔

(سعیدہ کے بال کھینچتا ہے)

اور بعض علاقوں میں یہ سرے سے ہوتی ہی نہیں۔

سعیدہ : (اختر کو مارتے ہوئے بال چھڑاتی ہے) بال چھوڑو جنگلی۔ دیکھیں ابو۔

فقیر حسین : میرے خیال میں بہتر یہ ہوگا کہ تم دونوں کاغذ اور وقت ضائع کرنے کی بجائے اخبار کے اشتہاروں

کے کالم سے اس طرح کا کوئی اشتہار دیکھ کر سیدھا سا مضمون بنا دو۔

اختر : میرا خیال تھا ابو ہم ذرا نیا ۔۔ اور جدید قسم کا اشتہار دیں۔

سعیدہ : (ہنستے ہوئے) اپنی تصویر دے دو ساتھ۔

(تینوں ہنس پڑتے ہیں)

سین نمبر ۴

آؤٹ ڈور۔

سعیدہ ایک عمارت سے لوگوں کے ہجوم میں چلتی ہوئی سڑک پر آتی ہے ایسے انداز میں دیکھتی ہے جیسے کسی کی تلاش ہو خالد کی آواز اس پر طاری ہوتی ہے)

خالد : سعیدہ۔

سعیدہ : (مڑتے ہوئے حیرت سے) آپ! یہاں!

خالد : میں بہت دیر سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔

سعیدہ : میرا انتظار۔ کیوں۔

خالد : مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔

(ایک دو راہ گیر دلچسپی سے ان کی طرف دیکھتے ہیں آنکھوں آنکھوں میں ایک دوسرے کو اشارہ کرتے ہیں۔

سعیدہ : (قدرے پریشانی میں) کیا۔

خالد : اگر تم.... میرا مطلب ہے یہاں۔ کیا ہم کہیں چل کے بیٹھ نہیں سکتے۔ تھوڑی دیر کے لیے۔

سعیدہ : نہیں۔

خالد : پلیز سعیدہ .... دیکھو۔

(راہ گیر اپنے ساتھی سے بات کرتا ہے لیکن سناتا ان دونوں کو ہے۔)

راہ گیر : میں تے کہناں بادشاہ۔ بن لینی چنگی ہوندی اے۔ ایویں دل نہیں دکھائی دا کسے دا۔

(دونوں ہنستے ہیں سعیدہ کا چہرہ غصے سے تن جاتا ہے)

سعیدہ : بدتمیز۔ کمینے۔

خالد : اسی لیے کہہ رہا ہوں۔ یہاں بات کرنا مناسب نہیں۔

سعیدہ : دیکھئے خالد صاحب۔ (خالد کے چہرے پر لجاجت دیکھ کر ایک دم رک جاتی ہے۔ لمبا سانس لیتی ہے) چلیے۔

خالد : ایک منٹ میں سکوٹر لے آؤں۔

(جلدی سے سکوٹر سٹارٹ کرتا ہے۔ سعیدہ پچھلی سیٹ پر بیٹھتی ہے۔ خالد سکوٹر موڑتا ہے۔ دونوں راہ گیر انہیں دیکھ کر مسکراتے ہیں۔)

راہ گیر : (بلند آواز سے) بے بھئی شیدے۔ ایدھر تے لگدا اے سینر فائر ہو گئی ہے۔

(سعیدہ غصے سے مڑ کر ان کی طرف دیکھتی ہے)

سین نمبر ۵

ہوٹل کا کونا۔

ویٹر چائے کے برتن رکھ رہا ہے دونوں اس کے جانے کے انتظار میں خاموش ہیں ۔ بے چینی سے پہلو بدل رہے ہیں ۔ ویٹر سب چیزیں ترتیب سے ان کے سامنے رکھتا ہے۔ ویٹر کے پیچھے ہٹتے ہی سعیدہ بڑے کشیدہ انداز میں بات کرتی ہے۔)

سعیدہ : مجھے یہاں بیٹھنا پسند نہیں ہے خالد۔ صاحب ۔ جو بات کرنی ہے جلدی کیجئے۔

خالد : (بے حد پریشانی میں پسینہ پونچھتا ہے) میں دراصل۔ سعیدہ میں ۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا بات کیسے شروع کروں۔ (وقفہ) امی آئیں تھیں تمہاری طرف ؟ (سعیدہ تیز نظروں سے اس کی طرف دیکھتی ہے اثبات میں سر ہلاتی ہے) انہوں نے شاید۔ کچھ بات کی تھی ؟ تمہارے اور میرے بارے میں !

سعیدہ : آپ کو کس نے بتایا ہے ؟

خالد : نیلم نے وہ میرے پاس ہوسٹل آئی تھی ۔

سعیدہ : اس نے آپ کو اس گفتگو کا نتیجہ بھی بتایا ہو گا ۔

خالد : ہاں ۔ وہ بتا رہی تھی کہ چچا جان نے ۔

سعیدہ : کیا انہوں نے درست نہیں کیا ؟

خالد : ہاں سعیدہ ۔ جو کچھ ان کے ساتھ ہوا ہے اس کے بعد انہیں یہی کرنا چاہیئے تھا۔ لیکن سعیدہ کیا۔ تم بھی ... تم بھی سعیدہ ۔

(اس کی طرف دیکھ کر کچھ کہتے کہتے رک جاتا ہے)

سعیدہ : (ذرا سا وقفہ دے کر بولتی ہے) وہ میرے ابو ہیں خالد، ان کا دکھ میرا دکھ ہے ۔

خالد : (چائے دانی میں پاگلوں کی طرح چمچ ہلاتا ہے) لیکن سعیدہ میں تو ..... یہ دوہرا عذاب ۔ یہ دو دھاری تلوار۔ مجھے کس گناہ کی سزا مل رہی ہے ۔

سعیدہ : میں اس مسئلے پر بحث نہیں کرنا چاہتی۔ جو ہوا ، شاید یہی ہمارے لیے بہتر تھا۔

خالد : کیسے بہتر ہے۔ (آواز ایک دم کنٹرول کرنے کی کوشش کرتا ہے) جذبے کوئی کبوتر تو نہیں ہوتے سعیدہ۔ جب چاہا اڑا دیا۔ جب چاہا ڈربے میں بند کر دیا۔ تمہیں سوچنا چاہیئے سعیدہ میرے بارے میں —

سعیدہ : سوچنے کے لیے اتنا کچھ ہے خالد کہ میرے پاس اپنی طرف دیکھنے کا بھی وقت نہیں ہے ۔

خالد : مگر یہ طریقہ صحیح نہیں ہے۔ ہمیں .....

سعیدہ : دیکھیں خالد۔ میں آپ کی عزت کرتی ہوں۔ میں نے ہمیشہ آپ کو اچھا سمجھا ہے۔ لیکن آپ کے اور میرے درمیان کچھ ایسی فصیلیں ہیں جنہیں عبور کرنا میرے بس سے باہر ہے۔ اور ...

(جلدی سے بیچ میں بولتے ہوئے)

خالد : مگر یہ فصیلیں گرائی بھی تو جا سکتی ہیں ہم.....

سعیدہ : پہلے میری پوری بات سن لیجئے۔ (خالد اپنی بات چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے) میں ایک عام سی خواب دیکھنے والی لڑکی تھی۔ مگر ان چند مہینوں میں میری جیسے کایا کلپ ہو گئی ہے۔ میں نے زندگی کی کچھ حقیقتوں کو اتنے قریب سے دیکھا ہے کہ اب مجھے خوابوں سے نفرت سی ہو گئی ہے۔ آپ کے اور میرے درمیان جو فصیلیں ہیں انہیں عبور کرنا میرے بس میں نہیں، لیکن یقین کیجئے، اگر میرے بس میں ہو بھی، تب بھی شاید میں.....

خالد : نہیں سعیدہ ایسا نہ کہو۔

سعیدہ : (پرس اٹھاتے ہوئے) مجھے افسوس ہے خالد۔ لیکن یہ حقیقت ہے۔ ایک آپ کے بے قصور ہونے سے سارے مسئلے حل نہیں ہو سکتے۔ اور براہ کرم آئندہ کبھی میرا رستہ نہ روکیے گا۔

(سعیدہ پرس اٹھا کر تیزی سے جاتی ہے۔ خالد بے چارگی سے اس کی طرف دیکھتا ہے۔ چائے دانی کا ڈھکن واپس رکھتا ہے)

سین نمبر ۶

تھانہ

(سپاہی پرانی سی چائے دانی سے ٹوٹے ہوئے مگوں میں چائے ڈال رہا ہے۔ بوڑھا اے ایس آئی اپنی سیٹ پر بیٹھا ہے سامنے رفیق اور فیض رسول ہیں۔ اے ایس آئی پرانے گھاگھ پولیس والوں کی طرح ایک ایک بات سوچ کر منہ سے نکالتا ہے)

لیاقت حسین : (اے ایس آئی) بات آپ کی درست ہے چودھری فیض رسول صاحب۔ انسان کے دماغ میں جب شیطان وڑتا ہے تو پھر اس کو اچھے بُرے کھوٹے کھرے کی تمیز نہیں رہتی پر۔ (سپاہی سے) اوئے اکھاں کھول کے چائے ڈال کھچھکے کے پتر۔ ایک تو تیری آنکھیں ہر وقت تارے مگی رہتی ہیں۔ اوئے کون سے شہتوت لگے ہوئے ہیں چھت کے اوپر۔ (فیض رسول اور رفیق سے) یہ اہل کار اپنے کم کی طرف توجہ نہیں دیتے جی آج کل۔ ایک ہمارا زمانہ تھا اُدھر تھانیدار صاحب کی آواز کن میں پڑتی تھی اِدھر.....

فیض رسول : (ٹوکتے ہوئے) آپ اس کیس کی بات سنا رہے تھے جو.....

لیاقت : اسی طرف آرہا ہوں۔ (سپاہی مگ اس کے آگے رکھتا ہے لیاقت مگ کا جائزہ لیتا ہے) کتنی دفعہ اس اجمل کے پتر کو میں نے آکھیا ہے کہ میرے دفتر میں اچھے اور صاف برتن بھیجا کرے۔ پر لگتا ہے اس کو کان سمیت فیصل آباد کا رستہ دکھانا پڑے گا۔ خوامخواہ مہمانوں کے سامنے.....

رفیق : (دبے جبینی دبانے کی کوشش میں) چائے کی فکر نہ کریں۔ آپ اس کیس کے بارے میں بتائیں۔

لیاقت : تو میں عرض کر رہا تھا اُن دنوں میں ہیڈ کانسٹیبل تھا۔ ہمیں واردات کی اطلاع کوئی دو گھنٹے بعد ملی تھی۔ اس دن اے ایس آئی سجاد شاہ صاحب .... چھٹی پر تھے۔ شاہ صاحب کو تو دیکھا ہو گا آپ نے چھوٹے سے قد کے تھے۔ آجکل کراچی ہوتے ہیں۔ بڑی مخولیا طبیعت تھی اُن کی....

رفیق : (دوا منبع بے چینی کے ساتھ اس کی طرف جھکتا ہے) وہ لوگ کون تھے انسپکٹر صاحب .... ہمیں صرف۔

فیض رسول : (اس کا زانو دبا کر اسے اپنے آپ پر قابو رکھنے کا اشارہ کرتا ہے) ماشاء اللہ۔ ان کی یادداشت کے تو قصے مشہور ہیں پورے علاقے میں۔ ایک دفعہ دیکھا ہوا بندہ ساری عمر نہیں بولتے۔

لیاقت : (خوش ہو کر) وہ ٹائم اور تھے چودھری صاحب اب تو۔ اگلے مہینے ریٹائر ہو رہا ہوں آپ کی دعا سے چونتیس سال کی سروس کے بعد۔

رفیق : چونتیس سال۔ واہ۔ واہ۔ میری پوری عمر جتنی نوکری ہے آپ کی .... اچھا۔ وہ بندے تو پکڑے گئے تھے نا؟

لیاقت : پکڑے تو تب جاتے اگر ان کا پتہ چلتا۔ ویسے میرا ذاتی خیال یہی ہے کہ وہ لالو ڈکیت کے بندے تھے ان دنوں وہ بہت وارداتیں کر رہا تھا اس علاقے میں۔

رفیق : لالو ڈکیت۔ کہاں ہوتا ہے آجکل یہ۔

لیاقت : کچھ پتہ نہیں۔ سات آٹھ سال سے نام نہیں سنا اس کا۔ لگتا ہے کہیں مر کھپ گیا ہے۔

رفیق : کوئی اور۔ اس کے گروہ کا بندہ ہے آپ کی نظر میں۔

لیاقت : کئی مر گئے ہیں۔ کئی جیلوں میں ہیں .... باقی۔ میری طرح بڈھے ہو کے ریٹائر ہو گئے ہوں گے۔ ایک اس کا پرانا ساتھی ادھر مٹھن کوٹ میں رہتا ہے۔ توبہ تائب کر کے بڑا پرہیز گار ہو گیا ہے۔

رفیق : کیا نام ہے اس کا۔

لیاقت : نال اس کا ہے۔ (چائے کا ایک لمبا سا گھونٹ لیتا ہے)

سین نمبر ۷

(کیمرہ پلازا کے ماڈل سے T/B ہوتا ہے جس پر احمد علی بڑی شفقت سے ہاتھ پھیرتا ہے۔ مسکرا کر عابد کی طرف مڑتا ہے)

احمد علی : میرا خیال ہے NOW THE HIGH TIME IS OVER مگر بھئی یہ صمدانی بہت کایاں آدمی تھا۔ ایک ایک چیز کو دس دس دفعہ EXAMINE کیا ہے اس نے۔

عابد : مگر ڈیڈ۔ آپ کو بھی مان گیا ہوں میں۔ آپ کو تو عالمی سطح پر NEGATIATOR بنا کر بھیجنا چاہیئے۔

احمد : (مسکراتے ہوئے) CONFIDENCE مائی سن۔ CONFIDENCE۔ بزنس میں سارا کھیل اسی بساط پر ہوتا ہے۔ بلف (BLUFF) بھی تو کرو تو دھڑلے سے کرو۔

عابد : مگر ڈیڈ۔ سردار صاحب کا کیا ہوگا۔ وہ تو۔۔۔۔

احمد : آئی نو۔ آئی نو۔ لیکن یہ میرا آئیڈیا ہے۔ THIS WHOLE PROJECT IS MY BABY
مجھے اپنا نفع نقصان دیکھنے کا پورا حق ہے۔

عابد : مگر آپ۔ MEAN I وانہیں کیسے بتائیں گے کہ۔۔۔۔

احمد : یہ ابھی مجھے نہیں پتہ BUT I HAVE TO۔ میں اس مسئلے پر مسلسل سوچ رہا ہوں۔ اب اللہ کرے
یہ صمدانی BETRAY نہ کرے۔ اور یہ معاملہ طے ہو جائے تو۔۔۔۔۔

عابد : یہ تو ہو ہی جائے گا BY THE GRACE OF GOD

احمد : (سوچتے ہوئے) انشاء اللہ۔۔۔ پھر سردار صاحب کو بھی GOOD BY کر ہی لیں گے۔

عابد : بہت DIFFICULT آدمی ہیں وہ۔

احمد : ہاں ہے تو۔ مگر۔ دیکھو۔

سین نمبر ۸

تمکین کا دفتر

سعیدہ : تھینک یو ویری مچ۔

تمکین : (مسکراتے ہوئے) اس میں شکریہ ادا کرنے کی ایسی کون سی بات ہے۔

سعیدہ : ایسے آپ نے۔۔۔۔۔ اتنی محبت سے۔

تمکین : (ہنستے ہوئے) دیکھو بزنس مین ہمیشہ اپنا فائدہ سوچتا ہے۔ اب میں تمہارے والد کے پریس کو کام دوں گی تو ظاہر ہے مجھے بازار سے سستے ریٹس پر کام ملے گا۔ اور پھر تم لوگوں کو ذمہ داری کا احساس بھی زیادہ ہوگا۔

سعیدہ : (احسان مندی سے) یہ تو سب ٹھیک ہے لیکن اس طرح میرے ایک دفعہ کہنے پر جو یہ وعدہ کیا ہے آپ نے اس کا شکریہ تو فرض ہے نا مجھ پر۔

تمکین : تمہارا بھائی کیا کرتا ہے۔

سعیدہ : بی اے کا امتحان دیا ہے اس نے۔

تمکین : اچھا۔ ویری گڈ۔ تو ٹھیک ہے جب پریس کام شروع کر دے تو اسے میرے پاس بھیجنا۔ میں کچھ اور لوگوں سے بھی ملوا دوں گی اسے۔

سعیدہ : SO NICE OF YOU

(فون کی گھنٹی بجتی ہے تمکین فون اٹھاتی ہے)

تمکین : یس۔ ہاں۔ (گھڑی دیکھتی ہے) اچھا۔ ٹھیک ہے۔

(فون رکھ کر اٹھتی ہے)

اچھا سعیدہ مجھے فوراً ایک جگہ پہنچنا ہے۔

سعیدہ: ٹھیک ہے میڈم تو پھر۔

تمکین: اور یہ میڈم مت کہا کرو مجھے۔ تم۔ مجھے

(سوچتے ہوئے)

مس۔ تمکین کہہ سکتی ہو۔

سعیدہ: جی اچھا۔

(تمکین جاتی ہے)

سین نمبر ۹

پارکنگ پلیس OUT DOOR

(جمال بریف کیس ہاتھ میں لے آتا ہے۔ گاڑی کا دروازہ کھول کر بریف کیس رکھتا ہے گاڑی سٹارٹ کرتا ہے۔ گاڑی ایک جھٹکے سے رکتی ہے۔ حیرت سے دیکھتا ہے باہر نکل کر ٹائر چیک کرتا ہے۔ ایک ٹائر فلیٹ ہے۔ بیزاری میں اسے ٹھوکر مارتا ہے۔ ایک گاڑی اس کی گاڑی کے پیچھے آکر ہارن دیتی ہے۔ ہاتھ سے اسے اشارہ کرتا ہے کہ آگے جاؤ یہاں پارکنگ کی جگہ نہیں ہارن دوبارہ بجتا ہے۔ جمال گاڑی کی طرف جاتا ہے۔)

جمال: آپ آگے کہیں پارک کرلیں، میرا ٹائر

(ایک دم تمکین کو دیکھ کر رک جاتا ہے جو مسکرا کر اس کی طرف دیکھ رہی ہے۔)

آپ۔

تمکین: لگتا ہے یہ دنیا کوئی ایسی خاص بڑی جگہ نہیں۔ چوبیس گھنٹے میں یہ آپ سے دوسری ملاقات ہے۔

کیا ہوا؟

جمال: ٹائر۔

(ہاتھوں سے اشارہ کرتا ہے کہ FLAT ہو گیا ہے۔)

تمکین: اوہ۔ کپڑے خراب ہو جائیں آپ کے۔

جمال: نہیں۔ یہ سامنے میرا دفتر ہے۔ میں کسی کو بلواتا ہوں۔

تمکین: ٹھیک ہے اور IF YOU DON'T MIND تو میں آپ کو ڈراپ کر دیتی ہوں۔ کدھر جائیں گے۔

جمال: جی شکریہ۔ دراصل۔۔۔۔

تمکین: (اداسے مسکراتے ہوئے) چلیے یوں سمجھ آپ کے احسان کا بدلہ اتر جائے گا۔ کل آپ نے میری

مدد کی تھی آج میں آپ کی مدد کر دیتی ہوں۔ حساب برابر۔

جمال : (غور سے اس کی طرف دیکھتا ہے) AS YOU LIKE —

تمکین : آپ کہہ دیجئے جس کو کہنا ہے۔

جمال : جی — میں ایک منٹ میں آیا۔

تمکین : میں انتظار کر رہی ہوں۔

(جمال اس کے انداز سے قدرے پریشان سا ہو کر دیکھتا ہے۔ جاتا ہے تمکین کی مسکراہٹ دوبارہ تیوری میں بدلتی ہے۔ سٹیرنگ پر ہاتھوں کی گرفت سخت ہوتی ہے)

سین نمبر ۱۰

OUT DOOR

(رفیق اور فیض رسول دور سے ایک کھیت میں داخل ہوتے ہیں ایک بوڑھے کسان کے پاس پہنچتے ہیں D/A میں انہیں کچھ باتیں کرتے دکھاتے ہیں۔ کسان اپنے ٹریکٹر سے نیچے اترتا ہے ان کے ساتھ چلتا ہوا کھیت کے کنارے کی طرف آتا ہے۔ D/C کر کے تینوں کو ایک درخت کے نیچے بچھی ہوئی چارپائی کی طرف آتے دکھاتے ہیں۔)

کسان : بس جی اللہ نے ہدایت دینی تھی، دے دی — بیس سال جیلوں میں دھکے کھانے اور مظلوموں کی بددعائیں سمیٹنے کے باوجود اس پاک پروردگار نے مجھ کو سیدھا راستہ دکھا دیا ہے اب تو جی میں چھ سات سال سے واہی بیجی کر رہا ہوں — بڑے سکھ میں ہوں۔

رفیق : لالو کہاں ہے آج کل —؟

کسان : میں نے ان لوگوں سے کوئی تعلق واسطہ ہی نہیں رکھا اس کے بعد۔

رفیق : میں نے تعلق واسطہ نہیں اس کا پتہ پوچھا ہے۔

کسان : (اس کے انداز سے ایک دم چونکتا ہوتا ہے) تم کون ہو بھائی۔

رفیق : میں جو بھی ہوں۔ یہ جان کر تمہاری صحت پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ مجھے لالو کا پتہ درکار ہے۔

کسان : میں آپ کو صحیح بتا رہا ہوں بھائی صاحب .....

رفیق : (کسان کے کندھے پر سختی سے ہاتھ رکھتا ہے) لالو کہاں ہے۔

فیض رسول : (رفیق کے ہاتھ کو تھپتھپاتا ہے کہ تم ہٹ جاؤ میں پوچھتا ہوں) ہمیں اسے بہت ضروری تلاش کرنا ہے بزرگو — آپ کا نام نہیں آئے گا اس میں —

کسان : (ادھر ادھر دیکھ کر خوفزدہ انداز میں) وہ بابا لال دین بلیاں والی سرکار کے مزار پر ملنگوں کے ڈیرے میں ہوتا ہے — دماغ ہل گیا ہوا ہے اس کا —

رفیق : اس کے دماغ کی تم فکر نہ کرو۔ وہ بالکل ٹھکانے پر آجائے گا۔ وہاں کس نام سے رہتا ہے وہ؟
کسان : مجھ کو نہیں پتہ۔ میں نے پچھلے سال اس کو دیکھا تھا وہاں۔ وہ پہچانتا نہیں ہے کسی کو .... سب اسے سائیں سائیں کہہ رہے تھے۔

(رفیق کا کلوز)

سین نمبر ۱۱

احمد علی کا دفتر۔

جہانگیر : کیا عرض کروں سائیں کچھ ایسی محبت سی ہو گئی ہے تم لوگوں سے، گاؤں میں تو اب دل ہی نہیں لگتا یرا۔
عابد : یہ عجیب بات ہے شہر والوں کو گاؤں اچھا لگتا ہے اور گاؤں والوں کو شہر۔
جہانگیر : یہ عجیب بات نہیں پتر۔ فطرت ہے انسان کی۔ کسی چیز کے تسلسل سے MONOTONY سے آدمی گھبرا جاتا ہے۔ طبیعت CHANGE مانگتی ہے۔

(احمد علی کی طرف دیکھتا ہے جو قلم سے بے مقصد لکیریں کھینچ رہا ہے)

کیا بات ہے سائیں ۔ آج آپ بڑے چپ چپ ہو۔

احمد : بس سردار صاحب۔ طبیعت پر کچھ بوجھ سا ہے کچھ عجیب کشمکش میں پڑ گیا ہوں۔
جہانگیر : نہ سائیں نہ۔ طبیعت پر بوجھ تو کبھی پڑنے ہی نہیں دینا چاہیے۔ دل میں رکھی ہوئی بات باسی سالن کی طرح ہوتی ہے سائیں۔ بو چھوڑتی رہتی ہے ہر وقت۔
احمد : میں سوچ رہا ہوں سردار صاحب کہ بات کیسے شروع کروں، ایک طرف آپ کی محبت ہے اور .... دوسری طرف۔

(جہانگیر کا REACTION۔ احمد کی بات کے انداز سے سمجھتا ہے کہ اب وہ فیصلہ کن بات کرنے والا ہے ایک دم بول پڑتا ہے۔)

جہانگیر : محبت میں دوسری طرف کدھر ہوتی ہے سائیں۔ یہ تو ون وے سڑک کی طرح ہوتی ہے ایک دفعہ اس میں داخل ہو جاؤ تو آگے ہی آگے جانا پڑتا ہے، واپسی کی گنجائش نہیں ہوتی اس میں۔
عابد : ONE SIDED LOVE تو سردار صاحب ....
جہانگیر : نہ پتر نہ۔ ONE WAY TRAFFIC اور ONE SIDED LOVE میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ ابھی تمہاری عمر نہیں ہے اس نزاکت کو سمجھنے کی ۔۔۔ اس میں بڑی معرفت کی باتیں ہیں۔
احمد : اس دن میں نے آپ سے عرض کیا تھا نا .... کہ اس پراجیکٹ کو .... شائد ...
جہانگیر : گولی مارو سائیں پراجیکٹ کو ۔۔ سواہ ڈالو۔ اس کے سر میں۔ یہ تو چلتا رہے گا ساتھ ساتھ میں تو کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ اچھا سائیں یہ فرماؤ آپ کو ہمارا برخوردار کیسا لگا۔
عابد : شہباز ۔۔؟ VERY GOOD

جہانگیر : (عابد کو نظر انداز کر کے احمد کی طرف دیکھتا ہے) آپ کا کیا خیال ہے سائیں۔

احمد : (اخلاقاً مسکراتے ہوئے) میرے خیال میں عابد نے بالکل ٹھیک کہا ہے۔

جہانگیر : ہمارے خاندان میں باہر شادی کرنا اچھا نہیں سمجھتے۔ پر میرا نظریہ ذرا مختلف ہے اب زمانہ وہ نہیں رہا جو تیس چالیس سال یا اس سے پہلے تھا۔ پڑھے لکھے لڑکے کے لیے بیوی بھی پڑھی لکھی ہونی چاہیئے — ہے نا سائیں۔

احمد : (گو مگو میں) جی — کیوں نہیں —؟

جہانگیر : کیا حال ہے ہماری نیلم بیٹی کا .... بھئی بڑی روح راضی ہوتی ہے میری اسے دیکھ کر — ماشاء اللہ بڑی پیاری بچی ہے۔

احمد : (اس کی بات کا رخ سمجھ جاتا ہے بات ٹالنے کی کوشش کرتا ہے) بس سردار صاحب۔ اس مالک کی مہربانی ہے۔ (عابد سے) تمہاری فلائٹ کس وقت ہے عابد۔

عابد : آٹھ بجے کی سیٹ ملی ہے ڈیڈ۔ بڑی مشکل سے

احمد : کرائے بڑھاتے جا رہے ہیں نہ جہاز بڑھاتے ہیں نہ FASCILITIES —

جہانگیر : کہیں جا رہے ہو پتر۔

عابد : جی ہاں۔ کراچی۔ کچھ مال آیا ہے اس کی کلیرنگ کرانی ہے۔

احمد : (گھڑی دیکھتے ہوئے) اچھا سردار صاحب آپ ذرا عابد سے گپ شپ لگائیں — میری ایک OPPOINTMENT ہے۔

جہانگیر : میں تو خود جا رہا تھا سائیں۔ شام کی کیا مصروفیت ہے۔

احمد : شام کو .... آں — ہاں — آج تو میرا بلیرڈ کا دن ہے۔ کلب میں۔

جہانگیر : اس کو POST PONE کرو سائیں۔ کسی دن اکٹھے چلیں گے۔ آج بھابی اور بچوں کو لے کر آؤ نا ہمارے غریب خانے پر — شہباز بھی یہیں ہے۔ کھانا ادھر ہی کھاؤ نا۔

احمد : آج تو سردار صاحب .... عابد بھی جا رہا ہے۔

جہانگیر : عابد تو ہمارا پتر ہے اس کی دعوت تو میں ادھر گاؤں میں کروں گا۔ آپ لوگ آجاؤ نا — اپنا گھر ہے تمہارا — سائیں۔

سین نمبر ۱۲

فقیر حسین کا گھر۔

(ایک مستری نما آدمی جس کے ہر انداز سے عیاری ٹپکتی ہے۔ تیزی سے بسکٹ کھا رہا ہے چائے کا بڑا سا گھونٹ لے کر بولتا ہے)

مستری : کام کی آپ مطلق فکر نہ کرو سرکار — وہ سب مجھ پر چھوڑ دیں — سٹاف انشاء اللہ سارا لے دل

ہوگا آپ اللہ کا نام لے کر بسم اللہ کرو۔

فقیر حسین، مگر بھائی یہ تم جس OFFSET مشین کی بات کر رہے ہو.... کیا نام لیا تھا؟

مستری: ROTA ..... آفسٹ میں سب ہی استعمال کرتے ہیں۔

فقیر حسین: دو تو بہت مشکل ہیں۔ ایک آفسٹ اور ایک لیٹر پریس کا یونٹ لگاتے ہیں۔ اللہ برکت دے گا تو اور مشینیں بھی آجائیں گی۔

مستری: آپ نہیں سمجھتے ہو سرکار۔ آفسٹ کی کھیڈ ہی اور ہے۔ آپ او کھے سو کھے ہو کر دو مشینیں لگالیں۔ میں آپ کو بتاؤں گا کہ ان سے نوٹ کیسے چھاپتے ہیں۔

فقیر حسین: نوٹ ــــ!

مستری: (ہنستے ہوئے) جعلی نوٹ نہیں۔ میرا مطلب ہے کام انشاء اللہ ایسا چل ہو جائے گا کہ اللہ نے چاہا تو چند مہینوں میں لہریں بہریں ہو جائیں گی۔ میری نظر میں کچھ ایسے کام ہیں۔ جن میں پرافٹ مارجن ہنڈرڈ پرسنٹ سے بھی زیادہ ہے۔

فقیر حسین: یہ کیسے ہو سکتا ہے ــ؟

مستری: کیسے، کیا مطلب ــ ہے۔ یہ آپ بچوں کی کتابیں دیکھتے ہیں نا۔ قاعدے وغیرہ۔ (فقیر حسین اثبات میں سر ہلاتا ہے) یہ چھاپ کے مارکیٹ میں بھیجے جائیں۔ بڑی ڈیمانڈ ہے ان کی۔

فقیر حسین، مگر ان کے لیے تو سنا ہے.... منظوری لینی پڑتی ہے ــ پرمٹ ملتا ہے باقاعدہ....

مستری، اوہو۔ بھولے بادشاؤ۔ اس طرح دلیلوں میں 'پینے' (پڑنے) سے کام نہیں ہوتا۔ تھوڑا سا ہو ملر کرنا پڑتا ہے۔ اس کی آپ فکر نہ کریں۔

فقیر حسین: نہیں بھائی، مجھے کوئی 'غیر قانونی' کام نہیں کرنا۔ حق حلال سے بھی تو روزی کمائی جا سکتی ہے۔

مستری: کمائی تو جا سکتی ہے سرکار، پر اس میں COMPETITION بہت ہے۔ آنہ آنہ، ٹکہ ٹکہ، کر کے جوڑنا پڑتا ہے۔ وہ سب آپ مجھ پر چھوڑ دو۔

فقیر حسین: کوئی اچھی صلاح دے سکتے ہو تو دو بھائی۔ پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے زمانے کو۔ ہر آدمی راتوں رات نوٹ دگنے کرنے کے چکر میں ہے۔ اس طرح تو کچھ نہیں بچے گا۔

مستری: کچھ نہ بچے گا تو ہم بچیں گے بزرگو۔ ایمانداری سے روٹی ملے تو کس کو بری لگتی ہے ــ پر ملے تو سہی۔

فقیر حسین: اللہ ہم پر رحم کرے۔ برائی کتنی بھی بڑھ جائے بھائی۔ واجب اور جائز نہیں ہوتی۔ ہم اپنے آپ کو ٹھیک نہیں کرتے۔ پوری دنیا پر تنقید کرتے ہیں۔ میں نے زندگی بھر ایمانداری سے کام کیا ہے، میں تو کبھی بھوکا نہیں سویا۔ اس مالک نے تمام روٹی دی ہے مجھے۔

سین نمبر۱۳

(ایک غریبانہ طرز کی ٹوٹی پھوٹی نیم تاریک جھونپڑی دروازہ ایک دھماکے سے کھلتا ہے رفیق اور فیض رسول ایک مجہول سے ملنگ کو تقریباً گھسیٹتے ہوئے اندر لاتے ہیں۔ ملنگ منہ سے بے معنی آوازیں نکالتا ہے۔ رفیق دروازہ بند کرتا ہے گھور کر ملنگ کی طرف دیکھتا ہے ملنگ کا بایاں ہاتھ اور پاؤں فالج کے حملے کی وجہ سے ٹھیک طرح کام نہیں کرتے۔)

رفیق : (تیز آواز میں) بند کرو یہ ڈرامہ....

ملنگ : (ہوش میں نہ ہونے کی ایکٹنگ کرتا ہے۔ ہاتھوں کے کڑے زمین پر مار کر سر کو ادھر اُدھر جھٹکے دیتا ہے) دیکھتا ہے، سب کو دیکھتا ہے ہمیں نہیں دیکھتا۔

(ایک دم سر جھکا کر بیٹھ جاتا ہے۔ رفیق چند لمحے غصے سے اس کی طرف دیکھتا ہے پھر اس کو گردن سے پکڑ کر مروڑتا ہے)

رفیق : تو ایسے نہیں مانے گا۔ فیضی۔ رسہ باندھ چھت سے۔

فیض : (ملنگ سے) اوئے کیوں اپنی جان کا دشمن ہو رہا ہے لالو۔

(ایک طرف کھڑی چارپائی کا بان کھولنا شروع کرتا ہے)

ملنگ : (ایک لمحے کے لیے خوفزدہ ہوتا ہے مگر اپنی ایکٹنگ جاری رکھتا ہے) دشمن۔ دشمن مرے تے خوشی نہ کریئے سجناں وی مر جانا۔ اوڑک ہر اک نے مر جانا۔... اللہ۔ اللہ۔ اللہ۔

(رفیق اس کو دھکا دے کر پیچھے ہٹتا ہے۔ فیض کے ساتھ مل کر رسی کھولتا ہے) اس کی مضبوطی چیک کر کے پھندا تیار کرتا ہے)

رفیق : سنا ہے تونے زندگی میں بڑے بندے مارے ہیں لالو... پر مجھے تو یہ سب کہانیاں جھوٹ لگتی ہیں.... تُو تو کوئی بڑا ہی بے غیرت اور بزدل آدمی ہے۔

فیض : عورتوں کی طرح یہاں چھپ کر تم سمجھتے تھے کہ دنیا تمہارے زندگی بھر کے گناہ بھول جائے گی.... مظلوموں کا لہو ضائع نہیں جاتا لالو۔ سر پہ چڑھ کر بولتا ہے۔

رفیق : (پھندے کی گرہ ماہرانہ انداز میں چیک کر کے چھت کی طرف دیکھتا ہے جیسے لٹکانے کے لیے مناسب جگہ ڈھونڈ رہا ہو ملنگ کے چہرے پر داغ خوف کے نشان ابھرتے ہیں۔ رفیق ایک طرف سے ٹوٹی ہوئی میز اٹھا کر رکھتا ہے فیض سے کہتا ہے) اسے ہاتھ رکھنا فیض۔

ملنگ : (غور سے ان کی طرف دیکھتا ہے ہاتھ کے اشارے سے روکتا ہے) تم کون ہو؟

رفیق : جب تک تم یہ نہیں مانتے کہ تم لالو ڈکیت ہو۔ ہماری تمہاری بات نہیں ہو سکتی۔ اُٹھو۔

ملنگ : فرض کر دمیں ہی لالو ڈکیت ہوں۔ کیا دشمنی ہے تمہاری مجھ سے۔

(رفیق میز سے اترتا ہے ٹھوکر مار کر میز ایک طرف پھینکتا ہے۔ ہاتھ میں پکڑی ہوئی رسی کو زور سے کھینچتا ہے رسی ٹوٹتی ہے۔ لالو واضح طور پر اس کی طاقت سے مرعوب ہوتا ہے)

ملنگ : میں بھی جوانی میں بہت زور والا تھا۔

رفیق : گھوڑے سوار ادھر گئے ہو کبھی

ملنگ : ہاں — کئی بار۔

رفیق : وہاں ذیلداروں کی ایک حویلی ہوتی تھی۔

ملنگ : (سوچتے ہوئے) وہ تو .... وہ جسے آگ لگا دی تھی کسی نے۔

رفیق : کسی نے نہیں۔ تم نے — تمہارے آدمیوں نے۔

ملنگ : (حیرت سے) میں نے —— نہیں۔

رفیق : مرنا تو تمہیں ہے ہی۔ اخیری وقت میں جھوٹ بول کر اپنا بوجھ بڑھا رہا ہے۔

ملنگ : اگر تم نے مجھے مارنا ہی ہے تو میں تمہیں نہیں روک سکتا۔ اب میں وہ لالو ڈکیٹ نہیں جس کے گھوڑے کی ٹاپ سن کے پنڈ کے پنڈ سونے ہو جاتے تھے .... میں تو اس کا سایہ بھی نہیں۔ اس بیماری اور فالج نے مجھے نہتا کر دیا ہے۔ پر جوان یقین کر ذیلداروں کی حویلی جلانے میں میرا یا میرے کسی آدمی کا ہاتھ نہیں تھا۔

فیض : ان دنوں اس علاقے میں تمہیں وارداتیں کر رہے تھے۔

ملنگ : یہ تو ٹھیک ہے۔ پر .... مجھے قسم ہے اپنے مرے ہوئے بچوں کی .... وہ واردات میری نہیں تھی۔

(رفیق کے چہرے پر بے یقینی اور پریشانی کے آثار ابھرتے ہیں۔ رسی کے ٹکڑے اس کے ہاتھوں سے پھسلتے ہیں)

فیض : تمہیں پتہ تو ہو گا کون لوگ تھے اس کے پیچھے۔

ملنگ : نہیں۔ مگر اتنا مجھے یقین ہے کہ وہ کوئی باہر کے لوگ تھے۔ یہاں کے ہوتے تو ہمیں ضرور پتہ ہوتا۔

(رفیق چند لمحے بے تابی سے کمرے میں ٹہلتا ہے فیض پریشانی کے عالم میں اس کے قریب کھڑا ہے۔ رفیق دروازے کی طرف مڑتا ہے)

رفیق : آؤ۔

(فیض اس کے ساتھ جانے کے لیے مڑتا ہے ملنگ دونوں کی طرف دیکھتا ہے)

ملنگ : (سرسری انداز میں) زہاڑی کے علاقے میں ان دنوں ایسی بہت سی وارداتیں ہوئی تھیں — وہاں سے کیوں نہیں پتہ کرتے ....

(رفیق مڑ کر اس کی طرف دیکھتا ہے) چوہدری سمندر خان نے کچھ بندے پکڑوائے تھے اس

گرد ہ کے ۔

رفیق : (بڑبڑاتے ہوئے) چوہدری سمندر خاں ۔

سین نمبر ۱۴۲

جہانگیر کا شہری گھر ۔

جہانگیر ایک باز کے پنجرے کے پاس کھڑا اسے تعریفی نظروں سے دیکھ رہا ہے ہاتھ
پر دستانہ ہے باز کو گوشت کھلاتا ہے ۔)

جہانگیر : شاباش ۔ شاباش ۔ تیرا باپ بھی بڑا جید اتھا ۔

(گوشت کی بوٹی اسے دیتا ہے ۔ ریاست کو لے کر آتا ہے)

سلامت : السلام علیکم سردار صاحب ۔

جہانگیر : (اس کی طرف مڑ کر دیکھے بغیر) بیٹھو ۔ رفیق نہیں ملا ریاست ۔

ریاست : وہ سائیں ۔ کہیں باہر گیا ہوا ہے ۔

سلامت : اس کے قریب آکر اشتیاق سے باز کو دیکھتے ہوئے) ہم حاضر ہیں آپ کی خدمت کے لیے ۔
واہ ۔ واہ ۔ بڑی اعلیٰ نسل کا جانور ہے ۔

ہاتھ آگے کرتا ہے جہانگیر اس کا ہاتھ پیچھے ہٹاتا ہے)

جہانگیر : ہاتھ پیچھے رکھو سائیں ۔ انگلیاں نہیں ملیں بعد میں ۔

سلامت : اپنے استاد کے پاس بھی بڑی بڑی نسل کا شکرا ہے ۔ میں ہی ٹریننگ کرتا ہوں اُن کی ۔

جہانگیر : تمہاری ٹریننگ اور طرح کی ہوتی ہے سائیں ... میرے بازوں کی طبیعت ذرا مختلف ہے ۔ آؤ ۔
ادھر آؤ ۔ (دستانہ اتار کر گوشت کی پلیٹ کے پاس رکھتا ہے) ابھی اس کا پیٹ نہیں بھرا ریاست
کھلا اس کو ۔

(ریاست دستانہ اپنے ہاتھ پر پہنتا ہے ۔ شکرے کو گوشت کھلاتا ہے جہانگیر صوفے پر آ
کر بیٹھتا ہے) کب تک آئے گا ۔ رفیق ۔ پتر ۔

سلامت : وہ تو جی کچھ ذرا لمبا ہی گیا ہے ۔ آپ مجھ کو حکم کرو ۔

جہانگیر : (غور سے اس کی طرف دیکھتا ہے) کام ستھرا اور مکمل ہونا چاہیئے ۔

سلامت : آپ بے فکر رہو سرکار ۔

جہانگیر : پرسوں ریس میں ایک گھوڑی دوڑ رہی ہے ۔ رانی ۔

سلامت : جی ۔

جہانگیر : اسے دوڑنا نہیں چاہیئے ۔

سلامت : (بات نہ سمجھتے ہوئے) کیوں جی ۔ بیمار شمار ہے؟

جہانگیر: زیادہ بولنے کا یہی نقصان ہوتا ہے سائیں۔ آدمی کی سمجھ میں بات نہیں آتی۔ (سلامت احمقوں کی طرح اثبات میں سر ہلاتا ہے) اس گھوڑی کا مالک مجھ سے سودا کر کے پھر گیا ہے۔

سلامت: یہ تو بڑی بڑی بات ہے جی۔ آخر زبان بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔

جہانگیر: اسی لیے میں چاہتا ہوں کہ وہ گھوڑی ریس میں حصہ نہ لے۔ بلکہ آئندہ کبھی بھی ریس میں حصہ نہ لے سکے۔ اور اسے اس حال تک تم نے پہنچانا ہے۔

سلامت: میں نے؟ مگر سردار صاحب ....

جہانگیر: بس ایک ٹانگ توڑنی ہے اس کی .... اللہ اللہ خیر سلا۔

سلامت: پر سردار صاحب .... اس سارے جھگڑے میں اس جانور غریب بے زبان کا کیا قصور ہے۔ انسانیت بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔

جہانگیر: میں نے تمہیں کام کے لیے بلایا ہے سائیں۔ مقدمہ نہیں لڑنا مجھے۔ بولو۔ کر سکتے ہو۔

سلامت: کام بڑا مشکل ہے سردار صاحب۔ گھوڑوں کی بڑی حفاظت کی جاتی ہے۔

جہانگیر: مجھے پتہ ہے سائیں۔ میرے اپنے چھ گھوڑے دوڑتے ہیں۔ پر کوئی کام اسی وقت تک مشکل ہوتا ہے جب تک وہ ہو نہیں جاتا۔ بات سمجھ رہے ہو نا سائیں۔ قیمت بھی تو اسی مشکل کی دے رہا ہوں تمہیں۔

سلامت: مجھے ذرا سوچنے کا موقع دیں۔

جہانگیر: میرے پاس زیادہ ٹائم نہیں ہے سائیں۔ مجھے ایک ٹیلی فون کرنا ہے۔ اتنی دیر سوچ لو۔

(جہانگیر جاتا ہے سلامت حیرت زدہ سا ریاست کی طرف آتا ہے)

سلامت: او یار ریاست .... یہ کیا فرمائش ڈال کے آزمائش میں ڈال دیا ہے مجھے سردار صاحب نے، انسانیت بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔

(ریاست اس کی طرف متوجہ ہوئے بغیر باز کو گوشت کھلاتا ہے۔ سلامت کندھے جھٹک کر پیچھے ہٹتا ہے)

سین نمبر ۱۵

احمد علی کا دفتر

جمال دروازے سے داخل ہوتا ہے۔ عابد چونک کر اس کی طرف دیکھتا ہے مسکرا کر اٹھتا ہے۔

عابد: ہیلو۔

جمال: یار یہ جو تمہارے سرپرائز قسم کے LUNCH ENGAGEMENT ہوتے ہیں نا .... (یک دم نظر تمکین پر پڑتی ہے) ہیلو، آپ؟

تمکین: یہی بات میں آپ سے کہنے والی تھی۔

عابد : تو آپ لوگ تو پہلے سے WELL KNOWN ہیں۔ میں خوامخواہ تعارف کے لیے موٹے موٹے لفظ سوچ رہا تھا۔
جمال : تم ذہن پر زیادہ زور نہ دیا کرو جانِ عزیز۔ (تمکین کی طرف مڑتے ہوئے) آپ یہاں۔
تمکین : عابد صاحب سے کچھ بزنس ٹاک بہت دنوں سے DUE تھی — وہی کرنے آئی ہوں۔

جمال : اوہ — تو آپ؟
تمکین : ایک ایک لفظ تول کر بولتی ہے۔ جمال کا ردِّعمل نوٹ کرتی ہے) دراصل یہ سائٹ میری امی ہینڈل کرتی تھیں۔ ان کی وفات ہو گئی ہے نا پچھلے دنوں۔
جمال : (رسمی انداز میں) بہت افسوس ہوا۔
عابد : بھئی یہ مسز انیسہ جمیل کی بیٹی ہیں نا — تمکین۔
جمال : (شدید حیرت سے) کیا؟
عابد : حیرت ہے تم انہیں جانتے بھی ہو اور . . .
تمکین : (مسکراتے ہوئے) دراصل عابد صاحب۔ جمال صاحب سے میرا تعارف بڑا حادثاتی سا ہے . . .
(جمال کے P.O.V سے دکھاتے ہیں کہ وہ سخت حیرت زدہ ہے تمکین اور جمال کی باتیں اس کی سمجھ میں نہیں آ رہیں۔ صرف ہونٹ ہلتے نظر آتے ہیں۔)

سین نمبر ۱۶

فقیر حسین کا گھر۔
گاہک فقیر حسین کو سمجھاتا ہے۔ سعیدہ اور اختر ایک کونے میں رقم گن رہے ہیں) سعیدہ کاغذ پر لکھتی جا رہی ہے۔)
گاہک : میں تو اب بھی یہی مشورہ دوں گا کہ رجسٹری میں رقم کم لیں اس میں ہم دونوں کا فائدہ ہے۔
فقیر حسین : مگر کیوں، بھائی۔ قانون ہم سب کی بھلائی کے لیے ہے۔ اسے دھوکہ دینے کا مطلب ہے کہ ہم اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔
(اختر سے مخاطب ہوتا ہے)
رقم گن لی بیٹا۔
اختر : بس ابو — ایک منٹ اور . . . . (سعیدہ سے) یہ اتنی ٹیڑھی میڑھی کیوں لکھی ہیں رقمیں۔ ہمیشہ صفر کے نیچے صفر لکھنا چاہیے۔ (سعیدہ اسے گھورتی ہے اختر جلدی جلدی ٹوٹل کرتا ہے) ٹھیک ہے ابو۔
گاہک : (کاغذات آگے رکھتے ہوئے) لیجیے جناب یہاں دستخط فرما دیں۔
فقیر حسین : لائیے جناب۔
(کاغذ پر دستخط کرتا ہے)
سین نمبر ۱۷

احمد علی کا دفتر۔

(احمد علی کے دفتر میں گریوال۔ گاہک، کے ہاتھ میں ایک فائل لیے آتا ہے۔ فائل احترام سے احمد علی کے آگے رکھتا ہے۔ احمد علی فائل کھول کر کاغذات دیکھتا ہے۔ مسکراتا ہے)

احمد: ویل ڈن مسٹر گریوال۔

گریوال: تھینک یو سر۔

احمد: (گاہک سے) کوئی پرابلم تو نہیں ہوئی۔

گاہک: نہیں سر۔ مگر وہ کچھ عجیب سا آدمی ہے سر! کچھ۔ (اشارہ کرتا ہے کہ کریک سا ہے)

احمد: (مسکراتے ہوئے) ہاں مگر اب اس کی ساری بد دماغی اس فائل میں دفن ہو گئی ہے۔

(احمد کا کلوز، بہت خوش ہے)

14

کردار

• فقیر حسین • سعیدہ • احمد علی • اختر • جہانگیر • رفیق • جمال • سلمیٰ • نگین • فیض رسول • عابد • سلامت • ریاست • وحید بھائی • سعید • سمندر خان۔

سین نمبر ۱

احمد علی کا گھر۔

(کیمرہ ٹی وی پر اوپن ہوتا ہے۔ جہاں ریسلنگ چیمپئن کی فلم چل رہی ہے۔ احمد علی بڑی توجہ سے فلم دیکھ رہا ہے۔ سلمیٰ آتی ہے ہاتھ میں سُوپ کا پیالہ ہے۔)

سلمیٰ: یہ لیں۔ پہلے پی لیں ٹھنڈا ہو جائے گا۔

(احمد علی اس کے ہاتھ سے پیالہ پکڑ کر رکھتا ہے۔ نظر مسلسل ٹی وی کی طرف ہے سلمیٰ کو ہاتھ سے پکڑ کر بٹھاتا ہے۔)

احمد علی: بیٹھو۔ بیٹھو۔ بڑی مزیدار فائٹ ہے۔

سلمیٰ: کیا ہے۔

احمد: فائٹ۔ بھئی۔ کشتی۔

سلمیٰ: اچھا۔ لیکن پہلے سُوپ پی لیں۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا تھا کہ....

احمد: ڈاکٹروں کے کہنے کی زیادہ پروا نہ کیا کرو۔ اسی بات کی تو وہ فیس لیتے ہیں۔

(سکرین پر ہونے والی فائٹ کی داد دیتا ہے۔)

واہ.... بھئی یہ دونوں بھائی بڑے کمال کی چیزیں ہیں۔ بہت عمدہ فاؤل کھیلتے ہیں۔

سلمیٰ: کیا؟

احمد: فاؤل بھئی۔ غلط —

سلمیٰ: کمال ہے۔ وہ غلط کھیلتے ہیں اور آپ اُن کی تعریف کر رہے ہیں۔

(پیالہ اٹھا کر اسے دیتی ہے۔)

احمد: (مسکراتے ہوئے گھونٹ بھرتا ہے) تم نے سنا نہیں۔ جنگ اور محبت میں سب کچھ جائز ہے۔

سلمیٰ : (دفعتاً) مجھے تو زہر لگتا ہے یہ پروگرام — وحشیوں کی طرح لڑتے ہیں۔

(ٹی وی پر کٹ کرتے ہیں جہاں اناؤنسر ملر برادرز کے جیتنے کا اعلان کرتا ہے اس کے بعد THE END آتا ہے)

احمد : (برا سا منہ بناتے ہوئے) ایک تو یہ ختم بہت جلدی کر دیتے ہیں۔

سلمیٰ : (ٹی وی آف کرتے ہوئے اس کی طرف آتی ہے) بہت اچھا کرتے ہیں۔

احمد : دیکھو جانِ من۔ اس دنیا کے اکھاڑے میں جیتنے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی پہلے وار کرے اور یہ سوچ لے کہ ناکامی کا دوسرا نام موت ہے۔

(سُوپ کا پیالہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے)

ذرا سا نمک تو ڈالو اس میں بالکل پھیکا ہے۔

سلمیٰ : ڈاکٹر صاحب نے کہا تھا کہ نمک ....

احمد : پھر ڈاکٹر۔ دیکھو میرے بچوں کی والدہ۔ اب میں بالکل ٹھیک ہوں NO BLOOD PRESSURE I AM JUST OKEY .... NO KIDNEY PAIN

سلمیٰ : (پریشانی کے انداز میں) کیا بھائی فقیر حسین کو پتہ ہے کہ .... اُن کا مکان آپ نے خریدا ہے۔

احمد : اگر نہیں — تو چل جائے گا۔ سورج نکلے تو سب کو نظر آتا ہے۔

(سلمیٰ کچھ کہنے کے لیے ہونٹ ہلاتی ہے اسے ہاتھ کے اشارے سے روکتا ہے)

نو نو نو۔ اس سلسلے میں مَیں کچھ نہیں سنوں گا۔ فقیر حسین اب کسی رعائت کا مستحق نہیں ہے۔ اب اُسے یہ سب FACE کرنے دو۔

سلمیٰ : کیا کرنے دو۔

احمد : (جھنجلا کر) میرا سر۔ ائے بھئی ....

(سلمیٰ کا ری ایکشن دیکھ کر لہجہ معتدل کرتا ہے)

خیر چھوڑو اس ذکر کو — سردار صاحب سے جو بات کرنی ہے وہ تمہیں یاد ہے!

سلمیٰ : یاد ہے۔ مگر....

احمد : اگر مگر کچھ نہیں۔ وہ بڑی ضدی طبیعت کا آدمی ہے اگر اس نے ایک دفعہ کھل کر رشتہ مانگ لیا تو بڑی مصیبت ہو جائے گی۔

سلمیٰ : لڑکا تو — اچھا ہے۔

احمد : بات لڑکے کی نہیں سلمیٰ۔ تم ان لوگوں کو نہیں جانتیں۔ ان کی حویلیوں میں عورتوں کو اس طرح رکھا جاتا ہے جیسے ڈربوں میں کبوتر رکھتے ہیں۔ یہ لوگ کتنا پڑھ لکھ جائیں۔ لاکھ آزادخیال بنیں — پوری دنیا کے چکر لگائیں۔ لیکن جہاں گھر کی عورت کی بات آتی ہے وہاں یہ فوراً دس صدیاں پیچھے چلے جاتے ہیں۔

سلمیٰ : ہاں۔ پھر تو...... ہماری نیلم.....

احمد : اسی لیے کہہ رہا ہوں یہ بات شروع ہونے سے پہلے ختم کر دو۔ یوں بھی میں نے سردار صاحب سے پارٹنرشپ میں کام نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ کراچی میں ایک پارٹی سے بات ہو گئی ہے۔ اُن سے معاملہ طے ہوتے ہی میں سردار صاحب کو خدا حافظ کہہ دوں گا۔

سلمیٰ : میری سمجھ میں تو آپ کی باتیں آتی نہیں — ابھی کل تک آپ....

احمد : جو کل گزر جائے اسے بھول جانا چاہیئے۔ ذہن میں ہمیشہ آنے والا کل رکھنا چاہیئے۔ وقت پیچھے کو نہیں آگے کی طرف چلتا ہے۔ CLOCK WISE

سلمیٰ : کیا وائز۔

احمد : کلاک وائز۔

سلمیٰ : اچھا۔

سین نمبر ۲

وحید بھائی کا شاندار دفتر۔

(دیواروں پر مذہبی مقامات کی تصویریں لٹکی ہوئی ہیں۔ فقیر حسین السلام علیکم کہہ کر اندر داخل ہوتا ہے۔ وحید بھائی رسمی تپاک سے ہاتھ ملاتا ہے وہی ہاتھ اپنے سینے پر پھیرتا ہے۔)

وحید بھائی : وعلیکم السلام۔ تشریف رکھیئے۔

فقیر حسین : (بیٹھتے ہوئے) شکریہ۔

وحید : پیارے میاں نے فون کیا تھا آپ کے بارے میں۔ ارشاد۔

فقیر حسین : ایک خط میں نے آپ کی خدمت میں لکھا تھا۔ پرنٹنگ وغیرہ کے سلسلے میں.... کچھ پریس کا کام شروع کیا ہے میں نے۔

وحید : اوہ۔ اچھا۔ ہاں۔ دیکھا تھا میں نے آپ کا خط۔ میرا اصول ہے میں کاروبار سے متعلق ہر کاغذ خود دیکھتا ہوں۔ محنت تو ایمان کا پہلا زینہ ہے۔

فقیر حسین : بہت اچھا کرتے ہیں آپ۔ تو پھر....

وحید : دیکھیئے برادر محترم — ہمارا کاروبار اللہ کے فضل و کرم سے بہت پھیلا ہوا ہے۔ آپ کا پریس — میرا مطلب ہے ہمارا کام BULK میں ہوتا ہے۔ چھوٹے پریس کے بس کا کام نہیں ہے یہ۔

فقیر حسین : تھوڑا بہت کام تو آپ ہمیں دے سکتے ہیں نا۔ کوئی ایسی چیز جو نسبتاً کم چھپتی ہو۔ کوئی لیبل۔ کوئی ڈبہ۔ کوئی اشتہار وغیرہ۔

وحید : پیارے میاں میرے بڑے محترم ہیں۔ میرے بھائیوں کی طرح ہیں۔ انہوں نے آپ کے بارے میں

کہا ہے تو اب کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔ لیکن اس کے لیے آپ کو اپنی اہلیت ثابت کرنی پڑے گی۔

فقیر حسین: جی میں کچھ سمجھا نہیں۔

وحید: مطلب یہ ہے برادرِ عزیز۔ کہ بزنس میں ESTABLISH ہونے کے لیے۔ آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کے لیے شروع شروع میں کچھ قربانیاں بھی دینا پڑتی ہیں۔ RATES بازار سے کم رکھنے پڑتے ہیں۔ پیارے میاں کو دیکھئے گھڑیاں مرمت کیا کرتے تھے...... آج ماشاءاللہ لاکھوں میں کھیلتے ہیں۔

فقیر حسین: جی اس کی آپ فکر نہ کریں۔ RATES انتہائی معقول ہوں گے۔ ناجائز منافع کو میں حرام سمجھتا ہوں۔

وحید: ماشاءاللہ، ماشاءاللہ۔ ایسے ہی دردِ دل رکھنے والے لوگوں کی ضرورت ہے قوم کو۔ میں خود آپ کی دعا سے تیس چالیس اصلاحی انجمنوں کا صدر اور سرپرست ہوں۔ اپنی لساط بھر کوشش کرتا رہتا ہوں نیکی کی تبلیغ اور فروغ کی۔ لیکن کیا عرض کروں لوگ آگے نہیں آتے۔

فقیر حسین: (متاثر ہوتے ہوئے) آئیں گے قبلہ آئیں گے۔ انسان کو کوشش جاری رکھنی چاہیئے۔

وحید: آپ بھی لیں نا اس کارِ خیر میں حصہ۔

فقیر حسین: حکم فرمایئے۔

وحید: کچھ کتابچے وغیرہ میں لکھتا رہتا ہوں، اصلاح معاشرہ کے سلسلے میں۔ آپ ان کی چھپائی میں کچھ....

فقیر حسین: کیوں نہیں۔ مجھے بڑی خوشی ہوگی یہ تو عین ثواب کا کام ہے۔

وحید: اچھا تو آپ یوں کیجئے میں آپ کو ضمیر صاحب کے پاس بھجوا دیتا ہوں۔ ان کے پاس میرے نئے مضمون کا مسودہ رکھا ہے۔ "پاکستانی بننا سیکھئے" - اس کی کوئی دس ہزار کاپیاں آپ چھاپ دیجئے۔ اس کارِ خیر میں آپ کا حصہ بھی ہو جائے گا اور مجھے آپ کے پریس کے معیار کا بھی پتہ چل جائے گا۔

فقیر حسین: جی بہتر۔ (وقفہ) ایک بات ہے قبلہ۔

وحید: ارشاد۔

فقیر حسین: آپ کے اتنے عمدہ اور نیک خیالات سن کر مجھے یہ بات کہنے کی ہمت ہو رہی ہے۔ ماشاءاللہ اتنی دلچسپی لیتے ہیں آپ لوگوں کی بہتری میں....

وحید: (مصنوعی انکسار سے) کہاں جی۔ ہم تو بڑے گنہگار، بڑے عاجز سے بندے ہیں۔ یہ تو سب اس کی عنایت ہے....

(چھت کی طرف دیکھتا ہے)

فقیر حسین: میں عرض کر رہا تھا کہ آپ کے کارخانے کی تمام چیزیں ایسی ہیں جو لوگوں کے روزمرہ استعمال میں آتی ہیں لیکن....

وحید: لیکن کیا — !

فقیر حسین : میں یہ سوچ رہا تھا کہ پچھلے کچھ برسوں سے چیزوں کی قیمتیں بڑھنے کی بجائے کچھ کم ہوئی ہیں — مزدوریوں میں بھی کوئی اضافہ نہیں ہوا لیکن آپ کی مصنوعات کی قیمت ہر سیزن میں ..... میرا مطلب ہے ... کچھ بڑھتی ہی جا رہی ہیں۔

(وحید ٹپٹا سا جاتا ہے اشتعال دبانے کی کوشش کرتا ہے)

وحید : یہ بڑی لمبی کہانی ہے بھائی صاحب۔ قیمتیں دراصل RETAILOR بڑھاتا ہے اور نام بے چارے مینوفیکچرز کا بدنام ہوتا ہے۔ آپ کا یہ فیلڈ نہیں ہے نا اس لیے آپ کو پتہ نہیں۔

فقیر حسین : دراصل کچھ عرصے سے املے بھوئی نے پرچون کی دکان بھی کی ہے اور .... میں نے دیکھا ہے کہ قیمتیں پہلے کمپنی بڑھاتی ہے اور اس کے بعد نیچے والے۔

وحید : دراصل یہ کام ہمارے مارکیٹنگ اور سیلز سیکشن کا ہے۔ مجھے اس کے بارے میں زیادہ علم نہیں بہت حساب لگا کر قیمتیں مقرر کی جاتی ہیں۔

(ہاتھ بڑھاتے ہوئے)

اچھا ..... انشاءاللہ پھر ملاقات ہوگی۔ میری ایک میٹنگ شروع ہونے والی ہے۔

(فقیر کچھ کہنے کی کوشش کرتا ہے مگر وحید کی بے تعلقی دیکھ کر خاموش ہو جاتا ہے)

سین نمبر ۳

(چوہدری سمندر خاں کی حویلی کا مہمان خانہ۔ رفیق اور فیض رسول متوقع نظروں سے چوہدری سمندر خاں کی طرف دیکھ رہے ہیں جس کے چہرے پر تردد و شک کے آثار ہیں۔ ان کی طرف مڑتا ہے)

سمندر خاں : دیکھو جوانو۔ اپنے علاقے میں بدمعاشی اور غنڈہ گردی کو روکنے کے لیے میں نے ہمیشہ میدان میں آکر بات کی ہے۔ لیکن میں یہ سب کچھ قانون کے اندر رہ کر بلکہ اس سے مل کر کرتا ہوں، جب تک تم اپنا مقصد نہیں بتاؤ گے میں تمہارے کسی سوال کا جواب نہیں دوں گا۔

رفیق : میرا مقصد صرف ان لوگوں کا پتہ چلانا ہے جنہوں نے ہماری — ذیلداروں کی حویلی کو آگ لگائی تھی

سمندر خاں : (گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھتا ہے) کیوں؟

رفیق : یہ بڑی لمبی کہانی ہے۔

سمندر خاں : اور تم اسے اور آگے بڑھانا چاہتے ہو۔

(رفیق سر جھکا لیتا ہے سمندر خاں اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہے اور سمجھانے کے انداز میں بولتا ہے۔

بدلہ جنگل کی آگ کی طرح ہوتا ہے بیٹا۔ ایک دفعہ یہ آگ بھڑک اٹھے تو سب کچھ راکھ کا ڈھیر کر دیتی ہے۔ اللہ معاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے بیٹا۔

فیض : پر اس نے یہ بھی تو کہا ہے نا کہ میں ہر کام کا حساب لوں گا۔

سمندر : تو پھر اس کو لینے دو حساب۔ تم لوگ جوان ہو۔ ابھی ساری زندگی تمہارے سامنے پڑی ہے۔ دشمنیوں میں کچھ نہیں رکھا۔ عمریں برباد ہو جاتی ہیں بیٹا۔

رفیق : عمریں تو برباد ہو چکی ہیں چوہدری صاحب۔ اسی بربادی کا شمار کرنے کے لیے تو میں ان لوگوں کو ڈھونڈ رہا ہوں۔ مجھے تو صرف ان سے اس بربادی کی وجہ پوچھنی ہے۔

سمندر : تم پہلے آدمی نہیں ہو جس کے منہ سے میں یہ باتیں سن رہا ہوں۔ یہ کھیل میں پہلے بھی کئی دفعہ دیکھ چکا ہوں۔ مگر جوان۔ زندگی ایسے کاموں میں ضائع کرنے کی چیز نہیں ہوتی۔ قانون کو ہاتھ میں لینے سے مسئلے کبھی حل نہیں ہوتے۔

رفیق : مجھے پتہ ہے چوہدری صاحب۔ اچھی طرح پتہ ہے پر میں نے مسئلہ حل نہیں کرنا۔ ختم کرنا ہے۔ کیا۔ مُکانا ہے اُسے۔

فیض : آپ کی بڑی مہربانی ہو گی چوہدری صاحب۔ دو مہینے سے اپنا ہم کھجل خراب ہو رہے ہیں اس تلاش میں۔

سمندر : (دلچسپی لیتے ہوئے) قصہ بارہ سال پرانا ہے اور دلچسپی تم پچھلے دو مہینے سے لے رہے ہو۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔

رفیق : میرا آپ سے وعدہ ہے چوہدری صاحب۔ اگر میں بچ گیا تو اپنے آپ کو ضرور قانون کے حوالے کر دوں گا۔ کیا۔ میں قسم کھاتا ہوں۔

سمندر : نہیں جوان نہیں۔ مجھے اعتبار ہے تیری بات کا۔ جھوٹ بولنے والے کی آنکھ میں چمک اور آواز میں آنسو نہیں ہوتے۔ بیٹھ۔ مجھے سوچنے دے۔

سین نمبر ۴

سمندر خان کا مہمان خانہ

(رفیق اور فیض سمندر خاں سے گلے ملتے ہیں۔ جیسے روانگی کی تیاری کر رہے ہیں۔)

سمندر : (رفیق کا شانہ تھپک کر) اچھا جوان رب راکھا۔ اگر وہ لوگ تجھے مل گئے تو اپنا وعدہ یاد رکھنا۔

(رفیق اثبات میں سر ہلاتا ہے)

دیکھو بیٹا قانون توڑنے والے اگر کسی وجہ سے اس کی گرفت سے بچ بھی جائیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ ہمیشہ کے لیے بچ جاتے ہیں۔ وہ پاک پروردگار سب کچھ دیکھتا ہے۔ اسی دنیا میں وہ حساب کر دیتا ہے۔ ایسے لوگوں کا۔ چھوڑتا نہیں انہیں۔

فیض : لاکھ روپے کی بات کی ہے آپ نے چوہدری صاحب۔ پچھلے دنوں ہم لالو ڈکیت سے ملے تھے کیا نامی گرامی بدمعاش تھا اپنے ٹائم کا..... مگر اب آپ دیکھیں تو پتہ چلتا ہے اللہ کی قدرت کا۔

جیتے جی کتوں سے بدتر حال ہے اس کا۔

سمندر : لالو ڈکیت سے ملے تھے تم۔

رفیق : ہاں۔

سمندر کہاں ہے وہ۔ اسے تو پولیس کئی سال سے تلاش کر رہی ہے۔

فیض : حضرت بلیاں والی سرکار کے مزار پر ملنگوں میں چھپ کے بیٹھا ہوا ہے۔ ہاتھوں پیروں کو لقوہ ہو چکا ہے اس کے۔

رفیق : (بے چینی سے کمرے میں ٹہلتے ہوئے) اچھا چوہدری صاحب۔ اب ہم چلتے ہیں۔ میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔ آؤ فیض۔

(دونوں جاتے ہیں۔ سمندر خان کے چہرے پر ایک آزردہ سی مسکراہٹ آتی ہے)

سین نمبر ۵

OUT DOOR

(دور سے رفیق اور فیض رسول ایک ٹیوب ویل یا کنوئیں کی طرف آتے ہیں فیض رسول چاروں طرف دیکھتا ہے انداز سے تھکن نمایاں ہے۔

فیض : کمال ہے۔ لاگے تاگے کوئی بندہ ہی نظر نہیں آ رہا۔ کیا خیال ہے نہا کے ہم ہی بندے نہ بن جائیں ..... میل کی تہہ جم گئی ہے پنڈے پر۔

رفیق : تیرا بچپن میں بھی یہی حال تھا۔

(دونوں ہنستے ہیں)

فیض : چل۔ تو بھی نہا لے۔

رفیق : نہیں۔ مہربانی۔ جی نہیں چاہ رہا اس وقت۔

فیض : ایک تو یہ تیرا جی میری سمجھ میں نہیں آیا آج تک ..... اس گرمی میں تو گائیں بھینسیں بھی نہا لیتی ہیں ــ

رفیق : اسی لیے تو کہہ رہا ہوں تو نہا لے۔

(فیض مصنوعی غصے کا تاثر دیتا ہے۔ رفیق ایک درخت سے ٹیک لگا کر زمین پر بیٹھتا ہے تکان سے آنکھیں بند کرتا ہے غنودگی کے عالم میں خواب دیکھتا ہے کیمرہ تیز چمکتے ہوئے سورج، وسیع میدان اور سوکھے درختوں سے ہوتا ہوا اس کے چہرے پر آتا ہے۔ وہاں سے Mix کر کے اچھلتے ہوئے فواروں، ہرے بھرے میدانوں اور سبز درختوں سے PAN کرتا ہوا رفیق پر آتا ہے جو پھولوں کے جھنڈ میں خاموش بیٹھا ہے اس کے کندھے پر O/F سے سعیدہ کا ہاتھ نمایاں ہوتا ہے

کیمرہ ٹرالی کرتا ہے تو رفیق چونک کر سعیدہ کی طرف دیکھتا ہے)

سعیدہ: بہت تھک گئے ہو؟

رفیق: ہاں۔

سعیدہ: اس طرح کب تک بھٹکتے رہو گے۔

رفیق: پتہ نہیں۔ شاید۔ ابد تک۔

سعیدہ: کیوں؟ لوٹ کیوں نہیں آتے۔

رفیق: کہاں۔ میرا کون ہے۔ جس کے پاس لوٹ کے آؤں۔

سعیدہ: سب تمہارے ہیں۔

رفیق: سب کون۔

سعیدہ: سب۔ تمہارے ساتھی۔ اختر۔ ابو۔

رفیق: اور تم ـــ؟

سعیدہ: (سر جھکاتے ہوئے) ہاں۔ میں بھی۔

رفیق: تم میرا انتظار کیسے کر سکتی ہو.... میں تو ایک جاہل ان پڑھ بدمعاش ہوں۔

سعیدہ: کون کہتا ہے تم بدمعاش ہو۔

رفیق: ساری دنیا کہتی ہے۔ میں خود کہتا ہوں۔

سعیدہ: نہیں رفیق تم بدمعاش نہیں ہو۔ تم بہت اچھے آدمی ہو۔ مجھے اچھے لگتے ہو۔

رفیق: اچھا لگنے سے کیا ہوتا ہے۔ میں تمہارے قابل تو نہیں ہوں.... تم۔ تم..... اتنی..... اتنی خوبصورت ہو۔

سعیدہ: خوبصورتی صرف انساں کی صورت میں نہیں ہوتی رفیق۔

رفیق: نہیں سعیدہ نہیں۔ تم مجھ سے بہت بلند ہو.... میں تو ـــ میں تو تمہیں چھونے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

سعیدہ: کیوں نہیں کر سکتے۔ آؤ میرے ساتھ۔

رفیق: کہاں۔

سعیدہ: اپنے گھر۔

رفیق: میرا گھر۔ میرا تو کوئی گھر نہیں ہے۔

سعیدہ: نہیں ہے تو کیا ہوا۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ ہم نیا گھر بنا لیں گے ـــ آؤ..... لو میرا ہاتھ پکڑ لو۔

(رفیق چند لمحے ہچکچاتا ہے پھر ڈرتے ڈرتے ہاتھ آگے بڑھاتا ہے کیمرہ اس کے

چہرے کے کوڑے کا دکر تا ہے تو وہ بند آنکھوں سے ہوا میں ہاتھ آگے بڑھا رہا ہے
فیض قمیض سے بدن پونچھتا ہوا آتا ہے۔ چند لمحے حیرت سے اس کی طرف دیکھتا ہے اس
کے پاس بیٹھتا ہے۔)

فیض : یہ کیا ہوا میں مچھلیاں پکڑ رہے ہو۔

(رفیق ایک دم آنکھیں کھول کر ہواس باختہ انداز میں فیض کی طرف اور پھر اردگرد دیکھتا
ہے۔ بے یقینی کے انداز میں سر جھٹک کر سورج کی طرف دیکھتا ہے)

رفیق : یہ سورج آج اتنا تیز کیوں چمک رہا ہے۔

(فیض حیرت سے اس کی طرف دیکھتا ہے)

سین نمبر ۶

فقیر حسین کا نیا گھر

(سعیدہ ایک کھڑکی کھولتی ہے ایک دم دھوپ سے بچنے کے لیے آنکھوں پر ہاتھ
رکھتی ہے)

سعیدہ : اوہ۔ یہ سورج آج اتنا تیز کیوں چمک رہا ہے۔

اختر : (مزاحیہ انداز میں) سورج تو اپنی روٹین کے مطابق ہی چمک رہا ہے، البتہ تم نے اسے بہت دنوں بعد
دیکھا ہے اس لیے ..... (جملہ بیچ میں چھوڑ کر سعیدہ سے مخاطب ہوتا ہے) ویسے سعیدہ جس کسی نے
بھی یہ مکان بنایا ہے ..... میرا مطلب ہے ڈیزائن کیا ہے اسے سورج سے کوئی خاص ہی محبت لگتی
ہے۔ ساری کھڑکیاں عین سورج کے منہ میں کھلتی ہیں۔

سعیدہ : واقعی بڑا بے ڈھنگا مکان ہے۔

اختر : اور کرایہ دیکھو۔

سعیدہ : چلو شکر کرو مل تو گیا ہے۔ مجھے تو ایسے لگتا تھا جیسے کچھ دن کسی ہوٹل میں ہی رہنا پڑے گا۔

اختر : ایک تو ابو کی یہ غیر ضروری اصول پسندی میری سمجھ میں نہیں آتی۔ انہیں تو ایسے لگتا ہے جیسے ایمانداری
کا COMPLEX ہو گیا ہے۔

سعیدہ : (ٹوکنے کے انداز میں) اختر۔

اختر : اور کیا۔ اب دیکھو نا۔ کیا ضرورت تھی تین دن کے اندر اندر مکان خالی کر کے دینے کی لوگ
چھ چھ مہینے کی مہلت لے لیتے ہیں نئے مالکوں سے۔

سعیدہ : اب بس ہے ان کی عادت۔ ان کی طبیعت ہی ایسی ہے ..... اچھا تم اب مجھے فضول باتوں میں نہ
لگاؤ اور سب کھڑکیوں اور دروازوں کی پیمائش لکھ کر مجھے دو میں نے پردے تیار کرنے ہیں۔

اختر : اکر دوں گا۔ پہلے مجھے کچھ کھانے کو دو۔ بھوک سے دم نکلا جا رہا ہے۔

سعیدہ: FOR YOUR KIND INFORMATION - گیس کا کنکشن کٹا ہوا ہے۔

اختر: مارے گئے۔ اب کیا کریں۔

سعیدہ: آپ کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ابو کھانا لینے گئے ہوئے ہیں۔ بلکہ انہیں آجانا چاہیئے تھا اس وقت تک۔

اختر: (خوشدلی سے ہنستے ہوئے) ان کے سر پر آج کل پریس سوار ہے کچھ پتہ نہیں کھانے کی جگہ دو کلو ٹیسٹر ٹائپ لے آئیں۔

سعیدہ: (ہنستے ہوئے) بکواس نہیں کرو۔ شرم تو نہیں آتی ایسی باتیں کرتے ہوئے — ابو نے سن لیا تو۔

اختر: ویسے ایک بات ہے سعیدہ — ابو کا ذہن بہت تیز ہے — چند دنوں میں پریس کے بارے میں انہوں نے اتنا کچھ سیکھ لیا ہے کہ.....

(فقیر حسین کو آتے دیکھ کر خاموش ہو جاتا ہے۔ فقیر حسین کے ہاتھ میں دو تین لفافے ہیں۔ لفافے میز پر رکھتا ہے۔

فقیر حسین: لو بھئی۔ اب جلدی سے پلیٹیں لے آؤ.....

سعیدہ: (سوچتے ہوئے) پلیٹیں۔ پلیٹیں۔ پلیٹیں — پلیٹیں کہاں رکھی ہیں۔

(اختر کی طرف دیکھتی ہے)

اختر: مجھ سے پوچھ کر رکھی تھیں۔؟

سعیدہ: (اس کے بال کھینچتے ہوئے دوسرے کمرے میں جاتی ہے) اسٹوپڈ۔

(اختر کان بجاتا ہے)

فقیر حسین: مستری مل گیا تھا بیٹا۔

اختر: جی ابو — شام کو آئے گا چھٹی کے بعد۔

فقیر حسین: پتہ سمجھا دینا تھا اسے اچھی طرح۔

اختر: سمجھا دیا تھا ابو۔ اسے پتہ ہے اس علاقے کا۔

فقیر حسین: (اپنے آپ سے) اللہ نے چاہا تو اس جمعے سے کام شروع کر دیں گے۔

سین نمبر ۷

جمال کا دفتر۔

(جمال کے انداز سے بے چینی نمایاں ہے پیپر ویٹ کو اٹھاتا اور رکھتا ہے سید غور سے اس کی طرف دیکھ رہا ہے۔)

سعید: تو پھر میں ڈن DONE کروں یہ سودا۔

جمال: ہاں۔ مگر.... اب کوئی UNDERHAND DEALING نہیں ہوگی۔ انہیں بتا دو کہ کاغذات

میں سارے اندراج صحیح صحیح ہوں گے۔ تمہاری یہ ٹیکس SAVING کارروائیاں مجھے نہیں چاہئیں —

I HAD ENOUGH OF IT.

سعید : دودھ کا جلا چھاچھ کو پھونک کر پیتا ہے۔ مگر جمال صاحب کاروبار میں INITIATIVE کے بغیر تو۔

جمال : بات کاروبار کی نہیں فراڈ کی ہو رہی تھی سعید۔ اور میرے خیال میں (ایک دم تمکین کو اندر آتے دیکھ کر حیرت سے خاموش ہو جاتا ہے بے اختیار سا ہو کر اپنی سیٹ سے اٹھتا ہے) آپ .... آ۔ آ۔ آیئے۔ تشریف رکھیے۔

(تمکین کھڑی رہتی ہے)

تمکین : (مسکراتے ہوئے) میں مخل تو نہیں ہوئی۔

جمال : (پریشانی پر قابو پانے کی کوشش میں) جی نہیں۔ بالکل نہیں۔

تمکین : چیمبر کی میٹنگ تھی آج۔ بڑی بور چیز ہے۔ اِدھر لنچ بریک ہوا ہے اِدھر میں بھاگی ہوں۔ اتفاق سے آپ کے دفتر پہ نظر پڑ گئی HOPE کہ میں نے آپ کو ڈسٹرب نہیں کیا۔

جمال : قطعاً نہیں۔ (تعارف کراتے ہیں) یہ میرے مینیجر ہیں مسٹر سعید غنی اور آپ ہیں محترمہ تمکین۔

(سعید ہاتھ سے سلام کرتا ہے غور سے اس کی طرف دیکھتا ہے)

تمکین : (ہنستے ہوئے لفظ کو لمبا کر کے بولتی ہے) محترمہ۔ اب میں اتنی بھی وہ .... کیا کہتے ہیں، برگزیدہ نہیں ہوں۔

جمال : آپ بیٹھیے کھڑی کیوں ہیں۔

(تمکین بیٹھ جاتی ہے)

تمکین : عابد صاحب تو بتا رہے تھے کہ آپ کے دفتر کے سٹاف میں لڑکیاں ہی لڑکیاں ہیں۔ مگر مجھے تو ایک بھی نظر نہیں آئی۔

جمال : (ڈپٹا سا جاتا ہے) جی وہ .... تھیں .... ! اب نہیں ہیں۔

تمکین : کیوں؟

جمال : بس۔ کچھ اچھا نہیں رہا یہ تجربہ .... دراصل ....

تمکین : حیرت ہے۔ ہم نے تو سنا ہے کہ دفتروں میں خواتین کی موجودگی مردوں کو زیادہ مہذب DECENT بنا دیتی ہے .... کام بھی زیادہ کرنے لگتے ہیں۔

سعید : میرا بھی یہی خیال ہے۔ مگر جمال صاحب .... بس ان کے موڈ کی بات ہے!

تمکین : (غور سے جمال کی طرف دیکھتی ہے جمال نظریں چراتا ہے۔ تمکین ایک دم مسکراتی ہے) سنا ہے آپ کوئی وولن ملز کا پراجیکٹ شروع کرنے والے ہیں۔ میٹنگ میں کوئی صاحب کہہ رہے تھے۔

جمال : جی .... جی ہاں .... کچھ خیال تھا تو ....

تمکین : افسوس امی اب نہیں ہیں۔ (وقفہ) وہ آپ کو اس سلسلے میں بہت اچھی TIPS دے سکتی تھیں۔ آپ ملے تو ہوں گے ان سے ....

جمال : (گھبرا کر) جی .... جی ہاں ..... کیوں نہیں .... وہ اتنی مشہور .... (بات بدلتے ہوئے) او ہو میں بھی کتنا فضول آدمی ہوں ابھی تک پوچھا ہی نہیں کہ آپ کیا پئیں گی۔ ؟ (سعید کی طرف دیکھتے ہوئے) سعید!

تمکین : (سعید کے کچھ بولنے سے پہلے کرسی سے اٹھتے ہوئے بولتی ہے) نہیں جمال صاحب شکریہ۔ مجھے چند منٹ کے لیے آفس بھی جانا ہے۔ AND I HAVE TO TAKE MY LUNCH

اور پھر میٹنگ میں بھی واپس پہنچنا ہے۔ پھر کبھی۔

سعید : اگر آپ مناسب سمجھیں تو لنچ یہیں کریں۔

تمکین : تھینک یو سعید صاحب ... لیکن میری مرحومہ امی اپنی عادتوں میں بہت PARTICULAR تھیں۔ اور یہی ٹریننگ انہوں نے مجھے دی ہے۔ اچھا مسٹر جمال — خدا حافظ۔

(تمکین جاتی ہے جمال حیرت زدہ سا اس کی طرف دیکھتا ہے جیسے اس کے جملوں کا مطلب سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔)

سعید : (خود بھی اس صورت حال سے کچھ پریشان سا ہے) جمال صاحب .... یہ .... مس تمکین .... کیا (جمال اثبات میں سر ہلاتا ہے) اوہ۔

جمال : (سر کو دونوں ہاتھوں سے مسلتے ہوئے) مجھے لگتا ہے کسی دن میرا سر ایک دھماکے سے پھٹ جائے گا۔ انیسہ کا آسیب میری جان لے کر چھوڑے گا۔

سعید : (ابھی تک پریشان ہے) مگر جمال صاحب .... یہ .... پہلے تو کبھی ....

جمال : یہ اس کی سوتیلی بیٹی ہے۔ اُن دنوں جاپان میں تھی۔

سعید : کیا اسے پتہ ہے کہ ..... I MEAN

جمال : شاید نہیں۔ لیکن .... پتہ نہیں کیوں اس لڑکی کو دیکھ کر میرے اعصاب تن سے جاتے ہیں ..... یوں لگتا ہے جیسے .... I CANT EXPLAIN IT .... لیکن اس میں کوئی بات ایسی ضرور ہے جس سے میری روح لرز جاتی ہے۔

سعید : (حوصلہ دینے کی کوشش میں) کوئی بات نہیں ہے جمال صاحب۔ صرف۔ آپ ضرورت سے زیادہ حساس ہیں۔ اور خوامخواہ انیسہ کی موت کو اپنے کھاتے میں ڈال رہے ہیں .... FORGET IT

جمال : میں تو بھولنے کی بہت کوشش کرتا ہوں مگر .... پرسوں سے چار دفعہ تو یہ خاتون مل چکی ہے

سعید : GOOD LUCK!

جمال : SHUT UP! .... کسی وقت کوئی اور بات بھی کیا کرو۔

عید : میں تو ایک بات جانتا ہوں جمال صاحب ۔ مس نگین ایک حسین لڑکی ہے اور حسین لڑکیاں غیر مشروط طور پر بے وقوف ہوتی ہیں ۔

(گھور کر اس کی طرف دیکھتا ہے ۔ ہاتھ سے جانے کا اشارہ کرتا ہے ۔

جمال : سر درد کی کوئی گولی بھجوا دو مجھے ۔

سین نمبر ۸

احمد علی کا گھر

(نوکر چائے کی ٹرالی گھسیٹتا ہوا لاتا ہے ۔ اس پر سردار جہانگیر کی آواز ابھرتی ہے جو کچھ کہہ رہا ہے نوکر کو دیکھ کر رکتا ہے ۔)

سلمیٰ : ادھر ۔ یہاں رکھو میرے پاس ..... (سردار جہانگیر کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے) جی ۔

(احمد غیر معمولی طور پر خاموش ہے)

جہانگیر : شہر کے لوگ ہمارے پرابلم کو نہیں سمجھتے بھابی ..... بیلوں کے سینگ زیادہ اونچے ہو جائیں تو وہ خطرناک ہو جاتے ہیں ۔ نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے ان سے خلق خدا کو ..... چھوٹے بچے کے ہاتھ میں شیشے کا برتن نہیں دیتے نا ..... توڑ دیتا ہے اسے ، زخمی کر لیتا ہے اپنے آپ کو ۔

سلمیٰ : مگر بھائی صاحب ..... لوگوں اور بیلوں میں تو فرق ہوتا ہے نا ....

جہانگیر : کیا فرق ہوتا ہے ۔ ؟ ان پڑھ اور جاہل آدمی تو سینگوں والے بیل سے بھی زیادہ HARMFUL ہوتا ہے ۔

سلمیٰ : کیا ہوتا ہے ۔

(جہانگیر حیرت سے اس کی طرف دیکھتا ہے)

احمد : خطرناک کہہ رہے ہیں سردار صاحب ۔

جہانگیر : بھئی یہ ہمارے دونوں بیٹے عابد اور شہباز کدھر غائب ہو گئے ہیں ۔ بلاؤ نا انہیں ۔ چائے پئیں آکر ۔

سلمیٰ : (مسکراتے ہوئے) ریکارڈ سنوار رہا ہو گا اسے الٹے سیدھے ... پتہ نہیں یہ انگریزی گانے کیا بلا ہوتے ہیں ۔ ایک ہی طرح کا شور مچا رہتا ہے ہر گانے میں ..... اس کے مقابلے میں ہمارے گانے .... کیسے اچھے اچھے ہوتے ہیں ۔ ایک ایک بات سمجھ میں آتی ہے ۔

احمد : یہ قصور ان کا نہیں بیگم ..... انگریزی زبان سے آپ کی IGNORANCE وجہ ہے اس .....

سلمیٰ : کیا ہے ۔

احمد : (انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے) یہی !

(سلمیٰ برا سا منہ بناتی ہے)

جہانگیر: نیلم بیٹی کہاں ہے ذرا بلوایئے اسے ۔۔۔۔ میں اس کے لیے ایک چیز لایا تھا۔

سلمیٰ: (احمد کی طرف دیکھتی ہے جو اسے بولنے کا اشارہ کرتا ہے) وہ بھائی صاحب ۔۔۔۔ دراصل ۔۔۔۔ اس کے سسرال والے آئے ہوئے ہیں نا ۔۔

جہانگیر: سسرال ۔۔۔۔!

سلمیٰ: جہاں اس کا رشتہ ہوا ہے۔ کینیڈا میں رہتے ہیں وہ لوگ ۔۔۔۔

جہانگیر: (پریشانی پر قابو پانے کی کوشش میں) اچھا ۔ مگر (احمد سے) آپ نے کبھی ذکر ہی نہیں کیا سائیں۔

احمد: بس سردار صاحب ۔۔۔۔ کبھی موضوع ہی نہیں چھڑا۔

جہانگیر: یعنی رشتہ ۔۔۔۔ طے ہو چکا ہے۔

سلمیٰ: جی وہ ۔۔۔۔ دراصل۔

احمد: (جلدی سے بولتے ہوئے) رشتہ تو کب کا طے ہو چکا ہے۔ پچھلے سال باقاعدہ منگنی بھی ہو گئی تھی۔

جہانگیر: اچھا۔ اچھا۔ ماشاء اللہ۔

(سوچ میں پڑ جاتا ہے احمد اور سلمیٰ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں۔)

سین نمبر ۹

نقیر حسین کا نیا گھر

(کمرے میں کچھ سامان ترتیب سے اور کچھ بے ترتیب پڑا ہے سعیدہ میز پر کھڑی ہو کر پردے لٹکا رہی ہے اختر آتا ہے۔ اختر کے ہاتھ پاؤں پریس کی مشین پر کام کرنے کی وجہ سے کالے ہو رہے ہیں۔ سعیدہ اسے دیکھ کر ہنسنے لگتی ہے اس کے مسلسل ہنسنے سے اختر بھی CONFUSED سا ہو کر ہنستا ہے)

اختر: کیا مصیبت ہے! ایسے ہی ہنستی جا رہی ہو۔

سعیدہ: شکل دیکھی ہے اپنی۔ پورے کارٹون لگ رہے ہو۔

اختر: شاید اسی لیے لوگ کہتے ہیں کہ تم بہن بھائیوں کی شکلیں بہت ملتی ہیں آپس میں۔

سعیدہ: یعنی تمہارا مطلب ہے کہ میں ۔۔۔۔ اچھا دیکھو۔

(ہاتھ اس کے کندھے پر رکھنے کی کوشش کرتا ہے سعیدہ اپنا آپ بچاتے ہوئے پیچھے ہٹتی ہے)

سعیدہ: پیچھے پیچھے۔ میں نے ابھی کپڑے بدلے ہیں۔

اختر: ویسے کوئی خاص فرق نہیں پڑا۔ اب بھی چڑیل ہی لگ رہی ہو (اس کے تھپڑ سے بچتے ہوئے بھاگنے کی کوشش کرتا ہے) تو یہ کہاں ہے۔

سعیدہ: الماری میں ہے۔ ابھی دیتی ہوں۔ مگر پلیز یہ کپڑے۔ (ایسے انداز میں ناک پر ہاتھ رکھتی ہے جیسے بدبو

آ رہی ہو) انہیں علیحدہ ہی رکھنا۔ ایک طرف کرکے۔

اختر: ان کپڑوں کو حقارت سے مت دیکھو نادان لڑکی۔ ان میں ایک محنت کش کا پسینہ مہک رہا ہے۔

(تھیٹریکل انداز میں بولتا ہے)

سعیدہ: بائی دی وے یہ تم آ کہاں سے رہے ہو۔

اختر: پریس سے۔ آج میں نے خود مشین چلائی ہے۔

سعیدہ: کیوں۔ مستری نہیں آیا تھا۔

اختر: آیا تھا۔ مگر میں سارا کام خود سیکھنا چاہتا ہوں۔

سعیدہ: اوہ، بڑے مغربی سرمایہ داروں کی طرح کے خیال ہیں تمہارے۔ وہ بھی ارب پتی ہونے کے باوجود ہر کام نیچے سے سیکھنا شروع کرتے ہیں۔

اختر: ضروری نہیں ان کی ہر بات غلط ہی ہو۔

فقیر حسین: (اندرونی کمرے سے آتے ہوئے) سعیدہ بیٹی۔ میری کچھ کتابیں نہیں مل رہیں۔

اختر: السلام علیکم ابو۔

فقیر حسین: وعلیکم السلام.... اب آ رہے ہو۔

اختر: جی ابو.... مشین مین سے کچھ باتیں سمجھ رہا تھا۔

سعیدہ: کچھ کتابیں میں نے بڑی پیٹی میں رکھ دی تھیں۔ لحافوں کے ساتھ۔ ابھی نکالتی ہوں۔ (اختر سے) اب کیا محنت کا اشتہار بن کر کھڑے ہو گئے ہو۔ جاؤ نہاؤ جا کر۔ گندے۔

اختر: (اس کی طرف ایسے انداز میں بڑھتا ہے جیسے تیل بھرے ہاتھ اسے لگانا چاہتا ہے، یہ بات ہے (سعیدہ دروازے کی طرف بھاگتی ہے) ابو.... پیچھے ہٹو۔ بدتمیز۔ مار دوں گی۔

(دونوں آگے پیچھے بھاگتے ہوئے کمرے سے نکلتے ہیں۔ فقیر حسین مسکراتا ہے)

سین نمبر ۱۰

تمکین کا دفتر۔

(تمکین گہری سنجیدگی اور غم آمیز انداز میں البم اور جمال کی تصویر دیکھ رہی ہے۔ کچھ سوچ کر فون گھماتی ہے نصف سکرین پر جمال کا چہرہ آتا ہے تمکین کی آواز سنتے ہی اس کے چہرے کا تاثر بدل جاتا ہے)

جمال: ہیلو۔ جی۔ بول رہا ہوں۔

تمکین: میں تمکین بول رہی ہوں۔

جمال: جی، میں نے پہچان لیا ہے۔

تمکین: بہت اچھی یادداشت لگتی ہے آپ کی.... (جمال خاموش رہتا ہے) ہیلو

جمال : جی ۔

تمکین : میں سمجھی شاید کٹ گیا ہے۔ ہمارا ٹیلی فون سسٹم بھی تو کچھ ایسا ہی ہے۔ آپ آئیں گے نا۔

جمال : جی۔ ہیں ۔ ہاں ۔

تمکین : کل امی کا چالیسواں ہے جمال صاحب ۔

جمال : جی ۔ (بے اختیاری میں) چالیس دن ہو گئے ہیں ۔

تمکین : (چہرہ ایک دم تن جاتا ہے) آواز کو معتدل بنا کر بولتی ہے) کارڈ میں نے بھجوا دیا ہے۔ آپ آئیں گے نا۔

جمال : جی ہیں ۔ حاضر ہو جاؤں گا ۔

تمکین : کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جمال صاحب جنہیں دیکھ کر کبھی خیال ہی نہیں آتا کہ یہ مر بھی سکتے ہیں ۔ میری امی بھی ایسی ہی تھیں ۔

جمال : جی ہاں ۔ بہت اچھی خاتون تھیں وہ ۔

تمکین : تو پھر آپ آئیں گے نا۔ میں چاہتی ہوں جمال صاحب کہ ان کا بہت شاندار مزار بنواؤں ۔ آپ کا کیا خیال ہے۔

جمال : جی .... جی ہاں ۔ کیوں نہیں ۔

تمکین : ان کے بعد میں اپنے آپ کو بالکل تنہا محسوس کرتی ہوں ۔ آپ جیسے شریف اور ہمدرد غم گسار نہ ہوتے تو شاید میں یہ صدمہ برداشت نہ کر پاتی ۔

جمال : (بے چارگی میں ہنستا ہے) یہ سب کچھ تو زندگی کے ساتھ ہے ۔

تمکین : بالکل صحیح کہا ہے آپ نے .... یہ سب کچھ تو زندگی کے ساتھ ہے ۔ اچھا جمال صاحب تھینک یو میں آپ کا انتظار کروں گی ۔

(جمال کچھ نہ سمجھنے کے انداز میں چند لمحے سوچتا ہے فون رکھتا ہے۔ سکرین پر صرف تمکین رہ جاتی ہے ریسیور کی طرف تیز نظروں سے دیکھتی ہے)

تم ٹھیک کہتے ہو مسٹر جمال ۔ یہ سب کچھ تو زندگی کے ساتھ ہے)

سین نمبر ۱۱

رفیق کا ڈیرا۔

(رات کا وقت ۔ سلامت دروازہ کھول کر حیرت سے رفیق کی طرف دیکھتا ہے)

سلامت : (خوشی اور حیرت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ) استاد تم ۔

رفیق : (اس کا کندھا تھپکتے ہوئے) ہاں سلامت ۔ (مڑتے ہوئے) آ ؤ فیض ۔

(سلامت رفیق کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتا ہے رفیق کہتا ہے) یہ میرا یار ہے سلامت ۔ حنیف رسول

سلامت: (فیض سے گلے ملتے ہوئے) یار ہے استاد تو ہمارا جگر ہے۔ آؤ جناب تشریف لاؤ۔

رفیق: یہ سلامت ہے فیض۔ یہ بھی دوست ہے میرا۔

سلامت: ہم تو نوکر ہیں تمہارے استاد۔ آپ لوگ بیٹھو میں روٹی کا انتظام کرتا ہوں۔

فیض: روٹی کا تکلف نہ کرو بھائی۔

سلامت: کمال کرتے ہیں آپ بھی۔ روٹی کا بھی کوئی تکلف ہوتا ہے۔ یہ تو عین راحت کا مقام ہے۔

ادھر چرغا بہت اعلیٰ انسل کا ملتا ہے۔ سیم روسٹ۔ ساتھ روغنی نان۔ ٹماٹو ساس سلاد۔ سلاد

ساتھ کوئی بوتل شوتل اس کے بعد کشمیری چار۔ مطلب ہے کہ ذرا ٹھیک ٹھاک کے خوراک ہونی چاہیئے

آپ پہلی دفعہ تشریف لائے ہو۔

فیض: یار رفیق۔ تمہارے اس یار نے تو سچ مچ بھوک لگا دی ہے۔ کیا نقشہ کھینچا ہے کدھر ملتا ہے

بھائی یہ سب کچھ۔

سلامت: ابھی یہیں حاضر ہو جاتا ہے۔ آپ ادھر تشریف رکھو۔ (کمرے سے نکل جاتا ہے)

فیض: بڑا اچھا آدمی لگتا ہے۔

رفیق: ہاں۔ بڑا اصیل آدمی ہے۔ پسینے پر خون بہا دینے والا کیا یاروں پر قربان ہو جانے والا۔

فیض: اب کیا پروگرام ہے؟

رفیق: وہی سوچ رہا ہوں۔

سلامت: (آتے ہوئے) آج تو استاد میں اللہ سے کچھ اور مانگ لیتا۔ بڑے موقعے پر آئے ہو تم۔ میرا

تو سوچ سوچ کے دماغ پولا ہو رہا تھا۔

رفیق: (مسکراتے ہوئے) اللہ نے تیرا دماغ سوچنے کے لیے نہیں بنایا سلامت۔ اس سے ناجائز کام نہ

لیا کر۔

سلامت: پہلے پوری بات تو سن لو۔

فیض: یہ ٹھیک کہہ رہا ہے رفیق۔ بات تو سن لو اس کی۔

رفیق: بول۔

سلامت: وہ سردار صاحب ہیں نا۔ انہوں نے ایک کام میرے سپرد کیا ہے۔ ڈیرے کی عزت کا سوال

تھا اس لیے حامی بھر لی۔ اب کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔

رفیق: کیا کام ہے۔

سلامت: ریس کورس میں گھس کر ایک گھوڑی کی ٹانگ توڑنی ہے۔

رفیق: کیوں؟

سلامت: کوئی دشمنی ہے سردار صاحب کی....

فیض : گھوڑی سے دشمنی ہے ؟ یار یہ شہر میں کس طرح کی دشمنیاں ہوتی ہیں۔

رفیق : پھر۔ کیا سوچا ہے تم نے۔

سلامت : سوچنا کیا ہے۔ دل ہی نہیں مانتا۔ اذاینت بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔

رفیق : نہیں ہوتی سلامت۔ بعض لوگوں کے نزدیک نہیں ہوتی۔

سلامت : کچھ بھی ہو استاد.... اب تم آگئے ہو.... خود بات کرلو۔ سردار صاحب سے۔

رفیق : جس کام کو دل نہ مانے سلامت ، وہ نہیں کرنا چاہیئے۔ تم نے ٹھیک سوچا ہے۔ میں بتا دوں گا نہیں۔

سلامت : یا اللہ تیرا شکر ہے میری تو ایک ہفتے سے بھوک مری ہوئی تھی۔

سین نمبر ۱۲

جہانگیر کا گھر۔

(عابد برفی کا ایک ٹکڑا اٹھا کر منہ میں رکھتا ہے لطف لینے کا تاثر دیتا ہے)

عابد : آپ کی اس برفی کا جواب نہیں سردار صاحب .... مجھے مٹھائی بالکل اچھی نہیں لگتی لیکن یہ برفی

THIS IS JUST TANTASTIC

جہانگیر : اپنے علاقے کی ہے نا سائیں۔ گبھن بھینس کے دودھ سے بنائی جاتی ہے بادام اور پستے کوٹ کر ملاتے ہیں اس میں۔ اچھا پتر.... ایک بات تو بتاؤ۔

(عابد اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے)

یہ تمہارے والد صاحب کچھ دنوں سے کھنچے کھنچے رہتے ہیں.... کیا پریشانی ہے۔

عابد : پریشان سا ہو جاتا ہے) کچھ پریشانی نہیں سردار صاحب I THINK .... دراصل ایک فیملی پرابلم ہے.. میرا بھائی گھر چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ SO, NATURALLY DAD IS WORRIED.

جہانگیر : اوہ۔ اچھا.... (اطمینان کا سانس لیتا ہے) یہ حلوہ بھی چکھو نا سائیں۔ بوڑھوں کو جوان کر دیتا ہے

عابد : (جیسے کھسکنے کا موقع ڈھونڈ رہا ہو) اچھا سردار صاحب۔ اب میں اجازت لوں گا۔ مجھے نیلم کو ایئرپورٹ سے رسیو کرنا ہے۔

(گھڑی دیکھتا ہے)

جہانگیر : کہیں گئی ہوئی ہے وہ....

عابد : سرسری انداز میں) جی ہاں.... اسے گئے تو پندرہ بیس دن ہو گئے ہیں.... اس کے کالج کا کوئی پروگرام تھا۔

جہانگیر : (واضح طور پر چونکتے ہوئے) پندرہ۔ بیس دن.... (مسکراتا ہے) یہ کیسے ہو سکتا ہے سائیں۔

ابھی پرسوں تو وہ۔

(ایک دم رک جاتا ہے۔ مسکراتے ہوئے پوچھتا ہے)

وہ تمہارے مہمان چلے گئے کہ ابھی نہیں۔

عابد : کون سے مہمان۔ سردار صاحب۔

جہانگیر : کوئی بتا رہا تھا کہ شاید کینیڈا سے کوئی عزیز آئے ہوئے ہیں تم لوگوں کے۔ نیلم کے سلسلے میں۔

عابد : اوہ۔ نو۔ کینیڈا میں تو ہمارا کوئی عزیز نہیں رہتا۔

(سوچ میں پڑ جاتا ہے)

جہانگیر : (ایک دم TENE ہو جاتا ہے) اچھا۔ اچھا۔ غلط فہمی ہوئی ہوگی کسی کو سائیں۔ رب راکھا پُتر۔۔۔

(عابد کے جانے کے بعد سگار منہ سے نکلتا ہے چہرہ آہستہ آہستہ غصے سے سرخ ہو جاتا ہے سگار ٹکڑے ٹکڑے کرتا ہے چہرے پر سخت غیض و غضب ہے دانت پیس کر BIG CLOSE میں بولتا ہے۔)

جہانگیر : یہ تم نے اچھا نہیں کیا سائیں۔

15

کردار

• فقیر حسین • سعیدہ • اختر • احمد علی • عابد • رفیق • جہانگیر • جمال
• تمکین • سلامت • ریاست • فیض رسول • خالد • منیجر • سمیع
• شہباز • سپاہی • قیدی

سین نمبر ا

تمکین کا دفتر۔

(سعیدہ کمرے میں داخل ہو رہی ہے۔ تمکین اسے دیکھ کر مسکراتی ہے)

سعیدہ: السلام علیکم۔

تمکین: (سلام کا جواب دیتے ہوئے) آؤ سعیدہ۔ بیٹھو

سعیدہ: اس دن میں نے آپ سے بات کی تھی نا، اپنے ابو کے پریس کے بارے میں۔ یاد ہے نا آپ کو۔

تمکین: ہاں۔ یاد ہے۔ کیوں۔

سعیدہ: وہ مل گیا ہے۔

تمکین: اچھا۔ مبارک ہو۔

سعیدہ: (جیسے اسے وعدہ یاد کرانے کی کوشش کر رہی ہے) آپ نے کہا تھا نا کہ جب .... وہ شروع ہو جائے تو میں .... یعنی آپ ...

تمکین: اوہ۔ ہاں ہاں کیوں نہیں۔ میں جعفری صاحب سے کہہ دوں گی۔ تم اپنے والد صاحب کو ان سے ملوا دو۔

سعیدہ: میرا خیال تھا اگر آپ خود .... چند منٹ نکال سکیں تو ....

تمکین: (مسکراتے ہوئے) میرے ملنے کی کوئی ایسی خاص ضرورت تو ہے نہیں .... مگر اب تم کہتی ہو تو۔ (ٹیبل ڈائری دیکھتے ہوئے) کب آسکتے ہیں وہ۔

سعیدہ: وہ آیا ہوا ہے۔ میرا بھائی ہے نا اختر۔

تمکین: اچھا۔ (گھڑی دیکھتے ہوئے) بلواؤ انہیں۔

سعیدہ: (خوش ہو کر) جی ایک منٹ۔ (جانے لگتی ہے تمکین روکتی ہے)

تمکین : تم بیٹھو۔ میں جعفری صاحب سے کہتی ہوں وہ بھجوا دیتے ہیں۔

سعیدہ : (ہچکچاتے ہوئے) جی ۔ اچھا۔

تمکین : (انٹرکام پر) دیکھیے یہاں سعیدہ کے بھائی صاحب بیٹھے ہوں گے۔ انہیں اندر بھجوا دیجیے۔ (فون رکھتی ہے) چائے پیو گی۔

سعیدہ : جی نہیں شکریہ ..... میں چائے بہت کم پیتی ہوں۔

تمکین : اچھا کرتی ہو۔ میں بھی زیادہ چائے پسند نہیں کرتی۔

(فائل دیکھنے لگتی ہے سعیدہ بے چینی سے پہلو بدلتی ہے۔ اختر آتا ہے پتلون قمیض میں ملبوس ہے)

اختر : میں اندر آسکتا ہوں ؟

تمکین : آیئے۔

سعیدہ : یہ میرا بھائی ہے اختر۔

تمکین : (اثبات میں سر ہلاتے ہوئے) تشریف رکھیے۔

(فائل چند لمحے دیکھتی ہے۔ ایک جگہ دستخط کرتی ہے۔ اس اثنا میں اختر سعیدہ کی طرف شرارت آمیز انداز میں دیکھتا ہے۔ سعیدہ آنکھوں سے اسے ڈانٹتی ہے۔ تمکین فائل ایک طرف رکھتی ہے)

تمکین : جی فرمایئے۔

اختر : سعیدہ نے آپ سے بات تو کی ہو گی۔

تمکین : ہاں، لیکن اسے تو صرف اتنا پتہ ہے کہ آپ لوگوں نے پریس لگایا ہے۔ اس میں کتنی مشینیں ہیں؟ کیا کیا کام آپ کر سکتے ہیں؟ WORKING CAPACITY کیا ہے؟ ان باتوں کا تو اسے پتہ نہیں ہے۔ اچھا یہ بتائیں آپ کے پاس سب سے بڑی مشین کس سائز کی ہے؟ اور پیکنگ کا یونٹ کتنا بڑا ہے

اختر : (شرمندہ سا ہو کر مسکراتے ہوئے) سب سے بڑی مشین ؟ ابھی ایک ہی تو مشین ہے ہمارے پاس۔ اور پیکنگ یونٹ کا تو ہم فی الحال تصور بھی نہیں کر سکتے۔

سعیدہ : ابھی تو بالکل شروع کیا ہے۔

تمکین : بھئی پھر تو۔ دل رکھنے کے خیال سے صاف انکار نہیں کرتی، I MEAN در اصل ہمارا کام زیادہ تر..... اس کے لیے چھوٹا پریس کام نہیں دے گا۔

(اٹھتے ہوئے)

اختر : اچھا جی بہت بہت شکریہ

(سعیدہ اسے اشارے سے رکنے کے لیے کہتی ہے)

تمکین : (اس کے اس طرح ایک دم اٹھنے پر حیران سی ہو جاتی ہے) بہرحال میں کوشش کروں گی کہ..... تم مجھے پرسوں یاد کروانا سعیدہ..... میں ایک دو جاننے والوں سے آپ لوگوں کی بات کرا دوں گی۔

سعیدہ : جی بہتر ہے۔

اختر : آپ کے جاننے والے بھی آپ کی طرح بڑے بڑے بزنس والے ہوں گے..... شاید اُن کے پاس بھی ہمارے لیے گنجائش نہ نکل سکے۔

تمکین : (ایک دو لمحے اس کی طرف غور سے دیکھتی ہے مسکراتی ہے) آپ دونوں بہن بھائیوں میں ایک بات کامن ہے۔ جذبات میں بہت جلد آجاتے ہیں۔ میری ایک بات یاد رکھیے گا۔ کام حاصل کرنے اور ESTAB-LISH کرنے کے لیے بہت پتہ مارنا پڑتا ہے۔ بڑی بڑی باتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں۔

اختر : جی ہاں۔ مگر سعیدہ نے آپ کی طرف سے کچھ ایسی یقین دہانی کرائی تھی کہ میں..... خیر..... اچھا میں اجازت چاہوں گا۔

تمکین : (اس کی طرف حیرت اور تعریف بھری نظروں سے دیکھتی ہے) آپ بیٹھیں تو سہی..... میں کرتی ہوں کچھ نہ کچھ۔

سعیدہ : (تذبذب میں کھڑے ہوئے اختر کو ڈانٹتی ہے) اب بیٹھ بھی جاؤ نا۔

(اختر بے دلی سے بیٹھتا ہے۔ تمکین انٹرکام پر ایک نمبر گھماتی ہے۔)

تمکین : (انٹرکام پر) جمیل صاحب تو چھٹی پر ہیں۔ پرنٹنگ کا کام کون دیکھتا ہے آج کل۔ (وقفہ) ٹھیک ہے انہیں بھجوا دیجیے میرے پاس۔

(سعیدہ مسکرا کر اختر کی طرف دیکھتی ہے۔)

سین نمبر ۲

رفیق کا ڈیرا۔

(فیض رسول ایک لمبے سے گلاس میں دودھ پی رہا ہے۔ اطمینان کے انداز میں ڈکار مارتا ہے۔ مونچھوں پر ہاتھ پھیرتا ہے۔)

سلامت : ایک گلاس اور آئے۔

فیض : نہ بھائی۔ اب تو سانس لینے کی گنجائش نہیں رہی پیٹ میں۔ ویسے بھی حکیم صاحب فرماتے ہیں کہ ڈکار آنے کے بعد کھانا بند کر دینا چاہیے۔

سلامت : لو یہ بھی کوئی بات ہے ڈکار کا کیا بھروسہ ہے وہ تو بعض اوقات خالی پیٹ بھی آجاتا ہے۔ گیس کی وجہ سے۔ کیوں استاد جی؟

رفیق : (جو اس گفتگو اور ناشتے سے بے تعلق سا بیٹھا ہے) دیکھ سلامت بزرگوں نے کہا ہے کہ بندے کو روٹی اس لیے کھانی چاہیے کہ وہ زندہ رہ سکے پر صرف روٹی کھانے کے لیے زندہ نہیں رہنا چاہیے۔

سلامت : بزرگوں کے منہ سے بھی کبھی کبھار بھول بھلیکھے میں غلط بات نکل جاتی ہے .... اس کے پیچھے ہی نہیں پڑ جانا چاہیئے۔ آخر بندہ بشر ہے۔

فیض : (سلامت کا کندھا تھپکتے ہوئے) کچھ بھی ہو یار تو بندہ بڑا امبرون ہے۔ (رفیق سے) اس کو نہ ٹوکا کر یار یہ تو ہیروں میں تولنے کے قابل آدمی ہے۔ کتنا خوش ہوتا ہے دوسروں کو کھلا کے!

سلامت : (شرماتے ہوئے) کیوں شرمندہ کر رہے ہو یار، یہ تو ہمارا فرض ہے۔ آخر مہمانداری بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔

رفیق : (اٹھتے ہوئے) اب چلوگے بھی یا ایک دوسرے کے قصیدے ہی پڑھتے رہوگے۔

(فیض اور سلامت دونوں اس کی طرف شکوہ آمیز نظروں سے دیکھتے ہیں)

فیض : ملاقات کا ٹائم گیارہ بجے ہے، اور ابھی صرف ساڑھے نو ہوتے ہیں۔

رفیق : یہ پنڈ نہیں فیض رسول، شہر ہے۔ شہر میں وقت چلتا نہیں اڑتا ہے۔ یہاں ہر چیز ٹائم کو کھاتی ہے فاصلے، سڑکیں، سواریاں، بندے سب ٹائم کھاتے ہیں۔

فیض : (اپنی گھڑی کو حیرت سے دیکھتا ہے۔ پھر ایسے انداز میں پکڑتا ہے۔ جیسے اس کے اڑ جانے کا ڈر ہو) ٹائم کھاتے ہیں، گھڑیوں کے اندر سے ٹائم کھا جاتے ہیں... کمال ہے بھئی۔

سلامت : (سمجھانے کے انداز میں) اگر پانی میں سے بجلی نکالی جا سکتی ہے تو گھڑی میں سے ٹائم کیوں نہیں نکل سکتا۔

فیض : (تسلیم کرنے کے انداز میں سر ہلاتا ہے) ہاں یہ بات تو ہے۔

(رفیق دونوں کی طرف دیکھتا ہے)

رفیق : ایک تو میں تم دونوں کی عقل مندیوں سے بڑا تنگ ہوں۔ میرے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ یہاں سے جیل کا فاصلہ چار پانچ میل ہے۔ راستے میں ہر دس قدم پر لال بتی آئے گی۔ پھر جیل میں قیدی سے ملنے سے پہلے کئی لوگوں سے ملنا پڑے گا۔ ان سب کاموں کے لیے یہ ڈیڑھ گھنٹہ زیادہ نہیں ہے۔ آؤ۔

(دونوں پھر سمجھنے کے انداز میں سر ہلاتے ہیں۔ رفیق کا REACTION)

سین نمبر ۳

جیل کا کمرہ ملاقات۔

(رفیق بے چینی سے انتظار کر رہا ہے۔ قیدی ایک وارڈن کے ساتھ آتا ہے قیدی حیرت سے رفیق کی طرف دیکھتا ہے جیسے اسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہے)

قیدی : تم کون ہو؟

رفیق : تم مجھے نہیں جانتے بھائی۔

قیدی : تو پھر کیوں آئے ہو؟

رفیق : ایک دو باتیں پوچھنی ہیں تم سے۔ تمہیں چوہدری سمندر خاں نے گرفتار کرایا تھا نا۔

قیدی : ہاں۔ مگر یہ تو ساری دنیا کو پتہ ہے.... اسی لیے تو میں یہاں ہوں۔

رفیق : اور چھیما۔

قیدی : اس کو تو اللہ بخشے پھانسی ہو گئی ہے۔ پچھلے سال پر تم کون ہو اور یہ سب کچھ کیوں پوچھ رہے ہو۔

رفیق : (اس کی بات پہ دھیان دیئے بغیر) چھیمے کے بعد کون آدمی تھا تمہارے گروہ میں۔

قیدی : بہت سے تھے۔ پر اکثر میری طرح جیلوں میں ہیں۔ آتے جاتے رہتے ہیں۔ صابر تو ابھی پرسوں گیا ہے

(ہنستے ہوئے) کوئی پتہ نہیں پھر اندر آگیا ہو۔ بڑا شوق ہے اسے گرفتار ہونے کا۔

رفیق : (اپنی TENSION کو دبانے کی کوشش میں) کوٹ سجاول کے ذیلداروں کی حویلی میں جو واردات ہوئی

تھی۔ اس میں تم سب تھے نا؟

قیدی : (ایک دم چوکنا ہو کر) تم کون ہو۔

رفیق : مَیں۔ مَیں۔ مَیں وہ زمین خرید رہا ہوں.... کچھ لوگوں نے بتایا ہے کہ اس کی ملکیت میں کچھ جھگڑا ہے

کہتے ہیں اصل میں یہ زمین ذیلداروں کی ہے۔ اور ان سے زبردستی چھینی گئی ہے۔

قیدی : (اس کی طرف مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے) تو میں کیا بتا سکتا ہوں۔ مَیں کوئی پٹواری ہوں اس

علاقے کا۔ (جانے کے لیے مڑتا ہے)

رفیق : ایک منٹ۔ آگ تو تم ہی لوگوں نے لگائی تھی نا۔

قیدی : یاد نہیں، ہو سکتا ہے۔ لگائی ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ.... مگر تمہیں اس سے کیا، زمین کے کاغذات

ٹھیک ہیں تو لے لو۔ نہیں تو مٹی پاؤ۔

(سخت لہجے میں)

رفیق : وہ واردات کس نے کی تھی؟

قیدی : (چند لمحے اس کی طرف غور سے دیکھتا ہے پھر وارڈن کو آواز دیتا ہے) ملاقات کا ٹائم ختم نہیں ہوا

ابھی۔

(مڑ کر جاتا ہے۔ رفیق غصے اور بے بسی سے اس کی طرف دیکھتا ہے)

سین نمبر ۴

جمال کا دفتر

(ٹیلی فون کے کلوز سے ZOOM کرتے ہیں۔ گھنٹی بج رہی ہے۔ جمال فون اٹھاتا ہے

نصف سکرین پر تمکین کا چہرہ نمودار ہوتا ہے)

جمال : ہیلو۔

تمکین : طبیعت اچھی ہے آپ کی۔

(آواز میں نرمی ہے۔ لیکن چہرے کے تاثرات میں ایک طرح کی سختی ہے)

جمال : (حیرت سے) جی۔

تمکین : میں نے پوچھا ہے۔ آپ کی طبیعت ٹھیک ہے نا۔

جمال : جی بالکل ٹھیک ہے۔ آپ نے کہاں فون کیا ہے۔

تمکین : میں نے آپ ہی کو فون کیا ہے جمال صاحب۔

جمال : آپ کون بول رہی ہیں۔

تمکین : (ہنستی ہے) میری آواز اتنی بھی معمولی نہیں کہ اسے ایسی آسانی سے بھلا دیا جائے۔ آپ نے کل شام کہیں آنے کا وعدہ کیا تھا۔

جمال : کل شام۔ اوہ (ایک دم چہرے کے تاثرات بدلتے ہوئے پریشان ہو جاتا ہے) مس تمکین بول رہی ہیں۔

تمکین : شکر ہے آپ نے پہچان تو لیا۔

جمال : دراصل فون پر آوازیں پہچاننے کے معاملے میں مَیں .... بہت نالائق ہوں۔

تمکین : آئے کیوں نہیں۔ میں نے آپ کو خاص طور پر کہا تھا۔

جمال : (بات بنانے کی کوشش میں) میں دراصل فیکٹری گیا ہوا تھا۔ وہاں کچھ پرابلم ہو گئی تھی۔

(تمکین کا REACTION جیسے اسے پتہ ہو کہ جمال جھوٹ بول رہا ہے)

یوں بھی موت اور اس سے متعلق رسومات مجھ سے برداشت نہیں ہوتیں۔ میرا دل ڈوبنے لگتا ہے۔

تمکین : اوہ۔ بہت حساس دل ہے آپ کا۔

جمال : (اس کے جملے کا مفہوم سمجھنے کی کوشش میں تھوڑا سا الجھتا ہے) جی۔ وہ۔ بس کچھ۔

تمکین : بہرحال موت سے ڈرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آدمی کے دل میں خدا کا خوف ہے۔ اور جس آدمی کے دل میں خدا کا خوف ہو۔ وہ اچھا آدمی ہوتا ہے۔ میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا۔

جمال : جی۔ ہاں۔ شاید۔

تمکین : اچھا جمال صاحب۔ مجھے آپ سے ایک بہت ضروری مسئلے پر بات کرنی ہے۔ کب ملاقات ہو سکتی ہے۔

جمال : ANY TIME .... مگر۔

تمکین : تو پھر آپ آج رات کا کھانا میرے ساتھ کھائیں۔ ٹھیک ساڑھے سات بجے میں آپ کا انتظار کروں گی۔ ویسے اس سے پہلے آنے پر بھی کوئی پابندی نہیں ہے۔ ٹھیک ہے۔

جمال : جی بہتر۔

تمکین : تو پھر طے رہا۔ آج شام ساڑھے سات بجے آپ تشریف لا رہے ہیں۔ O K۔ خدا حافظ۔

فون رکھتی ہے جمال پوری سکرین پہ آتا ہے۔ چہرے پر پریشانی اور تذبذب
کے آثار ہیں۔ آہستہ آہستہ اس کے چہرے پر فیصلے کی سختی نمودار ہوتی ہے جیسے
اس نے اس پریشانی سے نکلنے کا رستہ تلاش کر لیا ہو۔)

سین نمبر ۵

تمکین کا گھر

(تمکین دیوار پر لگی ہوئی انیسہ کی تصویر کی طرف غم آمیز سنجیدگی سے دیکھ رہی ہے
دروازے کی گھنٹی بجتی ہے مڑ کے دروازے کی طرف دیکھتی ہے حسینہ کو روکتی
ہے)

تمکین : تم ٹھہرو حسینہ۔ میں خود دیکھتی ہوں۔

(اپنے آپ کو جیسے ذہنی طور پر تیار کرتی ہے۔ دروازہ کھولتی ہے جمال قدرے
TENSE انداز میں آتا ہے۔ تمکین بظاہر بڑی خوش دلی سے اس کا استقبال
کرتی ہے)

آیئے۔

(جمال حسینہ کی طرف دیکھتا ہے جو حیرت سے دونوں کی طرف دیکھ رہی ہے)

جمال : کیسی ہو حسینہ!

(حسینہ اشارے سے کہتی ہے کہ میں بالکل ٹھیک ہوں جلدی سے اندر کی طرف
جاتی ہے)

تمکین : (مصنوعی حیرت سے) آ۔ آپ ..... پہلے بھی آئے ہیں ہمارے گھر۔

جمال : (گہری سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتا ہے) جی۔ ہاں۔ آپ کو نہیں معلوم؟

تمکین : (اس سے نظر چراتے ہوئے) میرے ہوتے ہوئے تو آپ کبھی نہیں آئے!

جمال : آپ امی دنوں جاپان گئی ہوئی تھیں۔

تمکین : اوہ — اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ میرا فیصلہ صحیح تھا۔

جمال : (TENSE انداز میں) کون سا فیصلہ۔

تمکین : یہی کہ آپ پر اعتبار کیا جا سکتا ہے۔ دیکھیے نا، امی دفتر کے کسی ملنے کو گھر لانے کی قائل نہیں تھیں
اب اگر انہوں نے آپ کو یہاں بلوایا تو اس کا مطلب ہے وہ یقیناً آپ کے اخلاق اور کردار سے
بہت زیادہ متاثر ہوں گی۔

جمال : (گہرے غم کے انداز میں) میرا اخلاق اور کردار؟ بات یہ ہے مس تمکین ....

تمکین : میرے خیال میں باقی باتیں کھانے کی میز پر ہوں تو زیادہ مناسب ہوگا۔ کھانا ٹھنڈا ہو گیا تو حسینہ برا مان جائے گی۔

جمال : (پریشانی میں) جیسی آپ کی مرضی۔

تمکین : (ڈائننگ ٹیبل کی طرف جاتے ہوئے) تو آیئے۔

(جمال کا کلوز۔ ذہنی کشمکش میں ہے)

سین نمبر ۶

تمکین کا ڈرائنگ روم

(جمال کسی گہری سوچ میں غرق ہے۔ تمکین غور سے اس کی طرف دیکھ رہی ہے حسینہ چائے کی ٹرالی لے کر آتی ہے۔ تمکین ٹرالی اپنی طرف کرتی ہے۔ گفتگو کے دوران تمکین قہوے میں چمچ ہلا کر اس پر دوبارہ ٹی کوزی رکھتی ہے۔)

تمکین : تم جاؤ حسینہ۔ چائے میں خود بناؤں گی۔ (حسینہ جاتی ہے) تو پھر کیا سوچا ہے آپ نے۔

جمال : بہت اچھی پروپوزل ہے..... لیکن میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ آپ نے اس پارٹنرشپ کے لیے ہماری فرم ہی کو کیوں چنا ہے۔ یہ تو ہماری بنیادی لائن بھی نہیں ہے اور پھر ہمارے اور آپ کے وسائل میں بھی بہت فرق ہے۔ آپ کا کاروبار ماشاء اللہ۔

I MEAN, WE ARE IN NO COMPARISION.

تمکین بات یہ ہے جمال صاحب کہ بزنس میں سب سے VITAL چیز باہمی اعتماد ہے۔ آپ سے بہتر اور FINANCIALY SOUND پارٹیاں یقیناً اور بہت سی ہیں مگر پتہ نہیں کیوں، آپ کو دیکھ کر خوامخواہ یقین سا ہو گیا ہے کہ آپ پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

جمال : لیکن۔ میں۔

تمکین : اور اب یہ جان کر کہ امی بھی آپ پر اعتماد کرتی تھیں، میرے اس خیال کو گویا سند مل گئی ہے۔ لیکن ظاہر ہے میں آپ کو مجبور نہیں کر سکتی۔

جمال : (پریشانی میں) اس میں مجبور کرنے والی کیا بات ہے۔ فائدہ تو سراسر میرا ہی ہے۔ مگر...

تمکین : (ہنستے ہوئے) مگر آپ پھر بھی سوچنے کا حق محفوظ رکھنا چاہتے ہیں۔ (ٹی کوزی چائے دانی سے اٹھاتی ہے خوشبو سونگھتی ہے) چینی کتنی؟

جمال : ایک۔

تمکین : (چائے بناتے ہوئے) یہ کیا بات ہے جمال صاحب۔ چیزوں کے جوہر دبنے پر ہی پوری طرح ظاہر ہوتے ہیں۔ اب دیکھئے نا چائے کا رنگ بھی دم لگانے کے بعد نکلتا ہے۔

جمال : (اس کی بات کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرتا ہے) جی..... جی ہاں۔

ٹیکین : بعض لوگ کوئی DECISION لیتے وقت میوزک سے بھی مدد لیتے ہیں ... کچھ نہیں گے (اس کا جواب دیے بغیر اٹھ کر ٹیپ چلاتی ہے) یہ میرا پسندیدہ گانا ہے۔

(گانے کی آواز فیڈ ان ہوتی ہے۔ گانا DON'T TELL ME STORIES ہے اس پر جمال کے فارم سے فلیش بیک میں جمال اور انیسہ کو دکھاتے ہیں جہاں انیسہ یہ گانا بند کراتی ہے کٹ بیک کر کے جمال پر آتے ہیں۔)

جمال : اسے بند کر دیجئے پلیز۔

ٹیکین : (ہنستے ہوئے) کیوں۔ مردوں کی بے وفائی پر شرمندگی محسوس کر رہے ہیں۔

جمال : جی نہیں۔ دراصل .... (اٹھتے ہوئے) میں چلتا ہوں ... پھر حاضر ہوں گا۔ تھینک یو۔

(جمال جاتا ہے ٹیکین کی مسکراہٹ سکڑتی ہے۔ گہری سوچ میں پڑ جاتی ہے۔)

سین نمبر ۷

(سمیع کا دفتر)

خالد : (اداس آواز میں) نہیں سمیع۔ میرے پاس اس کے علاوہ اور کوئی حل نہیں ہے۔

سمیع : (سمجھانے کے انداز میں) دیکھو خالد۔ اس طرح ہتھیار ڈال دینے سے زندگی میں کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ کیا تمہارے چلے جانے سے سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔

خالد : نہ ہو۔ میں تو نہیں ہوں گا نہ دیکھنے کے لیے۔ اس چوبیس گھنٹے کے عذاب سے تو جان چھوٹے گی۔

سمیع : (اپنی سیٹ سے اٹھ کر اس کے قریب آتا ہے) تم غلطی پر ہو میرے دوست۔ انسان کا ذہن زمان اور مکان کی ان پابندیوں سے آزاد ہوتا ہے جس میں ہمارے جسم زندگی گزارتے ہیں اور پھر تمہارے جیسا ذہن۔ تم یہاں سے کتنی بھی دور چلے جاؤ، یہ خیالات تمہارا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔

خالد : (بے بسی سے) تو پھر میں کیا کروں۔

سمیع : FACE IT MY DEAR FACE IT۔ سامنا کرو اس کا THERE IS NO WAY OUT بھاگ کر تم کہیں نہیں جا سکتے۔

خالد : نہیں سمیع۔ مجھے یقین ہے کہ وقت اور فاصلے سے اس درد میں کچھ نہ کچھ کمی ضرور ہو گی۔

سمیع : لیکن یہ بھی تو سوچو اس معمولی فائدے کیلئے تم کیا کیا MISS کرو گے؟ اور میرا نہیں خیال کہ اس ذہنی حالت میں تم اپنے تھیسس پر توجہ دے سکو گے۔

خالد : (آزردگی سے ہنستے ہوئے) تھیسس کے لیے جا کون رہا ہے؟ میں نے یہ سکالر شپ صرف اس سین سے OUT ہونے کے لیے لیا ہے۔ یہاں تو مجھے سانس لینا دشوار ہو رہا ہے۔

سمیع : (حوصلہ دیتے ہوئے) کم ان یار۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ مایوسی بادل کی طرح ہوتی ہے ... ایک جگہ پر نہیں رہتی۔ برسے گی۔ نکل جائے گی۔

خالد : دنیا میں کچھ علاقے ایسے ہیں سمیع جن کی قسمت میں ازل سے مسلسل بارش لکھ دی گئی ہے۔ میں بھی ایک ایسی ہی بدنصیب وادی ہوں۔

سمیع : (اس کی بات سے متاثر ہوتا ہے بات بدلنے کی کوشش کرتا ہے) تمہارے گھر والوں کو پتہ ہے کہ تم....

خالد : نہیں۔

سمیع : بتا کر جاؤ گے۔

خالد : ہاں۔ امی کو بتائے بغیر میں کیسے جا سکتا ہوں ..... وہی تو میرے دکھ درد کی ساتھی ہیں۔

(گہری سوچ میں پڑ جاتا ہے اس کے چہرے پر سعیدہ کا چہرہ اور ہوتا ہے۔ دکھ بھرے انداز میں نفی میں سر ہلاتا ہے آنکھوں پر ہاتھ رکھتا ہے)

سین نمبر ۸

کلب کا بلیرڈ روم

(بلیرڈ کی میز پر احمد علی اور جہانگیر۔ دونوں کھیل کے درمیان باتیں کر رہے ہیں۔ احمد علی پر اعتماد انداز میں اپنی مخصوص انکساری کے ساتھ بول رہا ہے)

احمد : میں تو سمجھتا ہوں سردار صاحب یہ سب تقدیر کے کھیل ہیں۔ انسان کیا ہے اس کے آگے۔ سچ کہتے ہیں کہ انسان خدا کو اپنے ارادوں کی شکست سے پہچانتا ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں ہر کام میں اس کی کوئی مصلحت ہوتی ہے۔

جہانگیر : آپ بجا ارشاد کرتے ہو سائیں۔ بندہ تو مجبور ہوتا ہے .... پر اس مجبوری میں اس کے اپنے ارادے کی کمزوری اور فیصلے کی غلطی بھی تو ہوتی ہے نا سائیں .... اب دیکھو نا .... اگر ہٹ HIT کرنے سے پہلے میرا زاویہ درست نہ ہو ..... جتنی فورس اپلائی کرنی چاہیے اس کا مجھے اندازہ نہ ہو اور یہ بال اپنی صحیح پوزیشن نہ ہوں۔ تو قصور تو میرا ہو گا نا سائیں۔

احمد : (اس کے سٹروک کی داد دیتا ہے) ول ڈن سردار صاحب۔ آپ واقعی بہت اچھا کھیلتے ہیں۔

جہانگیر : یہی میری کامیابی کا راز ہے سائیں۔ میں جو کام شروع کرتا ہوں اسے اخیر تک پہنچاتا ہوں..... میں ہارنے کے لیے نہیں کھیلتا سائیں۔

احمد : (پریشان ہوتے ہوئے) کیوں نہیں۔ کیوں نہیں۔ وہ تو آپ کے کھیل ہی سے ظاہر ہو رہا ہے۔

جہانگیر : اچھا سائیں۔ آپ کی وہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ اتنا اچھا پراجیکٹ ہے .... سب کام تیار ہے .... پھر آپ کیوں بیچنے کا سوچ رہے ہو۔ کوئی اور منصوبہ ہے نظر میں؟

احمد : (اس سے آنکھیں ملائے بغیر) نہیں .... فی الحال تو اور کوئی نہیں ہے سردار صاحب۔ دراصل میں اپنے کچھ ذاتی مسائل کی وجہ سے اس پوزیشن میں نہیں ہوں کہ YOU KNOW THIS اس کو HALF HEARTEDLY کروں IS MULTI MILLION PRAGECT

شروع نہیں کرسکتا۔

جہانگیر: (سٹروک لگاتے ہوئے رک جاتا ہے غور سے احمد علی کی طرف دیکھتا ہے) مگر سائیں اس میں ہم پارٹنر ہیں تمہارے... فیصلہ تو ہم دونوں کی مرضی سے..... باہمی صلاح مشورے سے ہونا چاہیئے نا سائیں۔

احمد: اسی لیے تو میں آپ کو بتا رہا ہوں.... ابھی چونکہ ہم نے AGREEMENT DEED سائین نہیں کیا۔ اس لیے...

جہانگیر: (بات کاٹتے ہوئے) AGREEMENT DEED کاغذ تو نہیں ہوتا سائیں، یہ تو آدمی کی زبان ہوتی ہے..... (احمد کا REACTION) آپ ذرا اور سوچ لو سائیں۔

احمد: سوچنے کی تو اس میں کوئی بات نہیں ہے سردار صاحب.... فیصلہ تو میں کر چکا ہوں۔

جہانگیر: اچھا۔ فیصلہ آپ کر چکے ہو۔ (اس کی طرف غور سے دیکھتا ہے سنگدلی آمیز مسکراہٹ کے ساتھ ہنستا ہے) تو پھر اس بات کو چھٹا کرو سائیں۔ مٹی ڈالو اس پر سے آپ کی باری ہے سائیں۔

احمد: (رسمی تکلف سے) میں ذرا اس الجھن سے نکل لوں۔ پھر کوئی اور کام سوچیں گے — اب ہمارا آپ کا تعلق ختم تو نہیں ہو سکتا۔

جہانگیر: بالکل۔ سائیں۔ بالکل۔ تعلق تو ہم ختم کرنے کے قائل ہی نہیں ہیں۔ ختم تو جھگڑا ہوتا ہے نا سائیں ... ہماری آپ کی تو دوستی ہے۔

احمد: (اس کی بات سمجھتے ہوئے خوش ہوتا ہے) سردار صاحب! YOU ARE A GREAT MAN

جہانگیر: (اس سری جب میں) شکار کا موسم شروع ہو گیا ہے سائیں.... عابد پتر سے میں نے وعدہ کیا ہوا ہے کہ اسے شکار کھلائیں گے۔ اسے بھجوا دو نا چند دنوں کے لیے سائیں۔ میں شہباز کو ساتھ کر دوں گا۔ کمپنی بھی مل جائے گی اسے۔

احمد: (گومگو میں) ٹھیک ہے سردار صاحب.... دراصل کام آج کل کچھ۔

جہانگیر: کام تو ہوتا ہی رہتا ہے سائیں۔ اس عمر میں تھوڑا کھلا بھی چھوڑنا چاہیئے بچوں کو..... اسے بھجوا دینا آج میرے پاس.....

(احمد اثبات میں سر ہلاتا ہے)

احمد: آپ کی مرضی ہے سردار صاحب....

جہانگیر: (مسکراتے ہوئے) میں اپنی مرضی کبھی نہیں بھولتا سائیں۔

(جہانگیر سٹروک لگاتا ہے۔ بال پاکٹ ہوتی ہے۔

سین نمبر ۹

کلب کے منیجر کا کمرہ

(فقیر حسین منیجر کو چھپے ہوئے لیٹر پیڈ۔ دعوت نامے اور وزٹنگ کارڈ دے رہا ہے)

فقیر حسین: اور یہ رہے آپ کے QUANTITY OR QUALITY .... INVITATION CARDS دونوں چیک کر لیں۔

مینجر: (ایک نظر دیکھتے ہوئے) ٹھیک ہے۔ بل لائے ہیں۔

فقیر حسین: جی۔ (بیگ میں سے بل نکالتا ہے) یہ لیجیے۔

مینجر: (بل چیک کرتا ہے ایک دم اس کے چہرے پر حیرت کے آثار ابھرتے ہیں ایک جگہ انگلی رکھتا ہے) یہ کیا ہے؟

فقیر حسین: (غور سے دیکھتے ہوئے) VISITING CARD۔ (میز پر ان کی نشان دہی کرتا ہے یہ ہے!

مینجر: مسٹر فقیر حسین، آپ پہلے پریس والے ہیں، جس نے مجھ سے ان کارڈوں کے پیسے مانگے ہیں۔

فقیر حسین: جی میں سمجھا نہیں۔

مینجر: یہ تو ایک COURTESY ہوتی ہے۔ کوئی اسے بل میں چارج نہیں کرتا۔

فقیر حسین: مگر آپ نے تو آرڈر میں .....

مینجر: آرڈر میں تو اور بہت کچھ بھی لکھا ہوا تھا۔ اگر میں ان سب باتوں کو آپ پر اپلائی کروں تو ان چیزوں کی PAYMENT کم از کم ایک سال تک روکی جا سکتی ہے۔

فقیر حسین: یقین کیجیے.... میں کچھ نہیں سمجھا۔

مینجر: (سمجھاتے ہوئے) دیکھیے آپ ابھی اس لائن میں نئے ہیں.... کوئی کام شروع کرنے سے پہلے اس کے جاننے والوں سے کچھ بنیادی باتیں ضرور سیکھ لینی چاہئیں۔ چوکور سوراخ میں گول کیل نہیں لگا کرتا۔ پہلے اس کے کناروں کو ٹھیک کرنا پڑتا ہے۔

(فقیر حسین حیرت سے اس کی طرف دیکھتا ہے۔)

سین نمبر ۱۰

(مینجر کے کمرے کا دروازہ۔ کاریڈور میں جہانگیر اور احمد علی باتیں کرتے ہوئے آتے ہیں۔ احمد علی دروازے کے قریب رکتا ہے)

احمد: اچھا سردار صاحب..... انشاءاللہ SEE YOU۔ مجھے ذرا مینجر سے کچھ کام ہے۔

جہانگیر: ٹھیک ہے سائیں۔ بالکل ٹھیک ہے..... عابد پتر کو بھیجنا نہ بھولنا۔ اچھا۔ رب راکھا۔

(ہاتھ ملا کر جاتا ہے احمد علی چند لمحے اس کی طرف دیکھتا ہے پھر دروازے کی طرف مڑتا ہے)

سین نمبر ۱۱

مینجر کا کمرہ۔

فقیر حسین: آپ بجا فرماتے ہیں مگر..... میں نے جو RATES .....

(منیجر اشارے سے اسے روکتا ہے)

منیجر : (اندر آتے ہوئے احمد کے استقبال میں اٹھتا ہے) آیئے۔ آیئے۔ احمد صاحب۔ تشریف لایئے۔ زہے نصیب۔ آج آپ نے قدم رنجہ فرمایا۔

(احمد علی اور فقیر حسین دونوں اس کی باتوں سے بے پرواحیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں۔ چند لمحوں کی خاموشی۔)

فقیر حسین : (اٹھتے ہوئے) اچھا جناب، میں اب چلتا ہوں۔ میرا بیٹا کل بل لینے آجائے گا۔

احمد : (مسکراتے ہوئے کرسی پر بیٹھتا ہے) ایسی بھی کیا جلدی ہے فقیر حسین۔ چند منٹ تو بیٹھو۔

منیجر : (خوشامدانہ انداز میں) آپ ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔

(بے وقوفوں کی طرح ہنستا ہے)

احمد : جانتے۔ ارے بھئی یہ ہمارا بھائی ہے۔

منیجر : (فقیر حسین سے) آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔ احمد صاحب تو ہمارے ۔۔۔ ممبر ہیں۔ ہمارے کرم فرما ہیں۔ محسن ہیں۔ کیا پئیں گے آپ۔

فقیر حسین کچھ نہیں شکریہ

(جانے کے لیے اٹھتا ہے)

احمد : بہت ناراض ہو مجھ سے۔

فقیر حسین : ناراض اس سے ہوا جاتا ہے احمد علی جس سے کوئی توقع ہو۔

احمد : اس کا مطلب ہے تمہیں پتہ چل گیا ہے۔ مگر اس میں سارا قصور تمہارا ہے۔ فقیر حسین اگر تم میری بات مان لیتے تو یہ بات آسانی سے ختم ہو سکتی تھی۔

فقیر حسین : بات تو اب بھی ختم ہو گئی ہے احمد علی۔ شاید تمہیں علم نہیں، میں نے وہ مکان بیچ دیا ہے۔

احمد : (چند لمحے اس کی بات سمجھنے کی کوشش کرتا ہے پھر ایک دم ہنستا ہے) بہت خوب۔۔۔ مجھے پتہ نہیں ۔۔۔ یعنی خریدنے والے کو ہی پتہ نہیں ۔۔۔۔ تم بھی عجیب آدمی ہو فقیر حسین۔

فقیر حسین : (ایک دم لرز سا جاتا ہے) کیا مطلب۔ یعنی۔ تم۔ تم نے۔ نہیں۔

احمد : (اس کی بات کا مزا لیتے ہوئے) ہاں فقیر حسین۔ میں نے ہی خریدا ہے تمہارا مکان۔ تم کیا سمجھتے تھے میں اپنے منہ سے نکلی ہوئی بات کو مٹی میں مل جانے دوں گا۔ نہیں، فقیر حسین نہیں۔ تم ان لوگوں میں سے ہو جنہیں حماقت اور بہادری کا فرق معلوم نہیں ہوتا۔ اگر تم میری بات مان لیتے تو میں تمہیں اس سے زیادہ پیسے دے سکتا تھا۔

فقیر حسین : پیسے۔ پیسے۔ پیسے۔ احمد علی۔ کیا تم پیسوں کے علاوہ اور کوئی بات نہیں سوچ سکتے۔ کیا تم نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ ۔۔۔۔ (رک جاتا ہے) مگر تم یہ کیسے سوچ سکتے ہو احمد علی تم تو بڑے آدمی ہو۔

اپنے راستے میں آنے والی ہر چیز کو مٹا دینا تمہاری عظمت کی مجبوری ہے۔ تمہیں اوپر چڑھنے کے لیے زینہ چاہیئے احمد علی، چاہے اس زینے کی ایک ایک اینٹ دوسروں کی عزت اور آبرو کے ملبے سے بنے ... تمہیں اس کی کیا پروا ہے احمد علی .....

احمد : دیکھو فقیر حسین۔ اس طرح دھواں دھار تقریریں کرنے اور اخلاقیات کے بے معنی لیکچر دینے سے دیواریں رستہ نہیں دیتی۔ رستہ بنانا پڑتا ہے جیسے میں بناتا ہوں۔

فقیر حسین : تم نے دھوکے سے مجھ سے مکان تو لے لیا ہے احمد علی۔ لیکن اسے اپنی جیت مت سمجھو۔ فتح کے نشے میں یہ مت بھولو کہ ہم دونوں سے اوپر بھی کوئی ہے۔ وہ بے نیاز ہے۔ پر بے خبر نہیں ہے۔ وہ شداد کو جنت بنانے سے نہیں روکتا مگر اسے اپنی جنت سے جس وقت چاہے محروم کر سکتا ہے۔

احمد : (سمجھانے کے انداز میں) دیکھو فقیر حسین۔ میری تم سے کوئی لڑائی نہیں .... میں اب بھی تمہیں اپنا بھائی سمجھتا ہوں۔ اگر تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو ....

فقیر حسین : (چیختے ہوئے) تم اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہو احمد علی ..... تم کیا ہو۔ تم بھی میری طرح خاک اور خون کے ایک بے بس لوتھڑے ہو احمد علی، اس طرح مت بولو کہ تمہاری آواز اس اوپر والے کی آواز سے ٹکرانے لگے، اس سے ڈرو احمد علی .... وہ اپنے مجرم کو معاف کر دیتا ہے، اپنے بندوں کے مجرم کو کبھی معاف نہیں کرتا۔

(فقیر حسین تیزی سے جاتا ہے مینجر کی بدحواسی۔ احمد علی ہکا بکا سا خالی دروازے کی طرف دیکھتا ہے۔)

سین نمبر ۱۲

تمکین کا دفتر۔

عابد : آخر آپ کو اعتراض کیا ہے اس میں۔ اور لوگ بھی تو ہیں۔

تمکین : (سرد مہر انداز میں) دیکھیے مسٹر عابد ... اس طرح کی باتیں یورپ اور امریکہ میں سج جاتی ہیں کیونکہ یہ ان کی تہذیب کا حصہ ہیں۔ ضروری نہیں کہ ہم ان کی ہر بات کی تقلید کریں۔

عابد : اوہ۔ کم آن۔ DON'T BE SO CONSERVATIVE ENJOY زندگی کو کرنا ہمارا حق ہے۔

تمکین : تو اس کے لیے زیادہ مہذب اور بہتر طریقے بھی موجود ہیں۔ میں اس طرح کے کسی کلب کا ممبر بننا پسند نہیں کرتی۔ جس کی بنیاد IMMORAL ہو۔

عابد : MORALITY کوئی STATIC چیز تو ہے نہیں۔ یہ تو زمانے کے ساتھ ساتھ بدلنے والی چیز ہے OLDER GENERATION میں عورت کا ہاتھ پردے سے باہر نظر آ جاتا تھا تو کہرام مچ جاتا تھا آج عورتیں بات بات پر مردوں سے ہاتھ ملاتی ہیں۔ AND NOBODY BOTHERS.

تمکین : یہ درست ہے مسٹر عابد لیکن کتنے لوگ ہیں جو اسے BOTHER نہیں کرتے آپ جیسے پوائنٹ زیرو زیرو فائیو۔ ۰.۰۵ پرسنٹ ہوں گے۔

عابد : میں نے تو بڑے CONFIDANCE سے آپ کا نام لکھوایا تھا۔

تمکین : کسی شخص کو اچھی طرح جانے بغیر اس کے بارے میں اندازے قائم نہیں کرنے چاہئیں۔ میں مردوں سے ملتی ہوں آفس میں بھی اور اس کے باہر بھی۔ لیکن میں آدھی آدھی رات کو غیر مردوں کے ساتھ نیم تاریک کلبوں میں رقص کرنا پسند نہیں کرتی۔

عابد : مگر۔ میں غیر مرد نہیں ہوں۔ کیا ہم دوست نہیں ہیں۔ میرا تو خیال تھا آپ۔۔ مجھے۔۔۔

I MEAN YOU DON'T DIS LIKE ME CERTAINLY

تمکین : I DON'T

عابد : (رک کر) تو پھر۔۔۔

تمکین : میری سمجھ میں نہیں آتا۔۔۔۔۔ آپ لوگ فوراً EXTREME پر کیسے چلے جاتے ہیں۔ میں آپ سے ہنس کر ملتی ہوں کیونکہ ایک سطح پر ہم کولیگز ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ۔۔۔۔

(منہ دوسری طرف پھیرتی ہے)

عابد : IT! OK OK - FORGET ۔۔۔۔ اس مسئلے پر ہم پھر کبھی بات کریں گے۔

تمکین : (مڑتے ہوئے سخت لہجے میں) اس مسئلے پر ہم پھر کبھی بات نہیں کریں گے۔

عابد : (عابد کچھ کہتے کہتے رک جاتا ہے۔ شرمندہ سا ہو کر موضوع بدلتا ہے) اچھا اب چائے تو پلوائیں۔

سین نمبر ۱۳

رفیق کا ڈیرا

سلامت : (رفیق کسی گہری سوچ میں گم ہے) سلامت چائے کا کپ لے کر آتا ہے چائے پی لو اُستاد جی۔

رفیق : نہیں سلامت۔ جی نہیں چاہ رہا اس بندے صابر کا کچھ پتہ چلا۔

سلامت : تفتیش جاری ہے استاد جی۔ اللہ نے چاہا تو شام تک اس کو ڈھونڈ لیں گے۔ آپ چائے پیو۔

رفیق : (بے دلی سے کپ پکڑتا ہے) فیض کہاں ہے۔

سلامت : اس کو میں نے سردائی پلائی ہے لمبی گھوگی چڑھی ہوئی ہے اس کو۔

رفیق : (آزردگی سے ہنستے ہوئے) اسے تو نے اچھی لائن پر لگایا ہے۔ (سلامت ایسا GESTURE دیتا ہے جیسے اپنی تعریف پر شرما رہا ہو) میں تھک گیا ہوں سلامے۔ چاروں طرف دیواریں ہیں۔ دروازہ کہیں نہیں ملتا۔ ایسے لگتا ہے جیسے میں کسی اندھیرے غار میں بھٹک رہا ہوں۔

سلامت : ہر اس غار میں ہوا آرہی ہو استاد جی۔ اس کا کہیں نہ کہیں اخیر ضرور ہوتا ہے۔ اللہ نے چاہا تو ہماری تلاش رائیگاں نہیں جائے گی۔

رفیق : ہاں سلامے۔ یہ رائیگاں ہو گئی تو پوری زندگی ضائع ہو جائے گی۔

(گہری سوچ میں پڑ جاتا ہے۔ رفیق کے کلوز سے اسے VISION میں

لے جاتے ہیں جب دروازے سے سلامت TURN ہوا تھا اس سے سعیدہ نمودار ہوتی

ہے۔ رفیق حیرت سے اس کی طرف دیکھتا ہے)

رفیق : آپ۔

سعیدہ : ہاں۔ تمہیں میری ضرورت تھی نا۔ میں آگئی۔

رفیق : آپ۔ آپ کو یہاں آنا نہیں چاہئے تھا۔ یہ اچھی جگہ نہیں ہے۔

سعیدہ : اگر یہ اچھی جگہ نہیں ہے تو تم یہاں کیوں رہتے ہو۔

رفیق : میں۔ میں تو....

سعیدہ : تمہیں کیا پریشانی ہے؟

رفیق : آپ کو دیکھ کر مجھے کوئی پریشانی یاد نہیں رہتی۔

سعیدہ : (ہنستے ہوئے) سچ۔

(رفیق اثبات میں سر ہلاتا ہے) تو پھر تم ہمارے گھر کیوں نہیں آئے۔ میں تمہیں اتنا یاد کرتی ہوں۔

رفیق : میں وہاں کس طرح آسکتا ہوں۔ میرا وجود ایک کانٹوں سے لدی ہوئی جھاڑی ہے..... اور وہ گھر۔

وہ تو پھولوں کا گلدستہ ہے۔

سعیدہ : (مسکراتے ہوئے) تم آؤ تو سہی۔ ہمارے ساتھ رہو گے تو ان کانٹوں میں بھی پھول کھل اٹھیں گے۔

رفیق : کیا ایسا ہو سکتا ہے؟

(سعیدہ اثبات میں سر ہلاتی ہے۔ رفیق اپنے چہرے کو ہاتھوں سے چھوتا ہے)

کیمرہ دروازے میں کھڑے فیض پر کٹ کرتا ہے جو جمائی لیتے لیتے اچانک رکتا ہے

رفیق کے نزدیک آتا ہے)

فیض : ..... یہ کیا کچھاریں ڈال رہے ہو یار۔

(رفیق گھبرا کر آنکھیں کھولتا ہے اس طرف دیکھتا ہے جدھر سعیدہ کھڑی تھی پھر

فیض کی طرف دیکھتا ہے۔ شرمندگی سے مسکراتا ہے)

رفیق : شاید میں سو گیا تھا۔

فیض : سو گئے تھے مجھے تو لگتا ہے کہیں کھو گئے تھے..... یہ تجھے کیا ہو جاتا ہے رفیق...

رفیق : (اٹھتے ہوئے) کچھ نہیں۔

فیض : کدھر جا رہا ہے۔

رفیق : مجھے ایک کام ہے۔ ابھی آجاؤں گا تھوڑی دیر میں تو سلامے کے ساتھ کہیں گھوم پھر آ۔

(دروازے کی طرف مڑتا ہے)

سین نمبر ۱۴

فقیر حسین کا گھر۔

(سعیدہ دوسرے کمرے سے چلتی ہوئی آتی ہے۔ فقیر حسین اور اختر بیٹھے ہیں)

سعیدہ : (پانی کا گلاس میز پر رکھتے ہوئے) چلیئے لعنت بھیجئے ابو۔ جو ہونا تھا ہو گیا۔ اگر وہ اس طرح مکان حاصل کرکے خوش ہیں تو بڑے شوق سے رہیں۔

فقیر حسین : یہ بات نہیں ہے بیٹی۔ مجھے اس کا اتنا افسوس نہیں ہے۔ مجھے تو دکھ اس بات کا ہے کہ احمد علی کو ہو کیا گیا ہے۔ میں تو اس خوشی کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ جو اس طرح کی باتوں سے حاصل ہوتی ہوگی۔

اختر : وہ خوشی آپ کی سمجھ میں کبھی نہیں آسکتی ابو۔ جس طرح ۳۶/۲۳ (تئیس چھتیس) کی مشین میں ۱۸/۲۲ کا کاغذ پورا نہیں آتا اسی طرح یہ خوشی بھی آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گی۔

سعیدہ : (تعریفی نظروں سے اختر کی طرف دیکھتی ہے) واہ واہ — آج تو بڑی پریس TERMINOLOGY میں باتیں کر رہے ہو۔

اختر : آؤ نا کسی دن.... بڑا مزا آتا ہے۔

(سعیدہ انکار کے انداز میں ناک چڑھاتی ہے)

سعیدہ : مجھے نہیں شوق ہاتھ پاؤں کالے کرنے کا۔

اختر : تمہیں تو بس باتیں کرنے کا شوق ہے۔

فقیر حسین : دیکھو بھئی۔ میری طبیعت اچھی نہیں۔ تم لوگ اُدھر جا کے باتیں کرو۔ میں سونے کی کوشش کرتا ہوں۔ کچھ حرارت سی محسوس ہو رہی ہے۔

سعیدہ : جی نہیں۔ مجھے پتہ ہے آپ نے سونا وونا نہیں ہے۔ آپ چچا احمد علی کے بارے میں سوچتے اور کڑھتے رہیں گے۔ اور ہم آپ کو ایسا نہیں کرنے دیں گے۔ کیوں اختر۔

اختر : بالکل ٹھیک ہے۔

فقیر حسین : (زچ ہو کر محبت سے ہنستا ہے) بہت شیطان ہو تم۔ اچھا میں وعدہ کرتا ہوں اس کے بارے میں نہیں سوچوں گا۔ اب جاؤ۔

اختر : وعدہ اس چیز کا کرتے ہیں ابو۔ جو آدمی کے اختیار میں ہو۔

(فقیر حسین مصنوعی غصے سے اس کی طرف دیکھتا ہے اختر جلدی سے بولتا ہے) آپ ہی کہا کرتے تھے ابو

(تینوں ہنس پڑتے ہیں دروازہ پر دستک کی آواز۔ سعیدہ اشارے سے کہتی ہے)

اختر : (دروازہ کھولتے ہوئے حیرت آمیز مسرت سے) آپ۔ آیئے۔

رفیق : (جھکتے ہوئے آتا ہے) السلام علیکم۔

فقیر حسین : وعلیکم السلام۔ آؤ بیٹا۔ بیٹھو۔

اختر : آپ کب آئے۔

رفیق : آج ہی آیا ہوں۔ آپ لوگ کیسے ہیں۔

اختر : A-ONE۔ مگر آپ کو پتہ کیسے چلا اس گھر کا۔

رفیق : سلامے.... نے بتایا تھا۔ وہ تو آتا رہتا ہے نا یہاں۔

فقیر حسین : ہاں بھئی۔ بہت اچھا لڑکا ہے وہ.... بڑی سادہ طبیعت ہے اس کی... کیا پیو گے، بیٹا۔

سعیدہ : (اٹھتے ہوئے) میں چائے لاتی ہوں۔

رفیق : آپ تکلیف نہ کریں۔ کسی چیز کی ضرورت ہوگی تو میں خود مانگ لوں گا۔ یہ تو میرا اپنا گھر ہے۔

(سعیدہ کی طرف دیکھتا ہے جو اس بات پر اثبات میں سر ہلاتی ہے)

فقیر حسین : بالکل تمہارا اپنا گھر ہے بلکہ تم تو محسن ہو اس گھر کے۔

رفیق : آپ کو کسی چیز کی تکلیف تو نہیں یہاں۔

فقیر حسین : نہیں بھئی۔ اللہ کا فضل ہے، سب ٹھیک ہے۔

سعیدہ : اور جو کل سے گیس کا کنکشن کٹا ہوا ہے STOVE کو پمپ کرتے کرتے میرے بازو اکڑ گئے ہیں۔

رفیق : اوہ.... یہ تو بہت بری بات ہے۔

فقیر حسین : وہ پچھلے کرایے دار کا کوئی چکر تھا۔ بل ادا نہیں کیا تھا اس نے۔ میں بات کر آیا ہوں۔ صبح کنکشن بحال کر دیں گے وہ لوگ..

رفیق : مگر۔ (سعیدہ کی طرف دیکھتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کیا بات کرے۔ پانی کے گلاس کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے۔ سعیدہ جلدی سے وہ گلاس اس کے ہاتھ سے پکڑتی ہے)

سعیدہ : ٹھہریئے میں اور پانی لاتی ہوں۔

(سعیدہ کی انگلیاں اس عمل میں اس کے ہاتھ سے ٹکراتی ہیں، سعیدہ کے جانے کے بعد بھی چند لمحے اس کا ہاتھ پھیلا رہتا ہے ایک دم گھبرا کر ہاتھ نیچے کرتا ہے)

سین نمبر ۱۵

احمد علی کا دفتر۔

احمد : (مسرور انداز میں) YOU SEE مائی سن۔ اگر تم حوصلے اور صبر کے ساتھ اپنے ٹارگٹ کی طرف بڑھتے ہو تو وہ تم سے بچ کر نہیں جا سکتا۔ تم نے دیکھا، میں نے فقیر حسین اور سردار جہانگیر دونوں کو اس پراجیکٹ کے سین سے ELIMINATE کر دیا ہے۔ اب ہمارے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔
THE WORLD IS WIDE OPAN-

عابد : وہ تو ٹھیک ہے ڈیڈ.... مگر میرا خیال ہے سردار صاحب سے آپ کو BREAK OFF نہیں کرنا چاہیے۔

HE IS A GREAT MAN -

احمد : اسی لیے میں نے BREAK OFF کیا ہے مائی سن.... دو بادشاہ ایک سلطنت میں نہیں رہ سکتے۔ لیکن میں اس سے تعلقات ختم نہیں کروں گا۔ MAY BE SOME OTHER TIME ہم کوئی اور کام کر سکتے ہیں۔

عابد : آپ کی مرضی ہے ڈیڈ۔ اس طرح کے آدمی ہوتے بہت کام کے ہیں۔

احمد : اسی لیے تو میں تمہاری شکار پر جانے سے روک نہیں رہا۔

(اپنی مکاری پر خوش ہو کر ہنستا ہے) THIS IS LIFE MY DEAR۔ خدا نے یہ دماغ اسی لیے دیا ہے کہ اسے استعمال کیا جائے۔

(عابد ستائشی انداز میں مسکراتا ہے)

عابد : OK ڈیڈ میں چلتا ہوں ابھی مجھے سامان بھی PACK کرنا ہے۔

سین نمبر ۱۶

آؤٹ ڈور

(موٹر کی ڈکی میں ریاست وغیرہ سامان رکھ رہے ہیں عابد اور شہباز جہانگیر کے قریب کھڑے ہیں جو دونوں سے گلے مل کر مسکرا رہا ہے)

جہانگیر : اللہ بیلی۔ اللہ بیلی۔ بیٹھو۔ شاباش۔

عابد : آپ کل پہنچ رہے ہیں نا۔ سردار صاحب۔

جہانگیر : SURE - SURE۔ شام سے پہلے میں تمہارے پاس ہوں گا پتر۔

عابد : آپ کے بغیر شکار کا مزہ نہیں آئے گا۔

جہانگیر : مزا تو تمہارے بغیر نہیں آئے گا پتر.... (مسکراتا ہے) تم ہمارا جو ہو ہمارے.... بیٹھو شاباش۔

(عابد گاڑی میں بیٹھتا ہے۔ گاڑی چلتی ہے۔ جہانگیر کی مسکراہٹ سمٹتی ہے ریاست کو آواز دیتا ہے)

جہانگیر : ریاست۔ (ریاست سائیں جی کہتا ہو قریب آتا ہے) سب کچھ سمجھا دیا ہے ان کو۔

ریاست : جی سائیں۔ لیکن چھوٹے سردار صاحب.... وہ کچھ گڑبڑ نہ کر دیں سائیں۔

جہانگیر : اس کو میں سمجھاؤں گا۔ تمہارا کام یہ ہے کہ جس وقت تک میں حکم نہ دوں عابد کی ہوا نہیں لگنی چاہیے کسی کو۔

ریاست : ایسا ہی ہو گا سائیں۔ (جہانگیر کا کلوز)

16

کردار

• فقیر حسین • سعیدہ • اختر • احمد علی • سلمیٰ • نیلم • عابد • خالد

• تمکین • جمال • رفیق • سلامت • ریاست • مستری • کاریگر

• دکاندار • تاجدین • صابر • شہباز • جعفری • فیض۔

سین نمبر ۱

(فقیر حسین کے پریس کا بیرونی کمرہ۔ دفتر۔ فقیر حسین پروف ریڈنگ کر رہا ہے۔ ایک کاریگر کام کے کپڑوں میں ملبوس اس کے نزدیک کھڑا ہے۔ کمرے میں کاغذوں کے کچھ رِم ایک طرف PRINTING COLOURS کے کچھ ڈبے میز پر بہت سے کاغذات اور پنسل پڑے ہیں۔ کیبن کے دو دروازے اندرونی کمرے کی طرف کھلتے ہیں۔ جہاں سے دروازہ کھلنے پر مشینوں کے چلنے کی آواز آتی ہے۔ فقیر حسین پنسل سے دو تین جگہوں پر نشانات (مخصوص پروف ریڈنگ کے انداز میں) لگاتا ہے۔ کاریگر کی طرف دیکھتا ہے۔ جو ایک اندازِ بے نیازی سے اپنی بڑھی ہوئی شیو کو مسل رہا ہے)

فقیر حسین: بھئی اکبر میاں یہ WELCOME میں تم نے پھر دو ایل (L) ڈال دیئے ہیں۔

کاریگر: دو ہی ہوتے ہیں جی۔ ڈبلیو ای ڈبل ایل۔ ویل۔ سی او ایم ای۔ کم۔ میں ساتویں جماعت تک پڑھا ہوا ہوں جی۔ ایک ایل کیسے ہو سکتا ہے۔

فقیر حسین: دیکھو بھائی۔ یہ جن لوگوں کی زبان ہے نا۔ وہ مجھ سے تم سے مشورہ نہیں لیتے۔ اسے ٹھیک کر دو۔ اور اوپر والی لائن کو ذرا اور BOLD (بولڈ) کر دو۔ سرخی کو عبارت سے ہمیشہ جدا ہونا چاہیئے۔ چلو شاباش جلدی سے اسے ختم کر دو میرا بیٹا۔ پانچ بجے مجھے اس کی ڈلیوری دینی ہے۔

(کاریگر اسی بے نیازی کے عالم میں کاغذ پکڑ کر جاتا ہے۔ فقیر حسین ذرا سا جھک کر سامنے پڑے ہوئے ایک ڈبے کا سائز لینا شروع کرتا ہے۔ بیرونی دروازے سے مستری ایک دکاندار کے ساتھ آتا ہے۔ مستری کے ہاتھ میں کچھ پازیٹو نما کاغذات ہیں دکاندار کے پاس ایک پرانا سا تھیلا ہے۔ مستری کے سلام پر فقیر حسین اس کی طرف دیکھتا ہے)

فقیر حسین: وعلیکم السلام۔ اتنی دیر کہاں لگا دی۔

(دوکاندار سے ہاتھ ملاتا ہے)

مستری : باز ٹیوتیار نہیں تھے جی۔ تھوڑی دیر کا کام تھا۔ میں نے کہا دوبارہ آنے سے بہتر ہے کہ اب لے کر ہی جاؤں۔

فقیر حسین : کمال ہے۔ کوئی شخص وقت پر کام نہیں کرتا۔ انسان کی زبان ہی اس کی آن ہوتی ہے۔ یہاں کسی کو پروا ہی نہیں۔

دکاندار : (مسکراتے ہوئے) آپ ابھی نئے نئے ہیں نا۔ اس لیے آپ کو ایسا لگ رہا ہے۔ تھوڑے دنوں میں آپ بھی عادی ہو جائیں گے۔ یہاں ایسے ہی چلتا ہے۔ (فقیر حسین نفی میں سر ہلاتا ہے)

مستری : (دوکاندار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) یہ شیخ صاحب آپ سے کچھ بات کرنا چاہتے ہیں۔

فقیر حسین : جی۔ فرمائیے۔

دکاندار : (مشکوک نظروں سے چاروں طرف دیکھتا ہے پھر اپنے بیگ میں سے کچھ کتابیں اور قاعدے نکالتا ہے انہیں فقیر حسین کے سامنے میز پر رکھتا ہے۔ فقیر حسین استفسار کے انداز میں اس کی طرف دیکھتا ہے) ان کی فوٹو کاپیاں بھی میرے پاس موجود ہیں۔

فقیر حسین : میں کچھ سمجھا نہیں۔

دکاندار : سمجھ جائیں گے۔ سمجھ جائیں گے۔ یہ دونوں قاعدے پچاس پچاس ہزار چھاپ دیں۔

فقیر حسین : (حیرت سے) جی۔

دکاندار : کام میرے پاس اور بھی بہت ہے۔

فقیر حسین : (مستری کی طرف غصے سے دیکھتا ہے جو نظر چُرا رہا ہے) تم نے انہیں بتایا نہیں تھا کہ میں ....

مستری : میں نے تو عرض کیا تھا جناب، یہ کہتے تھے میں خود بات کر لیتا ہوں۔ میں نے کہا۔ بسم اللہ۔

فقیر حسین : (دکاندار کی طرف مڑتے ہوئے مضبوط لہجے میں) دیکھیے جناب۔ میں کسی بھی غیر قانونی کام میں حصہ لینا گناہ سمجھتا ہوں۔ اور پھر آپ جو یہ کچی اور پہلی جماعت کے معصوم بچوں سے اپنی بے ایمانی کا آغاز کر رہے ہیں۔ ذرا سوچیے تو اس کا نتیجہ کیا نکلے گا۔

دکاندار : لو۔ بے ایمانی کی اس میں کیا بات ہے۔ بازار میں بچوں کو قاعدے نہیں ملتے۔ ہم تو اپنی طرف سے ان کا بھلا کر رہے ہیں۔ قیمت تو نہیں بڑھا رہے۔

فقیر حسین : بچوں کو قاعدے ملتے ہیں یا نہیں۔ یہ دیکھنا متعلقہ محکمے کا کام ہے۔ آپ سیدھی طرح اپلائی کر کے ان سے آرڈر کیوں نہیں لیتے۔

دکاندار : اوّل تو ان سے رجسٹریشن اور پھر آرڈر لینا اپنی جگہ پر ایک مسئلہ ہے۔ اور فرض کریں اگر یہ مل بھی جائے تو آپ کو پتہ ہے ایک قاعدے میں سے ہمیں کیا بچتا ہے (قاعدہ اٹھا کر میز پر پھینکتا ہے) دس پیسے۔ دس ٹیڈی پیسے۔ فقیر نہیں لیتا آج کل جناب۔

فقیر حسین : تو اس کی سزا آپ بچوں کو دینا چاہتے ہیں۔ گھٹیا اور ردی کا غذ لگا کر۔ تاکہ اُدھر بچّہ قاعدہ ہاتھ میں

پکڑے اور اُدھر وہ پرزے پرزے ہو جائے۔ بہت افسوس کی بات ہے بھائی صاحب۔

دکاندار: (ڈھیٹ انداز میں) معلوم ہوتا ہے آپ بچوں کے معاملے میں زیادہ ہی جذباتی ہیں۔ چلیں چھوڑیں۔ اس بات کو یہ کتاب چھاپ دیں۔

فقیر حسین: (کتاب پکڑ کر دو سطریں پڑھتا ہے ایک دم تڑپ کر نفرت سے اسے پیچھے ہٹاتا ہے) لاحول ولاقوۃ۔ یہ خرافات آپ چھاپنا چاہتے ہیں۔

دکاندار: آپ فکر نہ کریں۔ آپ کے پریس کا نام نہیں آئے گا۔ اس پر۔ بڑی ڈیمانڈ ہے ان کتابوں کی۔ ہر محلہ لائبریری میں بلیک پر چلتی ہیں۔

مستری: سکولوں اور کالجوں کے لڑکے لڑکیوں میں بڑی پاپولر ہیں۔

فقیر حسین: (غصے سے) آپ کو شرم آنی چاہیئے جناب۔ اگر ایسی کتاب کسی دن آپ کی بیٹی کے تکیے کے نیچے سے برآمد ہو تو...... یہ آگ آپ کے گھر کو بھی جلا سکتی ہے۔

(دکاندار چند لمحے حیرت سے فقیر حسین کی طرف دیکھتا ہے۔ کچھ سوچتا ہے۔ چپ چاپ کتابیں بیگ میں رکھ کر باہر نکل جاتا ہے۔ مستری اس کے جانے کے بعد نظر بچا کر اندر کی طرف جانے لگتا ہے۔ فقیر حسین گھور کر اس کی طرف دیکھتا ہے)

فقیر حسین: تم اپنا حساب کر لو میاں۔ تم جیسے لوگوں کو دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ اللہ نے صُمٌّ بُکمٌ عُمیٌ فھم لایرجعون کن لوگوں کے بارے میں کہا ہے۔

سین نمبر ۲

احمد علی کا گھر

(خالد ماں کو تسلی کے انداز میں تھپک رہا ہے۔ دوپٹے سے اس کی آنکھیں صاف کرتا ہے نیلم قدرے غم زدہ انداز میں دونوں کی طرف دیکھ رہی ہے)

خالد: یہی میرے حق میں بہتر ہے امی۔ اور پھر دو تین سال کی تو بات ہے (چٹکی بجا کر) ایسے گزر جائیں گے۔ اس کے بعد میں ہوں گا اور میری پیاری امی۔ کیوں بھئی نیلم۔

(نیلم مسکرانے کی کوشش میں سر ہلاتی ہے)

سلمیٰ: (شکوہ آمیز لہجے میں) جیسے یہاں تو تمہیں ماں کا بہت خیال ہے۔ ہر وقت میرے گھٹنے سے لگ کے بیٹھے رہتے ہو۔

خالد: (دکھ سے سر جھکا لیتا ہے پھر کوشش کر کے خوامخواہ ہنستا ہے) کسی فلسفی کا قول ہے امی کہ مستقبل ہمیشہ اچھا ہوتا ہے بشرطیکہ صرف اس پر بھروسہ رکھنے کی ہوتی ہے۔ نیلم ایک گلاس پانی تو دینا۔ آج پتہ نہیں کیوں۔ پیاس بہت لگ رہی ہے۔

سلمیٰ: موسم بدل رہا ہے نا...... تم ٹھہرو نیلم۔ میں شربت بناتی ہوں اس کے لیے۔

نیلم : کوئی بات نہیں امی ۔۔۔۔ میں بنا لاتی ہوں ۔

سلمٰی : نہیں ۔ کتنے دن ہو گئے ہیں ۔ اس نے میرے ہاتھ سے کچھ نہیں کھایا پیا ۔ تم دونوں باتیں کرو ۔ میں لے کر آتی ہوں ۔

(آنکھیں پونچھتی ہوئی جاتی ہے ۔ چند لمحوں کی خاموشی ۔ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے ہیں)

خالد : (آنکھیں چراتے ہوئے) تمہاری پڑھائی کیسی جا رہی ہے ؟

نیلم : بس ۔ چل رہی ہے ۔ دل ہی نہیں چاہتا کچھ پڑھنے کو ۔ عجیب سا ATMOSPHERE ہو رہا ہے ۔ گھر کا ۔

خالد : (اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے) اور کوئی خاص خبر ؟ (نیلم نفی میں سر ہلاتی ہے ۔ خوامخواہ ہنستا ہے) اس کا مطلب یہ ہوا کہ NO NEWS IS A GOOD NEWS

نیلم : آپ واپس آجائیں نا ۔ پلیز خالد بھائی ۔

(روہانسی ہو جاتی ہے)

خالد : (پریشان ہو جاتا ہے) دیکھو نیلم ۔ (اس کے سر پر ہاتھ پھیرتا ہے) کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں بیٹا ۔۔۔۔ جن پر آدمی کا اختیار نہیں ہوتا ۔ تم کیا سمجھتی ہو میں تم سے اور امی سے بلکہ عابد اور بابا جان سے بھی دور رہ کر خوش ہوں ۔ تمہیں کیا پتہ کہ میں ۔۔۔۔ کیسے دکھ میں کٹتے ہیں دن رات ۔

نیلم : تو پھر ۔

خالد : (سر تھپتھپاتے ہوئے) عابد کہاں ہے ؟

نیلم : وہ تو سردار صاحب کی زمینوں پر گئے ہوئے ہیں ۔ شکار کھیلنے ۔

خالد : سردار صاحب) اوہ ۔۔۔۔ اچھا ۔۔۔۔ کب آئے گا ۔

نیلم : پتہ نہیں ۔ امی کو پتہ ہو گا ۔ (آتی ہوئی سلمٰی سے) عابد بھائی کب آئیں گے امی ۔

سلمٰی : (برتن میز پر رکھتے ہوئے) جیسے کا کہہ کر گیا تھا ۔ لیکن باپ کی طرح وہ بھی مرضی کا مالک ہے ۔

احمد : (بیرونی دروازے سے مسکراتا ہوا داخل ہوتا ہے) یہ کیا بہتان باندھے جا رہے ہیں مجھ پر ۔

(سب اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ۔)

اوہو ۔ زہے نصیب ۔ آج تو کچھ بانٹنا چاہیئے (خالد کے پاس آکر اس کا کندھا تھپکتا ہے) کیسے ہو مائی سن ۔ تمہیں یہاں دیکھ کر میری دن بھر کی تھکن دور ہو گئی ہے ۔

سلمٰی : (شربت کا گلاس اس کی طرف بڑھاتی ہے فوراً پینا شروع کر دیتا ہے) خالد ۔ باہر جا رہا ہے ۔ اسے وہ بل گیا ہے کیا کہتے ہیں اسے ۔۔۔۔

نیلم : سکالرشپ ۔

سلمیٰ : اوہی۔

احمد : (ایک دم سنجیدہ ہوتے ہوئے) اتنی دور تو نہ جاؤ خالد بیٹا... کہ تمہاری خوشبو بھی ہم تک نہ پہنچ سکے۔ ہمیں اپنی محبت کی اتنی سزا تو نہ دو۔

خالد : پلیز بابا جانی۔

احمد : میں نے آج تک تمہاری ہر جائز ناجائز بات مانی ہے صرف اس لیے کہ میں اپنے نظریات تم پر ٹھونسنا نہیں چاہتا۔

YOU ARE AN EDUCATED YOUNG MAN تمہیں اپنے بارے میں فیصلے کرنے کا پورا حق ہے۔ BUT MY SON دنیا میں کچھ اور CONSIDERATIONS بھی ہوتی ہیں۔

خالد : میرا یہاں سے چلے جانا۔ ہم سب کے فائدے میں ہے بابا جانی۔ جو مرض دور نہ ہو سکتا ہو وہ مریض اور تیمار دار دونوں کی جان کو آجاتا ہے۔ کوڑھیوں کو اسی لیے شہر سے دور رکھا جاتا ہے۔

سلمیٰ : خالد بیٹے۔

احمد : اسے کہنے دو سلمیٰ۔ ایک دن آئے گا جب اس کی آنکھوں سے یہ سب پردے ہٹیں گے۔ تب اسے معلوم ہوگا کہ اس کا باپ۔ اس کا بدنصیب باپ اس سے کتنی محبت کرتا تھا۔

خالد : اس کا مجھے پتہ ہے بابا جانی۔ لیکن بات آپ کی محبت کی نہیں .... یہ تو... (ماں کی طرف مڑتے ہوئے) اچھا امی۔ میں اب چلتا ہوں۔

نیلم : بھیا کو کون سی فلائٹ ہے آپ کی۔

خالد : سوا گیارہ بجے۔ رات۔ صبح ساڑھے سات بجے NEXT فلائٹ ہے اچھا۔

(ماں سے پیار لیتا ہے نیلم کو پیار دیتا ہے۔ باپ کو سلام کر کے جاتا ہے اس کے جانے کے بعد احمد چند لمحے کچھ سوچتا ہے۔ پھر مسکرا کر صوفے پر بیٹھتا ہے)

احمد : چلو یہ بھی اچھا ہی ہوا۔

سلمیٰ : (غصے اور شکوے سے) احمد۔

احمد : ہاں سلمیٰ۔ خالد کا کچھ وقت کے لیے باہر جانا واقعی ہمارے لیے اچھا ہے۔ اُسے دنیا دیکھنے دو۔ اس کنوئیں میں رہ کر اسے سمندر کا اس کی وسعت کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ اُسے دیکھنے دو کہ دُنیا کس طرف جا رہی ہے۔ اگر بڑی مچھلیاں چھوٹی مچھلیوں کو نہ کھائیں سلمیٰ۔ تو سمندر۔ سمندر نہیں رہے گا مچھلی گھر بن جائے گا۔ سرانڈ آئے گی۔ اس میں سے۔

(نیلم اور سلمیٰ حیرت سے اس کی طرف دیکھتی ہیں)

سین نمبر ۳

تمکین کا گھر۔

تمکین : دیکھتا تو آدمی ساری عمر ہی رہتا ہے جمال صاحب . . . یہ تو ATTITUDE کی . رویے کی بات
ہے . میں آپ سے سیکھتی ہوں . آپ مجھ سے . . . اسی سے تو سارا نظام چل رہا ہے .

جمال : (اس کی دلیل سے متاثر اور مرعوب ہوتے ہوئے) بعض اوقات آپ کی باتیں مجھے حیران کر دیتی ہیں . آپ
کا ذہن آپ کی عمر سے بہت بڑا ہے .

تمکین : تھا نہیں جمال صاحب . . . . ہو گیا ہے . بلکہ یوں کہیئے کر دیا گیا ہے .

جمال : (بات نہ سمجھتے ہوئے) جی .

تمکین : امی کی بے وقت اور اچانک وفات سے ذمہ داریوں کا جو بوجھ میرے کندھوں پر آ پڑا ہے اُسے
اٹھانے کے لیے بڑے حوصلے کی ضرورت ہے . ہے نا .

جمال : جی . جی ہاں . لیکن جتنی SMOOTHLY آپ نے ہر چیز کو TACKLE کیا ہے اسے دیکھ کر تو یہ
کام کچھ ایسا مشکل نہیں لگتا .

تمکین : (غور سے اس کی طرف دیکھتی ہے) نہیں جمال صاحب . ابھی کہاں . ابھی تو مجھے بہت سے کام کرنے
ہیں . امی کے کچھ ضروری حساب ہیں جو چکانے ہیں . اُنہی کی وجہ سے پریشان ہوں .

جمال : پریشانی کی اس میں کون سی بات ہے آپ کی امی تو بہت SYESTEMATIC انداز میں
کام کرتی تھیں . ہر کیس کی تفصیل فائلوں میں موجود ہے .

تمکین : کچھ کیس ایسے ہیں . جن کے سلسلے میں فائلیں مدد نہیں دے رہیں .

جمال : حیرت ہے . . . میرے سامنے تو وہ . . . .

(تمکین کی نظروں سے گھبرا کر ایک دم چونکتا ہے . بات بدلنے کی کوشش کرتا ہے)

آپ اپنے منیجر سے پوچھیئے .

تمکین : (اس کی TENTION دور کرنے کے لیے ایک دم ہنس پڑتی ہے .) اچھا چلیئے یہ تو ہوتا ہی رہے
گا (میز کی دراز سے ایک فائل نکال کر میز پر رکھتی ہے) یہ میں نے FEESIBILITY
REPORT تیار کروائی ہے اپنے . آپ کے اور ہمارے JOINT VENTURE کے
سلسلے میں سے دیکھیئے . . . . . اگر آپ کچھ CHANGES چاہتے ہیں تو . . . .

PLEASE SUGGEST.

(پریشان سا ہو کر)

جمال : لیکن مس تمکین . . . I MEAN

تمکین : دیکھیئے مسٹر جمال . بزنس کی دنیا بھی سمندر کی طرح ہوتی ہے . اگر آپ کو اس میں رہنا ہے تو بڑی
مچھلی بن کر رہیں بے شک چھوٹی مچھلیوں کو نہ کھائیں لیکن اگر آپ خود چھوٹی مچھلی ہوئے تو
THEN IT IS NOT YOUR CHOICE -

جمال : وہ تو ٹھیک ہے ..... مگر ..... دیکھیے مس تمکین میں آپ کو صاف صاف بتاؤں۔ چند مہینے پہلے میں ایک بہت سخت فنانشل پرابلم میں پھنس گیا تھا۔ یوں کہ میرا دیوالیہ نکل گیا تھا اور ابھی تک میں اس SHOCK سے نکلا نہیں ہوں۔

تمکین : (مصنوعی حیرت سے) اچھا؟

جمال : (اپنی رو میں) اس صورت میں۔ میں نہیں سمجھتا کہ ..... بس آپ یہ سمجھ لیں کہ یہ پراجیکٹ میری حیثیت سے بڑا ہے۔ بہت بڑا ہے۔

تمکین : (سوچتے ہوئے) آپ کی یہی بات مجھے زیادہ پسند ہے۔ اگرچہ اچھا بزنس مین بننے کے لیے اتنا زیادہ سچ بولنا نقصان دہ ہوتا ہے لیکن اچھا انسان ہونے کے لیے یہ بنیادی شرط ہے۔ خیر سوچتے ہیں۔ نکالتے ہیں اس کا بھی کوئی حل۔ ! چائے اور منگواؤں۔

جمال : جی نہیں شکریہ۔ میں اب اجازت لوں گا۔ دفتر میں کچھ کام ہے۔

تمکین : اچھا۔ ٹھیک ہے ..... لیکن اس مسئلے پر تفصیل سے بات ہوگی۔ دراصل مجھے جو آدمی ایک دفعہ اچھا لگ جائے ..... پھر لگتا ہی چلا جاتا ہے ..... پتہ نہیں یہ کیا چکر ہے میرے ساتھ !

جمال : (حیرت سے اس کی طرف دیکھتا ہے اس کی بات سمجھنے کی کوشش کرتا ہے) اچھا۔ خدا حافظ۔

تمکین : خدا حافظ۔ جمال جاتا ہے تمکین کی مسکراہٹ سکڑتی ہے۔ سوچ میں پڑ جاتی ہے۔ انٹرکام پر جعفری سے بات کرتی ہے) ذرا آیئے گا۔ (انٹرکام رکھ کر سوچ میں پڑ جاتی ہے۔ فائل کے صفحے الٹتی ہے۔ چند لمحوں بعد جعفری آتا ہے اس کی طرف دیکھے بغیر اسے بیٹھنے کے لیے کہتی ہے) تشریف رکھیے۔ (ایک ایک لفظ تول کر بولتی ہے) آپ کو کچھ علم ہے جعفری صاحب۔ جمال نے امی سے رقم کس طرح بٹھیائی تھی۔ ؟ I MEAN ۔ بہانہ کیا بنایا تھا؟

جعفری : (نفی میں سر ہلاتے ہوئے) مجھے نہیں پتہ میڈم۔ بس اتنا پتہ ہے کہ رقم انہوں نے جمال صاحب کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کرائی تھی اور تاکید کی تھی کہ جمال صاحب کو اس کے بارے میں نہ بتایا جائے۔

تمکین : (سوچتے ہوئے) جمال کو نہ بتایا جائے ..... (کچھ نہ سمجھنے کے انداز میں ماتھا مسلتی ہے) یہ شخص اور کچھ بھی ہو جعفری صاحب، لالچی نہیں ہے ..... (اپنے آپ سے) مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر ..... (چونک کر) ٹھیک ہے آپ جائیں۔

(جعفری سلام کرکے جاتا ہے تمکین پھر سوچ میں پڑ جاتی ہے۔ پریشان ہے)

سین نمبر ۴

صابر کا کمرہ

(ایک معمولی سا کمرہ جس میں مختصر سا سامان بے ترتیبی کی حالت میں پڑا ہے۔ رفیق سلامت اور دنیش ایسے انداز میں بیٹھے ہیں جیسے کسی کے منتظر ہوں۔ سلامت

کھڑکی کے راستے باہر کی طرف دیکھ رہا ہے۔ ایک دم بھنویں سکیڑ کر دیکھتا ہے مڑتا ہے۔

آہستہ آواز میں)

سلامت: وہ آرہا ہے استاد۔

رفیق: (جلدی سے اُٹھ کر لائٹ آف کرتا ہے چند لمحوں بعد دروازہ کھلتا ہے اور صابر بے پرواہی سے کچھ گاتا ہوا آتا ہے لائٹ جلانے کے لیے سوئچ کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے رفیق اسے کمرے کے وسط میں دھکیلتا ہے۔ لائٹ آن ہوتی ہے۔ سلامت دروازے کی کنڈی لگاتا ہے صابر حیران اور خوفزدہ ہو کر اُن کی طرف دیکھتا ہے۔ وہ لوگ چند لمحے کچھ نہیں بولتے تو ہمت کر کے بہادر بننے کی کوشش کرتا ہے)

صابر: کون لوگ ہو تم۔

سلامت: گھبراؤ نہیں صابر صاحب۔ ہم تمہارے دوست ہیں۔

صابر: میں تمہیں نہیں جانتا۔

(محتاط انداز میں دروازے کی طرف بڑھنے کی کوشش کرتا ہے۔ فیض رسول لوہے کی ایک سلاخ ریاست کی طرف پھینکتا ہے۔ سلامت اس سلاخ کو معنی خیز نظروں سے دیکھتا ہے۔ ہاتھ میں تولتا ہے۔)

صابر: گھبرا کر دیوار کے ساتھ لگتا ہے) تمہاری کیا دشمنی ہے میرے ساتھ۔

فیض: ڈرو نہیں۔ تسلی سے اِدھر بیٹھ جاؤ۔ رفیق نے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ (سلامت کی سلاخ کی طرف اشارہ کر کے) اس کو رکھ دے سلامت۔ صابر سمجھدار آدمی ہے..... اسے پتہ ہے ہنسی مذاق میں کبھی کبھی ایسی چوٹ بھی لگ جاتی ہے کہ آدمی ساری عمر کے لیے بیکار ہو جاتا ہے۔

: (صابر کو گھورتے ہوئے بولتا ہے صابر ڈر کے مارے بیٹھتا چلا جاتا ہے) کوٹ سجاول کے ذیلداروں کی حویلی کو آگ کس نے لگائی تھی۔؟

بر: (ہکلاتے ہوئے) کوٹ سجاول.... کون سا کوٹ سجاول؟

ق: ابھی کچھ دیر بعد جب محلے والے تیری جلی ہوئی لاش اس کمرے سے نکالیں گے تو تیرے باقی ساتھیوں کو ایک منٹ میں سارا واقعہ یاد آجائے گا۔ سلامے۔

ـ ت: جی استاد جی۔

رفیق: پٹرول کا ڈبہ دے....

سلامت: بہت اچھا، استاد جی....

صابر: (سخت دہشت کے عالم میں سلامت کی طرف دیکھتا ہے جو پٹرول کا ایک بڑا CONTAINER اٹھانے لگتا ہے۔ ٹھہرو۔ ٹھہرو.... میں۔ تم.... میں تو تم لوگوں کو جانتا بھی نہیں ہوں اور....

رفیق : ذیلداروں کو تو جانتے ہو، نا....

صابر : (نظریں چراتے ہوئے) کون ذیلدار۔

فیض : (ڈرانے کے انداز میں اسے سمجھاتا ہے) اوئے بندے کا پتر بن جا، صابر ا۔ کیوں اپنی چربی کا تیل نکلوانا چاہتا ہے۔

صابر : ہم.... مگر.... بھائی میں۔ مجھے کیا پتہ کہ....

رفیق : (رسی سلامے کی طرف پھینکتا ہے) یہ ایسے نہیں مانے گا سلامے.... اسی چارپائی کے ساتھ باندھ دے اسے.... جلدی فارغ ہو جائے گا۔

صابر : خدا کے لیے بھائی صاحب..... میری بات تو سنو۔

(رفیق اسے دھکیل کر چارپائی پر گراتا ہے۔ صابر اس کی فولادی گرفت میں بے بس سا ہو جاتا ہے)

میں تو ذیلداروں کو جانتا بھی نہیں تھا.... مجھے تو تاجدین نے گیا تھا ساتھ۔ اللہ پاک کی قسم۔

(تینوں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں)

رفیق : تاج دین کون ہے!

صابر : میرا یار ہے جی۔ اسی نے مجھے اس کام پر لگایا تھا۔ پر اس بات کو تو اب کئی سال ہو گئے ہیں۔ تم لوگ.... ؟

رفیق : یہ تاجدین کون ہے اور کہاں ملے گا۔

صابر : میں تو ابھی ابھی چھ سال کاٹ کے آیا ہوں جی۔ ملاقات نہیں ہوئی اس سے.... ویسے وہ بھی اندر ہی تھا۔ چھیدا بتا رہا تھا کہ کچھ دن پہلے ہی رہا ہوا ہے، میرا خیال ہے ابھی اپنے پنڈ میں ہی ہو گا۔

سلامت : کیا نام ہے اس کے پنڈ کا۔

صابر : عدالت پور۔

رفیق : (چونک کر) عدالت پور۔ عدالت پور تو.....

(فیض کی طرف حیرت سے دیکھتا ہے۔ فیض بھی حیرت اور پریشانی کے عالم میں کندھے اُچکاتا ہے)

سین نمبر ۵

آؤٹ ڈور

(جنگل میں شہباز اور عابد گھوڑوں پر سوار باتیں کرتے آ رہے ہیں دونوں کے ہاتھوں میں شکاری بندوقیں ہیں کچھ فاصلے پر ریاست اور دو تین دوسرے

آدمی جیپ میں آبیٹھے ہیں۔)

شہباز: (ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے) عدالت پورا دھر ہے۔ نہر کے پیچھے۔

عابد: (تعریفی انداز میں) یہ سب علاقہ تمہارا ہے۔

(شہباز اثبات میں سر ہلاتے ہوئے ایک دم رکتا ہے۔ غور سے کہیں دور دیکھتا ہے نشانہ باندھتا ہے۔ گولی کی آواز سے پرندے پھڑپھڑا کر اڑتے ہیں۔ ایک پرندہ فضا میں چکراتا ہوا نیچے کی طرف آتا ہے)

شہباز: زمین تو جتنی بھی ہو تھوڑی لگتی ہے سائیں۔

عابد: بڑا اچھا نشانہ ہے تمہارا۔

شہباز: (مسکراتے ہوئے) دس سال کی عمر سے چلا رہا ہوں سائیں۔ اب بھی نشانہ اچھا نہ ہو تو لعنت ہے۔ لیکن کبھی ابا سائیں کے ساتھ شکار پر جاؤ تو تمہیں پتہ چلے نشانہ کسے کہتے ہیں۔

عابد: تم سے بھی اچھا ہے ان کا نشانہ۔

شہباز: مجھ سے۔ ان کے حساب سے تو ابھی مجھے بندوق پکڑنی بھی نہیں آتی۔

عابد: حیرت ہے۔ سردار صاحب اتنی دھیمی اور میٹھی طبیعت کے ہیں۔ یقین نہیں آتا کہ انہوں نے زندگی میں ایک بار بھی بندوق چلائی ہوگی۔

شہباز: یہاں کی دنیا بڑی عجیب ہے عابد۔ کبھی کبھی تو مجھے ایسے لگتا ہے جیسے .... جیسے ...... تم نے ٹائم مشین کے بارے میں کچھ پڑھا ہے۔

عابد: ہاں۔ ایک فلم بھی دیکھی تھی۔ میں نے .... آدمی کبھی ٹائم میں آگے چلا جاتا ہے کبھی پیچھے — وہی نا۔

شہباز: ہاں۔ بس یوں سمجھ لو کہ ہم لوگ بھی ٹائم مشین کے کسی سفر میں ہیں۔ ہمارے گھر۔ دیہات۔ مزارعے ..... یہ سب صدیوں سے ایک جگہ رکے ہوئے ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے نسل در نسل صرف نام اور چہرے بدل رہے ہیں .... لوگ اصل میں وہی ہیں۔

عابد: (اس کی بات نہ سمجھتے ہوئے) ہاں۔ لائف بڑی سلو ہے یہاں۔ سانپ کی طرح رینگنے والی۔

شہباز: (ہنستے ہوئے) لیکن اس سے کہیں زیادہ زہریلی اور کاٹنے والی ہے۔

عابد: تو LEAVE IT یار۔ اب تو ساری دنیا شہروں کی طرف جا رہی ہے۔ سردار صاحب بھی تو زیادہ تر شہر ہی میں رہتے ہیں۔

شہباز: ہاں۔ مگر.... خیر چھوڑو اس بات کو .... میری مانو تو اب تم جیپ میں بیٹھ جاؤ۔ پہلے دن گھوڑے پر اتنی دیر نہیں بیٹھنا چاہیے۔ تین چار دن ٹانگوں میں کھلیاں پڑی رہیں گی اور تم بہت بور ہو گے۔

عابد : (زبردستی کی ضد کے ساتھ) کوئی بات نہیں۔ ایڈونچر میں تھوڑی بہت تکلیف تو ہونی چاہیئے۔ (دور درختوں کی طرف دیکھتا ہے) وہ دیکھو .... میں ٹرائی کروں۔

(شہباز اشارے سے ہاں کرتا ہے عابد بندوق تانتا ہے کیمرہ ریاست پر کٹ کرتا ہے۔ جو بڑی سنجیدگی سے بت بنا یہ سارا منظر دیکھ رہا ہے۔)

سین نمبر ۶

فقیر حسین کا گھر۔

(اختر خالد کو لے کر گھر کے اندر داخل ہو رہا ہے)

اختر : دیکھیے خالد بھائی باقی ساری باتیں رہیں اپنی جگہ .... میں ایک بات جانتا ہوں اور وہ یہ کہ آپ ہمیشہ مجھ سے۔ ہم سب سے اسی محبت اور اپنائیت سے ملتے رہے ہیں جو کہ رشتہ داری کا حق ہے اس لیے چچا احمد علی کی ساری مہربانیوں کے باوجود آپ کے لیے اس گھر کے دروازے ہمیشہ کھلے ہیں۔ بیٹھیے آپ۔

خالد مجھے پتہ ہے اختر۔ لیکن .... میں

(سعیدہ اندرونی دروازے سے آتی ہے چند لمحے حیرت سے اس کی طرف دیکھتی ہے پھر مڑ کر واپس جانے لگتی ہے۔ اختر ایک دم حیران سا ہو کر دونوں کی طرف دیکھتا ہے سر کھجاتا ہے۔ مسکراتا ہے)

اختر : مجھے تو بڑی تمیزیں سکھایا کرتی ہو۔ اب گھر آئے مہمان سے بات تک کرنے کی توفیق نہیں ہو رہی۔

(سعیدہ رک کر غصے سے اس کی طرف دیکھتی ہے خالد سخت پریشان ہے)

خالد : اچھا۔ میں .... چلتا ہوں۔

اختر : (اسی موڈ میں) ارے نہیں خالد بھائی۔ یہ بھی کوئی بات ہے۔ کسی کے اعمال کی سزا کسی دوسرے کو کیوں دی جائے۔ (سعیدہ سے) تشریف لے آیئے محترمہ۔

سعیدہ : ہر وقت کا مذاق اچھا نہیں ہوتا اختر۔

اختر : (اسی مزاحیہ انداز میں) تو کوئی ٹائم مخصوص فرما دیجیے۔

خالد : میرے خیال میں .... مجھے۔ چلنا چاہیئے .... میری وجہ سے آپ لوگ .... خوامخواہ ....

اختر : (قدرے سنجیدہ ہوتے ہوئے) کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ خالد بھائی۔ تمہیں پتہ ہے سعیدہ .... میں ان کو کتنی مشکلوں سے یہاں لایا ہوں۔ یہ تو آ ہی نہیں رہے تھے۔

سعیدہ : کسی کو زبردستی مجبور نہیں کرتے۔

اختر : (حیرت سے) سعیدہ۔

خالد : سعیدہ ٹھیک کہہ رہی ہیں اختر۔ میرا تمہارے یہاں آنا مناسب نہیں ہے۔

اختر : OH - PLEASE STOP IT! — کیا ہو گیا ہے آپ دونوں کو — (دونوں خاموش بیٹے

ہں اختر بے بسی اور پریشانی کے انداز میں پاؤں پٹختا ہے۔ سعیدہ سے) تمہارا ارادہ تو غالباً نہیں چائے پلو: نے کا بھی نہیں لگتا۔ میں ایک منٹ میں کوئی کولڈ ڈرنک لاتا ہوں۔

(خالد اسے روکنے کی کوشش کرتا ہے مگر اس سے پہلے اختر نکل جاتا ہے دونوں چند لمحے خاموش رہتے ہیں۔)

سعیدہ: آپ کو یہاں نہیں آنا چاہیئے تھا۔ خالد۔

خالد: (بے چارگی سے) یقین کرو سعیدہ..... میں تو ان کاغذات کی (لفافے آگے کرتا ہے) فوٹوسٹیٹ کاپیاں کروا رہا تھا۔ پتہ نہیں اختر نے کیسے دیکھ لیا۔ اور زبردستی.... میں تو..... پاکستان سے ہی جا رہا ہوں۔

(سعیدہ چونک کر اس کی طرف دیکھتی ہے خالد اس سے نظر نہیں ملاتا)

مجھے ایک سکالرشپ مل گیا ہے۔

(سعیدہ رحم انگیز نظروں سے اس کی طرف دیکھتی ہے۔ ایک قدم آگے بڑھاتی ہے۔ کچھ کہتے کہتے رک جاتی ہے ایک دم مڑ کر دوسرے کمرے میں جاتی ہے)

سین نمبر ۷

فقیر حسین کا پریس

(اختر نٹے کے ساتھ ایک ڈیزائن کی پیمائش لے رہا ہے۔ اندرونی دروازے سے کاریگر داخل ہوتا ہے ہاتھ میں چند کاغذ ہیں۔ چہرے پر نیند اور بیزاری ہے۔

کاریگر: یہ پروف چیک کر لیں جی۔

اختر: ابو کو دکھاؤ۔ یہ ان کا ڈیپارٹمنٹ ہے۔

کاریگر: وہ اُدھر ٹکٹ لگوا رہے ہیں جی۔ کہتے ہیں چھوٹے باؤ صاحب کو دکھا دو۔

اختر: لاؤ بابا۔ (اس کے ہاتھ سے کاغذ لیتا ہے) ایک تو تمہیں ہر وقت گھوکی چڑھی رہتی ہے۔ افیم تو نہیں کھاتے تم۔

کاریگر: (خوشامدانہ انداز میں ہنستے ہوئے) افیم کہاں ملتی ہے جی اب۔ دو سال ہو گئے ہیں خانہ خراب کو بند ہوئے۔ یہ تو پچھلا ہی نشہ چل رہا ہے۔

اختر: (REACTION دیتا ہے پڑھتے ہوئے ایک لفظ پر انگلی رکھتا ہے) اس کے سپیلنگ یہی ہیں؟

کاریگر: کس کے جی۔

اختر: کمیٹی کے۔

کاریگر: مجھے تو جو لکھ کر دیتے ہیں وہی کمپوز کرتا ہوں۔

اختر: (پڑھتے ہوئے) سی او۔ ڈبل ایم۔ ڈبل آئی۔ ڈبل ٹی۔ ڈبل ای۔ یار یہ سارے ہی ڈبل ڈبل ہیں۔

کاریگر : ہو سکتا ہے کوئی بہت بڑی کمیٹی ہو جی ..... ملکی کمیٹی بھی ہو سکتی ہے ..... میری خالہ کے جوائی کا تائی ٹوئی نکلا
تھا جی ملکی کمیٹی میں۔
اختر : (پڑھتے ہوئے ڈکشنری اٹھاتا ہے) میرے خیال میں آئی ڈو (اس میں ایک ہے۔ (لفظ ڈھونڈتا ہے)
یہ دیکھو۔
کاریگر : میں تو کہتا ہوں جہاں اتنے لفظ ڈبل ہیں اسے بھی چلنے دیں۔
(اختر گھور کر اس کی طرف دیکھتا ہے۔ دوبارہ پڑھنا شروع کرتا ہے۔ کاریگر خوشامدانہ
لہجے میں بولتا ہے)
آج سفارش کر کے ایک پنجاہ کا فورٹ ایڈوانس دلوا دو ... بیوی بچے سارے ہی بیمار پڑے ہوئے ہیں
اختر : یہ بات ابو سے کرنا — ویسے جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے تم اس مہینے کی ساری تنخواہ ایڈوانس میں لے
چکے ہو۔
کاریگر : وہ جی بات یہ ہے کہ ....
(سعیدہ اور تمکین کو دیکھ کر ایک دم حیرت سے خاموش ہو جاتا ہے۔ اختر ان کی آمد
سے بے خبر پروف پڑھ رہا ہے۔ سعیدہ کچھ کہنے لگتی ہے تمکین اسے روکتی ہے۔

تمکین : انہیں کام کرنے دو۔
اختر : (چونک کر دیکھتا ہے گھبرا اٹھتا ہے) آپ! تشریف رکھیے۔
سعیدہ : (اکلوتی کرسی پر ہاتھ رکھتے ہوئے) ایک کرسی پر ہم دونوں تو نہیں بیٹھ سکتیں۔
اختر : (شرمندگی میں) کرسی اور آجاتی ہے۔ اپنی کرسی اٹھا کر رکھتا ہے کاریگر سے) ایک کرسی لاؤ اندر سے۔
تمکین : کوئی بات نہیں۔ میں سارا دن دفتر میں کرسی پر بیٹھ کر ہی آئی ہوں۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ مجھے
اچھا لگ رہا ہے کھڑا ہونا۔
(چاروں طرف دیکھتی ہے)

اختر : ابھی .... نیا نیا ہے نا جی سب کچھ۔ اس لیے ..... چائے منگواؤں۔
تمکین : شکریہ — میں چائے بہت کم پیتی ہوں۔
اختر : اچھا۔ تو کوئی کولڈ ڈرنک پی لیں۔ چائے ویسے بھی یہاں اچھی نہیں ملتی۔
تمکین : میں اس وجہ سے نہیں کہہ رہی ..... دراصل۔
فقیر حسین : (اندرونی دروازے سے آتے ہوئے) ارے بیٹی .... تم .... یہاں۔
سعیدہ : ابو — یہ مس تمکین ہیں۔ ہماری فیکٹری کی مالک .... مسز انیسہ کی بیٹی۔
(تمکین سلام کرتی ہے)
فقیر حسین : (جیتی رہو، جیتی رہو۔ معاف کیجیے گا محترمہ .... مجھے شاید آپ کو ایسے مخاطب نہیں کرنا چاہیے تھا۔

تمکین : کیوں؟

فقیر حسین : وہ..... دراصل..... کچھ لوگ..... (پریشان ہوکر ہنستا ہے) دراصل امیروں اور بڑے آدمیوں کو تو اور طرح دعائیں دیتے ہیں نا..... مثلاً حضور کا اقبال بلند ہو... جناب کا سایہ سلامت رہے۔ الطاف کی نظر ہو ہم پر..... وغیرہ وغیرہ۔

سعیدہ : نہیں ابو..... یہ اس طرح کی نہیں ہیں — میں رکشے کے انتظار میں کھڑی تھی..... گاڑی روک کر زبردستی مجھے بٹھا لیا۔ یہاں سے گزرتے ہوئے میرے منہ سے نکل گیا کہ وہ میرے ابو کا پریس ہے کہنے لگیں۔ چلو دکھاؤ۔ کیسا ہے —؟

فقیر حسین : ماشاء اللہ۔ ماشاء اللہ۔

اختر : (ویسے یہ دیکھ کر تو آپ کو خاصی مایوسی ہوئی ہوگی۔ ایسے ہی ہے بس۔ دکاریگر کرسیاں لے کر آتا ہے رکھ کر وہیں کھڑا ہو جاتا ہے) اب تو بیٹھ جائیے۔

تمکین : نہیں۔ اب میں چلوں گی..... ویسے ایک بات ہے مسٹر اختر۔

اختر : جی۔

تمکین : محنت کرنے والے کو APOLOGATIC نہیں ہونا چاہیے۔ آپ کو پتہ ہے میرے ابو نے کپڑے کے سیلز مین کی حیثیت سے اپنا کیریئر شروع کیا تھا۔ تیس روپے مہینہ تنخواہ تھی ان کی۔

فقیر حسین : جیتی رہو بیٹی۔ بڑے اچھے خیالات ہیں تمہارے۔

(اختر سعیدہ کی طرف دیکھتا ہے جو اشارے سے کہتی ہے کہ کیسی ہوئی تمہارے ساتھ اختر شیو کھجانے لگتا ہے۔)

سین نمبر ۸

آؤٹ ڈور

(دور سے آتی ہوئی کار فٹ پاتھ پر چلتے ہوئے رفیق سلامت اور فیض کے قریب سے گزرتی ہوئی ان سے کچھ آگے جا کر رکتی ہے۔ تمکین مسکرا کر سعیدہ کی طرف دیکھتی ہے)

تمکین : ایک منٹ میں اپنے ٹیلر سے کپڑوں کا پتہ کروں۔

سعیدہ : جی۔

تمکین : (جاتے جاتے رکتی ہے) بلکہ تم بھی ساتھ ہی آجاؤ۔ یہاں اکیلی بیٹھی کیا کرو گی۔

سعیدہ : جی — اچھا۔

(سعیدہ اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اترتی ہے سامنے رفیق کھڑا ہے۔ جو اس طرح اچانک دروازہ کھلنے سے رک گیا ہے حیرت سے اس کی طرف دیکھتا ہے۔)

رفیق : آ — آپ۔

سلامت : السلام علیکم باجی جی۔

(تمکین حیرت اور دلچسپی سے یہ منظر دیکھتی ہے)

سعیدہ : وعلیکم السلام۔

سلامت : کیا حال ہے ہمارے اختر باؤ کا.... قسم ہے ایمان کی بڑا ہیرا آدمی ہے۔ (رفیق باچھیں پھیلائے حیران سا کھڑا ہے) یہ ہمارا دوست ہے جی۔ رفیق..... استاد جی کا بچپن کا ساتھی ہے۔ (کہنی مارتے ہوئے) اوئے سلام کر۔ یہ ہماری باجی جی ہیں۔

رفیق : (گھبرا کر) سس۔ سلام علیکم۔

سعیدہ : (شدید پریشانی میں) وعلیکم السلام۔

سلامت : (اپنی رو میں) یہ دراصل گاؤں سے پہلی دفعہ شہر آیا ہے۔ اس لیے ذرا گھبرایا ہوا ہے۔ اور گھر تو سب ٹھیک ٹھاک ہیں نا۔

تمکین : (ایک قدم آگے آتے ہوئے) کیا بات ہے سعیدہ.... یہ

سعیدہ : (پریشانی میں) کچھ نہیں..... یہ اختر کے دوست..... اچھا جی۔ خدا حافظ۔

(جانے کے لیے مڑتی ہے رفیق گھبرا کر راستہ دیتا ہے۔)

سلامت : (تمکین سے) سلاما علیکم جی۔ معاف کرنا جناب آپ کا ٹائم خرچ ہوا..... دراصل یہ ہماری باجی جی ہیں اور ہم.....

رفیق : کسی وقت بکواس بند بھی کیا کر سلامے۔ انہیں دیر ہو رہی ہے۔

سلامت : دیر ہو رہی ہے ؛ میں بھی تو یہی کہہ رہا ہوں استاد جی۔

(تمکین ہنستے ہوئے اور سعیدہ پریشان سی جانے کے لیے مڑتی ہیں۔ تمکین خدا حافظ کے انداز میں ہاتھ ہلاتی ہے۔ سلامت شکوہ آمیز انداز میں رفیق کی طرف مڑتا ہے)

لیڈیز کے سامنے تو ذرا خیال کیا کرو استاد جی..... پوزیشن بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔

سین نمبر ۹

جمال کا بیڈ روم

(جمال نیم تاریکی میں چھت کی طرف نظریں جمائے سگریٹ پی رہا ہے چہرے سے سخت کشمکش اور ہیجان کے آثار نمایاں ہیں اس پر دسویں EPISODE کا آخری سین D/S ہوتا ہے جس میں اس نے انیسہ کی محبت کو ٹھکرایا تھا۔ اس میں تمکین کا چہرہ MIX ہوتا ہے۔ کیمرہ آہستہ آہستہ تمکین کی آنکھوں کے کلوز پر جاتا ہے TRACK BACK کر کے جمال پر آتے ہیں جو پریشانی کے عالم میں اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھتا ہے۔ تمکین کا چہرہ پھر اس پر D/S ہوتا ہے۔ یہ عمل فون کی گھنٹی کی تیز آواز سے ٹوٹتا

ہے چند لمحے خالی خالی نظروں سے فون کی طرف دیکھتا ہے فون اٹھاتا ہے)

جمال : ہیلو۔

(تمکین کا چہرہ آدھی سکرین پر آتا ہے۔)

تمکین : سو رہے تھے آپ ؟

جمال : (ایک دم چونکتا ہے) جی نہیں۔

تمکین : اب تو میری آواز پہچاننے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ (ہنستی ہے)

جمال : جی نہیں۔

تمکین : دراصل میری واحد کمپنی امی کی ذات تھی۔ اب ان کے بعد اگر کوئی پروگرام ذہن میں آتا ہے تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا ... کیا کروں .... اب دیکھئے نا، کئی دن سے ایک دو بہت اچھی فلمیں لگی ہوئی ہیں ..... لیکن اکیلا فلم دیکھتا ہوا آدمی مجھے ایسے لگتا ہے جیسے ..... ٹہنی پر کسی شجر کی تنہا ... اُلو تھا کوئی اداس بیٹھا ۔ (ہنستی ہے)

جمال : (مجبوراً ہنستے ہوئے) جی ہاں ۔ واقعی۔

تمکین : تو کیا خیال ہے۔

جمال : کیا مطلب۔

تمکین : مطلب یہ کہ .... دیکھ آئیں کسی وقت .... ایک تو سیدھی سیدھی LOVE STORY ہے اور دوسری VENDETTA کی ہے۔ TYPICAL WESTERN ۔ انتقام ٹائپ ۔ آپ کون سی دیکھنا پسند کریں گے۔؟

جمال : جی یہ .... ظاہر ہے محبت کسے پسند نہیں ہوتی ۔ یہی تو کائنات کا سب سے عظیم جذبہ ہے۔

تمکین : (شرارت کے انداز میں) اچھا۔ تو پھر میں آپ کو Pick کروں یا آپ ادھر سے ہوتے چلیں گے۔

جمال : آج۔

تمکین : اگر آپ کا کوئی اور پروگرام نہ ہو تو آج میں کوئی حرج نہیں۔

جمال : نہیں پروگرام تو کوئی ایسا ..... خاص نہیں ہے۔

تمکین : تو پھر میں چھ بجے آپ کا انتظار کروں گی۔ O.K

سین نمبر ۱۰

احمد علی کا گھر

(جہانگیر کمرے کے تقریباً وسط میں کھڑا چاروں طرف دیکھ رہا ہے۔ احمد گاؤن کی ڈوریاں باندھتا ہوا اندر سے آتا ہے چہرے پر نیند کے آثار ہیں۔

احمد : (قدرے حیرت سے) السلام علیکم ۔ سردار صاحب خیریت تو ہے اتنی صبح صبح۔

جہانگیر: بالکل خیریت ہے سائیں.... سولہ آنے خیریت ہے.... بات دراصل کوئی ایسی ضروری نہیں تھی۔ اور تھوڑی سی تھی بھی.... گاؤں کو نکل رہا تھا... سوچا آپ سے ہیلو ہیلو کرتا چلوں۔

احمد: (تکلف سے) زہے نصیب (نوکر سے) ارے بھئی لٹیں.... ناشتہ بنواؤ۔ ذرا خاندانی قسم کا.... ناشتہ کیسا پسند کریں گے۔ سردار صاحب دیسی یا ولائتی۔

جہانگیر: ناشتہ تو میں گھر سے کرکے نکلا ہوں سائیں۔ تمہاری خوشی کے لیے ایک کپ چائے پی لوں گا بس۔

(احمد نوکر کو جانے کا اشارہ کرتا ہے۔ شیو کھجاتے ہوئے اسی لاتعلقی کے انداز میں بولتا ہے)

احمد: جی سردار صاحب۔ ارشاد۔

جہانگیر: میں نے سوچا ہے سائیں... تمہارا وہ پلازہ والا پراجیکٹ میں ہی خرید لیتا ہوں۔

احمد: (جھٹکا سا کھاتا ہے) جی.... میں کچھ سمجھا نہیں۔

جہانگیر: بات یہ ہے سائیں... ہم اُدھر دیہات کے لوگ ہیں۔ SUPERSTITIUS BACK WORD وہمی قسم کے... ذرا ذرا سی بات کو اعصاب پر سوار کر لیتے ہیں... ہے تو جہالت کی بات سائیں... مگر کیا کریں بزرگوں کی نشانی ہے.... ان کی مری ہوئی مٹی کا تحفہ ہے.... چھوڑا نہیں جاتا سائیں۔

احمد: ہم۔ مگر... سردار صاحب... وہ پلازا تو....

جہانگیر: آپ اس دن کہہ رہے تھے نا سائیں.... کہ آپ نے ارادہ کینسل کر دیا ہے۔ تو میں نے سوچا.. چلو میں ہی یہ کام کر لیتا ہوں۔

احمد: لیکن سردار صاحب....

جہانگیر: دیکھو نا سائیں.... پارٹنرشپ میں تو ساری باتیں مل ملا کر ہوتی ہیں.... ہم دونوں کا آدھا آدھا حصہ تھا اس میں.... تمہاری مرضی نہیں رہی.... تم چھوڑ دو۔

احمد: (سنبھلتے ہوئے) لیکن سردار صاحب۔ وہ آئیڈیا۔ پراجیکٹ میرا تھا۔ میرا ہے۔ میں اس زمین کو کسی اور مقصد کے لیے استعمال کرنا چاہتا ہوں۔

جہانگیر: یہ تو مناسب نہیں ہے نا سائیں۔ دنیا میں بزنس کے کاروبار کے کچھ اصول ہوتے ہیں۔ مرد کا زیور اس کی زبان ہوتی ہے۔ وہ جگہ تو تمہیں چھوڑنی پڑے گی سائیں۔

احمد: ہرگز نہیں ۔ یعنی کمال ہے.... اوّل تو ہماری پارٹنرشپ کی ابھی کوئی شکل اور فرض کیجیے اگر بن بھی جاتی تو یہ PRIVILAGE میرا تھا کہ اسے CONTINUE کروں یا چھوڑ دوں۔

جہانگیر: چھوڑو سائیں۔ اس طرح کی باتوں سے آپس کی محبت گھٹتی ہے۔ دیوار کھڑی ہو جاتی ہے۔ دلوں کے درمیان.... بال آجاتا ہے۔ شیشے میں۔ میرے وکیل نے کاغذ تیار کر لیے ہیں.... تم اللہ کا نام لے کر اس زمین کی رجسٹری میرے نام کر دو۔

احمد : (غصے میں) آپ کا دماغ تو.... اپنے آپ کو روکتے ہوئے) دیکھئے سردار صاحب ہیں۔ اس موضوع پر
مذاق پسند نہیں کرتا۔
جہانگیر : میں تو کسی بھی موضوع پر مذاق پسند نہیں کرتا سائیں۔ لمبی بات کا نہ میں عادی ہوں نہ قائل۔ یہ پلازا
ہم دونوں نے بنانا تھا.... پیچھے تم ہٹے ہو۔ میں نہیں۔ اب اصولی طور پر تمہارا کوئی حق نہیں رہا اس پر۔
احمد : وہ تو زمین میری ہے۔
جہانگیر : زمین تو اس اوپر والے کی ہے سائیں۔ تمہارے نام تو صرف رجسٹری ہے اس کی۔
احمد : بہر حال سردار صاحب....... LET ME BE STRAIGHT FARWARD
میں وہ زمین کسی قیمت پر آپ کے یا کسی اور کے ہاتھ فروخت کرنے کو تیار نہیں ہوں کیونکہ میں خود
جہانگیر : (بات کاٹتے ہوئے) کیونکہ تم خود وہاں پلازا بنانا چاہتے ہو.... مجھے ڈبل کراس کر کے....
احمد : چلیے یہی سہی — پھر۔
جہانگیر : پھر کچھ نہیں سائیں۔ جھگڑے کو تو میں پسند نہیں کرتا سائیں۔ لیکن میں نے تمہیں اپنی مجبوری بتائی ہے نا
سائیں۔ ایک دفعہ ہم لوگوں کے منہ سے کوئی بات نکل جائے تو پھر زندگی میں تو ہم اُسے واپس
نہیں لیتے .... چاہے اس کے لیے ہمیں کسی اور کی زندگی سے ہی کیوں نہ کھیلنا پڑے۔ جہالت
ہے ہماری سائیں۔
احمد : کیا — کیا مطلب ہے آپ کا....
جہانگیر : مطلب کوئی خاص مشکل نہیں ہے سائیں۔ دس بجے میرا وکیل آئے گا۔ دو چار دستخطوں کی ضرورت
ہے۔ کر دینا۔ عابد اچھا لڑکا ہے سائیں۔
احمد : چونک کر) جی۔ (سمجھتے ہوئے) نہیں۔ آپ ایسا نہیں کر سکتے۔
جہانگیر : کون کم بخت چاہتا ہے ایسا کرنا سائیں۔ فیصلہ تو تم نے کرنا ہے۔ ہے نا سائیں۔ اچھا رب راکھا
تین چار گھنٹے کا سفر بھی ہے۔ ایمبولینس تو اور بھی دیر سے پہنچتی ہے (جہانگیر جاتا ہے) (احمد
ہذیانی انداز میں چیختا ہے) نہیں..... میں۔ میں تمہیں جان سے ماردوں گا سردار جہانگیر....
میں..... میں۔

(تیورا کر گرتا ہے)

سین نمبر ۱۱

حویلی کا کاریڈور اور دروازہ
(ریاست دروازے کو تالا لگا کر مڑتا ہے۔ شہباز شدید پریشانی کے عالم میں
اسے جھنجھوڑتا ہے)

شہباز : یہ کیا کر رہے ہو ریاست۔

ریاست: سردار صاحب کا حکم ہے چھوٹے سائیں۔ تعمیل کر رہا ہوں اُن کے فرمان کی۔

شہباز: مگر۔ عابد۔ عابد کو اس طرح قید کرنے کی..... وہ تو....

ریاست: سرکار کے معاملات تو سرکار ہی سمجھتے ہیں نا سائیں۔ ہمارا کام تو عمل کرنا ہے..... انہوں نے کہا بند کر دو..... میں نے کر دیا۔ وہ حکم دیں گے۔ کھول دو۔ کھول دوں گا..... ہم تو حکم کے غلام ہیں سائیں۔

شہباز: تم کھولو اِسے۔ (ریاست خاموش رہتا ہے) تم نے سُنا نہیں۔

ریاست: آپ میری جگہ ہوتے چھوٹے سائیں تو وہی کرتے جو میں کر رہا ہوں۔

(مڑ کر جاتا ہے شہباز پریشانی کے عالم میں چاروں طرف دیکھتا ہے)

سین نمبر ۱۲

دیہاتی مکان کا کمرہ

(کیمرہ تاجدین کے زخمی چہرے پر اوپن ہوتا ہے اس کے بالوں میں رفیق کی انگلیاں ہیں۔)

رفیق: مجھے تیرے مالک کا نام چاہیئے تاج دین۔ زبان نہیں کھولے گا۔ تو اگلے جہاں میں تیرا سارا خاندان تیرے ساتھ ساتھ سفر کرے گا۔

تاجدین: (سخت خوف اور دہشت میں) نہیں۔ نہیں۔

رفیق: آخری دفعہ پوچھ رہا ہوں تاجدین۔ اس کے بعد نہیں پوچھوں گا۔ کس کے کہنے پر تو نے ذیلداروں کی حویلی کو آگ لگائی تھی؟

(تاجدین خاموش رہتا ہے)

سلامے۔ فیض۔

(ہاتھ سے اشارہ کرتا ہے کہ جاؤ۔ دونوں جانے کے لیے مڑتے ہیں۔)

تاجدین: رک جاؤ۔ خدا کے لیے رک جاؤ۔ یہ ظلم نہ کرو۔

رفیق: یہ التجا تو تم سے میرے خاندان کے لوگوں نے بھی کی تھی۔ تم نے کیا جواب دیا تھا۔

تاجدین: میں۔ میں بتاتا ہوں۔ مجھے۔ سردار جہانگیر نے بھیجا تھا....

رفیق: (ایک دم اسے جھٹکے سے پیچھے کرتا ہے) سردار جہانگیر۔

17

کردار

• فقیر حسین • سعیدہ • احمد علی • سلمیٰ • نیلم • خالد • عابد • سردار جہانگیر
• جمال • تمکین • رفیق • فیض • سلامت • ریاست • شہباز
• تاجدین • سمیع • ڈاکٹر • نرس۔

سین نمبر ا

تاجدین کی کوٹھڑی۔

(تاجدین ایک طرف بندھا ہوا پڑا ہے۔ رفیق اور سلامت کہیں جانے کی تیاری کر رہے ہیں۔ تاجدین نیم بے ہوش ہے)

رفیق : (تاجدین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) یہ اب تمہارے سپرد ہے فیض۔

فیض : تم فکر نہ کرو یار۔ اس کا تو فلک نہیں ہل سکتا یہاں سے۔

سلامت : نیند رکے معاملے میں تم ذرا نرم ہو تھوڑے سے۔ ذرا روٹی کی طرف سے ہاتھ ہولا رکھنا.... خوراک زیادہ کھالی ہو تو گھوکی چڑھ جاتی ہے۔

فیض : نہیں یار اب میں اتنا بھی....

رفیق : ہم ایک ایک کر کے اس کے سارے ساتھیوں کو یہاں پر لائیں گے اور پھر۔ پھر سردار جہانگیر کو ان سب کے بیچ میں بٹھا کر میں انہیں یاد کراؤں گا کہ جب چاروں طرف آگ لگی ہو تو......

تاجدین : (تاجدین سہمی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتا ہے۔ بڑبڑاتا ہے) پانی۔

رفیق : اسے پانی دے دے فیض۔ (کونے میں سے صراحی اٹھا کر فیض کی طرف بڑھاتا ہے۔ تاجدین سے مخاطب ہوتا ہے) اس پانی سے تیری پیاس تو بجھ سکتی ہے تاجدین، مگر آگ نہیں بجھے گی اس سے۔ آسلامے۔

(سلامت اور رفیق باہر نکلتے ہیں۔ فیض صراحی لے کر اس کی طرف مڑتا ہے۔ گلاس میں پانی انڈیلتا ہے)

فیض : لے پی لے۔

تاجدین : (پانی پینے کے لیے منہ کھولتا ہے) میرے ہاتھ کھول دے۔ وعدہ کرتا ہوں بھاگوں گا نہیں۔

فیض : (مسکراتے ہوئے) بھاگنے کی کوشش بھی نہ کرنا۔ پورے پنڈ میں آج تک دوڑ اور کبڈی میں مجھ
سے کوئی نہیں جیت سکا۔
(پانی کا گلاس اس کے منہ سے لگاتا ہے تاجدین چور نظروں سے اس کی
طرف دیکھتا ہے)

سین نمبر ۲

ہسپتال کا کمرہ۔
(کیمرہ INTENSIVE CARE کی تختی سے SLOW PAN کرتا ہوا کمرے کے
دروازے پر جاتا ہے۔ ایک نرس ٹرے میں کچھ دوائیاں رکھے دروازہ کھولتی ہے
اندر داخل ہوتی ہے احمد علی کے بستر کے گرد دو تین ڈاکٹر کھڑے ہیں۔ ایک ڈاکٹر
چارٹ پر کچھ لکھ رہا ہے۔ سلمیٰ اور نیلم بے چینی سے احمد علی کے قریب بیٹھی ہیں۔
احمد علی لمبے لمبے سانس لے رہا ہے ایک ڈاکٹر اندر داخل ہوتی ہوئی نرس سے
انجکشن لیتا ہے۔ احمد علی کو لگاتا ہے احمد علی کراہ کر آنکھیں کھولتا ہے۔ چند لمحے
خالی خالی نظروں سے دیکھتا ہے۔ BLUR ہوتے ہوئے چہرے فوکس میں
آتے ہیں)

احمد علی : (آہستہ سے) سلمیٰ۔
سلمیٰ : (بے تابی سے اس کی طرف جھکتی ہے) جی!
احمد علی : میں بچ جاؤں گا نا سلمیٰ۔
سلمیٰ : (آنسو روکنے کی کوشش میں) ڈاکٹر صاحب کہہ رہے ہیں اب خطرے کی کوئی بات نہیں۔
ڈاکٹر : (مسکراتے ہوئے) جی ہاں احمد صاحب۔ وقت پر میڈیکل ایڈ مل گئی ہے۔ اب گھبرانے کی کوئی
بات نہیں۔ تین سپیشلسٹ آپ کے سرہانے ہیں۔
احمد : شہر میں جتنے ہارٹ سپیشلسٹ ہیں ڈاکٹر صاحب۔ سب کو بلوالیں۔۔۔۔ میں میں مرنا نہیں چاہتا۔
اخراجات کی پرواہ نہ کریں۔
ڈاکٹر : حوصلہ رکھیے احمد صاحب۔ اٹیک بہت SEVERE تھا لیکن تھینک گوڈ YOU HAVE
SURVIVED اب بالکل صحت مند ہونے میں کچھ ٹائم تو لگے گا۔ آپ پلیز زیادہ باتیں نہ
کریں۔
احمد : (سلمیٰ کی طرف مڑتے ہوئے) عابد نہیں آیا ابھی۔
(سلمیٰ سر جھکا لیتی ہے) اگر لوال گیا نہیں اسے لینے۔
سلمیٰ : گیا ہے۔ آپ۔ آپ سونے کی کوشش کریں۔

احمد : سونے کی کوشش کروں۔ میرے بیٹے کی جان خطرے میں ہے اور تم کہتی ہو میں سونے کی کوشش کروں۔ میں....

نیلم : ڈیڈی پلیز۔ آپ کے لیے زیادہ بولنا اور سوچنا اچھا نہیں ہے۔ میں نے خالد بھائی کو پیغام بھیجا ہے۔ وہ آتے ہی ہوں گے.... آپ گھبرائیں نہیں سب ٹھیک ہو جائے گا۔

احمد : خالد۔ خالد۔ اس کی تو آج۔ آج فلائٹ تھی۔

نیلم : نہیں ڈیڈی کل ہے ان کی فلائٹ۔

احمد : اچھا۔ (سلمیٰ کا ہاتھ پکڑ کر) مجھے مرنے نہ دینا سلمیٰ۔

(سلمیٰ ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتی ہے۔ احمد نیلم کا ہاتھ پکڑ کر لجاجت آمیز انداز میں ڈاکٹروں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔)

اِن سے کہو بیٹا۔ مجھے بچالیں۔ مجھے ابھی بہت سے کام کرنے ہیں.... ابھی تو میرا جنازہ — پولیس کو بلاؤ بیٹا۔ انہیں بتاؤ کہ سردار جہانگیر نے میرے عابد کو اغوا کر لیا ہے وہ.... وہ۔

ڈاکٹر : (تسلی دینے کے انداز میں) احمد صاحب۔ پلیز۔ اس طرح آپ ہمارے کام کو مشکل بنا رہے ہیں۔ بولنا آپ کے لیے اچھا نہیں ہے۔

(سلمیٰ آنسو پونچھتی ہے۔ احمد کے بازو دباتی ہے)

سین نمبر ۳

جہانگیر کا دیہاتی ڈرائنگ روم۔

شہباز : (احتجاج آمیز لہجے میں) لیکن یہ صحیح نہیں ہے بابا سائیں۔ عابد میرا مہمان ہے اور پھر.... یہ طریقہ اچھا نہیں ہے بابا سائیں۔

جہانگیر : (اس کا کندھا تھپکتے ہوئے) کوئی چیز اچھی یا بری نہیں ہوتی پتر۔ یہ سب RELETIVE بات ہے جب تم کسی کی زیادتی کا جواب زیادتی سے دیتے ہو تو وہ زیادتی نہیں رہتی۔ انصاف کا تقاضہ بن جاتا ہے۔ پتر جو تمہارے ساتھ جیسا کرے اس کو ویسا ہی جواب دو۔

شہباز : لیکن بابا سائیں۔ عابد نے ہمارا.... آپ کا کیا بگاڑا ہے.... وہ تو....

جہانگیر : بات بنانے یا بگاڑنے کی نہیں پتر.... احمد علی نے میرے ساتھ دھوکا کیا ہے اس کی سزا اسے ملنی چاہیے۔ اور سزا میں تکلیف تو ہوتی ہے نا پتر

شہباز : لیکن بابا سائیں۔

جہانگیر : دیکھو پتر۔ قدرت کے کچھ اپنے اصول ہوتے ہیں۔ شیر کو شیر بنانے کے لیے وہ اسے پنجے دیتی ہے۔ طاقت دیتی ہے۔ شکار پر جھپٹنے اور اس کی گردن توڑنے کا سلیقہ دیتی ہے۔ یہ نہ ہو پتر تو شیر شیر نہ رہے۔ بکری بن جائے.... زیادہ دلیلوں میں نہیں پڑتے پتر، دل میں وسوسوں کو جگہ دینے لگیں تو آدمی کی

پکڑ مضبوط نہیں رہتی۔

شہباز : تو کیا۔ اگر احمد علی نے آپ کا مطالبہ نہ مانا تو آپ سچ مچ .... نہیں بابا سائیں۔ نہیں۔

جہانگیر : میں بھی جب تمہارے جتنا تھا نا پتر۔ تو مجھے بھی کچھ باتیں اچھی نہیں لگتی تھیں۔ انسانی جان کی بڑی قیمت تھی میری نظر میں ... پر تجربے نے بتایا ہے پتر کہ آدمیوں کے مرنے سے دنیا خالی نہیں ہوتی۔ دو چار بار یہ تماشہ دیکھو گے تو تمہیں بھی عادت ہو جائے گی۔

شہباز : مگر بابا سائیں۔ انسان کی زندگی.... تو۔

جہانگیر : کیا خاص بات ہوتی ہے۔ انسان کی زندگی میں سائیں۔ تم شکار پر جاتے ہو تو کتنے تیتر بٹیر مرغابیاں وغیرہ وغیرہ مار کر لاتے ہو۔ جنگل کو کیا فرق پڑتا ہے اس سے۔ ان کی جگہ اور پیدا ہو جاتے ہیں۔

شہباز : یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں بابا سائیں۔ اتنا پڑھنے لکھنے کے باوجود اگر ہم لوگ .... یہ تو سراسر ظلم ہے۔

جہانگیر : (سرزنش کے انداز میں) جو سر اپنی دستار کی حفاظت نہیں کرتا پتر۔ دستار بھی اس کی حفاظت نہیں کرتی۔ اگر احمد علی کو اپنے بیٹے کی جان عزیز نہیں تو تم کیوں مرے جاتے ہو۔ (ایک دم لہجہ بدلتا ہے) چلو چھٹا کرو اس بات کو۔ اسے چھوڑ دو مجھ پر۔

شہباز : مگر بابا سائیں وہ کیا سوچے گا ہمارے بارے میں۔

جہانگیر : وہ جو بھی سوچے گا پتر سوچ لے۔ اس کے سوچنے سے ہمارے سالن میں نمک تو تیز نہیں ہو جائے گا۔ سوچنے دو اسے۔

(جہانگیر جاتا ہے۔ شہباز پریشانی کے عالم میں ہاتھ ملتا ہے۔

سین نمبر ۴

تمکین کا دفتر

تمکین : (ہنستے ہوئے) اچھا اب زیادہ بنایئے نہیں۔ ایسے بھی کوئی سرخاب کے پر نہیں لگے مجھ میں۔ پتہ نہیں مجھ سے پہلے آپ یہی بات کتنی لڑکیوں سے کہہ چکے ہوں گے۔

جمال : (جھینپے ہوئے انداز میں ہنستا ہے) قسم لے لیں جو آج سے پہلے میں نے یہ جملہ کسی سے کہا ہو۔ اور کہتا بھی کیسے۔ اتنی حسین اور ذہین عورت ....

تمکین : (ہنستے ہوئے) آپ کا مطلب ہے لڑکی ....

جمال : جی ہاں وہی۔ دراصل مس تمکین حسن اور ذہانت بہت کم ایک ساتھ دیکھنے میں آتے ہیں۔

تمکین : (مسکراتے ہوئے) اس کا مطلب یہ ہوا اس دن کلب کا منیجر ٹھیک ہی کہہ رہا تھا کہ آپ خواتین میں بہت پاپولر ہیں۔ آپ کی یہی چھے دار باتیں ....

جمال : پلیز۔ اب یہ آپ زیادتی کر رہی ہیں۔

تمکین : اچھا چھوڑیئے اس بات کو۔ وہ پیپرز آپ نے تیار کروائے یا نہیں۔

جمال : اسی کام میں لگا ہوا ہوں۔

تمکین : میں چاہتی ہوں۔ آپ کے پاس جو کچھ بھی ہے اس پراجیکٹ میں لگادیں۔ THE MAXIMUM YOU INVEST THE MAXIMUM YOU GET

جمال : جی۔ جی ہاں۔

تمکین : (مسکراتے ہوئے) یہ میں اس لیے کہہ رہی ہوں کہ آپ بڑے جذباتی واقع ہوئے ہیں نا۔ انا۔ خودداری۔ اور پتہ نہیں کیا کیا..... ویسے اللہ خیر ہی کرے.... امی کے بغیر میں خود کو بڑی تنہا تنہا اور INSECURE سی FEEL کر رہی ہوں۔ کہیں خدانخواستہ... نہ بابا... آپ سوچ لیں اچھی طرح۔

جمال : کیا سوچ لوں؟

تمکین : کہیں خدانخواستہ۔ آپ کی رقم ڈوب گئی تو۔ دیکھئے نا اگرچہ اس کا پوائنٹ زیرو زیرو ون پرسنٹ بھی چانس نہیں ہے لیکن۔

جمال : آپ کی خاطر اگر سب کچھ ڈوب بھی گیا تو سودا کچھ اتنا برا نہ ہوگا۔

تمکین : (مسکرا کر بھنویں اچکاتی ہے) اچھا۔

(جمال ہاتھ پھیلا کر اشارہ کرتا ہے کہ آزما کر دیکھ لو۔ دونوں ہنستے ہیں۔ سعیدہ داخل ہوتی ہے)

سعیدہ : مس تمکین وہ (جمال کو دیکھ کر ایک دم رک جاتی ہے) آئی ایم سوری۔

تمکین : آؤ۔ آؤ۔ سعیدہ ان سے ملو۔ یہ مسٹر جمال ہیں۔ جمال فیبرکس کے مالک مینیجنگ ڈائرکٹر..... کرتا دھرتا اینڈ واٹ ناٹ (WHAT NOT)

سعیدہ : جی۔ میں مل چکی ہوں ان سے۔

جمال : (حیرت سے) مجھ سے۔ کب۔ میرا مطلب ہے کہاں؟

سعیدہ : نوکری کے لیے انٹرویو دینے گئی تھی میں۔ آپ کے آفس۔

جمال : اوہ..... ہاں..... شاید۔

سعیدہ : یہ ایک ڈرافٹ تھا مس تمکین.... لیکن... آپ شاید۔

تمکین : ہاں سعیدہ۔ میں جمال صاحب کے ساتھ لنچ پر جارہی ہوں۔ آفٹر نون میں سہی۔

سعیدہ : جی بہتر۔ (دونوں پر ایک نظر ڈال کر جاتی ہے)

سین نمبر ۵

تاج دین کی کوٹھڑی۔

(سلامت ایک آدمی کو مشکیں باندھے ہوئے دھکیلتا ہوا لاتا ہے۔ کمرے میں لا کر اس کو دھکا دیتا ہے۔)

سلامت : (بے تگ جاتو بھی لائن میں (ایک دم حیرت سے چاروں طرف دیکھتا ہے۔ کونے میں چند رسیاں پڑی ہیں)
اوئے یہ تاجدین کہاں گیا۔ فیض۔
(دروازے کی طرف مڑتے ہوئے نظر فیض پر پڑتی ہے۔ جو ایک کونے میں نیم بیہوش
پڑا ہے۔ گھبرا کر اس پر جھکتا ہے)
اوئے فیض۔ فیض۔ اوئے کیا ہوا ہے تجھے۔ آنکھیں کھول بولتا کیوں نہیں۔

فیض : (بمشکل آنکھیں کھول کر لمبے لمبے سانس لیتا ہے) تو آگیا ہے سلامت .... پر یار میں تو جا رہا ہوں۔
جا رہا ہوں میں تو۔

سلامت : (گھبرا کر) کہاں جا رہے ہو۔ کیا مطلب ہے تمہارا۔ تاجدین کدھر ہے۔

فیض : وہ نکل گیا ہے سلامت۔

سلامت : نکل گیا ہے۔ کیسے۔ پر یار نگرانی بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔

فیض : (مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے) کھانے کا شوق ڈال دیا تھا تو نے۔ اسی نے مروا دیا ہے۔ کہتا تھا۔
میں حلوہ بہت اچھا بناتا ہوں۔ میں نے کہا چل بنا۔

سلامت : ہاتھ کھول دیئے تھے اس کے؟

فیض : اور کیا یار۔ پیروں سے تو نہیں پکانا تھا۔ اس نے حلوہ۔ پتہ نہیں کس وقت غفلت ہوگئی۔ ... جانے
کیا ملا دیا تھا کافر کے بچے نے .... سب کچھ کٹ گیا ہے اندر سے ....
(اکھڑے ہوئے سانس لیتا ہے)

سلامت : (اسے اٹھانے کی کوشش کرتا ہے) چل اٹھ۔ اٹھ میں تجھے حکیم کے پاس لے چلوں۔

فیض : اب کوئی فائدہ نہیں سلامت۔ کام ختم ہو گیا ہے اب تو .... رفیق سے کہنا۔ مجھے معاف کر دے۔ اس کا
ساتھ نہیں دے سکا میں۔

سلامت : (رونے کے انداز میں) اوئے۔ ایسی باتیں نہ کر فیض۔

فیض : اور اس کو یہ کہنا کہ اپنی بھابی کا خیال رکھے بڑے جتنوں سے ویاہ کے لایا تھا اسے میں۔ پیاس
بڑی لگ رہی ہے یار۔

سلامت : (جلدی سے اٹھ کر گھڑے میں سے اسے پانی دیتا ہے) لے۔ پی لے۔

فیض : (پانی پینے کی ناکام کوشش کرتا ہے) لگتا ہے ..... آگے کہیں ڈکا لگ گیا ہے۔ حلوہ رستہ نہیں دے
رہا .... سالا تو لے گیا ہے۔ مگر تھا واقعی مزیدار۔
(ایک ہچکی لے کر ختم ہو جاتا ہے۔ سلامت چند لمحے خالی خالی نظروں سے اس کی طرف
دیکھتا ہے حلوے کی ادھ کھائی پلیٹ کو زور سے دیوار پر مارتا ہے۔ رونے لگتا
ہے)

سین نمبر ۶

(جہانگیر کی حویلی میں عابد کا کمرہ ۔ دروازہ کھلتا ہے ۔ سردار جہانگیر ریاست کے ساتھ اندر آتا ہے ۔ مسکراتا ہے عابد اسے دیکھ کر ایک دم کھڑا ہوتا ہے غصے کی شدت سے لفظ اس کے منہ سے نہیں نکلتے ۔)

جہانگیر : (ریاست سے) تم باہر رکو پتر ۔

ریاست : جو حکم سائیں ۔

(جاتا ہے)

جہانگیر : (مسکراتے ہوئے عابد کی طرف آتا ہے) کوئی تکلیف تکلیف تو نہیں پتر ۔

عابد : یہ کیا مذاق ہے سردار صاحب ۔ مجھے یہاں قید کر کے کیوں رکھا گیا ہے ۔

جہانگیر : قید ۔۔۔ کس نے تمہیں قید کیا ہے پتر

عابد : دیکھئے سردار صاحب میں اس قسم کا مذاق پسند نہیں کرتا ۔ میں یہاں سے جا رہا ہوں ۔ ابھی ۔ اسی وقت

جہانگیر : جم جم جاؤ پتر ۔ دروازہ کھلا ہے ...... پر اس دروازے سے باہر اپنی سلامتی کے ذمہ دار تم خود ہو گے ۔ میرا ذمہ اس کمرے تک ہے ۔

عابد : (رک کر مڑتے ہوئے) کیا مطلب ؟

جہانگیر : مطلب یہ ہے پتر کہ .... میرے کتے حملہ کرنے سے پہلے نوٹس نہیں دیتے ۔ موقع نہیں دیتے آدمی کو اپنی حفاظت کا ..... چار پانچ منٹ میں بندے کی جگہ اس کا ایکسرے رہ جاتا ہے ۔ جانا ہے تو جاؤ ۔۔۔ شاباش ۔

عابد : یہ کس قسم کا مذاق ہے سردار صاحب ۔ آخر آپ یہ بلی چوہے کا کھیل مجھ سے کیوں کھیل رہے ہیں ۔ مجھے تو آپ یہاں شکار کرانے کے لیے لائے تھے ۔

جہانگیر : وہ تو ہو رہا ہے پتر ۔ شکار کا نام بدلنے سے اس کا مزا تو نہیں بدل جاتا نا پتر ۔

عابد : کک ۔ کیا مطلب ہے آپ کا ۔

جہانگیر : مطلب کوئی خاص نہیں ہے پتر ۔ تمہارے والد صاحب مجھے اپنے دماغ کی صفائی دکھا رہے تھے ۔ میں نے کہا چلو تھوڑی سی ہاتھ کی صفائی ہم بھی دکھا دیں ۔ تم تو ایسے ہی اڑتے ہوئے تیر کے رستے میں آ گئے ہو پتر ۔۔۔ خوامخواہ ۔

عابد : دیکھئے سردار صاحب اگر ڈیڈی سے آپ کا کوئی اختلاف ہے تو اس کے دور کرنے کا یہ طریقہ انتہائی نامناسب ہے ۔ ہم بیسویں صدی میں رہتے ہیں ؟

جہانگیر : بیسویں صدی میں کیا خاص بات ہے پتر ۔

عابد : یہ عقل کی ۔ انسانیت کی ..... مل جل کر اختلافات طے کرنے کا زمانہ ہے یہ .....

جہانگیر: اچھا۔ تو پھر اخباروں میں خبریں کسی اور زمانے کی آتی ہوں گی۔ ہے ناپُتر۔

عابد: (زچ ہوکر) دیکھئے سردار صاحب۔ میں آپ کی بہت عزت کرتا ہوں۔ ڈیڈ کے منع کرنے کے باوجود میں آپ کے ساتھ آگیا تھا۔ اس لیے کہ مجھے آپ پر.... اعتبار تھا۔

جہانگیر: تو اب کیا ہو گیا ہے پتر۔ کیا ٹھیس پہنچائی ہے میں نے تمہارے اعتبار کو....

عابد: یہ۔ یہ۔ یہ جو مجھے قید کرکے رکھا ہے آپ نے۔

جہانگیر: یہ تو تمہارے والد صاحب کا مزاج شریف پوچھنے کے لیے ہے ناپُتر۔ میں تو نہیں چاہتا تمہیں نقصان پہنچانا۔ اب اگر تمہارے والد صاحب کو۔ تمہارے ڈیڈ کو، تمہاری زندگی کی ضرورت نہ ہو تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ فیصلہ میں نے تو نہیں کرنا پُتر۔

عابد: (سخت پریشانی میں) میں۔ آپ۔ آپ مجھے ان سے بات کرنے دیں۔ I THINK WE CAN DISCUSS AND SETTLE THE ISSUE.

جہانگیر: DISCUSSION کا ٹائم تو اب ختم ہو گیا ہے سائیں۔ اب تو فیصلہ ہے اِدھر یا اُدھر۔ میں شہر جا رہا ہوں سائیں۔ تمہاری زندگی ہوئی تو انشاءاللہ پھر ملاقات ہوگی بٹ کھڑاک ہوگی تم سے۔ اب تم آرام کرو، نا سائیں۔ تھک گئے ہوگے۔

عابد: (مڑتے ہوئے جہانگیر کے سامنے بازو پھیلا کر کھڑا ہو جاتا ہے دھمکی آمیز انداز میں بولتا ہے) میں آپ کو ایسا نہیں کرنے دوں گا۔ اگر آپ نے ہم میں سے کسی کو نقصان پہنچایا تو اس کا نتیجہ آپ کے حق میں بھی اچھا نہیں ہوگا۔

جہانگیر: (چند لمحے اس کو دیکھتا ہے پھر ایک دم مسکراتا ہے) دریاؤں کے رستے ریت کے ٹیلوں سے نہیں رکتے پتر۔

(ریاست پستول عابد کی کمر سے لگا کر اسے ایک طرف کرتا ہے۔ جہانگیر جاتا ہے۔)

ریاست: (عابد سے) آئندہ ایسی حرکت نہ کرنا سائیں۔ سردار صاحب کے ماتھے پہ بَل آجائے تو خوامخواہ ایک آدھ بندہ ضائع ہو جاتا ہے۔

(شہباز دروازے پر آتا ہے۔ عابد کی طرف دیکھتا ہے جو بےچارگی سے اس کی طرف دیکھ رہا ہے شہباز ریاست کی طرف دیکھتا ہے پھر منہ پھیر کر جاتا ہے)

سین نمبر ۷

ہسپتال کا کمرہ

(احمد علی آنکھیں بند کیے پڑا ہے)

سلمیٰ: (لجاجت آمیز انداز میں) تمہیں فوراً کچھ کرنا چاہیئے بیٹا۔

سمیع: آپ گھبرایئے نہیں آنٹی.... انشاءاللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ....

خالد : تم سردار جہانگیر کی حویلی پر چھاپہ کیوں نہیں مارتے ؟

سمیع : (سمجھاتے ہوئے) یہ اتنا آسان نہیں ہے خالد۔ دوسرے ڈسٹرکٹ میں کوئی ایکشن کرنے سے پہلے ضابطے کی بہت سی کارروائیاں ہوتی ہیں۔ اور پھر سردار جہانگیر بڑے اثر رسوخ والا آدمی ہے۔ بلکہ اس علاقے کا سب سے بڑا آدمی ہے۔

خالد : کمال کرتے ہو تم۔ قانون سے بڑا تو نہیں وہ۔۔۔۔

سمیع : یہ بات نہیں۔ قانون سے بڑا تو کوئی بھی نہیں۔ لیکن ایسے آدمی پر غلط یا کچا ہاتھ ڈالنے کا مطلب تمہیں نہیں پتہ — ہم سب مصیبت میں پڑ جائیں گے۔

خالد : یعنی۔ یعنی — میری سمجھ میں نہیں آرہا تم۔۔۔۔۔

سمیع : (کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے) ادھر آؤ میں تمہیں سمجھاتا ہوں۔

خالد : (اپنی جگہ سے نہیں ہلتا) لعنت بھیجو یار سمجھانے پر۔ میرے بھائی کی زندگی خطرے میں ہے اور تم مجھے ضابطے پر لیکچر دیے جا رہے ہو۔

سلمیٰ : (ان کے قریب آتے ہوئے) عابد اس کی حویلی میں ہے بیٹا۔ اس سے پہلے کہ وہ اسے کوئی نقصان پہنچائے اسے وہاں سے نکال لو۔

سمیع : آپ فکر نہ کریں آنٹی — میں انشاء اللہ۔ تم میرے ساتھ آؤ خالد۔

(دونوں جاتے ہیں سلمیٰ چند لمحے پریشان سی کھڑی رہتی ہے پھر احمد علی کی کراہ پر اس کی طرف مڑتی ہے)

احمد : خالد کہاں ہے ؟

سلمیٰ : وہ سمیع کے ساتھ گیا ہے۔ پولیس سٹیشن۔

احمد : اچھا۔ ہاں۔ سمیع سے کہنا۔ سردار جہانگیر کو فوراً گرفتار کرے۔

(اٹھنے کی کوشش کرتا ہے)

سلمیٰ : (تسلی دیتے ہوئے) اچھا۔۔۔۔ آپ لیٹے رہیں۔

احمد : میں بچ جاؤں گا نا سلمیٰ۔ بچ جاؤں گا نا۔۔۔۔

(دل پر ہاتھ رکھ کر دھڑکن محسوس کرتا ہے۔)

یہ اتنے زور سے کیوں دھڑک رہا ہے۔۔۔۔ ایسے لگتا ہے جیسے پسلیاں توڑ کر نکل آئے گا۔

(لمبے لمبے سانس لیتا ہے)

سلمیٰ : (جلدی سے ایک گولی دیتی ہے) اسے زبان کے نیچے رکھ لیں۔۔۔۔ میں — ڈاکٹر صاحب کو بلاتی ہوں۔

نیلم : آپ ڈیڈی کے پاس رہیں ممی۔ میں بلا کے لاتی ہوں انہیں۔

(نیلم تیزی سے جاتی ہے۔ احمد علی کا کلوز۔ لمبے لمبے سانس لیتا ہے)

سین نمبر ۸

تاج دین کی کوٹھڑی۔

(ایک طرف دو آدمی بندھے ہوئے پڑے ہیں۔ جن کی آنکھوں سے سراسیمگی نمایاں ہے کیمرہ فیض کے چہرے سے اوپن ہوتا ہے جب پر رفیق گہرے غم سے جھکا ہوا ہے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتا ہے ایک جھٹکے سے سر اٹھاتا ہے۔ جیسے اپنے آپ سے بات کرتا ہے۔)

رفیق : آج کی رات سردار جہانگیر کی زندگی کی آخری رات ہوگی۔ (فیض کے منہ پہ چادر ڈالتا ہے) میں اُسے کتے کی موت ماروں گا سلامت۔

سلامت : وہ تو ٹھیک ہے اُستاد پر..... میرا مطلب ہے اس کی حویلی پر اس طرح حملہ کرنے سے تو ہم دونوں ..... کہیں اس کے نوکر اس تک پہنچنے سے پہلے ہی ہمارا کام نہ کر دیں۔ احتیاط بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔

رفیق : احتیاط اس وقت کی جاتی ہے سلامت۔ جب اپنی جان بچانی ہو۔ اب تو یہ زندگی اس کے نام لگ گئی ہے ..... اس کو لیے بغیر نہیں جاؤں گا دنیا سے۔

سلامت : تمہارا ارشاد بالکل صحیح ہے..... پر پھر بھی یہ کام ذرا سوچ سمجھ کر کرنے کا ہے۔ (رفیق کی تیز نظروں سے گھبرا کر پیچھے ہٹتا ہے) میرا مطلب ہے کہ

رفیق : تم چلے جاؤ سلامے..... مجھے کسی سمجھانے والے کی ضرورت نہیں ہے۔ نفع نقصان کی پٹی مت پڑھا مجھے۔ نہیں چاہیئے مجھے تیرا مشورہ۔

سلامت : میری بات سمجھنے کی کوشش کر استاد جی — میں کوئی خدانخواستہ پیچھے تو نہیں ہٹ رہا میرا کہنے کا مطلب تو یہ ہے کہ .....

رفیق : تیرا مطلب میں خوب سمجھتا ہوں سلامے..... پر یہ جو مٹی کا ڈھیر پڑا ہے (فیض کی طرف اشارہ کرتا ہے) حشر کے دن جب اس کا ہاتھ میرے گریبان پر ہوگا اور یہ پوچھے گا کہ کیا سلامے کی دلیلوں کا وزن میری جان سے زیادہ تھا تو میں کیا جواب دوں گا۔ بول سلامے۔

سلامت : (شکوہ آمیز لہجے میں) تم تو ایسے بات کر رہے ہو..... جیسے یہ میرا کچھ نہیں لگتا تھا۔ میرا کوئی رشتہ نہیں تھا اس سے .....

رفیق : (اس کے لہجے سے متاثر ہوتے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہے) نہیں سلامے..... میری بات سمجھنے کی کوشش کر۔

سلامت : (اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے) چھوڑ یار۔

رفیق : تو کیا چاہتا ہے تُو..... منہ پھیر کے بیٹھ جاؤں میں اس کی طرف سے..... بند کر لوں اپنی آنکھیں ..... توڑ دوں ان ہاتھوں کو۔

سلامت امیری بات غور سے سنو استاد جی .... کہیں سردار جہانگیر پہ ...

سین نمبر ۹

تمکین کا دفتر۔

سعیدہ : (دروازے میں رک کر بولتی ہے) مے آئی کم اِن۔
تمکین : (چونکتے ہوئے) ہاں .... آں ... آؤ سعیدہ۔ بیٹھو۔
سعیدہ : (فائل آگے رکھتے ہوئے) یس تمکین میں نے ڈرافٹ بنایا تو ہے مگر ....
تمکین : (فائل اٹھا کر ایک طرف رکھتے ہوئے) میں نے تمہیں اس کے لیے نہیں بلایا سعیدہ۔ (سعیدہ حیرت سے اس کی طرف دیکھتی ہے جیسے پوچھ رہی ہو کہ پھر کس لیے بلایا ہے) تم جمال صاحب کے بارے میں کیا جانتی ہو!
سعیدہ : میں — میں تو .... صرف ایک بار ان سے ملی ہوں۔ آپ کو بتایا تو تھا میں نے کہ ....
تمکین : تم ان کے پاس نوکری کے لیے گئی تھیں۔ ؟
سعیدہ : جی۔
تمکین : پھر — سلیکٹ نہیں ہوئیں۔
سعیدہ : نہیں — سلیکٹ تو میں ہو گئی تھی .... مگر ....
تمکین : مگر کیا۔
سعیدہ : مجھے ان کے دفتر کا ماحول پسند نہیں آیا۔
تمکین : کیوں۔ کیا خرابی تھی اس میں۔
سعیدہ : خرابی .... خرابی تو .... بس کچھ اچھا نہیں لگا مجھے۔
تمکین : کیوں — آخر۔
سعیدہ : وہاں دراصل بہت سی لڑکیاں تھیں۔
تمکین : وہ تو اکثر دفتروں میں ہوتی ہیں۔
سعیدہ : (زچ ہو کر) ہوتی تو ہیں مگر .... وہ کچھ عجیب سی لڑکیاں تھیں۔ ایسے لگتا تھا جیسے وہ دفتر میں نوکری کرنے نہیں آئیں .... CAN'T EXPLAIN IT وکچھ AWKWARD سا لگا تھا مجھے وہاں۔
تمکین : (سنجیدگی سے) ہوں۔ میرا بھی یہی خیال تھا ....
سعیدہ : (جھجکتے ہوئے) ایک بات کہوں مس تمکین۔ برا نہ مانیے گا۔
تمکین : بولو ....
سعیدہ : دراصل .... میں ... پتہ نہیں مجھے یہ بات کرنی چاہیے یا نہیں۔
تمکین : کم آن۔ تم میری ایپلائی کم اور سہیلی زیادہ ہو۔

سعیدہ : اسی لیے میں کہنا چاہ رہی تھی کہ .... (بات بدلتے ہوئے) آپ کو کیسے لگتے ہیں جمال صاحب !

تمکین : کیا مطلب ؟

سعیدہ : مطلب یہ کہ ..... وہ آپ سے بڑی بے تکلفی سے بات کر رہے تھے نا۔ !

تمکین : پھر کیا ہوا ؟

سعیدہ : کچھ نہیں .... میں .... اچھا میں چلتی ہوں ۔

(تمکین غور سے اس کی طرف دیکھتی ہے)

تمکین : تم غالباً یہ کہنا چاہتی ہو کہ جمال اچھا آدمی نہیں ۔ اور مجھے اس سے ہوشیار رہنا چاہیئے ۔

سعیدہ : (سر جھکاتے ہوئے) جی ۔

تمکین : مجھے پتہ ہے ۔ بیٹھو ۔ بہت دنوں سے میں یہ بوجھ اپنے دل پر اٹھائے پھر رہی ہوں ۔ اس اتنی بڑی دنیا میں کوئی شانہ ایسا نہیں جس پر میں اپنے آنسو رو سکوں ۔ ضبط کی وجہ سے میرا کلیجہ پھٹ رہا ہے ۔

سعیدہ : (تمکین نڈھال سی ہو کر گرتی ہے سعیدہ بے ... ری میں اس کا سر تھپکتی ہے تمکین چند لمحے اُس کے کندھے پر سر رکھ کر خاموش کھڑی رہتی ہے ... تی ہے مجھے بتائیے ۔ ؟

تمکین : (وقفے کے بعد ٹھہرے ہوئے انداز میں بولنا ... رتی ہے) تمہیں پتہ ہے سعیدہ یہ شخص جمال میری ماں کا قاتل ہے ۔ !

سعیدہ : جی ۔ ؟

تمکین : ہاں سعیدہ ، اسی نے میری ماں کو قتل کیا ہے ۔

سعیدہ : مگر .... وہ تو .....

تمکین : کچھ قتل ایسے ہوتے ہیں سعیدہ ، جن میں کوئی ہتھیار استعمال نہیں کیا جاتا ۔ بس انسان کے دل کو چٹکی میں لے کر مسل دیا جاتا ہے .... جیسے لوگ سوکھے ہوئے پتوں کو مسل کر توڑ دیتے ہیں ۔

سعیدہ : میں سمجھی نہیں ؟

تمکین : یہ شخص چند مہینے پہلے دیوالیہ ہو گیا تھا سعیدہ ۔ لیکن آج یہ پھر لاکھوں میں کھیل رہا ہے .... پتہ ہے کیسے (سعیدہ نفی میں سر ہلاتی ہے) یہ سب کچھ اس نے میری ماں کو دھوکہ دے کر ... انہیں .. (رکتے ہوئے بولتی ہے) اپنی جھوٹی محبت کے جال میں پھنسا کر ان سے حاصل کیا ہے ۔

سعیدہ : یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں مس تمکین ۔ مسز انیسہ تو ...

تمکین : ہاں سعیدہ .... لیکن اس کے باوجود یہ حقیقت ہے ۔ میری ما ... بڑے مضبوط اعصاب کی بڑے عظیم کردار کی عورت تھی ..... پتہ نہیں کیسے اس شخص نے انہیں اپنے جال میں پھنسا لیا ۔ کوئی غیر معمولی بات بھی نہیں ہے اس میں ....

سعیدہ : میرے خیال میں آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔

(تمکین گھور کر اس کی طرف دیکھتی ہے پرس میں سے تصویریں نکال کر اس کے آگے پھینکتی ہے۔ سعیدہ تصویریں اٹھا کر دیکھتی ہے۔ ششدر رہ جاتی ہے۔)

تمکین : میرے پاس اس بات کا مکمل ثبوت ہے کہ اس نے صرف امی کی دولت ہتھیانے کے لیے یہ سارا ڈرامہ کھیلا تھا۔ اور ان کی موت کی وجہ بھی یہی شخص تھا۔

سعیدہ : ایسے آدمی کو تو گولی مار دینی چاہیئے۔

تمکین : نہیں سعیدہ نہیں — گولی سے تو آدمی ایک دم مر جاتا ہے۔ اسے میں اسی طرح ماروں گی جسطرح اس نے میری بدنصیب ماں کو سِسکا سِسکا کے مارا تھا۔۔۔۔ میں اس کو اسی طرح کوڑی کوڑی کا محتاج کر دوں گی۔۔۔ جیسے یہ میری ماں سے ملنے کے وقت تھا۔ اور پھر — اور پھر۔۔۔۔ (غصے سے مٹھیاں بھینچتی ہے) میں اس کو اسی خنجر سے ہلاک کروں گی جو اس نے میری ماں کے سینے میں مارا تھا —

سعیدہ : (حیرت اور پریشانی میں) مگر — مس تمکین۔۔۔۔ آپ یہ سب کچھ۔۔۔۔ کیسے۔۔۔۔ میرا مطلب ہے آپ یہ سب کچھ کیسے کریں گی۔ آپ تو۔۔۔

تمکین : کروں گی نہیں سعیدہ — کر چکی ہوں — آئندہ دو تین دن کے اندر اس کی ساری دولت ایک ایسے کاروبار میں لگ چکی ہوگی۔ جہاں سے اسے ایک پیسہ بھی واپس نہیں ملے گا۔۔۔ اور اس کے بعد جب وہ کتوں کی طرح میرے پاؤں میں لوٹے گا تو۔۔۔۔ I WILL JUST KICK HIM

(ردی کی ٹوکری کو ٹھوکر مارتی ہے جو اچھل کر ایک طرف گرتی ہے۔)

سعیدہ : جب — بالکل ٹھیک ہے۔

تمکین : اس کے لیے مجھے۔۔۔۔ ہو سکتا ہے کسی سٹیج پر تمہارے بھائی کی مدد کی ضرورت ہو۔

سعیدہ : اختر کی۔۔۔۔ کیوں نہیں۔

تمکین : (دونوں ہاتھوں سے سر دباتے ہوئے) یقین کرو سعیدہ، جب سے مجھے اس بات کا پتہ چلا ہے۔۔۔ میں ایک رات ٹھیک سے نہیں سو سکی — مجھے یوں لگتا ہے۔ جیسے امی کی روح میرے سرہانے کھڑی کہہ رہی ہو تمکین میری بیٹی — میرا انتقام ضرور لینا۔ (بڑبڑاتے ہوئے) میرا انتقام ضرور لینا۔ OH MY POOR MOTHER.

(کرسی کی پشت سے سر ٹکاتی ہے۔ سعیدہ آگے بڑھ کر اسے تسلی کے انداز میں تھپکتی ہے)

سین نمبر ۱۰

آؤٹ ڈور

(رات کا وقت۔ جھینگروں کی آوازیں۔ حویلی کی دیوار پھاند کر رفیق اور سلامت اندر آتے ہیں۔ نیم تاریکی میں رک کر چاروں طرف جائزہ لیتے ہیں۔ ایک کھڑکی میں روشنی دیکھ کر اس کی طرف بڑھتے ہیں۔ رفیق سلامت کو ایک جگہ رکنے کا اشارہ کرتا ہے اور خود کھڑکی کی طرف بڑھتا ہے۔ پستول نکال کر کھڑکی میں تھوڑی سی درز بناتا ہے چہرے پر حیرت کے تاثرات اُبھرتے ہیں۔)

سین نمبر ۱۱

عابد کا کمرہ — سردار جہانگیر کی حویلی۔

(کھڑکی پر رفیق کے سائے سے PAN کرتے ہوئے شہباز اور عابد پر آتے ہیں۔ شہباز کی آواز میں ہلکی سی گھبراہٹ ہے)

شہباز: (دبی آواز میں) بابا سائیں کو سمجھانا میرے بس میں نہیں ہے عابد.... زندگی کے بارے میں ان کے خیالات اور نظریات پگھل کر جمے ہوئے لوہے کی طرح ہیں۔ میں جانتا ہوں اگر تمہارے والد صاحب نے ان کی بات نہ مانی تو وہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

عابد: مگر شہباز۔ اس طرح تو تم....

شہباز: (اداس سی ہنسی ہنس کر) اوّل تو انہیں اس بات کا پتہ نہیں چلے گا کہ میں نے تمہیں یہاں سے فرار کرایا ہے اور فرض کرو اگر چل بھی گیا تو میں ان کا بیٹا ہوں۔ مجھ سے بڑی محبت ہے انہیں۔

عابد: نہیں شہباز۔ میں اپنی جان بچانے کے لیے تمہیں خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔ میں نے زندگی کو ہمیشہ ایک کھیل تماشہ سمجھا تھا مگر اب مجھے پتہ چلا ہے کہ....

شہباز: دیر نہیں کرو میرے دوست .... یہ موقع اگر ہاتھ سے نکل گیا تو پھر شاید میں بھی کچھ نہ کر سکوں۔ ریاست سائے کی طرح میرے ساتھ لگا رہتا ہے۔ اس وقت میں بڑی مشکل سے اسے چکر دے کر آیا ہوں۔

عابد: (ہچکچاتے ہوئے) لیکن ....

شہباز: (اسے لے کر کھڑکی کی طرف آتا ہے رفیق کا سایہ کھڑکی سے پیچھے ہٹتا ہے) کوشش کرنا کہ تم کسی کی نظر میں آئے بغیر جلد سے جلد مین روڈ پر پہنچ جاؤ — اور دیکھو اپنے والد صاحب کو سمجھانا کہ اس بات کو یہیں دبا دیں۔ بابا سائیں سے صلح کر لیں۔ وہ وہیں شہر میں ہیں۔

عابد: مگر شہباز.... ان سب باتوں کے بعد.... تم خود ہی بتاؤ یہ کیسے ممکن ہے کہ ....

شہباز: (بے چینی سے) ایسے بھی ممکن ہو عابد.... اس میں سب کی بہتری ہے — تم بابا سائیں کو نہیں جانتے.... معاف کرنا ان کی نظرت میں نہیں ہے آؤ۔

سین نمبر ۱۲

آؤٹ ڈور

(کھڑکی کے ساتھ چپکا ہوا رفیق شہباز پر پستول تانتا ہے اس کے ویو پوائنٹ سے
دکھاتے ہیں کہ شہباز عابد کو گلے سے لگا کر رخصت کر رہا ہے رفیق کے تنے ہوئے
چہرے پر اسکی اپنی آواز ابھرتی ہے)

آواز : سانپ کا بچہ بھی سانپ ہوتا ہے رفیق .... مار دے اسے۔

(رفیق بے اختیار سا ہو کر پستول تانتا ہے۔ عابد ایک پاؤں کھڑکی سے لٹکاتا ہے
شہباز کی آواز آتی ہے۔)

شہباز : جاؤ اللہ تمہاری حفاظت کرے۔

(رفیق کا پستول والا ہاتھ جھک جاتا ہے۔ دور سے کسی کی آواز آتی ہے۔ "کون ہے
ادھر—" عابد جلدی سے چھلانگ مارتا ہے۔ شہباز کھڑکی بند کرتا ہے ایک آدمی
دوڑتا ہوا عابد کی طرف آتا ہے۔

آدمی : رک جاؤ۔ کون ہو تم—

(لاٹھی آگے کرتا ہے عابد گھبرا کر پیچھے ہٹتا ہے سلامت پیچھے سے آکر اس آدمی کے سر پر
کوئی چیز مارتا ہے۔ آدمی تیورا کر گرتا ہے سلامت سرگوشی کے انداز میں آواز دیتا ہے۔)

سلامت : استاد جی۔

(ایک کھڑکی یا دروازہ کھلنے کی آواز آتی ہے روشنی کی لکیر ان کے درمیان سے گزرتی
ہے اس پر ریاست کی آواز آتی ہے۔

ریاست : او۔ کرم الہی— یہ دروازہ کس نے کھولا ہے۔

(عابد گھبرا کر چاروں طرف دیکھتا ہے۔ رفیق ایک طرف سے آکر اس کا ہاتھ پکڑتا ہے
اپنی طرف کھینچتا ہے۔ عابد جدوجہد کرتا ہے)

رفیق : میں تمہارا دوست ہوں بے وقوف — نکل چلو یہاں سے۔

سلامت : ادھر سے — استاد جی۔

(رفیق اور سلامت عابد کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف کو بھاگتے ہیں۔)

سین نمبر ۱۳

سردار جہانگیر کا شہری گھر

جہانگیر : اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہو پتر۔ آرام سے تحمل سے بات کرو۔۔۔۔ جلدی کی بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔

تاجدین : دہشت خوفزدگی کے عالم میں بات بناتے ہوئے بولتا ہے اسائیں وہ جو ذیلدار تھے نا۔

جہانگیر : کون سے ذیلدار پتر۔

تاجدین: کوٹ سجاول کے سائیں.... وہ جن کی حویلی کو (اس کی طرف اشارہ کر کے اپنی طرف انگلی کرتا ہے) جن کی حویلی کو ہم نے آگ لگائی تھی۔

جہانگیر: (سرزنش کے انداز میں) وہ تو سنا ہے اچانک آگ لگ گئی تھی پُتر۔ جلتی ہوئی لالٹین گر گئی تھی کہیں...

تاجدین: (پریشان سا ہوتے ہوئے) وہی سائیں۔ وہ لوگ آپ کو ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔

جہانگیر: مجھے۔ ذیلداروں کے لوگ.... (تاجدین اثبات میں سر ہلاتا ہے۔ جہانگیر مسکرا کر اس کی طرف مڑتا ہے) تیرے دماغ کو کیا ہو گیا ہے پتر.....!

تاج دین: میں سچ عرض کر رہا ہوں سائیں۔ وہ.... ان کا ایک چھوٹا بھائی تھا نا.... جو شفیق کے بیوی، بچوں کو لے کر نکل گیا تھا۔ وہی ڈھونڈ رہا ہے آپ کو۔ بڑا شیطنہ جوان نکلا ہے۔

جہانگیر: شفیق کا چھوٹا بھائی.... (سوچتے ہوئے) وہ زندہ ہے ابھی۔

تاجدین: ہاں سائیں، رفیق کا نام ہے اس کا۔ دو بندے اور بھی ہیں اس کے ساتھ۔ ایک کو تو میں ختم کر آیا ہوں۔

جہانگیر: تم ختم کر آئے ہو۔ تمہیں کہاں ملے تھے وہ لوگ؟

تاجدین: (گھبراتے ہوئے) مجھے۔ سائیں۔ مجھے۔ وہ.... دراصل۔

جہانگیر: جو لوگ بات درمیان میں چھوڑ دیتے ہیں نا پُتر۔ وہ مجھے اچھے نہیں لگتے.... (غور سے تاج دین کی آنکھوں میں دیکھتا ہے) تم تک کیسے پہنچے تھے وہ لوگ۔!

تاجدین: پتہ نہیں سائیں۔ ایک دم ہی پکڑ لیا تھا۔ مجھے انہوں نے.....

جہانگیر: کیا پوچھ رہے تھے؟

تاجدین: (شدید گھبراہٹ میں) وہ پوچھ رہے تھے کہ.... وہ..... (سردار کی نظروں کی تاب نہ لا کر سر جھکاتا ہے) آپ کا پتہ پوچھ رہے تھے۔ سائیں۔

جہانگیر: اور تم نے بتا دیا۔؟

تاجدین: نہیں سائیں.... پتہ تو نہیں بتایا میں نے۔

جہانگیر: تو اور کیا بتایا تھا.... (تاجدین پریشانی میں ادھر اُدھر دیکھتا ہے جہانگیر قریب آ کر اسے بالوں سے پکڑتا ہے) میرا نام بتایا تھا پُتر۔

(تاجدین ڈری ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھتا ہے پھر اس کے پیروں سے لپٹ جاتا ہے)

تاج دین: انہوں نے مجھے بہت مارا تھا سائیں۔ یہ دیکھو۔

(قمیض اتار کر اسے زخم دکھانے لگتا ہے)

جہانگیر: نہ پتر نہ۔ زخموں کے نشان مجھے اچھے نہیں لگتے۔ طبیعت خراب ہونے لگتی ہے میری.... آری کو

ہمیشہ ایک زخم لگانا چاہیئے۔ بے حرمتی نہیں کرنی چاہیئے وجود کی ــ ایک چھوٹا سا خوبصورت سا زخم لگاؤ
اور بس .... (اس کے سینے پر ہاتھ رکھتا ہے) اِدھر کر کے ــ
تاجدین: (پاؤں سے پٹتے ہوئے) رحم کرو سائیں۔ میں نے آپ کا نمک کھایا ہے۔
جہانگیر: میرا نمک کھانے والے اتنے بزدل نہیں ہوتے پتر..... میں تجھے اپنے نمک سے آزاد کرتا ہوں۔
تاجدین: نہیں سردار صاحب ــ نہیں ــ صرف ایک موقع اور دے دیجئے ــ میں نے بیس سال آپ کے لیے جیل کاٹی
ہے، اپنے بال بچوں سے ساری دنیا سے دور رہا ہوں ــ مجھ پر اتنا ظلم نہ کیجئے۔
جہانگیر: اس کا حساب، میرا تمہارا صاف ہے سائیں.... کوئی قرض واجب نہیں ہے مجھ پر تمہارا...
(نوکروں کو اشارہ کرتا ہے کہ اسے لے جاؤ۔ تاجدین پھر اس کے پیروں سے پٹتا ہے)
تاجدین: بس ایک موقعہ اور دے دو سائیں ــ میں تمہارے پاؤں پڑتا ہوں۔
(جہانگیر سنگدلانہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتا ہے اپنے دونوں پاؤں جوتوں میں سے
نکالتا ہے جوتے وہیں چھوڑ کر آگے نکل جاتا ہے۔ تاجدین سخت خوفزدگی میں اس
کی طرف دیکھتا ہے پھر اپنے ہاتھوں کے درمیان پڑی ہوئی جوتیوں کی طرف دیکھ کر
نفی میں سر ہلاتا ہے)

سین نمبر ۱۴

ہسپتال کا کمرہ

(فقیر حسین سخت پریشانی کے عالم میں دروازہ کھول کر اندر آتا ہے۔ سلمیٰ اور نیلم اُسے
دیکھ کر اٹھتی ہیں۔ فقیر حسین سیدھا احمد علی کی طرف آتا ہے۔ جو آنکھیں بند کیے پڑا ہے)
فقیر حسین: اب کیسی طبیعت ہے اس کی بھابی۔
سلمیٰ: (پریشانی میں) آپ.... بیٹھیے۔
فقیر حسین: (احمد علی کے ماتھے پر ہاتھ رکھتا ہے) پریشانی میں آواز دیتا ہے) احمد علی ــ احمد علی۔
احمد علی: (کراہ کر آنکھیں کھولتا ہے) کون؟
فقیر حسین: میں ہوں احمد علی۔ تمہارا بھائی فقیر حسین۔
احمد علی: فقیر حسین۔ تم ــ تم ــ کب آئے ہو۔
فقیر حسین: ابھی آیا ہوں۔ مجھے تو بالکل خبر ہی نہیں تھی۔ تمہارے اس کلب میں کچھ چیزیں پہنچانے گیا تھا وہاں
مینیجر سے پتہ چلا کہ.... اس نے بتایا کہ خدانخواستہ تمہیں دل کا دورہ پڑا ہے۔ (احمد علی اثبات میں سر
ہلاتا ہے) میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے سیدھا بھاگا آیا ہوں۔ اب کیسی طبیعت ہے۔
سلمیٰ: پہلے سے بہتر ہے بھائی صاحب۔ ڈاکٹر کہتے ہیں۔ خطرہ ٹل گیا ہے۔ انشاءاللہ۔ چند دنوں تک یہ بالکل
اچھے ہو جائیں گے۔

فقیر حسین : (دعا کے انداز میں ہاتھ اٹھاتا ہے ، انشاء اللہ ۔ انشاء اللہ ۔ (سلمیٰ کی طرف مڑتے ہوئے) ہوا کیا تھا صحت تو اچھی خاصی تھی اس کی ۔

سلمیٰ : ہاں بھائی صاحب ۔ بس یہ کہہ لیں کہ تقدیر میں لکھا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ایک بات ایسی ہوگئی تھی کہ ۔ ۔ ۔ ۔

احمد : (فقیر حسین کا ہاتھ پکڑ کر) میں بچ جاؤں گا فقیر حسین ۔

فقیر حسین : انشاء اللہ ۔ اللہ سے دعا کرو ۔ وہ بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے ۔

سلمیٰ : آپ بھی دعا کیجیے گا بھائی صاحب ۔ ۔ ۔ ۔

فقیر حسین : کیوں نہیں کروں گا ۔ سجدے میں گر کر کروں گا ۔ احمد علی میرا بھائی ہے ۔ میرا خون ہے ۔

احمد : (حیرت سے) تم ۔ تم ۔ میرے لیے دعا کرو گے ۔ فقیر حسین ۔ میرے لیے ؟

فقیر حسین : دیکھو احمد علی ۔ تکلیف تو دشمن کی بھی نہیں دیکھی جاتی ۔ تم تو میرے اپنے ہو ۔

احمد : مگر ۔ فقیر حسین ۔ ۔ ۔ ۔ میں نے تو ۔ ۔ ۔ ۔ میں نے تو ۔

فقیر حسین : یہ وقت ان باتوں کے یاد کرنے کا نہیں ہے احمد علی ، اللہ تمہیں اپنے حفظ و امان میں رکھے ۔ سلمیٰ بہن پر ۔ ۔ ۔ ۔ بچوں پر تمہارا سایہ سلامت رہے ۔

نیلم : (کرسی آگے کرتے ہوئے) آپ بیٹھ جائیں انکل ۔

فقیر حسین : نہیں بیٹیا ، تم بتاؤ کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ، کوئی دوائی وغیرہ ۔

سلمیٰ : نہیں بھائی صاحب ۔ سب کچھ ہے اللہ کے فضل سے ۔ اچھے اچھے علاج کر رہے ہیں ۔ وہ کیا کہتے ہیں ۔ ؟

نیلم : اسپیشلسٹ ۔

سلمیٰ : وہی ۔

احمد : (مسکرانے کی کوشش کرتا ہے) بڑی کوڑھ مغز ہو تم ۔

سلمیٰ : (چادر سے آنسو پونچھتے ہوئے) ہاں ۔ اب تم ٹھیک ہو جاؤ گے نا ۔ تو مجھے پڑھانا ۔

فقیر حسین : لڑکے ۔ دونوں کہاں ہیں ۔ (احمد علی کے بستر کے کونے پر بیٹھتا ہے)

سلمیٰ : خالد تو سمیع کے ساتھ گیا ہے اور عابد ۔ ۔ ۔ ۔

(ڈاکٹر آتا ہے ساتھ نرس ہے)

ڈاکٹر : آپ ۔ ۔ ۔ ۔ پلیز بستر پر نہ بیٹھیں ۔ مریض کو DISTURBANCE ہوتی ہے ۔

احمد : (اٹھتے ہوئے فقیر حسین کا ہاتھ پکڑتا ہے) نہیں ڈاکٹر صاحب ۔ انہیں بیٹھا رہنے دیجیے ۔ اس کے بیٹھنے سے یوں لگتا ہے ۔ جیسے یہاں کچھ قرار سا آگیا ہے ۔ وہ جو بوجھ سا محسوس ہوتا تھا یہاں ۔ (دل پر ہاتھ رکھتا ہے) اب نہیں ہے ۔

ڈاکٹر : (چیک کرتے ہوئے) اچھا ۔ GOOD ۔ ۔ ۔ ۔ بڑی اچھی IMPROVEMENT ہے آپ کی ۔

(ایک سلپ پر کچھ لکھتا ہے ۔ سائڈ ٹیبل سے دو شیشیاں اٹھا کر سلمیٰ کی طرف

بڑھاتا ہے)

یہ اب بند کر دیجئے.... اور یہ جو گولیاں میں نے لکھی ہیں...... یہ صبح دوپہر شام دیجئے..... ایک گولی....

سلمیٰ : جی۔ اچھا۔

ڈاکٹر : سوپ لیا تھا انہوں نے۔

نیلم : جی ہاں۔ ایک کپ۔

ڈاکٹر : ٹھیک ہے۔ اچھا مسز احمد۔ میں صبح پھر آؤں گا۔

(احمد کی طرف بک اپ کے انداز میں ہاتھ ہلا کر جانے لگتا ہے۔)

فقیر حسین : (اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے) یہ جلدی اچھا ہو جائے گا نا ڈاکٹر صاحب۔

ڈاکٹر : جی۔

فقیر حسین : یا اللہ تیرا شکر ہے (احمد علی کی طرف آتا ہے) تم نے سنا احمد علی۔ ڈاکٹر صاحب کہہ رہے ہیں۔ انشاء اللہ چند دنوں میں بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے۔ گھوڑے کی طرح (ہنستا ہے احمد علی بھی مسکراتا ہے)

(نسخہ سلمیٰ کے ہاتھ سے لیتا ہے)

یہ کیا لکھا ہے بھائی عجیب لکھائی ہوتی ہے اِن ڈاکٹروں کی بھی۔ نسخہ ایسے لکھتے ہیں جیسے کسی خزانے کا نقشہ بنا رہے ہیں۔ میں بھاگ کر یہ دوائی لے آؤں۔ ڈاکٹر کی ہدایت پر سختی سے عمل کرنا چاہیئے۔ میں ابھی آیا۔

(فقیر حسین جاتا ہے۔ سلمیٰ اور نیلم ششدر سی اس کی طرف دیکھتی ہے۔ آنسو کا ایک قطرہ احمد علی کی پلکوں پر لرزتا ہے۔ اس کے گال پر آتا ہے)

18

کردار

• فقیر حسین • سعیدہ • اختر • احمد علی • عابد • خالد • نیلم • جہانگیر • ریاست • جمال • تمکین • رفیق • سلامت • شہباز • ڈاکٹر • تاج دین۔

سین نمبر ا

فقیر حسین کا گھر

فقیر حسین : نہیں بیٹی نہیں۔ ایسی باتیں نہیں کرتے۔ زیادتی کا جواب زیادتی سے دینا انسانیت نہیں ہے۔ عفو و درگزر ہی خیر کی پہلی نشانی ہے۔

اختر : (احتجاجی انداز میں) درگزر کی بھی ایک حد ہوتی ہے ابو.... اُن لوگوں نے....

فقیر حسین : (سمجھانے کے انداز میں) لیکن اب وہ بیمار ہے بیٹا۔ زندگی اور موت کی کشمکش میں پڑا ہے.... اگر خدانخواستہ اسے کچھ ہوگیا تو حشر کے دن میں اس قادرِ مطلق کو کیا منہ دکھاؤں گا.... جب مجھ سے پوچھا جائے گا کہ.... نہیں بیٹا نہیں.... گرے ہوئے تو دشمن پر بھی ہاتھ نہیں اٹھاتے۔ .... احمد علی تو میرا بھائی ہے۔ اللہ اسے معاف کرے۔

سعیدہ : ٹھیک ہے ابو۔ اگر آپ یہی بہتر سمجھتے ہیں تو بے شک انہیں معاف کر دیں.... لیکن آپ کا یا ہمارا اُن کی طرف جانا.... ان سے دوبارہ میل جول قائم کرنا.... اس کی کیا ضرورت ہے۔

فقیر حسین : ضرورت ہے بیٹی۔ اگر ہم ایسا نہ کریں تو اس کا یہ مطلب ہے کہ ہم نے اسے دل سے معاف نہیں کیا۔ صرف معاف کرنے کا دعویٰ کر کے اپنی عظمت دکھانا چاہتے ہیں۔ وہ نیکی جس میں تکبر ہو.... وہ تو گناہ سے بھی زیادہ سنگین ہوتی ہے بیٹی۔ خدا سجدے نہیں گنتا۔ ان سجدوں میں موجود اس جذبے کو دیکھتا ہے جو.... اچھا چھوڑو اسے۔ کہیں میری اس بات میں بھی تکبر کا کوئی پہلو نہ ہو۔

اختر : لیکن ابو۔ میرا دل نہیں مانتا۔ کون سا ظلم ہے جو چچا احمد علی نے ہم پر نہیں کیا۔ ہماری زندگی۔ جان مال۔ عزت و آبرو۔ کس چیز کا لحاظ کیا ہے انہوں نے.... میں تو کہتا ہوں۔ قدرت انہیں ان کے گناہوں کی سزا دے رہی ہے۔

فقیر حسین : نہ بیٹا نہ۔ ایسی باتیں نہیں کرتے.... انسانوں کے یہ چھوٹے چھوٹے جھگڑے.... ناراضگیاں

شکوے گلے ۔۔۔۔ یہ سب کتنے حقیر اور بے مایہ ہیں۔ ذرا سوچو تو بیٹا۔ یہ کائنات کتنی بڑی ہے۔ ہماری یہ زمین جس پر ہم رہتے ہیں اس کائنات میں یوں ہے جیسے صحرائے اعظم میں ریت کا ایک ذرّہ ۔۔۔۔ اور اس ذرّے میں ہم جیسے اربوں لوگ اپنی اپنی دنیاؤں میں کیڑوں مکوڑوں کی طرح جی رہے ہیں۔ مگر اس کے باوجود کتنا اہم سمجھتے ہیں۔ ہم اپنی خوشیوں اور دکھوں کو ۔۔۔۔ اس بے نیاز ذات کے نزدیک یہ سب کچھ کس قدر معمولی ہوگا بیٹا جس کی رحمت کے سائے میں یہ کل جہان سانس لے رہے ہیں۔

سعیدہ: (متاثر ہوتے ہوئے) وہ تو ٹھیک ہے ابو۔ لیکن اس نے یہ بھی تو کہا ہے کہ جب کوئی تم پر ظلم کرے تو اس کے رستے میں چٹان بن کر کھڑے ہو جاؤ۔ آخر دم تک اس کا مقابلہ کرو ۔۔۔۔ چھوڑو مت اُسے۔

فقیر حسین: میں تم دونوں کے جذبات سمجھتا ہوں بیٹی ۔۔۔۔ لیکن اس وقت احمد علی کو ہماری ضرورت ہے ۔۔۔۔۔ وہ بڑی مصیبت میں ہے بیٹی۔

اختر: انہیں کیا مصیبت ہو سکتی ہے۔ آپ خود ہی تو بتا رہے ہیں کہ چھ چھ ڈاکٹر ان کے سرہانے ہیں۔ بہترین علاج ہو رہا ہے ان کا ۔۔۔۔ اور کیا چاہیئے۔

(سعیدہ کی طرف دیکھتا ہے جو اس کی تائید میں سر ہلاتی ہے۔)

فقیر حسین: روح کا زخم ایسا ہوتا ہے بیٹا ۔۔۔۔ جو ساری دنیا کی دولت دے کر بھی نہیں بھرا جا سکتا۔ اسے صرف محبت اور درگزر کے مرہم کی ضرورت ہوتی ہے۔ زندگی کے اس ریگستان میں محبت نخلستان کی طرح ہوتی ہے بیٹا ۔۔۔۔ انسان کو چاہیئے کہ وہ ہمیشہ ایک سایہ دار پیڑ کی طرح زندہ رہے۔ ساری دھوپ اپنی کمر پہ لے ۔۔۔۔

(دونوں بچوں کو اپنے بازوؤں میں یوں لیتا ہے۔ جیسے ان پہ سایہ کر رہا۔ دونوں اس کی بات سے واضح طور پر متاثر ہوتے ہیں۔)

سعیدہ: ٹھیک ہے ابو۔ آپ جیسے کہیں گے ہم وہی کریں گے۔

(اختر محبت سے باپ کا ہاتھ دباتا ہے۔)

فقیر حسین: جیتے رہو۔

اختر: آیئے۔ آؤ سعیدہ۔

فقیر حسین: نہیں بیٹا۔ پہلے ہمیں ایس پی صاحب کی طرف جانا ہے۔ سعیدہ کو واپسی پر لے لیں گے۔

سعیدہ: کیوں۔؟

فقیر حسین: (ہچکچاتے ہوئے) دراصل عابد کو ۔۔۔۔ احمد علی کے کسی دشمن نے اغوا کر لیا ہے۔

اختر + سعیدہ: عابد کو؟

فقیر حسین: (اثبات میں سر ہلاتا ہے) کوئی کاروباری دشمنی کا چکر ہے۔ ایک آدمی ہے سردار جہانگیر۔ اس سے کوئی جھگڑا ہے۔

اختر : (چونک کر) سردار جہانگیر!

فقیر حسین : ہاں۔ یہی نام بتا رہا تھا۔

اختر : اسے تو میں جانتا ہوں۔ آپ کے سلسلے میں....

(بات بدلتے ہوئے)

میں رفیق کے ساتھ ملا تھا اس سے۔

سعیدہ : رفیق کے ساتھ۔

اختر : ہاں۔ ہم دونوں اس کے گھر گئے تھے۔

فقیر حسین : مجھے اس کے پاس لے چلو بیٹا۔ میں اس سے بات کرتا ہوں۔

اختر : نہیں ابو۔ رفیق بتا رہا تھا کہ وہ بہت خطرناک آدمی ہے۔ ہمیں پولیس کے پاس ہی جانا چاہیئے۔

سعیدہ : اختر ٹھیک کہہ رہا ہے ابو۔

اختر : کاش اس وقت رفیق ہوتا۔

سعیدہ : کیوں۔ رفیق کیا کر سکتا ہے اس معاملے میں۔

اختر : وہ۔

(کہتے کہتے رک جاتا ہے)

کچھ نہیں ایسے ہی خیال آگیا تھا اس کا۔

سیکن نمبر ۲

آؤٹ ڈور۔

(کیمرہ ٹیکسی میں بیٹھے رفیق کے چہرے پر اوپن ہوتا ہے۔ پچھلی سیٹ پر سلامت اور عابد بیٹھے ہیں۔ عابد بے ہوش حالت میں نیم دراز ہے ٹیکسی ایک پل سے گزرتی ہے اس پر سلامت کی آواز سا/ر ہوتی ہے)

سلامت : وہ اُدھر پمپ لگا ہے۔ وہاں روکنا ذرا۔

ٹیکسی سڑک کے کنارے لگے ہینڈ پمپ کے نزدیک رکتی ہے۔ سلامت دروازہ کھول کر اترتا ہے دوسری طرف سے جیپ آتی ہے جس میں جہانگیر کے آدمی تاجدین کو لیے آرہے ہیں۔ جیپ ٹیکسی کے قریب سے گزرتی ہے تو تاجدین چونک کر سلامت کی طرف دیکھتا ہے۔ سلامت اس کے دیکھنے سے بے خبر ہے۔ تاجدین کچھ کہنے لگتا ہے لیکن محافظوں کے تیور دیکھ کر رک جاتا ہے۔ جنہوں نے چادروں میں سے پستول اس کی کمر سے لگا رکھے ہیں۔ پُل پر کسی ٹریکٹر یا ٹرالی کی وجہ سے جیپ کی رفتار سست ہوتی ہے تاجدین چونک کر یہ منظر دیکھتا ہے۔ محافظ پستولیں چھپاتے

ہیں۔ تاجدین یک دم چھلانگ مار کر جیپ سے کودتا ہے اور بھاگ کر پُل سے نہر میں
چھلانگ لگاتا ہے محافظ اس کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ ادھر اُدھر سے دو تین آدمی او
آجاتے ہیں اور ——————

کیا ہوا۔ کیا ہوا۔ کون تھا۔
قسم کے سوال کرتے ہیں۔ محافظ پریشانی میں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں۔)

سین نمبر ۳

احمد علی کا گھر

(کیمرہ احمد علی کے گرد موجود طبی سہولیات سے PAN کرتا ہوا احمد علی پر اور پھر کمرے
میں موجود فقیر حسین۔ سعیدہ۔ اختر۔ نیلم۔ سلمیٰ اور خالد پر آتا ہے جو احمد علی کا ای سی جی
ہوتا دیکھ رہے ہیں۔ ڈاکٹر رپورٹنگ ٹیپ کا مطالعہ کرتا ہے اور اطمینان کے انداز
میں اسے رول کر کے اس پر کچھ لکھتا ہے۔ سلمیٰ کی طرف بڑھتا ہے)

ڈاکٹر: میرے خیال میں اب مزید ای سی جی کی ضرورت نہیں ہے لیکن پھر بھی میں SUGGEST کروں گا کہ
آپ کم از کم چار ہفتے ضرور ریسٹ کریں۔

احمد: لیکن ڈاکٹر صاحب۔ چار ہفتے تو.....

فقیر حسین: اچھا تم نہیں بولو بیچ میں۔
(ڈاکٹر سے)
آپ فکر نہ کریں ڈاکٹر صاحب۔ چار ہفتے میں اسے بستر سے ہلنے نہیں دوں گا۔

احمد: لیکن فقیر حسین.....میرا کام....

فقیر حسین: کام ___ کس لیے کرو گے کام؟ دیکھو احمد علی یہ کارخانہ ازل سے چل رہا ہے اور ابد تک یونہی چلتا رہے
گا۔ یہ ہم ہی خاک کے ذرے ہیں جو اپنے آپ کو لازمی اور ضروری سمجھ کر خوامخواہ کے بوجھ خود پر لادتے
رہتے ہیں۔ کس کام کی وہ دولت جو تمہیں سکون نہ دے۔

(احمد علی لاجواب سا ہو جاتا ہے)

سلمیٰ: اللہ آپ کا بھلا کرے بھائی صاحب۔ میری تو ساری عمر گزر گئی۔ انہیں یہ سمجھاتے ہوئے۔

احمد علی: (مسکرانے کی کوشش کرتا ہے) اچھا موقع ملا ہے تمہیں بھی۔ اب ہو جاؤ سب کے سب میرے خلاف۔

سعیدہ: (ایک کپ لے کر احمد کے پاس آتی ہے) یہ سوپ پی لیجیے۔

احمد: (پیالہ لے کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتا ہے) جیتی رہو۔ ویسے یہ میں صرف اس لیے پی رہا ہوں کہ تم
لائی ہو ورنہ اس کی شکل مجھے زہر لگنے لگی ہے۔ بنی اسرائیل کو اتنے تسلسل سے من و سلویٰ نہیں ملا ہو
گا جتنی شدت سے مجھے بار بار یہ پھیکا اور بدمزہ سوپ پلایا جاتا ہے۔

(گھونٹ بھرتا ہے)

نیلم : مجھے پتہ تھا آپ ایسے نہیں پئیں گے۔ اسی لیے میں نے سعیدہ باجی کو آگے کیا ہے۔

(احمد بھرے غصے سے اس کی طرف دیکھتا ہے۔ سب ہنس پڑتے ہیں)

احمد : مجھے تندرست ہو لینے دو پھر تمہارے کان کھینچوں گا۔

اختر : (مسکراتے ہوئے) ویسے آپ چاہئیں تو آپ کے BEHALF پر سعیدہ یہ کام کر سکتی ہے اسے بڑی پریکٹس ہے کان کھینچنے کی۔

(اپنے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے)

یہ ملاحظہ کیجیے۔

سعیدہ : (مسکراتے ہوئے) قدرت کے کاموں میں انسان کیا دخل دے سکتا ہے۔ ویسے تمہارے کان اللہ میاں نے صرف ٹوپی رکھنے کے لیے بنائے ہوئے ہیں۔

(ہاتھ سے ٹوپی کانوں سے پھسلنے کا GESTURE دیتی ہے)

بھئی آخر ٹوپی کے رکنے کی بھی تو کوئی جگہ ہونی چاہیئے۔

نیلم : نہیں باجی۔ یہ تو زیادتی ہے۔ اچھے بھلے کان ہیں اختر بھائی کے۔

اختر : اسے تو میری پوری شکل میں نقص نظر آتے ہیں۔ اس دن کہہ رہی تھی تمہاری ناک اتنی لمبی ہے کہ اس پر کوٹ لٹکایا جاسکتا ہے۔

سعیدہ : (ہنستے ہوئے) بکواس نہ کرو۔ یہ میں نے کب کہا تھا۔

فقیر حسین : لو۔ شروع ہو گئی پانی پت کی تیسری لڑائی۔ کسی وقت آرام سے بھی بیٹھ جایا کرو۔

احمد : نہیں فقیر حسین۔ انہیں بولنے دو۔ مجھے تو زندگی بھر فرصت ہی نہیں مل سکی کہ اپنے بچوں سے مل کر بیٹھ سکتا۔ ان کو ہنستے کھیلتے دیکھ سکتا۔ ادھر آؤ اختر بیٹے .... یہاں میرے پاس بیٹھو۔ مجھے معاف کر دینا بیٹا۔ میں نے تم لوگوں کو بہت دکھ دیئے ہیں۔

اختر : نہیں۔ احمد علی .... چچا .... کوئی بات نہیں۔

(خالد آتا ہے۔ سب کو دیکھ کر ایک دم رکتا ہے۔ سلام کرتا ہے اختر سے ہاتھ ملاتا ہے)

سلمیٰ : (اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے) ادھر آؤ بیٹا۔ یہاں بیٹھو۔

خالد : نہیں امی۔ آپ بیٹھیں۔

(نوکرانی ٹرالی میں شربت کا جگ اور گلاس لے کر آتی ہے)

نیلم : یہ ادھر لاؤ۔

(ٹرالی اپنی طرف کرتی ہے سعیدہ اس کی مدد کرتی ہے)

احمد : کچھ پتہ چلا۔

خالد : ابھی سمیع سے بات ہوئی ہے ٹیلیفون پر۔ سردار جہانگیر کی حویلی پر چھاپہ مارا ہے۔ پولیس نے ۔

فقیر حسین : اچھا — تو عابد ۔ ۔ ۔ ۔

خالد : عابد وہاں نہیں تھا۔ لیکن پولیس کو کچھ چیزیں اور شہادتیں ایسی ملی ہیں جن سے اس کا وہاں لے جایا جانا ثابت ہوتا ہے۔

احمد : (مایوسی سے) اوہ۔ اب کیا ہوگا۔

خالد : آپ گھبرائیں نہیں بابا جانی۔ اللہ نے چاہا تو بہت جلد عابد آپ کے پاس ہوگا۔ مجرم کتنا بھی بڑا ہو۔ قانون سے نہیں بچ سکتا۔

فقیر حسین : بے شک ۔

خالد : (فقیر حسین) سمیع بتا رہا تھا کہ آپ بھی ملے تھے اس سے ۔

فقیر حسین : ہاں ۔ ۔ ۔ ۔ اختر بھی اس آدمی سردار جہانگیر سے مل چکا ہے۔ اس کا گھر بھی دیکھا ہوا ہے اس نے۔ ہم یہی بتانے گئے تھے۔

سلمیٰ : یا پاک پروردگار — اپنا کرم کر ۔

اختر : (تسلی دینے کے انداز میں) آپ فکر نہ کریں چچی جان۔ انشاء اللہ۔

نیلم : (ٹرے سے شربت کا گلاس ماں کو دیتی ہے) یہ لیں امی ۔

(ماں اشارے سے انکار کرتی ہے زبردستی گلاس اس کے ہاتھ میں دیتی ہے)

پلیز پی لیں نا۔ صبح سے آپ اسی طرح بیٹھی ہیں۔

(اختر کی طرف گلاس بڑھاتی ہے)

لیجیے پلیز۔ (مسکراتی ہے) میٹھا کم ہو تو بتا دیجیے گا۔

اختر : اور اگر زیادہ ہو تو پھر؟

نیلم : پھر بھی کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ پی لیجیے گا۔ (فقیر حسین سے) آپ لیجیے انکل۔

فقیر حسین : بھئی نیلم بیٹی۔ بیمار کے سرہانے بیٹھ کر کھانا پینا مجھے اچھا نہیں لگتا۔ یہ کیا کہ آدمی آئے تیمارداری کے لیے اور ۔ ۔ ۔ ۔ ہسپتالوں میں۔ میں نے دیکھا ہے لوگ خیریت کم پوچھتے ہیں اور کھانے پینے کی طرف زیادہ توجہ دیتے ہیں۔

احمد علی : یار فقیر حسین۔ تمہیں تو کسی اور صدی میں ہونا چاہیے تھا۔ ہر چیز پر تنقید کرتے رہتے ہو تم۔

فقیر حسین : یہ تنقید نہیں ہے احمد علی دراصل ۔ ۔ ۔ ۔

نیلم : انکل ٹھیک کہہ رہے ہیں انکل ۔ ۔ ۔ ۔ لے لیجیے نا یہ نوکر نے نہیں میں نے بنایا ہے۔

فقیر حسین : (گلاس ٹرے سے اٹھاتے ہوئے) بہت شریر ہوگئی ہو تم۔

سعیدہ : (ٹرے خالد کے آگے کرتی ہے) لیجیے۔

خالد : جی۔ (کچھ کہنے لگتا ہے سعیدہ کی طرف دیکھ کر خاموش ہو جاتا ہے گلاس اٹھاتا ہے) آپ بھی لیجئے نا۔

(سعیدہ اثبات میں سر ہلاتی ہے۔ مسکراتی ہے)

سین نمبر ۴

رفیق کا ڈیرا

(ایک طرف چارپائی پر عابد بے ہوش پڑا ہے)

رفیق : (بے چینی سے) اسے اس کے گھر پہنچا دے سلامے۔ اس کا یہاں رہنا خطرے سے خالی نہیں۔

سلامت : وہ تو ٹھیک ہے استاد جی پر....

رفیق : تیرا کام بس اتنا ہی ہے سلامے۔ اس کے بعد جدھر تیرا جی چاہے نکل جانا۔

سلامت : (حیرت سے) تمہیں چھوڑ کر؟

رفیق : ہاں سلامے۔ سردار جہانگیر کا بوجھ اس دنیا سے ہلکا کرنے کے بعد میں سیدھا پولیس سٹیشن جاؤں گا۔ تیرا میرا بس یہیں تک ساتھ تھا۔

سلامت : میں نے تمہاری ہر بات ہمیشہ سر جھکا کے مانی ہے استاد جی۔ پر یہ حکم میں نے نہیں ماننا۔ تمہارے ساتھ زندگی گزاری ہے۔ مروں گا بھی تمہارے ساتھ۔

رفیق : یہ حکم نہیں میری درخواست ہے سلامے۔

سلامت : او نہیں نہیں نہیں۔ مجھے لفظوں کی مار نہ دو استاد جی۔ میں نے ہر صورت میں تمہارے ساتھ جانا ہے وفاداری بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔

رفیق : وفاداری تو سب کچھ ہوتی ہے سلامے۔ پر میں تجھے اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتا۔ میں تو مرنے جا رہا ہوں۔

سلامت : اسی لیے کہتا ہوں استاد جی۔ جو کچھ کرنا ہے سوچ سمجھ کر کرو۔ تاجدین فرار ہو کر سیدھا سردار صاحب کے پاس گیا ہوگا۔ اس وقت وہ سب لوگ چوکنے ہیں۔ دشمنی پہ ہمیشہ بے خبری میں حملہ کرنا چاہیئے۔

رفیق : بحث نہ کر سلامے۔ جا لے جا اس کو۔ مجھے اکیلا چھوڑ دے۔

سلامت : (چند لمحے کچھ سوچتا رہتا ہے پھر جیسے اس کے ذہن میں کوئی خیال آتا ہے) اچھا استاد جی، تمہاری مرضی.... میں ابھی آتا ہوں۔

(تیزی سے مڑ کر جاتا ہے۔ رفیق حیرت سے اس کی طرف دیکھتا ہے اسے آواز دیتا ہے لگتا ہے۔ لیکن سلامت جا چکا ہے۔)

سین نمبر ۵

سردار جہانگیر کا شہری مکان۔

(سردار جہانگیر سگار کا ایک لمبا کش لیتا ہے۔ آنکھوں سے سنگدلی نمایاں ہے)

جہانگیر : کیسے نکل گیا پتر۔

ریاست : کیا عرض کروں سائیں۔ میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

جہانگیر : آدمی کی زندگی کا فائدہ اسی وقت ہوتا ہے ریاست۔ جب تک بات اس کی سمجھ میں آتی ہو۔ عقل کے بغیر تو آدمی زخمی گھوڑے کی طرح ہوتا ہے۔۔۔۔ اور جب گھوڑا زخمی ہو جائے پھر تو کیا کرتے ہیں اُسے۔

ریاست : اسے ضائع کر دیتے ہیں۔ بچیاں والیو۔

(چند لمحے کی خاموشی دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں۔ ریاست آہستہ سے اپنی پستول کی پیٹی اتار کر میز پر رکھتا ہے۔ جہانگیر کو سلام کرتا ہے۔ منہ دیوار کی طرف کرکے کھڑا ہو جاتا ہے۔ جہانگیر سنگدلی اور دلچسپی کے ملے جلے انداز میں بڑھ کر پستول سے ہولسٹر سے نکالتا ہے۔ اسے تعریفی نظروں سے دیکھتا ہے۔ پستول ریاست کی طرف تانتا ہے۔ ریاست کا چہرہ پسینے سے بھر جاتا ہے۔ لیکن آنکھیں بغیر کسی تاثر کے سامنے کی طرف دیکھتی ہے۔ جہانگیر کا پستول والا ہاتھ ایک لمحے کے لیے لرزتا ہے۔ چند لمحے کی سنگین خاموشی۔

ریاست : ذرا جلدی کرو بچیاں والیو۔ انتظار سہارا نہیں جا رہا۔

(جہانگیر پستول فیصلہ کن انداز میں اٹھاتا ہے۔ ٹریگر دبانے سے پہلے اسے ایک دم ایک طرف اچھالتا ہے۔ ریاست مڑ کر حیرت سے اس کی طرف دیکھتا ہے جیسے اسے یقین نہ آرہا ہو۔ پستول اٹھاتا ہے۔ گولیاں چیک کرتا ہے۔

ریاست : (پستول دوبارہ جہانگیر کی طرف بڑھاتا ہے) گولیاں تو موجود ہیں سائیں۔

جہانگیر : (اس کی طرف خالی خالی نظروں سے دیکھتا ہے ایک دم مسکراتا ہے۔ سگار کو دو ٹکڑوں میں توڑتا ہے) اندر سے دوسرا سگار لاؤ ریاست۔ یہ کچھ پھیکا پھیکا ہے۔

(ریاست پستول اور پیٹی اٹھا کر جاتا ہے)

ریاست : جو حکم بچیاں والیو۔

(جہانگیر بڑے TENSE انداز میں مٹھی جکڑ کر اپنی انگوٹھیوں کی طرف دیکھتا ہے)

سین نمبر ۶

فقیر حسین۔ اختر۔ آئینے کے سامنے کھڑا بال بنا رہا ہے۔ سعیدہ آتی ہے۔ اسے دیکھ کر مسکراتی ہے)

سعیدہ : کیا بات ہے آج کل تم سنگھار پر بڑی توجہ دینے لگے ہو۔

اختر : (ایک دم جھینپ کر کنگھی رکھتا ہے) نہیں ایسے ہی۔۔۔۔ بال ذرا لمبے ہو گئے ہیں۔ سوچ رہا ہوں کٹنگ کرا لوں۔

سعیدہ : یا اللہ تیرا شکر ہے۔ اس جنگلی کو بھی خیال آیا۔ میں تو سمجھی تھی تمہارا مجھ سے مقابلہ کرنے کا ارادہ ہے۔

اختر : (میز پر پڑی ہوئی پلیٹ میں سے ایک سیب اٹھا کر اسے منہ سے کاٹتا ہے) اچھا سعیدہ۔ وہ تمہاری اس مس .... ٹیکسن کا کیا حال ہے۔

(سعیدہ گھور کر اس کی طرف دیکھتی ہے۔ میز سے پلیٹ اور چھری اٹھا کر اسے دیتی ہے سیب اس کے ہاتھ سے چھین کر پلیٹ میں رکھتی ہے)

سعیدہ : انسانوں کی طرح کھایا کرو۔

(مزاحیہ انداز میں بھولا بنتے ہوئے)

کیا پوچھا تھا تم نے ؟

اختر : کچھ نہیں میں تو ایسے ہی بات کر رہا تھا۔ JUST FOR

سعیدہ : یہ چکر کیا ہے۔ کل مس ٹیکسن تمہاری خیریت پوچھ رہی تھیں۔ اور آج ....

اختر : خدا کے لیے سعیدہ ایک تو تم عورتیں بات کا بتنگڑ بہت بناتی ہو۔ ارے بابا میں نے تو ویسے ہی پوچھ لیا تھا۔

سعیدہ : (چھیڑنے کے انداز میں) اچھا۔ تو تم ویسے ہی پوچھ رہے تھے .... تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مس ٹیکسن کیسے پوچھ رہی تھیں۔ وہ تو بڑی IMPRESSED لگتی ہیں تم نے ۔

اختر : (مصنوعی فخر سے) وہ تو خیر اللہ کے فضل سے تمہارے علاوہ دنیا کی ہر عورت مجھ سے IMPRESS ہوتی ہے

سعیدہ : (مذاق اڑانے والے انداز میں) کیوں نہیں کیوں نہیں۔ ماشاءاللہ تم ....

(دروازے پر دستک کی آواز ساتھ ہی سلامت کی آواز آتی ہے۔

سلامت : اختر صاحب۔ باؤ اختر...

اختر : (دروازے کی طرف جاتے ہوئے) یہ تو سلامت کی آواز لگتی ہے ۔

(دروازہ کھولتا ہے۔ سلامت اسے دیکھ کر اطمینان کی سانس لیتا ہے)

سلامت : اللہ کا شکر ہے یار تم گھر پہ مل گئے ہو۔

اختر : کیا بات ہے اتنے پریشان کیوں ہو ؟

سلامت : وہ استاد۔ (نظر سعیدہ پر پڑتی ہے) السلام علیکم باجی جی۔ معاف کرنا میں .... میرا دھیان ذرا اور طرف تھا۔

سعیدہ : (مسکراتے ہوئے) وعلیکم السلام۔ کوئی بات نہیں، کیسی طبیعت ہے آپ کی۔

سلامت : میں تو اللہ کے فضل اور آپ کی دعا سے بالکل خیر خیریت سے ہوں۔ وہ دراصل .... (ایک دم کہتے کہتے رک جاتا ہے) آپ لوگ سب ٹھیک ٹھاک ہیں نا۔ (دونوں اثبات میں سر ہلاتے ہیں۔ سلامت کی پریشانی جیسے کچھ سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ اب بات کیسے کرے خوامخواہ مسکراتا ہے) یار باؤ۔ دراصل مجھے تم

سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔

اختر : تو کرو۔

سلامت : ابھی وہ۔ (سعیدہ کی طرف دیکھ کر) اچھا کرتا ہوں۔

سعیدہ : شربت پئیں گے آپ۔

سلامت : ضرورت تو کوئی محسوس نہیں ہو رہی... مگر.... چلئے پلادیں۔

(سعیدہ مسکرا کر اندرونی کمرے کی طرف جاتی ہے۔ سلامت جلدی سے بات شروع کرتا ہے)

یار یاد۔ میں بڑی پریشانی میں پھنس گیا ہوں۔ تم پڑھے لکھے ہو کچھ مدد کردیں گے....

اختر : کیا بات ہے؟

سلامت : بات یہ ہے کہ استاد۔ اپنے جس دشمن کو تلاش کر رہا تھا وہ اسے مل گیا ہے! تم بھی تو جانتے ہو یار اسے۔

اختر : (حیرت سے) میں۔ میں اسے کیسے جانتا ہوں۔

سلامت : وہ اپنا سردار جہانگیر نہیں تھا...

اختر : (حیرت سے) سردار جہانگیر!!

(دروازے پر کٹ کرتے ہیں جہاں سعیدہ شربت کی ٹرے لیکر داخل ہونے لگتی ہے۔ سردار جہانگیر کا نام سن کر ایک دم رک جاتی ہے۔ ایک قدم پیچھے ہٹ کر اوٹ میں ہو جاتی ہے)

سلامت : ہاں۔ ہاں۔ اسی کے آدمیوں نے آگ لگا کر استاد کے خاندان کو جلایا تھا۔ تمہارے چاچے کے پتر کو بھی اسی نے پکڑا ہوا تھا۔

اختر : کسے۔ عابد کو

سلامت : ہاں۔ اس کو بھی ہم نکال کے لے آئے ہیں۔

اختر : کہاں ہے وہ۔

سلامت : استاد کے پاس ہے ڈیرے میں۔

اختر : اوہ۔

سلامت : استاد غصے میں پاگل ہو رہا ہے۔ میری بات نہیں سنتا۔ تم ہی اسے سمجھاؤ کہ سردار جہانگیر پر سامنے سے وار کرنا ممکن نہیں ہے.... وہ لوگ استاد کو بھی مار دیں گے۔

(کیمرہ سعیدہ کے چہرے پر جاتا ہے جو ششدر ہو کر سلامت اور اختر کی باتیں سن رہی ہے۔ دونوں کچھ دیر باتیں کرتے ہیں۔ AUDIO رہتی ہے۔ سعیدہ کا کلوز۔)

سین نمبر ۲

رفیق کا ڈیرا۔

رفیق : نہیں اختر نہیں، تم نہیں سمجھتے۔ وکیلوں کی بحثوں سے زخم بھرتے نہیں اور کھلتے چلے جاتے ہیں۔ میرا اس کا فیصلہ عدالت میں نہیں ہو سکتا۔

اختر : کیوں نہیں ہو سکتا۔ تم کوشش تو کر کے دیکھو۔!

رفیق : کس بات کی کوشش؛ کون گواہی دے گا میرے حق میں؟ سردار جہانگیر لومڑی سے زیادہ چالاک اور اونٹ سے زیادہ کینہ پرور ہے۔ پھر اس کے پاس دولت ہے۔ طاقت ہے۔ رسوخ والا ہے وہ۔ میرے پاس کیا ہے۔

اختر : لیکن اس طرح تو ..... یہ تو صریحاً خود کشی کرنے جا رہے ہو تم۔!

رفیق : ہاں۔ لیکن میرا سفر اس کے بعد شروع ہو گا۔ اس سے پہلے کہ اس کی دولت، طاقت اور رسوخ۔ میری مشکیں باندھیں وہ خود یہاں سے جا چکا ہو گا.... اتنی دور جہاں سے اسے کوئی واپس نہیں لا سکے گا۔

(اختر بے بسی میں کچھ کہنے کی کوشش کرتا ہے)

سلامت : (اندرونی دروازے سے آتے ہوئے) اس کو ہوش آگیا ہے استاد جی۔

رفیق : ٹھیک ہے۔ تم دونوں اس کو لے کر نکل جاؤ۔

سلامت : پر استاد۔

(سوالیہ نظروں سے اختر کی طرف دیکھتا ہے۔ اختر نفی میں سر ہلاتا ہے۔ سلامت ایک دم پریشان سا ہو جاتا ہے)

میرا مطلب تھا.....

رفیق : دیکھ سلامے اگر تو میرا یار ہے تو اب اس بات پر بحث نہ کرنا۔

(عابد اندرونی دروازے میں آکر کھڑا ہوتا ہے سر پر پٹی بندھی ہے چہرے پر نقاہت کے آثار ہیں اختر تیزی سے اس کی طرف بڑھتا ہے)

اختر : (اسے سہارا دیتے ہوئے) کیسی طبیعت ہے اب۔

عابد : (پھیکی ہنسی ہنستے ہوئے) ٹھیک ہوں۔ تم یہاں؟

اختر : یہ میرے دوست ہیں۔

عابد : اگر یہ نہ ہوتے تو.....

رفیق : (اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے) زندگی موت خدا کے ہاتھ میں ہے باؤ۔ اس نے تمہیں بچانا تھا میں نہ ہوتا کوئی اور وسیلہ نکل آتی۔ اب جاؤ شاباش۔

سلامت : (سوچتے ہوئے) اچھا استاد جی۔ اگر.....

(رفیق گھور کر اس کی طرف دیکھتا ہے سلامت عابد کو بازو سے پکڑ کر دروازے کی طرف جاتا ہے اختر اس کے ساتھ ہے دونوں دروازے سے نکلتے ہیں۔ رفیق چند

لمحے ان کی طرف دیکھتا ہے پھر اندرونی کمرے کی طرف مڑتا ہے بیرونی دروازے کیطرف سے سعیدہ جھانکتی ہے چہرے سے گہری فکرمندی کے آثار نمایاں ہیں کمرے کے اندر داخل ہوتی ہے چند لمحوں بعد رفیق اندرونی دروازے سے پستول اور میگزین لیے نکلتا ہے سعیدہ کو دیکھ کر ایک دم ٹھٹھک سا جاتا ہے۔ بے اعتباری کے انداز میں سر جھٹکتا ہے۔ بڑبڑاتا ہے)

رفیق : جاؤ چلی جاؤ۔ اب نہ روکو مجھے۔

(بے اختیاری میں اس کی طرف بڑھتا ہے سعیدہ گھبرا کر پیچھے ہٹتی ہے کسی چیز سے ٹکراتی ہے جس کے گرنے کی آواز سے رفیق ایک دم چونکتا ہے۔ حیرت سے)

آپ۔ آپ۔

ذرا سا پیچھے ہٹتا ہے سعیدہ کے چہرے پر اطمینان کے آثار ابھرتے ہیں۔

آپ سچ مچ سعیدہ ہیں۔

سعیدہ : جی۔

رفیق : (پریشانی میں) لیکن۔ آپ۔ یہاں۔

سعیدہ : کیوں۔ یہاں آنے میں کیا برائی ہے۔

رفیق : یہ جگہ ۔۔۔ آپ ۔۔۔ آپ کو کس نے بتایا کہ میں یہاں رہتا ہوں۔

سعیدہ : کسی نے بھی نہیں۔

رفیق : تو ۔۔۔۔ آپ کو یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔

سعیدہ : مجھے آپ سے کچھ بہت ضروری باتیں کرنی ہیں۔

رفیق : مجھ سے ۔ ۔ مگر ۔۔۔۔ میں تو۔

سعیدہ : ہاں رفیق صاحب۔ مجھے سب پتہ چل گیا ہے کہ آپ کون ہیں ۔۔۔۔ کیسے یہ سب کچھ بنے ہیں اور اب کیا کرنے والے ہیں۔ میں نے آپ کی اور اختر کی باتیں بھی سن لی ہیں۔

(رفیق چند لمحے شدید کشمکش میں سر جھکائے رکھتا ہے پھر ایک وحشیانہ اعتماد کے ساتھ سر اٹھاتا ہے مگر سعیدہ کی طرف دیکھے بغیر بات کرتا ہے۔

رفیق : آپ بھی کیجیئے مجھ سے نفرت :

سعیدہ : نفرت۔ آپ سے۔ کیوں ؟

رفیق : اس لیے کہ میں ایک قابل نفرت انسان۔ ایک غنڈہ، بدمعاش، قاتل ذہنیت والا آدمی ہوں۔ میرا وجود معاشرے کے نام پر کلنک کا ٹیکہ ہے۔

سعیدہ : یہ سب آپ کو کس نے بتایا ہے۔

رفیق : بارہ سال سے میں ہر شخص کی آنکھوں میں اپنے لیے یہی تحریر پڑھ رہا ہوں۔ مجھے دیکھ کر لوگ یوں پیچھے ہٹتے ہیں جیسے میں گندگی ڈھونے والا ٹرک ہوں جس میں سارے شہر کی غلاظت لدی ہوئی ہے۔ جذام کا مریض ہوں۔ جسے کوئی چھونا پسند نہیں کرتا۔

سعیدہ : میں نے تو آپ کو کبھی ایسا نہیں سمجھا۔

رفیق : اس لیے کہ اس وقت آپ کو میری اصلیت کا پتہ نہیں تھا۔ آپ نہیں جانتی تھیں کہ میں ایک لفنگا ہوں۔ بدمعاشی کا اڈا چلاتا ہوں۔

سعیدہ : پہلی بات تو یہ ہے رفیق صاحب کہ آپ لفنگے ہرگز نہیں ہیں بلکہ میں تو یہ کہوں گی کہ میں نے بہت کم لوگوں کو آپ جیسا مہذب اور شائستہ پایا ہے باقی رہی بدمعاشی کے اڈے کی بات۔ تو یہ آپ کی مجبوری تھی۔ اور مجبور آدمی سے نفرت نہیں ہمدردی کی جاتی ہے۔

رفیق : مگر.... آپ۔ آپ یہاں کیوں آئی ہیں؟

سعیدہ : (اس کی بات کا جواب نہیں دیتی) آپ کہاں جا رہے ہیں۔

رفیق : میں۔ آپ نے سن تو لیا ہے۔

سعیدہ : آپ کا فیصلہ صحیح نہیں ہے۔

رفیق : آپ کو نہیں پتہ....

(سعیدہ اس کی بات کاٹتی ہے)

سعیدہ : مجھے سب پتہ ہے لیکن اس کے باوجود میرے نزدیک آپ نے غلط راستہ منتخب کیا ہے۔ زندگی خدا کی نعمت ہے اور وہ اس کی بربادی پسند نہیں کرتا۔

رفیق : بربادی آباد چیزوں کی ہوتی ہے، بی بی۔ اور انتخاب کے لیے ایک سے زیادہ رستوں کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ میں جو کر رہا ہوں اس کے علاوہ میرے پاس کوئی رستہ نہیں۔

سعیدہ : رستے ہیں رفیق صاحب — دراصل آپ ایک جگہ پر رک کر رہ گئے ہیں، بعض اوقات ایسے ہوتا ہے رفیق صاحب کہ پیاسے اور پانی کے درمیان ریت کا صرف ایک ٹیلہ حائل ہوتا ہے لیکن سفر میں گزرے ہوئے سراب اُسے آگے بڑھنے سے روک دیتے ہیں۔

رفیق : مجھے زیادہ لفظ نہیں آتے بی بی۔ آپ پڑھی لکھی ہیں سمجھدار ہیں۔ جگنو کی دم کو چاند سے تشبیہہ دے سکتی ہیں مگر.... (ایک دم رک کر اپنی آواز کو دھیما کرتا ہے) تقدیر کے پتھر تلے دب کر میری انگلیاں چیخ چکی ہیں۔ اب ان سے ستار نہیں بج سکتا۔

سعیدہ : (چند لمحے غور سے اس کی طرف دیکھتی ہے اس کی باتوں سے متاثر ہوتی ہے) آپ پولیس کی مدد کیوں نہیں لیتے؟

رفیق : پولیس میرے مسئلے کا حل نہیں ہے سعیدہ بی بی۔ یہ پہاڑ مجھے خود ہی کاٹنا ہے۔

سعیدہ : (سمجھانے کے انداز میں) دیکھئے رفیق صاحب ضروری نہیں ہوتا کہ ہر کوشش کا نتیجہ ایک سا نکلے۔ ایک دستک پر اگر دروازہ نہ کھلے تو گھر چھوڑ کر نہیں چلے جاتے۔ سردار جہانگیر اگر کسی وجہ سے ایک بار قانون سے بچ گیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی رسی ہمیشہ دراز رہے گی۔

رفیق : آپ اسے نہیں جانتیں سعیدہ..... اس کے سامنے...

سعیدہ : دیکھئے رفیق صاحب۔ آپ جو بھی کہیں۔ میں یہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں کہ قانون کسی فردِ واحد کے سامنے۔ چاہے وہ کتنا ہی بااثر کیوں نہ ہو۔ مجبور ہو سکتا ہے۔ جلد یا بدیر اونٹ کو پہاڑ کے نیچے آنا ہی پڑتا ہے۔

رفیق : ہو سکتا ہے۔ لیکن میرے پاس انتظار کا ٹائم نہیں ہے میں اسے مار کر مرنا چاہتا ہوں۔ دیر ہو گئی تو شاید میری لاش بھی انتقام کی حسرت دل میں لیے کسی ہسپتال کے مردہ خانے میں پڑی ہو گی اور کوئی اس پر رونے والا نہیں ہو گا۔ میرا ہے کون؟

سعیدہ : ایسی باتیں نہیں کرتے۔ خدا اپنے بندوں کو کبھی تنہا نہیں چھوڑتا۔ ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔ آپ میرے ساتھ آیئے۔ میں آپ کو ایس پی صاحب کے پاس لے کر چلوں گی۔

رفیق : نہیں سعیدہ بی بی۔ وہ اب۔

سعیدہ : پلیز رفیق صاحب ایک بار میری بات مان لیجئے۔ اگر اس بار بھی مایوسی ہوئی میں آپ کو نہیں روکوں گی۔

(رفیق اس کی طرف دیکھتا ہے پھر یک دم دیوار کی طرف منہ کر کے آنکھوں پر ہاتھ رکھتا ہے۔ پستول کو بے چینی سے سہلاتا ہے۔)

سین نمبر ۸

تمکین کا گھر۔

(تمکین انیسہ کی تصویر کے سامنے خاموش کھڑی ہے چہرے سے سنجیدگی اور غور و فکر کے تاثرات نمایاں ہیں۔ دروازے کی گھنٹی بجتی ہے ایک لمبا سانس لے کر اپنی کنپٹیاں دباتی ہے دروازے کی طرف مڑتی ہے۔ اندر سے آتی ہوئی حسینہ اسے دیکھ کر رک جاتی ہے۔ تمکین دروازہ کھولتی ہے مسکرا کر جمال کی طرف دیکھتی ہے جو قدرے CONFUSED انداز میں مسکرا رہا ہے)

تمکین : (مسکراتے ہوئے) تشریف لایئے۔

جمال : (اندر آتے ہوئے) آپ کے حکم کے مطابق میں حاضر تو ہو گیا ہوں... مگر خدا کے لیے اب تو بتا دیجئے.... قصہ کیا ہے.... صبح سے آپ نے SUSPENCE پھیلا رکھی ہے۔

تمکین : قصہ بھی پتہ چل جائے گا آپ بیٹھئے تو....

جمال : (مسکراتے ہوئے) یعنی آپ کا مطلب ہے پہلے چھری تلے دم لے لوں۔

تمکین : یہی سمجھ لیجیے۔
جمال : بہتر جناب۔ سرِ تسلیم خم ہے جو مزاج....
(ایک دم رک جاتا ہے)

تمکین : کیا مزاج....؟
جمال : کچھ نہیں اگلا لفظ ذرا گڑبڑ تھا۔ اس لیے....
(دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر ہنس پڑتے ہیں۔)

تمکین : اچھا ذرا ادھر تشریف لائیے۔
(ڈائننگ ٹیبل کی طرف اشارہ کرتی ہے)

جمال : ہا ہا یہ کون سے کھانے کا ٹائم ہے؟
تمکین : (شرارت آمیز انداز میں مسکراتے ہوئے) ابھی پتہ چل جاتا ہے۔
(ایک بڑے سے کیک کے اوپر سے جالی ہٹاتی ہے جس پر HAPPY BIRTH DAY TO JAMAL لکھا ہوا ہے جمال کیک دیکھ کر ایک دم بھونچکا سا رہ جاتا ہے)

جمال : یہ۔ یہ...
تمکین : آج کیا تاریخ ہے۔
جمال : بائیس..
تمکین : گڈ۔ یہ تو آپ کو یاد ہے لیکن شاید یاد نہیں کہ یہ آپ کی BIRTH DATE بھی ہے۔ بسم اللہ کیجیے۔ موم بتیاں میں نے اس لیے نہیں لگائیں کہ ایسے اچھے موقعے پر روشنی جلانے کی بجائے بجھانا مجھے کچھ اچھا نہیں لگتا۔ ہے نا۔
جمال : جی ہاں۔ مگر۔ آپ نے.... آپ کو کیسے پتہ چلا۔ کہ....
تمکین : پتہ چلتا نہیں جمال صاحب۔ چلایا جاتا ہے۔ آدمی کو جس چیز میں INTEREST ہو اس کے پل پل کی خبر رکھنی چاہیے۔
جمال : (چونک کر اس کی طرف دیکھتا ہے) کیا یہ سچ ہے مس تمکین۔
تمکین : (بھولی بنتے ہوئے) کیا؟
جمال : یہی کہ آپ.... یعنی آپ۔
(اپنے اور اس کی طرف اشارہ کرتا ہے)
تمکین : (مسکرا کر شہ دیتے ہوئے) چلیے کیک کاٹیے.... او، ہاں۔ آپ کا تو میرے پاس ہی رہ گیا۔ ایک شیلف سے ایک خوبصورت پیکنگ نکالتی ہے جس کا سائز پرفیوم کے ڈبے جتنا

ہے، یہ میں نے جاپان سے خریدی تھی ....

جمال : (ششدر رسا ہو کر پیکٹ پکڑ لیتا ہے) مگر۔

تمکین : نام تو اس کا جاپانی زبان میں ہے مگر اس کا ترجمہ کچھ یوں ہے کہ۔ تم جہاں جاؤ گے میں تمہارا پیچھا کروں گی۔ اچھا نام ہے نا۔

جمال : بہت اچھا ہے لیکن مس تمکین۔

تمکین : آپ چاہیں تو یہ ۱۹۶۵ کا دم چھلا ہٹا سکتے ہیں۔

جمال : وہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن مس۔ میرا مطلب ہے تمکین...

تمکین : اب تم باتیں ہی کرتے رہو گے یا کاٹو گے بھی اسے ....

جمال : (چھری ہاتھ میں لیتا ہے کاٹتے کاٹتے ایک دم رک جاتا ہے۔ تمکین اشارے سے پوچھتی ہے کہ اب کیا ہے؟

(چھری اس کی طرف بڑھاتا ہے)

آپ۔ میرا مطلب ہے تم کاٹو۔

تمکین : (ہنستے ہوئے) سالگرہ تمہاری ہے اور کیک میں کاٹوں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

جمال : ہو کیوں نہیں سکتا تمکین۔ کیا ہم۔ اچھا۔ آؤ دونوں مل کر کاٹتے ہیں۔

(جمال چھری تمکین کے ہاتھ میں دیتا ہے۔ خود اس کا ہاتھ پکڑتا ہے تمکین کی مسکراہٹ ایک دم سکڑتی ہے۔ زور سے کیک میں چھری مارتی ہے دوسری دفعہ چھری مارنے پر جمال حیرت سے اس کی طرف دیکھتا ہے۔ ایک دم زبردستی مسکراتی ہے۔ جمال بھی کچھ نہ سمجھتے ہوئے مسکراتا ہے۔)

سین نمبر ۹

احمد علی کا گھر۔

(احمد علی اپنے بستر میں اٹھ کر بیٹھا ہوا ہے۔ سلمیٰ اسے دوا کھلا رہی ہے فقیر حسین خالد نیلم اس کے ارد گرد بیٹھے ہیں۔)

احمد : بھئی یہ بستر پر لیٹے لیٹے تو میری کمر اکڑ گئی ہے۔ ایسے لگتا ہے۔ ٹانگوں میں جان ہی نہیں رہی۔

سلمیٰ : ظاہر ہے جو آدمی کبھی ٹک کر پانچ منٹ ایک جگہ نہ بیٹھا ہو اس کے لیے چوبیس گھنٹے بستر پر پڑے رہنا تو عذاب ہی ہوتا ہے۔

فقیر حسین : بیماری جسم کی طرف سے وارننگ ہوتی ہے احمد علی .... اس کا مطلب ہوتا ہے میری طرف دیکھو۔ مجھ پر ناجائز مشقت کا بوجھ مت ڈالو۔ اب چپ چاپ پڑے رہو۔ یہی تمہارا علاج ہے اور یہی تمہاری سزا ہے۔ کیوں خالد بیٹا۔

خالد : جی چچا جان — بابا جانی کو تو ریسٹ کی اس لیے بھی ضرورت ہے کہ انہوں نے ....

احمد : (مسکراتے ہوئے) اب ہو جاؤ سب کے سب میرے خلاف .... ٹھیک ہے میں نے کئی برسوں سے اپنے آپ کو کولہو کے بیل کی طرح کام میں مصروف رکھا ہے۔ لیکن میں نے یہ سب کچھ کس لیے کیا ہے۔ تمہی لوگوں کے لیے نا۔

سلمیٰ : وہی تو خالد کہہ رہا ہے کہ کیوں آپ اتنی زیادہ محنت کرتے ہیں .... کیا نہیں ہے ہمارے پاس ؟

فقیر حسین : بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں بھابی۔ (اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے) یہ تن ڈھانپنے کے لیے کپڑے، سر چھپانے کے لیے ایک چھت اور تین وقت کی روٹی۔ یہی ضرورت ہے نا انسان کی — اب تم کپڑوں سے الماریاں بھر لو۔ محل دو محلے بنا لو۔ میز کو کھانوں سے بھر دو۔ اصل بات تو وہی رہے گی۔

نیلم : ویسے ابو۔ انکل کی بات اپیل تو کرتی ہے۔

سلمیٰ : کیا کرتی ہے۔

نیلم : (سوچتے ہوئے) متاثر۔

سلمیٰ : اچھا۔

فقیر حسین : تمہارے وظیفے کا کیا بنا خالد بیٹا۔

خالد : وہ میں نے چھوڑ دیا ہے۔ انکل۔ بابا جانی کو اس حال میں چھوڑ کر میں۔

فقیر حسین : (اس کا کندھا تھپکتا ہے) تم نے ٹھیک کیا ہے بیٹا .... وظیفہ تو پھر بھی مل سکتا ہے ...

نیلم : خالد بھائی تو جہاز میں بیٹھنے والے تھے۔ DEPARTURE LOUNGE میں اطلاع ملی تھی ان کو...

(دروازے پر اختر عابد کو لے کر آتا ہے نیلم اسے دیکھ کر رک جاتی ہے تیزی سے اس کی طرف جاتی ہے .... سب مڑ کر دروازے کی طرف دیکھتے ہیں۔ اپنی اپنی جگہ سے اٹھتے ہیں۔ عابد تیزی سے آ کر احمد کے سینے سے لگتا ہے)

عابد : آپ کو کیا ہوا ڈیڈ۔

احمد : (اسے پیار کرتے ہوئے) کچھ نہیں بیٹا .... ایسے ہی طبیعت ذرا کچھ .... (اس کے ماتھے پہ بندھی ہوئی پٹی دیکھتا ہے) تم۔ تم تو ٹھیک ہو نا۔

عابد : (بالکل ڈیڈ۔ (ماں سے پیار لیتا ہے نیلم اس کے ساتھ لگی کھڑی ہے خالد سے گلے ملتا ہے) اختر کے دوستوں نے میری جان بچائی ہے۔

فقیر حسین : اختر کے دوستوں نے۔

(عابد کو گلے سے لگا کر پیار کرتا ہے)

عابد : یس انکل۔ وہی لوگ مجھے سردار جہانگیر کی حویلی سے نکال کر یہاں لائے ہیں۔

اختر : (فقیر حسین کی سوالیہ نظروں کے جواب میں بولتا ہے) وہ میرے دوست ہیں نا ابو، رفیق صاحب۔

فقیر حسین: ہاں۔ ہاں۔ انہیں تو میں اچھی طرح جانتا ہوں ۔۔۔ کئی بار تو ملے ہیں۔

اختر: عابد انہی کا ذکر کر رہا ہے۔

احمد: خدا اسے خوش رکھے بیٹا اور تمہیں بھی ۔۔۔۔

(دوبارہ عابد کو گلے سے لگا کر پیار کرتا ہے)

سلمیٰ: (اپنی آنکھیں پونچھتی ہوئی مسکراتی ہے۔ دونوں کے کندھوں پر محبت سے ہاتھ رکھتی ہے۔ احمد کو دیکھے کرتی ہے) اچھا اب آپ آرام سے لیٹ جائیں۔۔۔۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا تھا ۔۔۔۔

احمد: کمال کرتی ہو تم بھی سلمیٰ۔ میرا بیٹا مجھے مل گیا ہے۔ اب مجھے کچھ نہیں ہوگا۔ بے شک یہ سب دوائیاں اٹھا کر باہر پھینک دو۔

فقیر حسین: (مسکراتے ہوئے) بچپن سے تمہارا یہی حال ہے۔ غصے اور خوشی دونوں میں تم آپے سے باہر ہو جاتے ہو۔ عقل جواب دے جاتی ہے تمہاری۔

(دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر ہنس پڑتے ہیں)

سین نمبر ۱۰

آؤٹ ڈور

(چلتی ہوئی موٹر کار میں تمکین اور جمال آپس میں باتیں کر رہے ہیں۔ جمال بہت خوش ہے)

جمال: سچ پوچھو تو مجھے اب تک یقین نہیں آرہا کہ تم ۔۔۔۔ کہ میری قسمت اتنا بڑا خزانہ بھی لکھا تھا۔

تمکین: کون سا خزانہ۔

جمال: تم ۔۔۔۔ تم کسی خزانے سے کم ہو۔ کیا!

تمکین: (مسکراتے ہوئے) لیکن یاد رکھنا ہر خزانے کا ایک محافظ سانپ ہوا کرتا ہے۔

جمال: ہاں مگر یہ سانپ ان لوگوں کو ڈستا ہے جو خزانے کے حقدار نہیں ہوتے۔

تمکین: اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم ہو۔

جمال: ایک دفعہ نہ کہہ کر دیکھو۔ ابھی چلتی گاڑی سے چھلانگ لگا کر جان دے دوں گا۔

تمکین: (بریک لگا کر گاڑی روکتی ہے) ارے۔ ارے۔ ارے۔۔۔ یہ کیا کر رہے ہو۔

جمال: اپنے دعوے کا ثبوت دینا چاہ رہا تھا۔

تمکین: مگر میں نے "نہ" کب کہا ہے۔ (شرما کر مسکراتی ہے) آؤ۔

جمال: کہاں۔

تمکین: کتنا اچھا منظر ہے۔ جی چاہتا ہے اسے کیمرے میں محفوظ کر لوں۔ تصویر اتار لیتے ہو نا۔

جمال: ہاں کیوں نہیں۔ مگر ۔۔۔۔ (اس پر وہ منظر آ دہوتا ہے جس میں اس نے انیسہ کے ساتھ تصویریں

بنائی تھیں۔ کہیں اور چلتے ہیں۔

تمکین : منظر یہ اچھا ہے۔ تصویریں کہیں اور بناتے ہیں۔ معاف کرنا خاصی بے وقوفی کی بات کی ہے تم نے...

(... سائیڈ کا دروازہ کھولتی ہے) اب اُترو بھی آؤ۔

جمال : (ہچکچاتے ہوئے اترتا ہے) اچھا۔ مگر .... آؤ۔

سین نمبر ۱۱

آؤٹ ڈور

(تمکین اسی انداز میں کیمرے کا TIMER لگا کر اپنی اور جمال کی تصویر کھینچتی ہے۔ جیسے جمال نے انیسہ کے ساتھ بنائی تھی۔ جمال کے چہرے پر سنجیدگی ہے تصویر اترنے کے بعد تمکین اس کی طرف دیکھتی ہے)

تمکین : کس سوچ میں ہو۔

جمال : کسی میں بھی نہیں۔ (زبردستی ہنستا ہے) کیا بات ہے۔

تمکین : موڈ کچھ آف سا ہے تمہارا... لگتا ہے میرے ساتھ گھومنا تمہیں پسند نہیں آیا۔

جمال : نہیں تمکین ایسی کوئی بات نہیں.... دراصل میرے سینے پر ایک بہت بڑا بوجھ ہے۔ ایک کھٹک سی رہتی ہے ہر وقت دل میں۔ کاش مجھے تم سے محبت نہ ہوتی۔

تمکین : (حیرت سے اس کی طرف دیکھتی ہے) بہت خوب۔

جمال : ہاں تمکین — میری سمجھ میں نہیں آتا نہیں کس طرح بتاؤں.... عجیب الجھن میں پڑ گیا ہوں۔

تمکین : کاش تم میری امی سے ملے ہوتے (جمال کا REACTION) میرا مطلب ہے اچھی طرح.... وہ ہر الجھن کا حل منٹوں میں نکال لیتی تھیں۔ (چٹکی بجاتی ہے) یوں۔

جمال : اس بات کا تعلق بھی۔

تمکین : (اس کی بات جان بوجھ کر ٹالتی ہے) دیکھو جمال.... اس وقت میں صرف اپنے اور تمہارے بارے میں باتیں کرنا چاہتی ہوں... اس موسم اور ماحول کی طرح خوبصورت باتیں۔

جمال : (چند لمحے کچھ سوچتا ہے پھر اپنے آپ پر قابو پا کر ایک دم مسکراتا ہے) ٹھیک ہے، تمہاری مرضی آؤ۔ کسی پرسکون سی خاموش جگہ پر چلتے ہیں.... میرے پاس تمہارے لیے ایک چیز ہے

تمکین : اس شہر میں اس سے خوبصورت جگہ کوئی ہے؛

جمال : باتوں میں تم سے کوئی نہیں جیت سکتا۔ لاؤ اپنی گاڑی کی چابی دو۔

تمکین : (چابی دیتے ہوئے، مذاق کے انداز میں بولتی ہے) مجھے چھوڑ کر بھاگنے کا ارادہ تو نہیں۔

(جمال جاتا ہے تمکین ایک دم سنجیدہ سی ہو کر اس کی طرف دیکھتی ہے۔

سین نمبر ۱۲

دتمکین کی کار سڑک کے کنارے کھڑی ہے جمال اس کا دروازہ کھول کر پچھلی سیٹ سے
اپنا بریف کیس اٹھا کر آگے رکھتا ہے اس میں سے ایک انگوٹھی کی ڈبیا نکالتا ہے
مسکرا کر اسے جیب میں رکھتا ہے بریف کیس پچھلی سیٹ پر پھینکتا ہے ڈیش بورڈ کے
اوپر اس کی عینک اور تمکین کا پرس رکھے ہیں ایک نظر باہر سورج کی طرف دیکھتا
ہے پھر اپنی عینک اٹھاتا ہے۔ عینک کے ساتھ تمکین کا پرس نیچے گرتا ہے اور
کھل جاتا ہے پرس میں سے اور چیزوں کے ساتھ تصویریں بھی نکل کر بکھر جاتی ہیں
جمال غیر ارادی طور پر تصویریں اٹھاتا ہے لیکن انہیں دیکھ کر سکتے میں رہ جاتا ہے
اس کے دماغ پر جیسے ہتھوڑے سے بجتے ہیں۔ پاگلوں کی طرح تصویریں دیکھتا ہے
سخت حیرت کے عالم میں چہرہ اٹھاتا ہے شدید کشمکش اور غم میں کار کی کھڑکی سے تمکین
کی طرف دیکھتا ہے)

19

کردار

• فقیر حسین • اختر • سعیدہ • احمد علی • خالد • سلمیٰ • نیلم • عابد • رفیق
• سلامت • ریاست • جہانگیر • تاجدین • جمال • تمکین • حسینہ • سمیع
• یٰسین • شہناز • عورت • مرد • ڈرائیور • چند آدمی۔

سین نمبر ۱

(ایس پی کا آفس)

سمیع : آپ نے بہت اچھا کیا ہے سعیدہ بہن جو انہیں میرے پاس لے آئی ہیں۔ قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے سے مسئلے کبھی حل نہیں ہوتے.... الجھتے چلے جاتے ہیں۔

سعیدہ : میں نے بھی انہیں یہی کہا ہے سمیع بھائی۔

سمیع : سردار جہانگیر کا سارا اثر ورسوخ اور دولت اب مل کر بھی اسے نہیں بچا سکتے۔ عابد کا اغوا اور رفیق کے خاندان کی تباہی میں اس کا ملوث ہونا ایسے جرائم نہیں ہیں جن پر معمولی سزا دی جائے۔

رفیق : سزا نہیں ایس پی صاحب.... اس کے ہاتھوں پر اتنے لوگوں کا خون ہے کہ اسے دس دفعہ پھانسی دی جائے تب بھی کم ہے۔

سمیع : آپ فکر نہ کریں۔ قانون اسے اس کے جرم کی پوری سزا دے گا۔ ہمیں پتہ چل گیا ہے کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔ اب وہ بچ کے نہیں جا سکتا۔

رفیق : کیا میں آپ کے ساتھ چل سکتا ہوں۔

سمیع : نہیں۔ آپ کا ہمارے ساتھ جانا نہ تو ممکن ہے اور نہ مناسب۔ آپ سعیدہ بہن کے ساتھ جائیں اور باقی لوگوں کے ساتھ وہیں رہیں۔

رفیق : لیکن.... جناب...

سعیدہ : سمیع بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں رفیق صاحب۔ اب یہ قانون اور سردار جہانگیر کا معاملہ ہے۔ آپکو درمیان میں سے بالکل ہٹ جانا چاہیئے۔ آیئے آپ میرے ساتھ۔

(رفیق پریشان سا ہو کر اس کی طرف دیکھتا ہے اور جانے کے لیے مڑتا ہے)

سمیع : یہ پستول مجھے دے دیجئے۔ آپ کے پاس اس کا ہونا خطرے سے خالی نہیں۔

(رفیق چونک کر اس کی طرف دیکھتا ہے اور اپنے کرتے کے نیچے پستول کو چھپاتا ہے)

رفیق : آپ کو کیسے پتہ چلا؟

سمیع : (مسکراتے ہوئے) میں پولیس کی نوکری کرتا ہوں رفیق صاحب اسلحے کو اس کی خوشبو سے پہچان لیتا ہوں۔

(رفیق ایک طرف ہو کر کرتے کے نیچے سے پستول اور پیٹی کھول کر ایس پی کی میز پر رکھتا ہے)

رفیق : اگر اُسے گولی مارنے کی نوبت آئے۔ ایس پی صاحب تو اس پستول سے ماریئے گا۔

(سعیدہ حیرت۔ تعریف اور غم کے انداز میں اس کی طرف دیکھتی ہے)

سین نمبر ۲

احمد علی کا گھر۔

(احمد علی آنکھیں بند کیے لیٹا ہے۔ اس کے قریب فقیر حسین ایک کرسی پر سو رہا ہے ایک کونے میں نیلم اور اختر کسی بات پر بحث کر رہے ہیں۔)

نیلم : دیکھیے۔ آدمی کو جس بات کا پتہ نہ ہو اس میں ٹانگ نہیں اڑانی چاہیے۔

اختر : معاف کرنا یہ تم آرٹسٹ لوگوں میں بڑی خرابی ہے جب تم لوگوں سے کسی سوال کا جواب نہیں بن پڑتا تو طعنوں پر اتر آتے ہو۔ لوگوں کو جہالت اور بے عقلی کا الزام دینے لگتے ہو۔

نیلم : بات جہالت اور بے عقلی کی نہیں ہے جناب — ٹریننگ کی ہے۔ اب اگر آپ کو موسیقی کی سمجھ نہ ہو تو اس میں گانے والے کا کیا قصور ہے۔

اختر : جس گانے میں کچھ ہوتا ہے وہ سمجھ میں آجاتا ہے۔

خالد : (دروازے میں رک کر چند لمحے ان کی گفتگو سنتا ہے پھر مسکراتا ہوا آگے بڑھتا ہے) کیا ہو رہا ہے بھئی۔ کیوں جھگڑ رہے ہو۔

اختر : کچھ نہیں خالد بھائی۔ یہ نیلم مجھے اپنی کچھ PAINTINGS دکھا رہی تھی۔ میں نے ایسے ہی ایک دو معمولی سے اعتراض کر دیے ہیں۔ اُس وقت سے جھگڑ رہی ہے۔

نیلم : معمولی سے اعتراض! آپ تو انہیں سرے سے آرٹ ہی ماننے کو تیار نہیں ہیں۔

اختر : (مسکراتے ہوئے) ہاں۔ بس۔ اور کیا کیا ہے میں نے۔

(نیلم غصے سے اس کی طرف دیکھتی ہے)

خالد : اچھا دیکھو اگر تم لوگوں کو بحث کرنی ہے تو کسی اور کمرے میں چلے جاؤ۔ بابا جانی اور انکل سو رہے ہیں ان کی نیند خراب ہو جائے گی۔

احمد : (آنکھیں کھولتے ہوئے) میں تو نہیں سو رہا۔ مزا لے رہا ہوں ان کی باتوں کا۔

فقیر حسین : (آنکھیں کھولتے ہوئے) سویا میں بھی نہیں ہوں۔

(سب ہنس پڑتے ہیں)

بھئی اختر بیٹا تمہیں نیلم سے ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ فنکار کا دل بہت نازک ہوتا ہے۔

اختر : اور دماغ؟

نیلم : (پیر پٹختے ہوئے) اختر بھائی۔ بس آج سے میری آپ کی بول چال بند۔ میں جا رہی ہوں۔

احمد : (مسکراتے ہوئے) ارے ارے۔ ارے بات تو سنو۔

(نیلم منہ پھیر کر جاتی ہے۔ سلمیٰ آتی ہے)

سلمیٰ : (حیران سی ہو کر) یہ نیلم کو کیا ہوا ہے۔

فقیر حسین : (اختر کی طرف اشارہ کر کے) اس بے وقوف نے اسے ناراض کر دیا ہے.... چلو مسکرا دو اُسے....

خالد : اب تو وہ مشکل ہی آئے گی۔ غصے کی بڑی حساب ہے۔

(کانوں کو ہاتھ لگاتا ہے۔)

توبہ توبہ....

فقیر حسین : (اختر سے) جاؤ معافی مانگو اس سے۔

سلمیٰ : رہنے بھی دیں بھائی صاحب۔ ایسی بھی کیا بات ہے۔ تم بیٹھو اختر بیٹے۔

احمد : بھئی خالد میاں تم نے خوامخواہ بیچ میں آ کر مزا خراب کر دیا۔ اتنا مزا آ رہا تھا مجھے دونوں کی باتوں کا۔ یہی چھوٹے چھوٹے جھگڑے تو حسن ہیں زندگی کا۔ جی چاہتا تھا وقت یہیں رک جائے۔

فقیر حسین : (ہنستے ہوئے) یعنی تم گھر میں مستقل جھگڑا دیکھنا چاہتے ہو۔

احمد : نہیں فقیر حسین۔ میں چاہتا ہوں کہ ہم دونوں۔ یہ خاندان۔ سدا کے لیے....

سلمیٰ : (خوشی میں احمد کا شانہ پکڑتی ہے) سچ۔ (احمد مسکراتا ہے)

سین نمبر ۳

تمکین کا گھر۔

(کیمرہ کچھ فائلوں، چیک بکوں اور کاغذات وغیرہ سے PAN کرتا ہوا جمال پر آتا ہے جو سنگین چہرے کے ساتھ دیوار پر لگی ہوئی انیسہ کی تصویر دیکھے جا رہا ہے۔ دروازہ کھلنے کی آواز آتی ہے جمال مڑ کر نہیں دیکھتا۔ تمکین اندرونی کمرے سے آ کر اس کے قریب کھڑی ہوتی ہے۔ چہرے پر مسکراہٹ لا کر بولتی ہے)

تمکین : تم۔ اس وقت۔ آؤ بیٹھو۔

جمال : (مڑے بغیر) میں بیٹھنے کے لیے نہیں آیا....

(تمکین کہتے کہتے رک جاتا ہے)

مس تمکین....

تمکین : بہت خوب۔ تو اب میں مس تمکین ہو گئی ہوں۔ آج صبح تو تم کچھ اور کہہ رہے تھے۔

جمال : صبح مجھے اصلیت کا پتہ نہیں تھا۔ مس تمکین۔

(اس کی طرف مڑتا ہے)

آپ کو شروع دن سے پتہ تھا کہ میں اور..... مسز امیہ...

تمکین : (بھولی بنتے ہوئے) آپ اور مسز امیہ.... کیا....؟

جمال : اب بننے سے کوئی فائدہ نہیں تمکین... میں جانتا ہوں تمہیں ساری بات کا علم ہے۔ لیکن شاید تمہیں علم نہیں کہ.... بہرحال اب اس کہانی کو چھیڑنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ تم یہ ناٹک میرے ساتھ اسی لیے کھیل رہی ہو نا کہ مجھے تباہ و برباد کر کے اپنی ماں کا انتقام لے سکو۔ تو لے لو۔ دنیا کی ٹھوکروں میں پھینکنا چاہتی ہو نا۔ پھینک دو۔ کر لو اپنی خوشی پوری۔

تمکین : (اس کی تقریر کے ابتدائی جھٹکے سے آہستہ آہستہ سنبھلتی ہے) تو تمہیں پتہ چل ہی گیا۔ لیکن جمال — میرا انتقام اتنی آسانی سے پورا نہیں ہوگا۔ تمہارا گناہ اتنا چھوٹا نہیں کہ اس کی اتنی معمولی سزا دی جائے۔

جمال : (تڑپ کر) کیا گناہ کیا ہے میں نے... تم نے پوری بات جانے بغیر یقین کر لیا ہے کہ میں نے تمہاری ماں کو دھوکا دے کر اپنی محبت کے — جھوٹی محبت کے جال میں پھنسایا تھا — اور میری بدسلوکی کی وجہ سے وہ مری ہے۔

تمکین : (سخت لہجے میں) ہاں۔

جمال : مگر یہ جھوٹ ہے۔ سراسر الزام ہے مجھ پر۔

تمکین : تم جیسے جھوٹے شخص سے اور کس جواب کی توقع کی جا سکتی ہے۔ لیکن مسٹر جمال تمہاری ایک ایک حرکت کا.... ایک ایک بات کا حساب میرے پاس موجود ہے۔

(ایک دراز سے ڈائری نکال کر اس کی طرف پھینکتی ہے)

یہ دیکھو۔

جمال : (ڈائری اٹھا کر چند سطریں پڑھتا ہے) تو یہ ہے تمہاری فرد جرم۔

تمکین : اور ثبوت چاہیئے۔

(ایک طرف سے پرس اٹھا کر کھولنے لگتی ہے)

جمال : رہنے دو۔ یہ میں دیکھ چکا ہوں۔

تمکین : (حیرت سے) دیکھ چکے ہو؟

جمال : ہاں تمکین۔ ان چیزوں کی موجودگی میں تمہیں میری بات کا یقین نہیں آئے گا.... لیکن یقین جانو تم۔ میری

زندگی میں آنے والی پہلی عورت ہو جس سے میں نے پکے پنے محبت کی ہے۔

(تمکین بے اختیاری کا GESTURE دیتی ہے)

اگر تمہیں یقین نہیں آتا تو مت مانو ..... لیکن میں یہ بات تمہیں صرف اس لیے بتانا چاہتا ہوں کہ میں

ساری دنیا سے جھوٹ بول سکتا ہوں تم سے نہیں۔

تمکین : بہت خوب۔ (طنزیہ ہنسی) یہ میری ماں کا قاتل بول رہا ہے۔

جمال : (تڑپ کر) مت ہنسو ایسے مجھ پر..... تمہاری ماں کو میں نے قتل نہیں کیا۔ اگر اس نے خود اپنے دل میں

کوئی داستان بنالی تھی تو اس کا ذمہ دار مجھے کیوں ٹھہرایا جا رہا ہے۔ میں نے کب کہا تھا کہ میں اس سے

محبت کرتا ہوں۔

تمکین : (میز سے جمال کی پھینکی ہوئی ڈائری اٹھاتے ہوئے) تاریخ دیکھ کر بتاؤں۔

جمال : یہ جھوٹ ہے تمکین۔ میں نے انیسہ سے میل جول بڑھایا تھا اور یہ بھی صحیح ہے کہ ایسا میں نے اپنی ایک

غرض کے تحت کیا تھا۔ مجھے پتہ تھا کہ میں کمینی حرکت کر رہا ہوں لیکن اس وقت میرے پاس کوئی راستہ

کوئی WAY OUT نہیں تھا۔ لیکن خدا کی قسم میں نے کبھی نہیں چاہا تھا کہ وہ مر جائے۔

تمکین : آگ لگا کر کہتے ہو کہ تم دھوئیں کے ذمہ دار نہیں۔ ہوا روک کر کہتے ہو کہ خوشبو کی موت میں تمہارا ہاتھ نہیں۔

تم کس قسم کے آدمی ہو جمال؟

جمال : میں نے جب محسوس کیا کہ وہ مجھے زیادہ پسند کرنے لگی ہے مجھ سے شادی کا سوچ رہی ہے تو میں نے ایک

شریف آدمی کی طرح اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ میں .....

تمکین : کہ تم اس سے شادی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اب تمہارا کام نکل چکا ہے۔ تمہاری اس سے کوئی غرض وابستہ نہیں

رہی۔

جمال : (التجا آمیز انداز میں) نہیں تمکین نہیں۔ میری بات کا یقین کرو۔ مجھے اپنے دل سے اپنی دنیا سے نکال

دو لیکن مجھے اتنا گھٹیا اور ذلیل نہ سمجھو۔ میں اپنی نظروں سے گر چکا ہوں تمکین۔ تم مجھے اپنی نظروں سے نہ گراؤ۔

یہ تو موت سے بھی بڑی سزا ہے۔

تمکین : اسی لیے تو میں تمہیں زندہ رکھنا چاہتی ہوں جمال۔

جمال : (چند لمحے اس کی طرف دیکھتا ہے پھر شکست خوردہ لہجے میں بولتا ہے) تو تمہیں یقین نہیں آیا۔ ٹھیک

ہے۔ شاید مجھے یہ سزا ملنی ہی چاہیئے۔ تمہارا خیال ہے کہ میں نے دولت کی وجہ سے تمہاری ماں کو دھوکا

دیا ہے ــــــــــ

(میز کی طرف اشارہ کر کے)

تو یہ پڑی ہے وہ تمام دولت۔ میرا گھر۔ فیکٹری۔ بنک بیلنس۔ (چابی میز پر پھینک کر) موٹر۔ سب کے

کاغذات ہیں ان میں۔ تمہارے نام۔ میں جا رہا ہوں۔ تم مجھے دربدر ہوتا دیکھنا چاہتی ہو نا۔ میں تمہاری یہ

آرزو بھی ضرور پوری کروں گا۔

(چند لمحے رک کر دیکھتا ہے جاتا ہے تمکین حیرت سے اس کی طرف دیکھتی ہے)

سین نمبر ۴

احمد علی کا گھر

(سلمیٰ احمد علی کو کمبل اوڑھا رہی ہے)

فقیر حسین: آپ۔ آپ سو جائیں بھابی۔ میں ہوں احمد علی کے پاس۔

سلمیٰ: نہیں بھائی صاحب۔ چار راتوں سے آپ جاگ رہے ہیں۔ آپ جا کر سوئیے۔ میں رہوں گی یہاں۔

احمد: سلمیٰ ٹھیک کہہ رہی ہے فقیر حسین۔ میں اب ٹھیک ہوں۔ تم جاؤ، آرام کرو۔

فقیر حسین: تمہیں یاد ہے احمد علی۔ میٹرک کے امتحان میں ہم دونوں گھر کی چھت پر چڑھ کر ساری ساری رات پڑھا کرتے تھے.... کیسے کیسے طریقے نکالے تھے ہم نے جاگتے رہنے کے لیے.... مجھے ایسا لگتا ہے جیسے وہ زمانہ پھر واپس آگیا ہے۔

احمد: (فقیر حسین سے یاد کرنے کے انداز میں) وہ کیا نظم تھی LONG FELLOW کی۔

FOOT PRINTS ON THE SAND OF TIME -

سلمیٰ: کیا؟

احمد: کچھ نہیں۔ ایک نظم کی بات کر رہا تھا۔

سلمیٰ: اچھا۔

(جاتی ہے یٰسین ایک پلیٹ میں دودھ کا گلاس لے کر آتا ہے۔ اور میز پر رکھتا ہے)

احمد: یہ کھڑکی کھول دو فقیر حسین۔ کئی سال ہو گئے ہیں۔ چاندنی رات نہیں دیکھی۔

فقیر حسین: کھڑکی تو میں کھول دیتا ہوں لیکن چاند کی تو ابھی ابتدائی تاریخیں ہیں۔

احمد: اچھا پھر رہنے دو۔

(دروازے کی گھنٹی بجتی ہے)

احمد: یٰسین۔ دیکھو کون ہے؟

(یٰسین جاتا ہے)

مجھے تو وقت کا حساب ہی نہیں رہا فقیر حسین۔

فقیر حسین: (ہنستے ہوئے) تمہیں اور حساب کتاب سے فرصت ملتی تب نا۔

یٰسین: (آتے ہوئے) سردار صاحب آئے ہیں جی۔

احمد: (گھبرا کر اٹھنے کی کوشش کرتا ہے) کون۔ سردار جہانگیر۔

(ڈیٹین اثبات میں سر ہلاتا ہے)

وہ یہاں؟

فقیر حسین، تم بیٹھو۔ میں اس سے بات کرتا ہوں۔

احمد : نہیں فقیر حسین ——————

(ایک دم جہانگیر کو دروازے میں دیکھ کر رک جاتا ہے۔ جہانگیر مسکراتا ہوا آتا ہے۔)

جہانگیر : السلام علیکم۔ کیسی طبیعت ہے سائیں۔ تمہارا ملازم مجھے ادھر ڈرائینگ روم میں بٹھا رہا تھا.... میں نے کہا نہیں میری طبیعت بے چین ہو رہی ہے۔ پہلے میں اپنے سجن کا حال معلوم کروں۔

احمد : (شدید غصے میں) تم۔ تم یہاں کیوں آئے ہو۔

جہانگیر : آرام سے سائیں۔ آرام سے۔ ہارٹ اٹیک کے بعد دل پر زیادہ زور نہیں ڈالنا چاہیئے۔ رک جائے تو پھر چلتا نہیں ہے یہ....

احمد : میں پوچھتا ہوں تم کیا لینے آئے ہو یہاں۔

(فقیر حسین اسے اٹھنے سے روکتا ہے)

جہانگیر : میں نے کہا تھا نا سائیں کہ ہم گاؤں والے پرانے خیال کے لوگ ہوتے ہیں۔ جس کا ہاتھ ایک دفعہ پکڑ لیں پھر چھوڑتے نہیں سائیں۔

احمد : تم ایسے نہیں مانو گے۔

(فون کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے تیزی سے نمبر گھماتے ہوئے بولتا ہے)

اب پولیس ہی تم سے سمجھے گی۔

جہانگیر : (مسکراتے ہوئے) ہاں سائیں۔ شاباش۔ بلاؤ پولیس کو.... لیکن وہاں وہ لوگ تمہیں ہسپتال میں نہیں رکھیں گے۔ کبھی جیل گئے ہو سائیں۔

(احمد کچھ سوچ کر ایک دم رک جاتا ہے۔ ریسیور ہاتھ میں رکھتے ہوئے فون ڈسکنکٹ کرتا ہے۔ جہانگیر مسکراتا ہے)

احمد : اوہ۔ ڈیم اٹ۔

جہانگیر : جنگ اور جھڑپ میں فرق ہوتا ہے سائیں۔

WAR IS ALWAYS BIGGER THAN A BATTLE

عابد کے نکل آنے سے یہ مت سمجھو کہ تم نے مجھے شکست دے دی ہے.... میرے ترکش میں ابھی بہت سے تیر ہیں۔ لیکن میں اب بھی تمہیں موقع دے سکتا ہوں۔ میرا وکیل....

احمد : (چیخنے کے انداز میں) نہیں۔ نہیں۔ نہیں۔

فقیر حسین: (احمد کو تسلی دے کر لٹانے کی کوشش کرتا ہے) آہستہ احمد آہستہ ..... تم لیٹو آرام سے۔ میں ان سے بات کرتا ہوں۔

جہانگیر: آپ کی تعریف سائیں۔

فقیر حسین: تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو سردار جہانگیر۔ میں تمہارا قیدی رہ چکا ہوں۔

جہانگیر: (دینین سے) تم جاؤ پتر۔ تمہاری ضرورت نہیں ہے یہاں۔

(دینین کو جاتے ہوئے دیکھتا ہے مڑتا ہے اب اس کی آواز میں تبدیلی ہے اور مسکراہٹ بھی غائب ہے)

میرا خیال ہے سائیں۔ بات کھلی کھلی ہی کریں۔

فقیر حسین: احمد علی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ اس کے سامنے میں تمہیں کوئی ایسی بات کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا جس سے اس کے دل پر اثر پڑے۔ مجھ سے بات کرو۔

جہانگیر: آرام سے سائیں آرام سے۔ شابش شابش۔ تم تو بڑے غصے میں لگتے ہو۔ غصے میں تو آدمی کا دماغ بھی ٹھیک سے کام نہیں کرتا۔

فقیر حسین: میرا دماغ تم سے بہتر حالت میں ہے۔

(جہانگیر کو بیٹھنے سے روکتا ہے)

یہاں نہیں بیٹھو۔ اُدھر دوسرے کمرے میں آکے بات کرو۔ آؤ، شاباش۔

(جہانگیر حیرت سے اس کی طرف دیکھتا ہے۔ سنگدلی سے مسکراتا ہے)

جہانگیر: اچھا سائیں آؤ تم سے ہی کریں پہلے بات۔

احمد: (گھبرائے ہوئے انداز میں) فقیر حسین۔

(اٹھنے کی کوشش کرتا ہے)

فقیر حسین: تم لیٹے رہو احمد علی۔ آؤ میاں۔

سین نمبر ۵

احمد علی کا ڈرائنگ روم یا کوئی کمرہ

(جہانگیر چند لمحے فقیر حسین کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتا ہے۔ فقیر حسین نظر نہیں ہٹاتا۔)

جہانگیر: (مسکرا کر) تم بیچ میں کیوں آرہے ہو سائیں۔

فقیر حسین: احمد علی میرا بھائی ہے۔

جہانگیر: تمہیں پتہ ہے سائیں میں نے تمہیں کس کے کہنے پر اٹھوایا تھا؟

فقیر حسین: پتہ ہے۔

جہانگیر: (ایک لمحہ کے لیے رکتا ہے) اور یہ بھی کہ تمہیں نوکری سے کس نے نکلوایا تھا۔

فقیر حسین: ہاں۔

جہانگیر: پھر تو تمہیں یہ بھی پتہ ہو گا سائیں کہ .....

فقیر حسین: دیکھیے سردار صاحب۔ احمد علی نے میرے ساتھ کیا کیا ہے اور کیا نہیں۔ یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے آپ اس سلسلے میں معلومات فراہم کرنے کی تکلیف گوارہ نہ کریں۔ آپ نے کبھی اپنے بارے میں بھی سوچا ہے کہ آپ کیا ہیں اور کیا کرتے پھرتے ہیں۔

جہانگیر: بہت سوچا ہے سائیں۔ ہر وقت سوچتا رہتا ہوں۔ اسی لیے تو اس وقت یہاں آیا ہوں..... عابد اگر وہاں سے نکل آیا ہے سائیں تو اس کا یہ مطلب مت سمجھو کہ میرے ہاتھ ٹوٹ گئے ہیں۔ میں جو کام ایک دفعہ شروع کرتا ہوں نا سائیں اُسے ہر قیمت پر ختم کرتا ہوں۔ احمد علی نے مجھے دھوکا دیا ہے سائیں۔ اور میں دھوکے باز کو کبھی معاف نہیں کرتا۔

فقیر حسین: اور تم خود کیا ہو۔ کیا تم دھوکے سے عابد کو اپنے علاقے میں نہیں لے گئے تھے۔

جہانگیر: یہ تمہیں کس نے بتایا سائیں۔ عابد میتر تو وہاں شکار کے لیے گیا تھا۔ شکار کا موسم نہیں تھا آ گیا ہو گا واپس۔

فقیر حسین: وہ صرف واپس ہی نہیں آیا۔ پولیس کے پاس بھی پہنچ چکا ہے۔ اب تمہیں اپنے گناہوں کی قیمت دینی پڑے گی۔ قانون تمہیں نہیں چھوڑے گا۔

جہانگیر: کس بات کی قیمت سائیں۔ الزام لگانے اور اسے ثابت کرنے کے درمیان بڑا فاصلہ ہوتا ہے سائیں۔ شہادتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ثبوت چاہیے ہوتے ہیں۔ لیکن اگر میں تمہاری جگہ ہوتا نہ سائیں تو کبھی ایسی حماقت نہ کرتا۔ زندگی اور موت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے نا سائیں۔

فقیر حسین: میرا تو یہی ایمان ہے مگر جس انداز میں تم دھمکی دے رہے ہو مجھے یوں لگتا ہے جیسے تمہیں اس پر یقین نہیں ہے۔

جہانگیر: (غصے سے اس کی طرف دیکھتا ہے) دیکھو سائیں لمبی بات کی عادت نہیں ہے۔ احمد علی میرا مطالبہ پورا کر دے تو میں باقی باتیں بھول جاؤں گا۔ سمجھوں گا کہ کچھ ہوا ہی نہیں..... لیکن ضدی طبیعت کے آدمی مجھے اچھے نہیں لگتے — میرے رستے میں رکتے نہیں، وہ زیادہ دیر تک۔

فقیر حسین: پتہ نہیں تم کون سی دنیا میں رہتے ہو۔ کیا سمجھتے ہو تم اپنے آپ کو۔ خدا کا قانون تو بہت بڑی چیز ہے سردار جہانگیر تم اس کے بندوں کے بنائے ہوئے قانون سے بھی نہیں بچ سکتے۔ اس وقت سے ڈرو سردار جہانگیر جب تم کٹہرے میں ہاتھ باندھے کھڑے ہو گے اور تمہارے کیے ہوئے تمام ظلم تمہاری ہتھکڑی کی کڑیوں میں بدل جائیں گے۔

جہانگیر: تمہاری زبان بہت لمبی ہے فقیر حسین۔ جن کی لڑکیاں جوان ہوں انہیں احتیاط سے بات کرنی چاہیے زبان

دانتوں کے نیچے لے کر نظریں جھکا کر بات کرنی چاہیے سائیں۔

فقیر حسین : معلوم ہوتا ہے تمہاری کوئی بیٹی نہیں ہے۔

(جہانگیر کا چہرہ غصے سے سرخ ہو جاتا ہے۔ گھور کر فقیر حسین کی طرف دیکھتا ہے)

فقیر حسین : میرا اور میری بیٹی کا نگہبان اللہ ہے۔ ہر ظلم کی ایک میعاد ہوتی ہے سردار جہانگیر .... تقدیر ہمیشہ ڈھیل نہیں دیتی۔ تمہارے ظلم کی میعاد ختم ہو چکی ہے جاؤ۔ اس مولا سے معافی مانگو۔ توبہ استغفار کرو جاؤ۔ جاؤ۔ شاباش۔

(جہانگیر کے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہے جہانگیر اس کا ہاتھ کندھے سے ہٹاتا ہے اور مڑ کر جاتا ہے)

جہانگیر کے جانے کے بعد جب فقیر حسین مڑتا ہے تو احمد علی اندرونی کمرے کے دروازے میں کھڑا ہے۔ اس کے چہرے سے ظاہر ہوتا ہے جیسے اس نے دونوں کی باتیں سنی ہیں۔ فقیر حسین تسلی کے انداز میں اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہے۔ احمد علی کی آنکھوں میں ممنونیت کے آنسو آتے ہیں۔

سین نمبر ۶

تمکین کا گھر۔

(نیم تاریکی میں تمکین جمال کے چھوڑے ہوئے کاغذات کے سامنے خاموش بیٹھی ہے۔ لائٹ جلنے پر چونک کر دیکھتی ہے حسینہ لائٹ جلنے کے بعد کھانے کی ٹرے دوبارہ اٹھا کر اس کی طرف آتی ہے۔)

تمکین : نہیں حسینہ۔ میں کھانا نہیں کھاؤں گی۔ تم کھا کر سو جاؤ۔

(حسینہ کچھ کہنے کے لیے رکتی ہے پھر سر جھکا کر جاتی ہے۔ تمکین مختلف چیزیں بے خیالی میں اٹھا کر ادھر اُدھر رکھتی ہے۔ انگوٹھی کی ڈبیا پر نظر پڑتی ہے۔ چونک کر اس کی طرف دیکھتی ہے۔ کھول کر اپنے سامنے کرتی ہے۔ اس پر مختلف گزرے ہوئے سین F/S ہوتے ہیں۔ ان مختلف سینوں میں وہ اور جمال اکٹھے ہیں۔ یہ سین بغیر Audio کے چلتے ہیں۔ مگر آخری سین میں Audio بھی آن ہوتی ہے جس میں جمال کے بولے ہوئے سین نمبر ۳ کے کچھ جملے ایک دوسرے میں Mix ہوتے ہیں۔ بے اختیار ہو کر انگوٹھی میز پر رکھتی ہے۔ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی انیسہ کی تصویر کی طرف جاتی ہے۔ چند لمحے اس کی طرف دیکھتی رہتی ہے۔ دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ کر صوفے پر گر جاتی ہے)

سین نمبر ۷

سمیع کا دفتر

سمیع : آپ گھبرائیں نہیں بہن۔ میں نے آئی جی صاحب سے بات کر لی ہے۔ جو حالات ہیں ان کے پیشِ نظر مجھے پورا یقین ہے کہ سردار جہانگیر کوئی عملی قدم ضرور اٹھائے گا میں اسے رنگے ہاتھ پکڑنا چاہتا ہوں۔

سعیدہ : لیکن سمیع بھائی، یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ وقتی طور پہ بالکل خاموش ہو کر بیٹھ جائے اور.....

اختر : جیسے سانپ بعض اوقات اپنی کنڈلی میں سر چھپا لیتا ہے۔

سعیدہ : آپ کو اسے موقع نہیں دینا چاہیئے۔

خالدہ : سعیدہ ٹھیک کہہ رہی ہے سمیع۔

سمیع : (مسکراتے ہوئے) سعیدہ ہی نہیں آپ سب ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ لیکن تھوڑا سا انتظار کر لینے میں کوئی ہرج نہیں۔ ایسے آدمی پر بہت سوچ سمجھ کر اور پکا ہاتھ ڈالنا چاہیئے۔

اختر : کہیں ہاتھ پکا کرتے کرتے مدعا نہ غائب ہو جائے۔

سمیع : نہیں ہوتا بھائی۔ تم فکر نہ کرو۔ بائی دی وے تم سب لوگ یہاں ہو۔ انکل کے پاس کون ہے؟

خالد : وہ آج گھر پہ نہیں ہیں۔

سمیع : گھر پہ نہیں ہیں۔ دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا؟ ارے بھائی ہارٹ اٹیک میں تو.....

خالد : انہوں نے ڈاکٹر سے اجازت لے لی ہے۔ بابا جانی، انکل فقیر حسین اور امی وہ گھر دیکھنے گئے ہیں جہاں ہم لوگ بچپن میں رہا کرتے تھے۔

اختر : بیماری میں آدمی ذرا زیادہ ہی جذباتی ہو جاتا ہے۔

سعیدہ : سنا ہے جب محمود غزنوی نے ایاز کو پنجاب کا گورنر بنایا تھا تو وہ بھی اپنی غلامی کے وقت کے کپڑے پہن کر جھونپڑی میں بیٹھا کرتا تھا تاکہ اچھے وقتوں میں برے دن بھول نہ جائیں۔ ویسے اچھی بات ہے ہو۔

خالد : ہاں۔ ہے تو۔

سین نمبر ۸

ایک معمولی درجے کے کوارٹر کا بیرونی حصہ۔

(مرد سائیکل پر کپڑا پھیر رہا ہے۔ عورت ایک پرانا سا ٹفن بند کرتے ہوئے آتی ہے)

عورت : (ٹفن کیریر پہ رکھتے ہوئے) اسے خود ہی کرو بند۔ مجھ سے تو نہیں ہوتا۔ کتنی مرتبہ کہا ہے... نیا ٹفن لے آؤ۔ اس میں تو کھانا رکھتے ہوئے بھی مجھے شرم آتی ہے۔

مرد : ٹفن خراب ہے تو کیا ہوا۔ پورے دفتر میں دھوم ہے تیرے کھانے کی۔ حرام ہے جو میرے حصے میں دو تین لقموں سے زیادہ آتا ہو۔ سب واہ واہ کرتے ہوئے چٹخارے لیتے ہوئے میرا ڈبہ صاف کرتے جاتے ہیں۔

عورت : (خوش ہو کر) اب تو میں زیادہ رکھتی ہوں سالن۔

مرد : اس سے کیا ہوتا ہے۔ وہاں تو ایسے ایسے کھانے والے ہیں کہ دیگوں کو بھی شرما دیں۔ پرسوں سپرنٹنڈنٹ

صاحب چکھنے چکھنے میں آدھا ڈبہ صاف کر گئے۔ (لاد کھا ڈبہ اٹھا کر اُسے سیٹ کرنے کی کوشش کرتا ہے)
اس کا کنڈا ٹوٹ گیا ہے۔ رسی باندھ دے اوپر سے۔

عورت: رسی۔ بہت بُری لگے گی۔

مرد: ہم کون سے رئیس ہیں جو شان میں فرق آجائے گا۔ سات گریڈ کے ملازمین ایسے ہی ہوتے ہیں۔

عورت: بچوں کے جوتے ضرور لیتے آنا آج۔ کل ان کے سکول کھلنے والے ہیں۔

(کیمرہ ... کر کے احمد علی کی موٹر پر جاتا ہے۔ جو کوارٹر کے ایک طرف کھڑی ہے جس میں
فقہ حسین ڈرائیور کے ساتھ اور احمد علی اور سلمیٰ پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہیں۔ ڈرائیور کے علاوہ
... دیکھ رہے ہیں۔ سلمیٰ دوپٹے سے آنسو پونچھتی ہے احمد علی دکھ
سے ... ہے)

احمد: ایسی ہی سائیکل تھی نا میری بھی۔

(سلمیٰ اثبات میں سر ہلاتی ہے پھر آنسو پونچھتی ہے)

فقہ حسین: ہاں احمد علی۔ مگر تمہارے خیالات بہت اونچے تھے۔

احمد: (دل آزردگی سے ہنستے ہوئے) بڑی نفرت تھی مجھے اس سائیکل سے۔

(مڑ کر دوبارہ کوارٹر کی طرف دیکھتا ہے۔ کیمرہ سائیکل کے پہیے پر زوم ان کرتا ہے
جس پہ فرہ سے ایک ٹھوکر پڑتی ہے۔ (... کر کے دکھاتے ہیں کہ احمد علی (بیس سال
پہلے) ٹھوکر مار کر سائیکل کو گراتا ہے)

احمد: پھر پنکچر۔ (زور سے آواز دیتا ہے) سلمیٰ۔

سلمیٰ: (جلدی سے گھبرائی ہوئی آتی ہے) جی۔ کیا ہوا۔

احمد: یہ تمہاری رولز رائس پھر پنکچر ہو گئی ہے۔ (گھڑی دیکھتے ہوئے) دفتر سے پہلے ہی دیر ہو رہی ہے۔

سلمیٰ: تو اب کیا ہو سکتا ہے۔ پنکچر لگوا لو۔ اور دفتر میں بتا دینا کہ اس لیے دیر ہو گئی تھی۔

احمد: (نقل اتارتے ہوئے) اور دفتر میں بتا دینا کہ اس لیے دیر ہو گئی تھی۔ وہاں تمہارے میرے رشتے
دار نہیں بیٹھے۔ افسر لوگ ہیں۔ بڑے آدمی ہیں۔ انہیں نہیں پتہ سائیکل کیسے پنکچر ہوتی ہے۔

سلمیٰ: اچھا اچھا ہر وقت انگارے ہی نہ چباتے رہا کرو۔ میں خالد کو بھیجتی ہوں وہ لگوا لاتا ہے پنکچر۔ تم اندر
چل کر بیٹھو۔

احمد: رہنے دے۔ اس سائیکل والے کے بھی پیسے دینے ہیں۔ خوامخواہ خالد سے کچھ کہہ دیا اس نے تو پھر مجھے
غصہ آجائے گا۔

سلمیٰ: تو کیوں کرتے ہو اتنا غصہ۔

احمد: تو اور کیا کروں۔ اور کیا کر سکتا ہوں میں۔

سلمیٰ : صبر کرو۔
احمد : خدا کے لیے سلمیٰ میں تمہارے ہاتھ جوڑتا ہوں .... تمہارے اس صبر نے ہی مجھے اس حال تک پہنچایا ہے۔ بس دعا کرو .... میری پروموشن ہو جائے او ورسیئر کی پوسٹ پر۔ پھر دیکھنا میں کیا کرتا ہوں۔
سلمیٰ : بھائی فقیر حسین کی طرف سے ہوتے آنا۔ سنا ہے سعیدہ کو خسرہ نکل آیا ہے۔ بھابی سے کہنا میں کل آؤں گی۔

(احمد پیڈل پر پاؤں رکھتا ہے۔ اپنے پاؤں سے X اا اگر تے ہیں۔ مرد سائیکل چلاتا ہوا ان کی کار کے قریب سے گزرتا ہے۔ فقیر حسین مڑ کر احمد کی طرف دیکھتا ہے۔)

احمد : سعیدہ کیسی ہے اب فقیر حسین۔

فقیر حسین : (حیرت سے) کیا!
احمد : سلمیٰ بتا رہی تھی کہ اسے خسرہ نکل آیا ہے اور (ایک دم رک جاتا ہے۔ دونوں ہاتھوں سے آنکھیں ملتا ہے) یہ گھر بہت تنگ تھا فقیر حسین۔
فقیر حسین : ہاں احمد علی .... مگر کبھی کبھی تو مجھے تمہاری کوٹھی اس کوارٹر سے بھی تنگ لگتی ہے۔

(دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں۔ احمد علی سر جھکا لیتا ہے)

سین نمبر ۹

تمکین کا دفتر۔

سعیدہ : تو اب کیا سوچا ہے آپ نے!
تمکین : میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ ایک ہلچل سی مچی ہوئی ہے میرے دماغ میں۔ اس لیے میں نے تمہیں بلوایا تھا کہ شاید۔ تمہارے چچا اب کیسے ہیں۔
سعیدہ : پہلے سے بہت بہتر ہیں۔
تمکین : (وقفے کے بعد بولتی ہے) سعیدہ کیا ایک جوا اور دھوکے باز شخص اپنے ہاتھوں سے ایک کروڑ کا جائیداد پر دستخط کر سکتا ہے۔
سعیدہ : نہیں مسز تمکین۔ میرا نہیں خیال کہ ....
تمکین : تو پھر۔ تو پھر۔ کیسے اس نے یہ سب کچھ چھوڑ دیا۔ اب اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے سعیدہ۔
سعیدہ : میں تو خود حیران ہوں۔ جمال صاحب تو .... مگر اب آپ کہہ رہی ہیں تو .... دراصل مسز تمکین انسان بڑی UNPREDICTABLE .... بڑی COMPLAX سی چیز ہے۔ ہو سکتا ہے۔ (رک کر) کس کی جو کر ہنستی ہے۔ سچ پوچھیے تو میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔
تمکین : پتہ نہیں کیوں مجھے بار بار ایسے لگ رہا ہے جیسے میں نے کوئی بہت بڑی زیادتی کی ہے۔ کوئی گناہ ہو گیا ہے مجھ سے۔ جھوٹ بولنے والے کی زبان میں اتنی تاثیر نہیں ہوتی .... نہیں ہونا چاہیے۔

سعیدہ : جی۔ شاید۔

تمکین : وہ میری ماں کا قا... سہی، مگر.... وہ مری تو اسی کی وجہ سے ہیں۔ میں ایسے آدمی کی محبت کا کیسے اعتبار کر سکتی ہوں۔

سعیدہ : محبت کا اعتبار کیا نہیں جاتا مس تمکین۔ ہو جاتا ہے خود بخود۔

تمکین : (تمکین ایک دم جیسے کسی خیال سے چونک کر اس کی طرف دیکھتی ہے بڑبڑاتی ہے) خود بخود۔

(سعیدہ اثبات میں سر ہلاتی ہے)

تمکین : میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں ۔

(ایک دم چونک کر سعیدہ کی طرف دیکھتی ہے)

اچھا سعیدہ تم بے شک چلو۔ رات ہو رہی ہے۔

سعیدہ : (اٹھتے ہوئے) جی.... اچھا۔

تمکین : (اپنی بداخلاقی کو محسوس کرتے ہوئے ایک دم معذرت کرتی ہے) معاف کرنا سعیدہ۔ میں دراصل اس وقت کچھ....

سعیدہ : (تسلی دینے کے انداز میں) مجھے پتہ ہے مس تمکین..... آپ بیٹھیں پلیز.....

(رحم انگیز نظروں سے اس کی طرف دیکھتی ہے)

میں صبح آؤں گی۔

(سعیدہ جاتی ہے۔ تمکین سر ہلاتی ہے۔ اس کے جانے کے بعد میز پر بکھری ہوئی جمال کی چیزوں کو دیکھتی ہے۔ بے خیالی میں انہیں الٹتی پلٹتی ہے۔ اٹھ کر کمرے میں بے مقصد چکر لگاتی ہے۔ انیسہ کی تصویر کے سامنے رکتی ہے۔ تصویر میں مسکراتی ہوئی انیسہ کا چہرہ آہستہ آہستہ BLUR ہوتا ہے۔ اور اس کی جگہ ایک انتہائی سنجیدہ اور قدرے شکائتی انداز کی تصویر ابھرتی ہے۔ تمکین دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھتی ہے۔

سین نمبر ۱۰۹ اے

جمال کا گھر

(کیمرہ نیم تاریکی میں بیڈ پر سر رکھے اور زمین پر بیٹھے ہوئے جمال پر اوپن ہوتا ہے۔ کمرے میں ایک طرف کیسٹ پلیئر پر گانا چل رہا ہے۔

"DON'T TELL ME ST... S."

فرش اور قالین پر ہر طرف سگرٹوں کے ٹکڑے بکھرے پڑے ہیں.......

INTERCUTING تمکین کو دروازے پر دستک دیتے ہوئے دکھاتے ہیں

مگر دروازہ کھلا ہے۔ تمکین چند لمحے سوچنے کے بعد دہلیز کے اندر پاؤں رکھتی ہے
CUT BACK کرکے جمال کے کمرے کے دروازے پر آتے ہیں۔ دروازہ اندر
کی طرف کھلتا ہے۔ روشنی کی لکیر کمرے میں آتی ہے۔ جمال اس سے بے خبر ہے۔ کیمرہ
اس کے چہرے پر رہتا ہے۔ اس نے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ اس پر کیسٹ کا بٹن
بند ہونے کی آواز نمایاں ہوتی ہے۔ گانا رکتا ہے۔ آہستہ سے آنکھیں کھول کر دروازے
کی طرف دیکھتا ہے جو نیم وا ہے۔ پھر گردن دوسرے کونے میں گھماتا ہے جہاں
تمکین کھڑی ہے۔ حیرت سے آنکھیں ملتا ہے سنبھل کر کھڑا ہوتا ہے تمکین اس اثنا میں کیسٹ
کو پلیئر سے نکالتی ہے۔ چند لمحے اس کی طرف دیکھتی ہے پھر آگے بڑھ کر اسے WASTE
BASKET میں ڈال دیتی ہے۔ جمال کے چہرے پر اُمید کی کرن اور مسکراہٹ آتی ہے
بے اختیار ہو کر اس کے قریب آتا ہے۔ تمکین ایک دم ایک طرف سے اس کی چیزیں اٹھا کر
اس کی طرف بڑھاتی ہے۔ جمال چونک کر اس کی طرف دیکھتا ہے۔)

تمکین مجھے ان سب کی ضرورت نہیں ہے۔

(جمال ہاتھ پیچھے کرتا ہے۔ تمکین چیزیں زمین پر گراتی ہے)

تمکین: اس سارے معاملے میں تمہارا قصور کیا تھا اور کیا نہیں۔ میں نہیں جانتی۔ لیکن تمہیں دیکھتے ہی ابی کا سایہ
میری آنکھوں میں گھوم جاتا ہے۔ میری آنکھوں سے دور ہو جاؤ۔ گم ہو جاؤ کہیں ہمیشہ کے لیے....
اب کبھی میرے سامنے مت آنا۔

جمال: مگر تمکین میں....

تمکین: میں نے تمہیں معاف کیا۔ تم بھی مجھے معاف کر دو۔ چلے جاؤ یہاں سے کہیں۔

(تمکین جاتی ہے جمال کا REACTION)

سین نمبر ۱۰

(جہانگیر کا شہری گھر)

جہانگیر: (شہباز کی طرف مڑتے ہوئے) پولیس میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی پتر۔ اس کا انتظام میں کر لوں گا۔

شہباز: لیکن بابا سائیں۔ وہ حویلی کی تلاشی لینے آئے تھے۔

جہانگیر: کہا ہے نا پتر۔ اس کا بندوبست میں کر لوں گا۔ مجھے خطرہ ہے تو رفیق کی طرف سے۔ مجھے نہیں پتہ تھا کہ میں
سانپ کو اپنی ہی آستین میں پال رہا ہوں.... اندھیرے کے تیر سے بچاؤ ذرا مشکل ہوتا ہے پُتر۔

شہباز: آپ دفع کریں اس کو بابا سائیں۔

جہانگیر (ہنس کر) پتر یہ دفع کیسے کریں۔ شکار میں کبھی کبھی خطرہ تو ہو جاتا ہے نا۔ جنگل چھوڑ تو نہیں دیتے پُتر۔ میرے
بندے کر رہے ہیں اس کا پتہ۔ اس کا پتہ کر رہے ہیں پتر۔ ہو جائے گا اس کا کام بھی۔

شہباز: مگر بابا سائیں۔ احمد علی صاحب۔

جہانگیر: باری باری پتر۔ باری باری کرتے ہیں ہر کام۔ ترتیب اور سلیقے سے۔ رفیق کا بندوبست زیادہ ضروری ہے۔ زخمی شبیر کو زندہ نہیں چھوڑنا چاہیئے پتر۔ تنگ کرتا ہے۔ احمد علی تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ وہ تو میری مٹھی میں ہے۔

شہباز: لیکن بابا سائیں۔ آپ یہ سب کچھ کیوں کر رہے ہیں۔ کیا ضرورت ہے آخر۔۔۔

جہانگیر: (مڑ کر سرد نظروں سے اس کی طرف دیکھتا ہے) تم جاؤ پتر۔ تمہاری پڑھائی کا حرج ہو رہا ہو گا۔ اور اب ادھر نہیں آنا۔ جب تک میں نہ کہوں۔ جاؤ۔ شاباش۔

(شہباز چند لمحے رکنے کی کوشش کرتا ہے۔ پھر باہر نکل جاتا ہے۔ جہانگیر سوچ میں پڑ جاتا ہے۔)

سین نمبر ۱۲

جہانگیر کا گھر

(کیمرہ پٹرول اور تیل کے چند ڈبوں سے PAN کرتا ہوا جہانگیر کے آدمیوں پہ اور پھر جہانگیر پہ آتا ہے)

جہانگیر: ریاست۔

ریاست: جی سائیں۔

جہانگیر: اور کوئی تو نہیں تھا اس کے ساتھ۔

ریاست: نہیں سرکار۔ سلامت تھا۔ وہ کہیں چلا گیا ہے۔

جہانگیر: ٹھیک ہے۔ جاؤ پتر۔ باہر نہیں نکلنا چاہیئے اسے۔ جلدی کرو شاباش۔

ریاست: آپ فکر نہ کریں سائیں۔ آپ کے حکم کی تعمیل ہو گی۔ اوئے کرم الٰہی۔ اٹھاؤ انہیں۔

(جہانگیر کے آدمی ڈبے اٹھاتے ہیں ایک ڈبہ گرتا ہے۔ تیل باہر بہہ جاتا ہے جہانگیر ایک دم پیچھے ہٹتا ہے۔ آدمی گھبرا کر اس کی طرف دیکھتا ہے چادر سے اسے صاف کرنے لگتا ہے۔)

جہانگیر: اسے چھوڑ دو۔ کوئی اور کرے گا۔ تم جاؤ۔۔۔

(آدمی ڈبے اٹھا کر جاتے ہیں۔ جہانگیر انہیں جاتے ہوئے دیکھتا ہے۔ سنگدلی سے مسکراتا ہے۔ سگار کا کش لے کر مڑتا ہے۔ اندرونی دروازے میں تاجدین ہاتھ جوڑے کھڑا ہے۔ جہانگیر ایک لمحے کے لیے چونکتا ہے۔)

کیوں آئے ہو۔

تاجدین: (ہاتھ جوڑتے ہوئے) مجھے معاف کر دو سائیں۔ بخش دو مجھے۔ میں تم سے نہیں بھاگ سکتا۔

جہانگیر: اب پتہ چلا ہے تمہیں ؟

تاجدین: نہیں سائیں۔ شروع سے پتہ تھا۔

جہانگیر: تو کیوں بھاگے تھے پھر....

تاجدین: وہ۔ سائیں۔ وہ مجھے۔ مارنے کے لیے لے جا رہے تھے۔

جہانگیر: کس کے حکم سے۔

تاجدین: آپ کے حکم سے سائیں۔

جہانگیر: تو پھر اب کیا لینے آئے ہو میرے پاس۔ میں تو حکم دے چکا ہوں۔

تاجدین: وہ حکم واپس لے لو سائیں۔ آپ حکم دو گے تو میں رفیق اور اس کے ساتھی دونوں کو قتل کر دوں گا۔

جہانگیر: اس کے لیے میں تیرا محتاج نہیں ہوں تاج دین۔ بندے ہیں میرے پاس اس کام کے لیے۔

تاجدین: مجھے پتہ ہے سائیں۔

جہانگیر: پھر۔

تاجدین: آدمی سے غلطی ہو جاتی ہے سائیں۔ مجھے اس کی بہت سزا مل چکی ہے۔ میرے بچے یتیم ہو جائیں گے سائیں۔

جہانگیر: بچوں کو تو ایک نہ ایک دن یتیم ہونا ہی ہوتا ہے پتر۔ کون رہا ہے۔ سدا اس دنیا میں۔ موت تو برحق ہے پتر۔ تم بھاگ لو جتنا بھاگ سکتے ہو۔

تاجدین: میں بھاگ بھاگ کر تھک گیا ہوں سائیں۔ اور نہیں بھاگا جاتا۔ مجھے معاف کر دو۔

جہانگیر: (دراز سے ریوالور نکال کر اس کی طرف مڑتا ہے) تمہیں پتہ ہے پتر۔ میں بات منہ سے نکال کر واپس نہیں لیا کرتا۔ میرا اصول ہے یہ۔

تاجدین: (شدید خوف سے) میں تمہارے پاؤں پڑتا ہوں سائیں۔

(جہانگیر فائر کرتا ہے۔ تاجدین جھٹکے سے پیچھے کی طرف گرتا ہے)

جہانگیر: (اپنے نشانے پر مسکراتا ہے) میں نے کہا تھا نا۔ پتر، وجود کی بے حرمتی نہیں کرنی چاہیئے۔ صرف ایک زخم لگنا چاہیئے۔ چھوٹا سا۔ خوبصورت اور کاری۔

(تاجدین چند لمحے بے اعتباری سے اس کی طرف دیکھتا ہے۔ گھٹنوں کے بل اٹھتا ہے)

تاج دین: تم نے مجھے مار دیا سائیں۔ (بڑبڑاتا ہے) مار دیا تم نے مجھے۔ (ایک دم چیخ کر جہانگیر پر جھپٹتا ہے) سائیں۔

(جہانگیر اس کے حملے سے بچنے کے لیے پیچھے ہٹتا ہے۔ سگار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دہکتا ہوا گرے ہوئے پٹرول کی طرف جاتا ہے۔ جہانگیر سنبھلنے کی کوشش کرتا ہے۔ سگار تیل کو چھوتا ہے ایک شعلہ لپکتا ہے جس کے پیچھے جہانگیر کا حیرت زدہ

چہرہ اُبھرتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں ایک بے اعتباری سی آتی ہے۔ اپنے مخصوص
انداز میں مسکراتا ہے۔ وہیں اس کا چہرہ FREEZE ہو جاتا ہے)

سین نمبر ۱۳

آؤٹ ڈور

(جہانگیر کے آدمی جیپ میں سوار ہو رہے ہیں۔ ریاست اگلی سیٹ پر بیٹھتا ہے مڑتا
ہے ایک دم اس کے چہرے پر حیرت کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔)

ریاست : آگ۔

کٹ کر کے عمارت کے جلتے ہوئے ماڈل پر آتے ہیں جو شعلوں کی زد میں ہے۔ ریاست
نیند کے سے عالم میں جیپ سے اتر کر کیمرے کی طرف آتا ہے۔ بڑبڑاتا ہے)

ریاست : سائیں۔ (آنکھوں پر ہاتھ رکھتا ہے)

سین نمبر ۱۴

رفیق کا ڈیرا۔

(سعیدہ اور اختر قدرے EXCITED انداز میں آتے ہیں۔ ڈیرا خالی ہے چاروں
طرف دیکھتے ہیں)

اختر : رفیق صاحب۔

سعیدہ : کہاں گیا وہ — رفیق۔ رفیق صاحب۔ رفیق صاحب۔
(بے چینی سے چاروں طرف دیکھتی ہے
میں نے کہا بھی تھا کہ....

(ایک دم اندرونی دروازے کو کھلتے ہوئے دیکھ کر رکتی ہے۔ رفیق دروازے میں
خاموش کھڑا ہے۔ اس کے پیچھے سلامت ہے اختر ان کی طرف بڑھتا ہے)

اختر : (اطمینان کا سانس لیتے ہوئے) اوہ ہم تو گھبرا ہی گئے تھے....

سلامت : (آگے آتے ہوئے) السلام علیکم باجی جی۔ کیا حال ہے یار باؤ۔

اختر : تمہاری دعا ہے سلامت۔ آپ کے لیے ایک خوشخبری ہے رفیق صاحب۔

سعیدہ : (بچوں کی طرح جلدی سے بات کرتی ہے) سردار جہانگیر جل کر مر گیا ہے۔ (رفیق اثبات میں سر ہلاتا ہے
سعیدہ حیرت سے) آپ کو پتہ لگ گیا ہے!

رفیق : جی ہاں۔ آپ نے مجھے اس سے دور رہنے کو کہا تھا۔ غافل رہنے کو تو نہیں۔

(سعیدہ لاجواب سی ہو کر خوانخواہ مسکرا دیتی ہے رفیق ایک دھاگے کو انگلیوں میں بار
بار لپیٹتے اور کھولتے ہوئے بولتا ہے)

بیٹھیں نا آپ لوگ۔

اختر : نہیں رفیق صاحب۔ ہم دراصل یہی بتانے آئے تھے۔

سلامت : لو جی، یہ کیسے ہو سکتا ہے.... کچھ نہ کچھ تو ہونا چاہیئے..... آپ بتائیں باجی جی۔ پیڑوں کی لسی پیش کروں۔

سعیدہ : (حیرت سے) کیا۔

سلامت : (ہاتھوں سے لسی بنانے کا سٹائل بناتا ہے) پیڑوں کی لسی.... پیڑے نہیں پتہ آپ کو۔ (سعیدہ نفی میں سر ہلاتی ہے) وہ جو ہوتے ہیں۔ کھوئے کے گول گول.... دودھ یا دہی میں ڈال کے بناتے ہیں اس کو.... بڑی اعلیٰ نسل کی چیز ہے.... بڑی نیند آتی ہے اس کے بعد۔

اختر : (ہنستے ہوئے) یار سلامت ایک تو تجھے ہر وقت کچھ نہ کچھ کھانے کی پڑی رہتی ہے۔

سلامت : تم مت بولو یار بیچ میں۔ میں باجی جی سے پوچھ رہا ہوں۔ تم ایسے ہی خواہ مخواہ....

سعیدہ : نہیں سلامت بھائی، شکریہ۔ اب ہم چلیں گے۔ (رفیق سے) آپ آیئے نا کسی وقت۔ ابو بھی پوچھ رہے تھے آپ کو۔

رفیق : (آزردگی سے مسکراتے ہوئے) انہیں میرا سلام کہیئے گا.... زندگی رہی تو انشاء اللہ ضرور حاضر ہوں گا.... لیکن ہو سکتا ہے اس وقت تک انہیں میرا نام بھی بھول چکا ہو —

سعیدہ : کیا۔ کیا مطلب۔

سلامت : (گلے کے انداز میں) آپ ہی اس کو سمجھائیں باجی جی.... میری تو آندریں جواب دے گئی ہیں بحث کر کر کے — اُستاد — خود کو پولیس کے حوالے کر رہا ہے۔

اختر + سعیدہ : (حیرت سے) کیا؟

سلامت : سامنے کھڑے ہیں۔ پوچھ لیں آپ۔

رفیق : ہاں اختر۔ سردار جہانگیر کی موت کے بعد اب میرا اس ڈیرے کو چلانے کا کوئی جواز نہیں رہا۔

اختر : تو آپ چھوڑ دیں اسے۔ کوئی اچھا.... کام کریں۔

رفیق : کروں گا۔ کروں گا۔ مگر باہر آ کر۔

سلامت : پھر وہی بات.... (اختر کو مخاطب کرتے ہوئے) دیکھو یار باؤ، اب جبکہ ہم یہ سارے غلط قسم کے کام چھوڑ رہے ہیں۔ شریف شہری بننے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ تو کیا یہ کافی نہیں ہے۔ (اختر اثبات میں سر ہلاتا ہے) تو سمجھاؤ پھر ان کو۔

(اُستاد کی طرف اشارہ کرتا ہے)

رفیق : یہ بات نہیں ہے سلامے۔ شریف آدمی بننے کے لیے مجھے وہ سارے بوجھ اپنی گردن سے اتارنے ہوں گے جو میں نے ان بارہ سالوں میں جمع کیے ہیں۔ وہ سارے جرائم اور غیر قانونی کام جو میں کرتا رہا ہوں اُن کا

کفارہ ادا کیے بغیر مجھے۔

(اختر اور سعیدہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ سعیدہ چونک کر اس کی طرف دیکھتی ہے۔)

ان لوگوں کے ساتھ کھڑے ہونے کا کوئی حق نہیں۔ میں کھڑا ہو ہی نہیں سکتا۔

سلامت: پر وہ کام تم نے اپنی خوشی سے تو نہیں کیے تھے۔

رفیق: (زور دیتے ہوئے) کیے تو تھے نا۔ قانون تو توڑا تھا نا۔ نقصان تو پہنچا ہے نا لوگوں کو میری وجہ سے۔

سلامت: وہ تو ٹھیک ہے پر.... انصاف بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔

رفیق: انصاف ہی کے لیے تو میں یہ سب کر رہا ہوں سلامے۔

اختر: مگر استاد۔ سلامت بھی ٹھیک کہہ رہا ہے.... بارہ سال میں جو تم پر گزری ہے یہ کم سزا تو نہیں۔

رفیق: نہیں۔ اختر باؤ۔ نہیں۔ (سعیدہ کی طرف دیکھتا ہے) میں ٹھیک کر رہا ہوں نا سعیدہ بی بی۔

سعیدہ: (پریشانی میں) ہاں۔ رفیق صاحب....

اختر: (احتجاج آمیز انداز میں) یہ کیا کہہ رہی ہو۔

(سعیدہ کوئی جواب نہیں دیتی۔)

رفیق: ضمیر پر بوجھ لے کر آزاد رہنے سے چند سال کی جیل کاٹ لینا، بڑا سودا نہیں ہے اختر با.... (جاتے جاتے رکتا ہے) پھر تم بھی کسی جھجک کے بغیر مجھے اپنا دوست کہہ سکو گے.... کہو گے نا.... (اختر اثبات میں سر ہلاتا ہے) اچھا سعیدہ بی بی۔ خدا حافظ۔

سعیدہ: خدا حافظ

سلامت: (بے چینی سے آگے آتے ہوئے) کمال کرتے ہو یار استاد جی۔ تمہارا خیال ہے۔ ہمارا کوئی ضمیر نہیں ہے.... ہمارے اوپر کوئی بوجھ نہیں۔ اگر تم نے جیل کی دال روٹی کھانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ تو میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا.... (سعیدہ سے) انسانیت بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔

(دونوں جاتے ہیں رفیق چند لمحے دروازے میں رک کر سعیدہ کی طرف دیکھتا ہے)

سین نمبر ۱۵

احمد علی کا گھر

(احمد علی آہستہ آہستہ چل رہا ہے۔ سب لوگ، اس کی حرکت، خوش نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔)

فقیر حسین: ذرا آہستہ۔ ڈاکٹر صاحب نے پچاس قدم چلنے کو کہا تھا۔ نہیں کہا تھا کہ تیز گام کی طرح چلنا ہے۔

(سب ہنستے ہیں)

احمد: آج میں اتنا خوش ہوں کہ جی چاہتا ہے۔ پیدل ساری دنیا میں گھوم جاؤں۔

نیلم: (شرارت آمیز انداز میں) مگر کراچی سے آگے تو سمندر شروع ہو جاتا ہے ابو۔

سلمیٰ: (محبت سے) بہت بدتمیز ہوتی جا رہی ہو تم۔

اختر : جی۔ بالکل۔

نیلم : آپ تو مت بولا کریں بیچ میں۔

احمد : کیوں نہیں بولے گا یہ..... بلکہ ہم تو ایسا انتظام کر رہے ہیں کہ تم اس کے سامنے بول ہی نہ سکو۔ کیوں سلمیٰ۔

سلمیٰ : یہ پھر بھی باز نہیں آئے گی۔

احمد : کیوں۔ ماں سے کچھ نہیں INHERIT کیا اس نے

سلمیٰ : کیا؟

احمد : میرا مطلب تھا تم سے کچھ نہیں سیکھا اس نے۔

سلمیٰ : اچھا۔

فقیر حسین : کیا تم دونوں میری بیٹی کے پیچھے پڑ گئے ہو۔ ادھر آؤ بیٹی۔ تم میرے پاس آؤ۔

(نیلم حیرت سے سب کی طرف دیکھتی ہے۔ ایک دم ان کا مطلب سمجھ کر شرماتی ہے۔ اندر کی طرف بھاگ جاتی ہے۔ سب ہنس پڑتے ہیں۔)

احمد : میرا خیال ہے، بھائی فقیر حسین۔ اب جبکہ اللہ نے ہم سب پر مہربانی کر دی ہے تو میں تم سے بھی کچھ مانگ ہی لوں۔

فقیر حسین : (مسکراتے ہوئے) جو مانگنا ہو سیدھی طرح مانگنا۔ جھگڑنا نہ دینا پہلے کی طرح۔

احمد : نہیں فقیر حسین۔ اب ایسا نہیں ہوگا۔ اب میں۔ خیر چھوڑو اسے۔ سعیدہ بیٹی۔ ذرا یہاں آنا۔

(سعیدہ چونک کر اس کی طرف دیکھتی ہے)

تم بھی آؤ خالد بیٹا۔

خالد : جی۔ (اٹھ کر اس کے پاس بیٹھتا ہے) یہاں آؤ بیٹی میرے پاس۔

سعیدہ : میں ٹھیک ہوں چچا جان۔

احمد : ارے نہیں بھئی۔ نہیں پتہ نہیں میں تمہیں یہاں کیوں بلا رہا ہوں۔ کیوں فقیر حسین۔

(مسکرا کر اس کی طرف دیکھتا ہے فقیر حسین پہلے مسکراتا ہے پھر غور سے سعیدہ کی طرف دیکھتا ہے)

فقیر حسین : کیا بات ہے سعیدہ بیٹی۔

سعیدہ : (اٹکتے ہوئے) ابو چچا جان۔ مجھے جب یہ... اپنے پاس بُلا رہے ہیں۔ میں۔ وہ۔ میں نہیں کر سکتی۔

سلمیٰ : (حیرت سے) مگر بیٹی۔ خالد اور تم تو...

احمد : ہاں بیٹی تم دونوں تو......

سعیدہ : اس وقت اور بات تھی چچا جان.... میں... دراصل۔

فقیر حسین : (حیرت سے) خالد کو تو تم بہت پسند کرتی ہو۔ بیٹی۔

سعیدہ : خالد بہت اچھے ہیں ابو۔ بہت اچھے۔ مگر۔ آپ کہا کرتے ہیں نا ابو۔ کہ دوسرے کے لیے کچھ کرنا ہو تو اپنے آپ کو مارنا پڑتا ہے۔ اپنے اندر سے اپنے حصے سے کچھ کاٹ کر اُسے دینا پڑتا ہے۔

فقیر حسین : ہاں۔ ہاں۔ بیٹی۔

سعیدہ : میں نے بھی یہی سوچا ہے ابو۔ ہم سب کے پاس سب کچھ ہے۔ آرام۔ سکون۔ آ... خوشی۔ محبت۔ لیکن ایک شخص ایسا ہے ابو جس کے پاس ان میں سے ایک بھی چیز نہیں۔ بالکل اکیلا ہے وہ۔

فقیر حسین : (حیرت سے) کس کی بات کر رہی ہو بیٹی۔

اختر : (چند لمحے سعیدہ کے تذبذب کو دیکھتا ہے اور ایکدم آگے بڑھتا ہے) رفیق۔ تم رفیق کی بات کر رہی ہو نا۔ (سعیدہ اثبات میں سر ہلاتی ہے) مگر سعیدہ... رفیق۔

سعیدہ : تم تو اسے جانتے ہو اختر۔ ہم سب سے زیادہ جانتے ہو وہ پڑھا لکھا نہیں۔ شکل سے گنوار لگتا ہے۔ اس کا ماضی داغ دار ہے۔ مگر یہ سب کچھ اسی کی اپنی مرضی سے نہیں ہوا۔ اتنی اذیت اور تکلیف دیکھنے کے باوجود اگر کسی آدمی کے اندر انسان زندہ رہے تو اس کی مدد کرنی چاہیے۔ اختر۔ حفاظت کرنی چاہیے اس کی۔

اختر : ہاں۔ یہ۔ تو ٹھیک ہے۔

احمد : کون ہے یہ رفیق۔

عابد : ڈیڈی۔ یہ وہی ہے جس نے مجھے سردار جہانگیر کی قید سے نکالا تھا۔

سلمیٰ : کیا کرتا ہے۔

خالد : وہ جو بھی کرتا ہے امی۔ اگر سعیدہ کو پسند ہے تو ہم میں سے کسی کو اس کے رستے میں نہیں آنا چاہیے۔ وہ اپنے بارے میں بہتر فیصلہ کر سکتی ہے۔

سعیدہ : شکریہ۔ خالد۔

عابد : مگر سعیدہ وہ تو... اختر بتا رہا تھا کہ HE IS UNDER ARREST (سعیدہ اثبات میں سر ہلاتی ہے) تو... میرا مطلب ہے۔

سعیدہ : کسی اور کو ہو نہ ہو ہمیں تو پتہ ہے عابد کہ اس نے جو کچھ کیا۔ کیوں کیا تھا۔ اگر ایک گنہگار توبہ کر لے۔ کفارہ ادا کر دے اپنے جرموں کا۔ سزا بھگت لے اپنی غلطی کی۔ تو کیا اس کے بعد بھی معاشرہ اسے قبول نہ کرے۔

احمد : کیوں نہیں کرے بیٹی۔ مگر اس کے لیے کہ تم... تم کیوں۔

سعیدہ : اس لیے چچا جان کہ اس تصویر کا یہ رخ صرف ہم لوگوں نے دیکھا ہے اگر ہم اسے معاف نہیں کریں گے تو باقی دنیا کیسے کرے گی۔

(فقیر حسین کی طرف دیکھتی ہے)

میں نے ٹھیک کہا ہے نا ابو۔

فقیر حسین: (سعیدہ کو سینے سے لگاتا ہے) تم نے بہت اچھا سوچا ہے بیٹی۔ لیکن اگر تم نے اسے سہارا دینے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے۔ تو اُسے کبھی یہ احساس نہ ہونے دینا کہ تم نے اس پر رحم کھا کر اُسے قبول کیا ہے۔ احسان کے اظہار سے اس کی برکت زائل ہو جاتی ہے بیٹی۔

سعیدہ: مجھے اس کا احساس ہے ابو۔ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔

سلمیٰ: (اس کو پیار سے تھپکتی ہے) خدا تمہیں خوش رکھے بیٹی۔ تمہاری ماں بھی تمہاری طرح بڑے اچھے خیالوں والی عورت تھی۔

سعیدہ: (روتے ہوئے باپ کے سینے سے لگتی ہے) مجھے شاید یہ بات اس طرح نہیں کرنی چاہیئے تھی۔ ابو۔ مجھے معاف کر دیجئے۔

فقیر حسین: ارے۔ نہیں۔ نہیں۔ نہیں بیٹیا۔ یہ تو حق ہے تمہارا۔ اللہ رسول نے دیا ہے تمہیں یہ حق اور پھر انسان اگر انسان کے کام نہیں آئیں گے تو یہ دنیا آگے کیسے چلے گی۔

(سعیدہ درمیان میں اور فقیر حسین اور اختر اس کے دائیں بائیں ایسے انداز میں کھڑے ہوتے ہیں جیسے تینوں کیمرے کی طرف بڑھ رہے ہوں۔ زوم کے ذریعے ایسا تاثر دیا جاتا ہے جیسے وہ آگے کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ INTER CUTTING میں کھلا دروازہ اور خالی دہلیز دکھاتے ہیں تینوں پر CUT BACK کرتے ہیں۔ اور وہیں STOP FRAME کرتے ہیں۔)

ختم شد

کُچھ مُصنّف کے بارے میں

نام : امجد اسلام امجد
تاریخِ پیدائش : ۴ راگست ۱۹۴۴ء
تعلیم : ایم۔ اے ـــــ اُردو
ملازمت : ۱۵ ر ستمبر ۱۹۶۸ء تا ۲۰ راگست ۱۹۷۵ء
(استاد شعبۂ اردو۔ ایم۔ اے۔ او کالج۔ لاہور)
۲۰ راگست ۱۹۷۵ء تا ۲۰ راگست ۱۹۷۹ء
(ڈپٹی ڈائرکیٹر۔ پنجاب آرٹ کونسل۔ لاہور)
۲۰ راگست ۱۹۷۹ء تا حال
(استاد شعبۂ اردو، ایم۔ اے۔ او کالج۔ لاہور)
مستقل پتہ : ۶۵۔ فلیمنگ روڈ۔ لاہور

امجد اسلام امجد کی تصنیفات

برزخ ـــــ نظمیں ۱۹۷۴ء
عکس ـــــ فلسطینی نظموں کے منظوم تراجم (انعام یافتہ) ۱۹۷۶ء
ساتواں در ـــــ نظمیں ـ غزلیں ۱۹۷۸ء
وارث ـــــ ٹی وی ڈرامہ ۱۹۸۰ء
کالے لوگوں کی روشن نظمیں ـــــ نیگرو نظموں کے تراجم (زیر طبع) ۱۹۸۰ء
دہلیز ـــــ ٹی وی ڈرامہ ۱۹۸۱ء
نئے پرانے ـــــ کلاسیکی شاعری کا انتخاب اور تنقید (زیر ترتیب) ۱۹۸۱ء
خواب جاگتے ہیں ـ ٹی وی ڈرامے (زیر ترتیب) ۱۹۸۱ء
۹ ـــــ شعری مجموعہ (زیر ترتیب) ۱۹۸۱ء